مجموعۂ قوانین

اسلام

جلد پنجم

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

مجموعۂ قوانینِ اسلام

جلد پنجم

قانونِ وراثت

مؤلفہ

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

ایم اے ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ایڈووکیٹ

اعزازی مشیر قانون

شائع کردہ

ادارہ تحقیقات اسلامی، حکومت پاکستان

یکے از مطبوعات ادارۂ تحقیقات اسلامی، پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵، اسلام آباد

مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی

نمبر 40 : 3

ادارہ تحقیقات اسلامی، پوسٹ بکس نمبر 1035، اسلام آباد

اشاعت اول 1978 ، طبع دوم 1985 ، طبع سوم 1991
طبع چہارم ۱۹۹۸ء ، طبع پنجم ۲۰۰۵ء ، طبع ششم ۲۰۱۰ء

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارہ تحقیقات اسلامی
کوائف فہرست سازی دوران طباعت

تنزیل الرحمن ، 1928-
مجموعہ قوانین اسلام۔ جلد پنجم : قانون وراثت۔
(ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۔ سلسلہ
مطبوعات نمبر 40 : 3)
کتابیات : ص 1993 — 2007
اشاریہ : ص 2008 — 2012
1 ۔ فقہ اسلامی 2 ۔ وراثت (اسلام)
الف ۔ عنوان ب ۔ سلسلہ

340. 59 dc 20 ج5 طبع ششم ۲۰۱۰ء ISBN 969 - 408 - 045 - 2

طابع و ناشر ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد
مطبع ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد

انتساب

میں اپنی اس حقیر تالیف کو

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال بار ایٹ لا علیہ الرحمہ

کے صد سالہ جشن ولادت کی تقریب کے یادگار موقع پر ان کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں علامہ صاحب نے فرمایا تھا :

''ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے سیادت انسانی کے لئے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیات سے فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے، نیز جو قواعد عبادات یا معاملات سے متعلق (بالخصوص مؤخرالزکر سے متعلق) دیگر اقوام میں اس وقت مروج ہیں، ان پر قرآنی نقطۂ نگاہ سے تنقید جائے اور دکھایا جائے کہ وہ بالکل ناقص ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نوع انسانی کبھی سیادت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی ۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے ''جورس پروڈنس،، پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا، وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا ۔،،

۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء، علامہ کے ایک خط سے اقتباس

فہرست مندرجات

چونتیسواں باب

عول

پینتیسواں باب

حمل، مفقود، اسیر، ولد الزنا، ولد الملاعنہ اور خنثیٰ کی میراث

چھتیسواں باب

موانع میراث

سینتیسواں باب

حجب و حرمان

اڑتیسواں باب

مناسخہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفے چند

ادارۂ تحقیقات اسلامی سے متعلق ابتدائی مجلس تنظیمی کی منظور کردہ قرار داد جس کا ایک رکن میں بھی تھا (اپریل ۱۹۷۸ع کا فکر و نظر ملاحظہ ہو) اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے پہلے آئین کی رو سے ، ادارے کا مقصد تاسیس ، صحیح اسلامی خطوط پر معاشرے کی تشکیل جدید میں مدد دینا قرار پایا ۔ اس مقصد کے لئے اس وقت ادارے میں تقریباً ۱۲ یونٹ کام کر رہے ہیں جن میں ایک لاء یونٹ اپنی اہمیت کے باعث شروع ہی سے قائم ہے اس لئے ادارے کی مجموعی کارکردگی میں اس کا ایک وقیع حصہ ہے ۔ ادارے کے باقاعدہ ریسرچ اسٹاف میں متعدد اسکالروں نے ، جو فقہ اسلامی اور قانون سے دلچسپی رکھتے ہیں اس شعبہ میں قابل قدر کام کیا ہے ۔ ادارے کی مطبوعات میں ان کی لکھی ہوئی ایسی متعدد کتابوں کے نام نمایاں ہیں جو قانون ، فلسفہ ، فقہ ، اصول فقہ ، اور عام اسلامی قوانین سے متعلق ہیں ۔ بعض کتابیں قانون اسلامی کے مصادر و مآخذ پر بھی مرتب ہو چکی ہیں ۔

ادارہ باقاعدہ طور پر لاء یونٹ کیلئے وقتاًفوقتاً ایسے وکلاء کی خدمات بھی حاصل کرتا رہا ہے جنہیں اس کام سے دلچسپی تھی اور جو اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے باعث ادارے کی باقاعدہ ملازمت اختیار نہیں کر سکتے تھے ان کی خدمت میں اعزازیہ پیش کیا جا رہا تھا ۔ اس حیثیت سے ادارے کے ساتھ وابستہ ہونے والوں میں ڈاکٹر تنزیل الرحمن ایڈوکیٹ کا نام نمایاں ہے ۔ جنہیں ۱۹۶۴ع میں مجموعہ قوانین اسلامی مرتب کرنے کا منصوبہ تفویض کیا گیا ۔ ۱۹۶۸ع تک ڈاکٹر صاحب موصوف تن تنہا کام کرتے رہے اور تین جلدیں مکمل کر لیں ۔ بعد ازاں کام کی وسعت اور پھیلاؤ کے پیش نظر ادارہ کے انوسٹی گیٹر سابق شیخ الحدیث مولانا مفتی امجد علی صاحب کو جزء وقتی طور پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ۔ مفتی صاحب جون

۱۹۷۵ع تک ادارہ کی دیگر مفوضہ خدمات کے علی الرغم ڈاکٹر صاحب موصوف کے ساتھ بھی جزء وقتی طور پر کام کرتے رہے۔ ھمیں افسوس ہے کہ پیرانہ سالی کے سبب مفتی صاحب ادارہ سے علیحدہ ھو گئے اور جولائی ۱۹۷۵ع سے پھر ڈاکٹر صاحب کو سارا بوجھ خود ھی اٹھانا پڑا اور وہ خود ھی اس عظیم منصوبہ کی تکمیل کی طرف رواں دواں ھیں ۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمن نے گذشتہ پندرہ سال میں نے اپنے طویل منصوبے کا آدھے سے زیادہ حصہ مکمل کر لیا ہے ۔ یہ بات لائق تحسین ہے کہ وہ مستقل مزاجی کے ساتھ مفوضہ منصوبے کی تکمیل میں مصروف ھیں ۔ تقریباً دس جلدوں میں یہ منصوبہ مکمل ہوگا ۔ یہ اس منصوبے کی پانچویں جلد ہے جو اسلامی قانون وراثت سے متعلق ہے ۔ امید ہے کہ پہلے کی چار جلدوں کی طرح اس جلد کا بھی خیرمقدم کیا جائے گا ۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمن نے ادارے کے لئے جو کام کیا ہے اس کے پیش نظر وہ ادارے کی طرف سے ہر طرح کی ستائش بلکہ مبارکباد کے مستحق ھیں ۔ ان کے کام سے ادارے کو جو شہرت اور نیک نامی مل رھی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا قدر ناشناسی ھوگی ۔ پانچویں جلد کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے کی چھٹی جلد مکمل کر لی ہے ۔ جو عنقریب پریس جانے والی ہے ۔

عبدالواحد ھالے پوتا
ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی
۱۲ ، جنوری ۱۹۷۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

(حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم پاکستان)

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

پاکستان دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت جو اسلام ھی کے نام پر بنی اس مین اسلامی دستور، اسلامی قانون، اس کے ھر شعبہ زندگی مین اسلامی شعائر کی سر بلندی، عدل و انصاف، امانت و دیانت، ھر طرف امن و امان اور سکون و اطمینان، جو صحیح اسلامی نظام کے لوازم مین سے ھے، یہ وہ شیرین خواب ھے جو پاکستان بننے سے پہلے دیکھا تھا۔ بظاھر اسباب اس کے بننے کا کوئی امکان نہ تھا۔ انگریز ھندو سکھ سبھی اس کے مخالف تھے۔ اور پاکستان کے تصور کو ایک ھذیان اور احمقانہ تمنا کہتے تھے۔

مگر حق تعالی کی قدرت قاھرہ نے سب دشمنان پاکستان کے علی الرغم سب سے بڑی اسلامی سلطنت کو وجود عطا فرما دیا۔ اور دشمن دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اس کے فوراً بعد ھندوؤں اور سکھوں کی غداری اور سہ فریقی معاھدہ کی خلاف ورزی سے پورے ملک مین کشت و خون کا بازار گرم ھو گیا۔ پاکستان کی حکومت ابھی اس مرحلے مین تھی کہ نہ اس کی فوج اس کے قبضہ مین تھی نہ خزانہ اور نہ دوسرے اسباب و وسائل۔ اس حال میں بننے کے بعد بھی پاکستان کی بقا، پھر ایک دوسرا معجزہ اسلام کا ظاھر ھوا۔ دشمنان پاکستان کو تو اللہ تعالے نے ھر مرحلے پر خائب و خاسر کر دیا اور پاکستان بنا۔ پھر باقی رھا، پھر بڑھا۔ اور اتنا بڑھا کہ تھوڑے ھی عرصہ مین اس نے دنیا کے نقشہ پر

اپنا حیرت انگیز اثر و رسوخ قائم کردیا۔ مگر افسوس جن کے ہاتھوں میں اس سب سے بڑی اسلامی حکومت کا نظام کار آیا انھوں نے خالق اور مخلوق سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے میں بڑی سستی و غفلت سے کام لیا۔ شکر نعمت ادا کرنے اور اسلامی نظام کو ہر شعبۂ زندگی میں رائج کرنے کے بجائے وہ دوسرے مشاغل میں لگ گئے، تا آنکہ اس میں کے مخلصین ایک ایک کرکے رخصت ہوگئے، اور زمام کار ایسے ہاتھوں میں آگئی جن کو نہ پاکستان سے کوئی دلچسپی تھی نہ اسلام سے۔ یہ طبقہ بھی اسلام اور سالمیت پاکستان کا نام لینے پر تو مجبور تھا۔ مگر اسلام کے نام کا صرف لیبل لگانے سے زیادہ کسی چیز کے لئے تیار نہ تھا۔

خدائے تعالی کی اس ناشکری کا نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسے عناصر غالب آگئے جو اس لیبل کے بھی قائل نہ تھے۔ انھوں نے کھل کر پاکستانی اور اسلامی نظریات کی مخالفت شروع کردی، علاقائی اور صوبائی عصبیتوں کے بتوں کو از سر نو زندہ کیا۔ پاکستان کے الیکشن انھی صوبائی اور لسانی بنیادوں پر کرائے جانے لگے۔ جس بت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اپنے مبارک قدموں میں کچل ڈالا تھا اور پھر اس سنت نبوی کا احیاء پاکستان کے مسلمانوں نے بناء پاکستان کے وقت کیا کہ ایک اسلامی قومیت کا جھنڈا لے کر اٹھے جس میں ہندی، سندھی، پنجابی، بنگالی پختون اور بلوچی کی کوئی تفریق نہ تھی۔ غرض ان سب بتوں کو توڑ ڈالا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ کچھ نئے پیدا ہو گئے اس نئے طبقہ نے ان ہی بتوں کو از سر نو زندہ کیا اور پورے پاکستان کو ان کی بھینٹ چڑھا دیا۔ پھر کب تک ناشکری و نافرمانی رنگ نہ لاتی!

حلم حق با تو مواساہا کند

چوں تو از حد بگذری رسوا کند

قہر خداوندی کا نتیجہ سامنے آگیا۔ اور ایسی ذلت آمیز شکست سے سابقہ پڑا کہ دشمن بھی ترس کھانے لگے۔ ایسی شکست کہ پوری اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، آدھے سے زیادہ ملک نہ صرف ہاتھ سے نکل گیا بلکہ ایک کمینہ دشمن کے قبضہ میں چلا گیا

ایک لاکھ کے قریب ہمارے بہادر سپاہی کفار کی قید میں سال بھر سے مظلومانہ زندگی گزار رہے ہیں۔

سب سے بڑے افسوس کی چیز یہ ہے کہ پاکستان کا یہ عروج و نزول اور نزول کے روح فرسا مناظر ہم سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس کے ہر منظر سے یہ صدا سنائی دیتی رہی کہ خدا تعالی سے غداری کرنے کی یہی سزا ہوتی ہے مگر ہماری آنکھیں اب بھی نہ کھلیں۔ ہم ابھی تک وہی چار قومی ترانے الاپتے ہیں اور (نظریہ) اسلام و پاکستان کے خلاف جدوجہد میں شب و روز لگے نظر آتے ہیں، بقول اقبال ــ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ان حالات میں پاکستان کے اندر اسلامی دستور، اسلامی قانون، اسلامی نظام کے الفاظ ایک درد دل بن کر رہ گئے ہیں۔ مگر انسان میں جب تک رمق حیات باقی ہے تدبیر و علاج نہیں چھوڑا جاتا۔

اس سارے فسانہ غم کے بعد احقر پھر پاکستان کے عوام اور حکام کو متنبہ کرتا ہے کہ اب بھی اگر ذلت سے نکلنے اور باقیماندہ پاکستان کے محفوظ رکھنے کا کوئی طریقہ ہے تو وہ، اللہ تعالی کی نافرمانیوں اور ناشکریوں سے توبہ اور جلد سے جلد پاکستان کو غیروں کی نقالی سے آزاد کرکے دستور، قانون اور عمل ہر لحاظ سے ایک سچا اسلامی ملک بنانا ہے۔ آئین پاکستان تو اس وقت بھی اس زمین بے آئین کا معرکہ بحث بنا ہوا ہے۔ دیکھئے کیسا اور کب بنتا ہے۔ رہا مسئلہ قانون کا تو اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جس ملک کا ستائیس سال میں آئین تیار نہ ہوسکا، تفصیلی قانون شریعت اسلام کے مطابق تیار ہونے میں کتنا زمانہ لگنا چاہئے۔ مگر ان سب چیزوں کے درمیان ملک میں کچھ ایسے افراد بھی موجود ہیں جو طوفانی آندھیوں سے نہیں گھبراتے اور مایوس نہیں ہوتے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اسلامی قوانین کی تدوین تو ہو جانی چاہئے تاکہ کسی وقت ملک میں اس کی تنفیذ مقدر ہو تو وقت زیادہ نہ لگے۔ اس کام کے لئے بعض اداروں نے بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا، کچھ افراد نے کام بھی شروع کیا۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ جم کر کام کرنے والے ہمارے محترم ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب ایڈوکیٹ ثابت ہوئے۔ انھوں نے مسلمانوں کے شخصی قوانین کی تدوین کا بیڑا اٹھایا اور پانچ جلدوں میں شخصی قوانین مرتب کردئیے۔ چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ پانچویں طباعت کے لئے تیار ہے۔ یہ عجائب اتفاق سے ہے کہ اس پوری تصنیف کے زمانے میں ڈاکٹر صاحب سے احقر کا تعلق کسی نہ کسی درجہ قائم رہا۔ اور اس پر مختلف دور گزرے۔ سب سے پہلے سنہ ۱۹۶۳ میں وہ میرے پاس جلد اول کا مسودہ لے کر دکھلانے اور تصدیق حاصل کرنے کے لئے تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب ڈاکٹر فضل الرحمن کی قیادت میں ادارہ تحقیقات اسلامی سے وابستہ تھے۔ اور ان کی جلد اول میں ڈاکٹر فضل الرحمن کا رنگ جھلکتا تھا۔ جو ہمارے نزدیک مستشرقین کے رنگ کی آمیزش لئے ہوئے تھا۔ اسلام کے متفق علیہ مسائل کو مختلف فیہ بنادینے کا ڈاکٹر فضل الرحمن نے بیڑا اٹھا یا تھا۔ قرآن نے جن چیزوں کو صراحتاً شدت سے حرام کیا ڈاکٹر فضل الرحمن نے ایک ایک کرکے سب میں بحثیں قائم کیں اور کم از کم یہ کارنامہ یہود و نصاریٰ کے خوش کرنے کا انجام دیا کہ عام لوگوں کی نظر میں ان مسائل کو مشکوک اور مختلف فیہ ثابت کردیں۔ پاکستان گورنمنٹ کا کروڑوں روپیہ خرچ کر کے ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے اپنی کارگزاری کی مدت میں اس سے زیادہ کوئی کام نہیں کیا۔

میں نے پہلی بار ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کی رفاقت کی بناء پر ایک شدید تاثر کی وجہ سے ان کی کتاب پر نظر کرنے کو اضاعت وقت سمجھ کر انکار کردیا۔ ڈاکٹر صاحب کچھ خفا ہوکر تشریف لے گئے۔ مگر اس کے بعد حق تعالیٰ کی مدد نے ان کی دستگیری فرمائی۔ انھوں نے اپنی فقہی استعداد بڑھانے کی طرف موثر قدم یہ اٹھایا کہ فقہ کی کتابوں کا صرف مطالعہ نہیں بلکہ ایک عالم سے باقاعدہ کتب فقہ و اصول فقہ پڑھ کر اپنی استعداد اور پختہ کی۔ آدمی ذہین ہیں مطالعہ کی محنت پہلے سے جاری تھی درسی تعلیم نے باقیماندہ کمی کو پورا کر دیا۔ تو اب ان کے حالات میں ایک نمایاں انقلاب آیا اسی کا اثر تھا کہ سنہ ۶۸ میں جب دوسری جلد مکمل ہوئی تو دوبارہ احقر کے پاس تشریف لائے ان کی اس بے نفسی اور اخلاص نے میرا بھی رنگ بدل دیا۔ میں نے دوسری جلد کو جستہ جستہ مختلف مقامات سے دیکھا۔ اور اس کے بعد سے اللہ تعالےٰ نے ان کو علم و عمل کے اس مقام پر پہنچادیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ان کو ڈاکٹر کے بجائے مولانا تنزیل الرحمن کہوں۔ اور کچھ بعید نہیں کہ وہ وقت آجائے کہ وہ اس مبارک لقب سے موسوم ہوں۔

سنہ ۷۲ء مین جب آپنے اس مجموعہ قوانین کی پانچویں جلد وصیت اور میراث کے مسائل پر لکھی تو موصوف نے کچھ اصرار کے ساتھ یہ چاہا کہ اس کا پیش لفظ احقر کی طرف سے ہو۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب کے علم و فہم اور حسن عمل کے اثر سے احقر ان کی فرمائش کو نظر انداز بھی نہ کرسکتا تھا مگر افسوس کہ اس عرصہ مین امراض کے تسلسل اور ضعف طبعی نے مجھے تقریباً کسی کام کا نہ چھوڑا۔ اس پر مزید یہ کہ جون سنہ ۷۲ء مین مجھے شدید ھارٹ اٹیک کا مرض پیش آیا جسنے زندگی کی توقعات تقریباً ختم کردی تھین۔ پھر اللہ تعالی نے اس سے شفا عطا فرمائی تو ضعف قوی کی کوئی حد نہ تھی مگر تنزیل الرحمن صاحب کے شغف نے احقر ناکارہ کو نہ چھوڑا یہان تک کہ انھین حالات مین ان کے ساتھ تقریباً دس بارہ مجلسین ہوئین۔ جن مین کتاب کا ایک بڑا اور معتدبہ حصہ احقر نے لفظاً لفظاً سنا اور باقی حصے کے اھم مباحث اختصار کے ساتھ سنے۔ ماشاءاللہ ھر مسئلے کو توضیح و تحلیل کے ساتھ کتب فقہ و حدیث کے حوالہ کے ساتھ خوب لکھا ہے۔ مین قانون کی زبان کو جناتی زبان کہا کرتا تھا مگر تنزیل الرحمن صاحب نے اس کی زبان بھی نہایت سلیس بنادی۔

ساتھ ھی ممالک اسلامیہ مین رائج الوقت متعلقہ قوانین کا ذکر بھی تقریباً استیعاب کے ساتھ کیا گیا۔ برصغیرھند و پاک کی اعلی عدالتوں کے بعض فیصلے بھی زیر تنقید آئے ھین۔ یہ سب کام بڑی محنت اور سلیقے اور کافی تحقیق و جستجو کے ساتھ کیا گیا ہے۔

محترم تنزیل الرحمن صاحب نے وصیت واجبہ کے موجودہ مصری قانون پر بھی اچھی تنقید کرکے امت کے اجماعی نقطہ نظر کو اختیار کیا ہے کہ وصیت کرنا غیر وارث کے لئے مستحب ہے واجب نہین اور یہ کہ وصیت بحق وارث شرعاً درست نہین۔ اس کا نفاذ سب وارثوں کی مرضی پر موقوف ھوتا ہے۔ اسی طرح یتیم ہوتے پوتیوں اور نواسوں نواسیوں کی میراث کے مسئلہ مین انھوں نے دور ایوبی کے بدنام زمانہ عائلی قوانین آرڈی نینس کی متعلقہ دفعہ پر بھرپور تنقید کرکے یہ بات ثابت کی ہے کہ آرڈی نینس مذکور کی یہ دفعہ قانون روما اور ھندو دھرم شاستر سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک اسلامی ملک کے لئے انتہائی شرمناک ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ اور معمول بہ حکم کی خلاف ورزی کرکے امت کو عیسائیوں اور ھندوؤں کے قانون کی پیروی پر مجبور کیا جائے۔ (احقر نے اس قانون کے

نفاذ کے ساتھ ہی ایوب خان صاحب کو ایک مکتوب کے ذریعہ متنبہ کیا تھا جس کا جواب انھوں نے عنایت فرمایا مگر عملاً کوئی قدم اصلاح کی طرف نہیں اٹھا یا)۔

ایک اصولی اختلاف

میری نظر میں اس کتاب میں ایک چیز ایسی ہے جس نے اس کی افادیت کو مجروح کر دیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ محترم تنزیل الرحمن صاحب اس چیز کو اپنی کتاب کا امتیازی وصف قرار دیتے ہوں۔ مگر میرے نزدیک یہ جدید انداز ریسرچ اور نام نہاد تحقیقات جدید کا ترکہ ہے جو غیر شعوری طور پر ان کے مزاج میں دخیل ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کتاب کے بہت سے مواقع میں ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب نے ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل کرنے کے بعد از روئے دلائل ان میں محاکمہ کر کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا بیڑا اٹھایا اور متعدد مسائل میں فقہ حنفی کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار فرمایا ہے۔

میرے نزدیک یہ کئی وجہ سے درست نہیں۔ اول یہ کہ آئمہ مجتہدین ابو حنیفہ و شافعی وغیرہ کے درمیان محاکمہ کرنے والا اگر علم و عمل اور شان اجتہاد میں ان سے بڑا نہ ہو تو کم از کم ان کا ہم پلہ تو ہونا چاہئے۔ اور کم از کم شرائط اجتہاد تو اپنے اندر رکھتا ہو۔

اور میں اس معاملہ میں اس صاف گوئی کو ضروری سمجھتا ہوں کہ نہ احقر خود اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہے اور نہ ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب کو یہ مقام دینے کی کوئی وجہ پاتا ہے۔

علماء حنفیہ فقہ حنفی کے مسائل کی ترجیح دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں جو پیش کرتے ہیں اس کی حقیقت اس سے زائد نہیں ہے کہ جس مسلک کو انھوں نے اختیار کیا ہے کوئی اس کو خلاف کتاب و سنت نہ سمجھے ورنہ ائمہ مجتہدین کے درمیان محاکمہ کا کسی غیر مجتہد شخص کو قطعاً کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس معاملہ میں دوسری بات قابل نظر یہ ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت حنفی المذہب ہے ان پر فقہ حنفی کا قانون نافذ کرنا تو خود ان کے اپنے مذہب کو نافذ کرنا ہے اس کے خلاف کسی دوسرے مذہب کا کوئی قانون ان پر عائد کرنے کا کسی کو بجز اس خاص صورت کے،

حق نہین ہے، جس کو فقہا نے وضاحت سے لکھ دیا ہے ۔ وہ یہ کہ کسی مسئلہ مجتہد فیہا مین حنفی مسلک پر عمل کرنا کسی حادثہ عامہ کے سبب مشکل ہوجائے ۔اور صورت اضطرار عام کی ہو، کوئی شخصی حادثہ نہ ہو۔ ایسی صورت مین خود فقہ حنفی کی رو سے کسی دوسرے امام مجتہد کے مسلک پر فقہاء حنفیہ کو فتوی دیدینے کا اختیار ہے اور حنفی المسلک عوام کے لئے اب وہ فقہ حنفی ہی کا ایک حکم ہونے کی حیثیت سے واجب العمل ہوجاتا ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اضطرار عام کے سبب کسی دوسرے مجتہد کے قول پر عمل تو مشائخ مذہب اختیار کرسکتے ہین لیکن قوت دلیل کی رو سے محاکمہ کرکے کسی دوسرے امام کے مسلک پر نہ خود عمل کر سکتے ہین نہ دوسروں کے لئے اس کا فتوی دے سکتے ہین ۔ اور اگر کوئی ایسا فتوی دے تو از روئے فقہ حنفی وہ فتوی غلط قرار دیا جائے گا۔ وجہہ یہ ہے کہ یوں تو ہر مسلمان کو اس کا حق ہے کہ ائمہ مجتہدین مین سے جس امام کے مسلک کو اپنی صوابدید یا سہولت عمل کی بنا پر اختیار کرلے لیکن یہ اختیار نہین دیا جاسکتا کہ جس مسئلے مین چاہے ایک امام کا مذہب لےلے اور جس مین چاہے دوسرے امام کا مسلک اختیار کرلے، کیونکہ اس کا نتیجہ در حقیقت اتباع دین نہین، بلکہ اتباع ہوائے نفسانی ہے، جو بقول ابن تیمیہ باجماع امت حرام ہے (صرح بہ فی فتاواہ) ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت حنفی المذہب ہے ۔ نماز روزہ سب حنفی مسلک کے مطابق ادا کرتے ہین ۔ ان پر کوئی غیر حنفی قانون تھوپنے کا کسی کو حق نہین ۔ ہاں جو لوگ حنفی نہ ہوں ان کو کسی ایسے حکم سے مستثنی کیا جاسکتا ہے جو ان کے مسلک کے خلاف ہو۔

اس کتاب مین چند مقامات پر اس امر کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک وہ ناقابل عمل ہین اور نہ ان کو پاکستان کے مسلمانوں پر قانون بنا کر تھوپا جاسکتا ہے ۔ اور اگر ایسا کیا گیا تو مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ اس کے خلاف احتجاج کرین ۔

خلاصۂ کلام

یہ ہے کہ اس تھوڑی سی تجدد پسندی کو اس کتاب سے الگ کردیا جائے تو بلاشبہ قانون میراث و وصیت وغیرہ مین یہ کتاب ایک بے نظیر جامع کتاب ہے ۔ جس کے

کے لئے ہمیں تنزیل الرحمن صاحب کا ممنون ہونا چاہئے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کے ذہن سے اس کانٹے کو بھی نکال دیں، تو وہ دور حاضر کے بڑے کارگزار مصنف اور بہترین قانون دان ہو سکتے ہیں جن پر دینی مسائل میں اعتماد کیا جا سکے۔

حق تعالی فاضل مصنف کو ان کی کاوش و محنت پر دارین میں جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اور مجموعہ قوانین اسلام کی باقی جلدوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اس کام کی وجہ سے انھیں جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں ان کا نعم‌البدل اپنے خزانہ غیب سے عطا فرمائیں۔

آخر میں اس رائے کے اظہار کو ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مجموعہ قوانین انگریزی زبان میں جلد منتقل ہونا چاہئے تاکہ مستشرقین کی آنکھیں کھل سکیں اور باہر کی دنیا اسلام کے قوانین سے واقف ہوسکے۔

(مفتی محمد شفیع)

۳ صفر ۱۳۹۳ھ

۱۲ مارچ ۱۹۷۳ء

دارالعلوم، کورنگی

کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۂ مؤلف

ڈاکٹر تنزیل الرحمن

ایم - اے - ایل ایل - بی ، پی ایچ ڈی (تمغۂ امتیاز)

ایڈووکیٹ سپریم کورٹ و اعزازی مشیر قانون ، ادارۂ تحقیقات اسلامی

الحمد للہ حمداً موافیاً لنعمہ مکافئاً لآلاءہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ و جنودہ

بارہا گفتہ ام و باردگرمی گویم — کہ من دلشدہ ایں رہ نہ بخود می پویم

من اگر خارم و گرگل چمن آرائی ہست — کہ ازاں دست کہ اوسی کشدم می رویم

دوستان عیب من بیدل حیران سیکنید — گوہر ے دارم و صاحب نظرے می جویم

(حافظ شیرازی)

ہر اہم علمی کام اپنے ابتدائی مرحلہ میں خاصا دشوار ہوتا ہے ، لیکن اسلامی قوانین کی تدوین کا کام اپنی عظمت و وسعت اور مختلف ائمہ مذاھب فقہ کے مباحث و نتائج فکر کے سبب نہ صرف انتہائی دشوار بلکہ خاصا پیچیدہ ہے - چنانچہ آغاز کار میں بہت دشواری پیش آئی - مگر میں اللہ کے فضل و کرم اور بزرگوں کی دعاؤں سے گذشتہ چودہ سال ۱۹۶۳ - ۷۷ کے عرصہ میں مجموعۂ قوانین اسلام کی چھ جلدیں مکمل کرنے میں کامیاب ہو گیا - پہلی چار جلدیں بالترتیب ۱۹۶۵ء ، ۱۹۶۷ء ، ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۳ء میں ادارۂ تحقیقات اسلامی کی جانب سے شائع ہو چکی ہیں اور اب الحمد للہ ۱۹۷۷ء میں یہ پانچویں جلد ہدیۂ ناظرین ہے ، جسکا موضوع ''اسلامی قانون وراثت'' ہے -

رنگ ہو یا خشت و سنگ ، چنگ ہو یا حرف و صوت

معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود

قطرۂ خون جگر ، سل کو بناتا ہے دل

خون جگر سے صدا سوز و سرور وسرود

اسلام اور انفرادی ملکیت :

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جلد کے بارے میں عرض کرنے سے پہلے یہاں قانون روما کے تحت میراث کے احکام اور اسلامی قانون وراثت کے اہم پہلوؤں کا ذکر کر دیا جائے ۔ لیکن اس سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام شخصی جائداد (انفرادی ملکیت) کا قائل ہے ۔ اسلام فرد کی ملکیت کی قطعاً نفی نہیں کرتا ۔ ورنہ قرآن کے احکام وصیت و وراثت اور احادیث کی روشنی میں قوانین ہبہ اور وقف وغیرہ سب بے اثر ہوجاتے ہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام اس بے ربطی کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا ۔ اسلام دین فطرت ہے ۔ اس میں احکام وصیت، وراثت اور ہبہ و وقف کا ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ انفرادی نظریہ ملکیت بجائے خود ایک فطری امر ہے ۔ لیکن یہ بات کہ اس انفرادی ملکیت کی کیا حدود ہیں ؟ وہ کیا حالات ہوتے ہیں جب معاشرہ کا مجموعی مفاد انفرادی ملکیت کی تحدید (Restriction) کا مقتضی ہوتا ہے ؟ کیا اسلام میں اجتماعی تکافل کے اصولوں کے پیش نظر انفرادی ملکیتوں کو قومیانے (نیشنلائز) کرنے اجازت دیتا ہے ؟ اگر ہاں تو اس سلسلہ میں کیا احکام ہیں ؟ قومیائی جانے والی ملکیتوں کے معاوضہ کے تعین کے کیا قواعد ہیں ؟ یہ اور ایسے بہت سے امور ہیں جو تشریح طلب ہیں، لیکن ان پرگفتگو کرنے کا یہاں موقع نہیں ۔کیونکہ یہ مسائل براہ راست اسلام کے علم الاقتصاد سے تعلق رکھتے ہیں اور ہماری بحث سے خارج ہیں ۔ یہاں اصل موضوع بلاوصیتی طریقہ توریث ہے جو فرد کی ملکیت کا مقتضی ہے۔ اگر سرے سے انفرادی ملکیت کاتصور ہی نہ ہو تو پھر ترکہ اور توریث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

قانون روما میں وراثت :

جہاں تک روما کے قانون کا تعلق ہے، قدیم قانون روما میں اگر کوئی شخص بلاوصیت کئے مرجاتا تو اس کا ترکہ ان جدی اشخاص(agnates) کو ملتا جو لازمی ورثا کی تعریف میں آتے تھے ۔ چنانچہ ملکی قانون کی رو سے کسی شخص کے بلا وصیت مرنے پر سب سے پہلے اس کے ورثاء بنفسہ وارث ہوتے تھے یعنی وہ اشخاص جو اس کی وفات کے وقت اس کے زیر اختیار ہوتے تھے ، مگر وفات کے بعد خود مختار ہوجاتے تھے ۔ ایسی صورت میں قائم مقامی کا اصول رائج تھا کہ اگر کوئی وارث بنفسہ فوت ہو جائے تو اس کے حصہ کا حق اس کے بچوں کی طرف منتقل ہو جاتا تھا ۔ یہ ترکہ متوفی کے ورثا حصہ بالنسب (per stripe) لیتے تھے ۔ مثلاً میت زید کے حسب ذیل ورثا موجود ہیں ۔

(۱) ایک لڑکا جو متبنی ہے ۔

(۲) دوسرا لڑکا بکر جو آزاد شدہ ہے ۔

(۳) بیٹی جسکا نکاح بحق شوہر ہوچکا ہے۔

(۴) تیسرا بیٹا خالد جو شادی شدہ ہے اور اس کا بیٹا حامد ہے ۔

(۵) متوفی فرزند ناصر کے دو بیٹے یعنی زید کے دو پوتے جو میت کے زیر اختیار ہیں ۔

چونکہ مسئلہ مذکورہ میں بیٹوں میں صرف خالد زیر اختیار تھا ، اور دو پوتے زید کے زیر اختیار تھے، اس لئے ورثہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ خالد کو نصف اور دونوں پوتوں کو (اپنے متوفی باپ کے حصہ کے طور پر) نصف ملے گا۔ اگر جانشینی بالراس (per capita) ہوتی تو پھر خالد اور دونوں پوتوں میں سے ہر ایک کو ایک تہائی ملتا ۔ (واضح رہے کہ آزاد شدہ اور تبنیت میں دئے گئے بیٹوں کو وراثت میں کچھ حصہ نہ ملتا تھا) ۔

(۲) ورثاء بنفسہ نہ ہونے کی صورت میں ترکہ سب سے قریب ہم جدی رشتہ داران (agnates) میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، مثلاً حقیقی بھائی، چچا وغیرہ۔

(۳) درجہ میں جو سب سے قریب ہوتا وہ دوسرے ہم جدیوں (agnates) کے لئے حاجب (excluder) ہوتا تھا۔ مثلاً ایک بھائی عمر اور دوسرے مرحوم بھائی کا بیٹا بکر موجود ہے تو عمر درجہ میں قریب ہونے کی وجہہ سے تنہا وارث ہوتا اور بکر درجہ میں بعید ہونے کی وجہ سے محجوب ہوتا۔ لیکن یہ اصول صرف ہم جدی (agnates) کی وراثت میں اختیار کیا جاتا۔ ورثاء بنفسہ کی صورت میں اگر میت کا ایک بیٹا عمر اور دوسرے (مرحوم) بیٹے کا پوتا بکر موجود ہوتا تو دونوں برابر ورثہ پاتے۔

(۴) اگر مساوی درجہ کے ایک سے زائد ہم جدی ورثاء موجود ہوتے تو جانشینی ہوتی نہ کہ بالنسب مثلاً میت سے ایک متوفی بھائی کا بیٹا عمر اور دوسرے متوفی بھائی کے دو بیٹے بکر اور خالد دونوں زندہ ہوتے تو ان تینوں میں سے ہر ایک تہائی کا مستحق ہوتا تھا ۔

(۵) خونی رشتہ دار عورتوں کو چھوڑ کر دوسری ہم جدی عورتوں کو میراث میں کچھ نہ ملتا تھا ۔ مثلاً بھتیجی، پھوپی، خالہ وغیرہ محروم رہتیں ۔

اس قدیم قانون روما میں وراثت کی بابت کئی نقائص تھے، مثلاً

(الف) آزاد شدہ اور تبنیت میں دئے ہوئے بیٹے وراثت سے محروم تھے ۔

(ب) بیٹی جس کا نکاح بحق شوہر ہو چکا ہو محروم رہتی ۔

(ج) جو اولاد باپ کے ساتھ مدنی (Jus civili) قرار دی جا چکی ہو وہ وراثت سے محروم رہتی۔

(د) بجز حقیقی بہن کے دوسری ہم جدی (agnate) عورت وارث نہ ہوسکتی تھی۔

پرٹیر نے اس قانون وراثت میں متعدد اصلاحات کیں۔ چنانچہ عدم وصیت کی صورت میں ورثاء کے حسب ذیل چار درجے قائم کئے گئے۔

(۱) ورثاء آزاد شدہ — اس کے تحت جو ورثاء باپ نے آزاد کردئے یا تبنیت میں دیدئے، ان کو بھی حصہ مل جاتا تھا۔ مگر یہ حصہ صرف اس جائداد تک محدود ہوتا جو خود انھوں نے اپنی محنت سے پیدا کیا ہو۔

(۲) ورثاء لازمی — اس کے تحت نصفتی قبضہ (بربنائے نصفت (equity) نہ کہ بربنائے وراثت) ان لوگوں کو ملتا جنھوں نے پہلے درجہ میں مطالبہ نہ کیا ہو۔ نیز ہم جدی ورثاء قریب کو بھی حصہ ملتا تھا۔

(۳) ورثاء خونی — اگر پہلے دو درجے کے لوگوں میں کوئی اپنا دعوی پیش نہ کرے (یا موجود نہ ہو) تو پرٹیر بربنائے نصفت ————

(۱) ان لوگوں کو قبضہ دیتا تھا جو متوفی کے خونی رشتہ دار ہوں جن میں تمام فروع داخل ہوتے تھے۔

(۲) تمام رشتہ داران جدی جن کی حیثیت میں تنزل واقع ہوا ہو۔

(۳) ہم جدان بعید جو ہم جدان قریب سے محروم ہوگئے ہوں۔

(۴) تمام خونی ہم جدی عورتیں اور

(۵) عورتوں کی طرف کے دوسرے قرابتدار شامل تھے۔

لیکن یہ تمام اشخاص وقت واحد میں دعوی نہیں کر سکتے تھے،درجہ بدرجہ پا سکتے تھے۔

(۴) ورثاء ازدواجی — اگر مذکورہ بالا تینوں جماعتوں میں سے کسی کو ورثہ نہ ملتا تو پرٹیر متوفی کی بیوہ یا شوہر کو (جیسی بھی صورت ہو) قبضہ بربنائے نصفت عطا کرتا۔

چنانچہ جسٹینن کے آغاز حکومت میں ورثا کی ترتیب حسب ذیل تھی۔

(۱) قانون ملک کےتحت مسلمہ ورثاء لازمی۔

(۲) الف۔ ماں اور حقیقی بھائی بہن۔

ب۔ علاتی یا اخیافی بھائی بہنیں۔

ج۔ (۱) دوسرے درجہ کے ہم جدی بھائی بہن۔

(۲) متوفی بھائی بہنوں کے لڑکے اور لڑکیاں۔

د۔ ہم جدان بعید، درجہ کی مناسبت سے

(۳) ورثا خونی حسب اعلان پرٹیر۔

جسٹینن نے اس قانون میں متعدد اصلاحات کیں، جس کے بعد وراثت کی صورت حسب ترتیب ذیل تھی۔

(۱) پہلی جماعت میں متوفی کی اولاد، خواہ متوفی مرد ہو یا عورت (بحیثیت خونی رشتہ دار متوفی)۔

(۲) متوفی کے حقیقی بھائی بہن، یا ایسے حقیقی بھائی بہنوں کے بچے جو متوفی کی زندگی میں بلا وصیت انتقال کر چکے تھے۔ (بحیثیت متوفی کے اصل کے خونی رشتہ دار)۔

(۳) علاتی یا رضائی بھائی بہنیں اور ان کے بچے جو متوفی کی زندگی میں بلا وصیت مرچکے تھے۔

(۴) باقی دونوں طرف کے رشتہ داران، درجہ کی قربت کے لحاظ سے۔

(جسٹینن کی اصلاحات میں متوفی کی بیوی یا شوہر (جیسی صورت ہو) کی میراث کا ذکر نہیں ملتا۔ غالبا مندرجہ بالا ورثاء کے نہ ہونے کی صورت میں حسب قاعدہ قدیم زوجہ یا شوہر کو جیسی صورت ہو حصہ ملتا ہو)۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جسٹینن کی اصلاحات سے قبل ترکہ کی تقسیم میں دو تصورات کارفرما تھے۔ ایک وراثت کا اور دوسرا نصفت (equity) کا۔ وراثت کا حق محدود تھا کیونکہ ورثاء کی تعداد محدود تھی۔ اس لئے اس میں لچک پیدا کرنے یا اس کی سختی کو دور کرنے کی غرض سے پرٹیر کے اعلان کے بعد اصول نصفت (equity) کا اطلاق کیا جانے لگا۔ لیکن جسٹینن کی اصلاحات کے بعد وراثت اور قبضہ بربنائے نصفت میں جو فرق تھا وہ دور ہوگیا اور وصیت نہ ہونے کی صورت میں صرف توریث کے ذریعہ ترکہ تقسیم ہوتا تھا۔

اسلام اور قانون وراثت :

دنیا کے مختلف مجموعہ ہائے قوانین میں ملکیت کی مختلف صورتوں کے بارے میں بحث کے دوران حصول جائداد کے متعدد فطری طریقوں میں عالمگیر ''طریقہ توریث،، بھی شامل ہے۔ ابتداءً یہ فرض کیا گیا تھا کہ توریث کا وصیتی طریقہ زیادہ موزوں ہے۔ اس کی بنیاد اس اصول پر قائم تھی کہ جائداد کا مالک خود بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس جائداد کا بندوبست کس طرح ہو اور کون کون لوگ اس میں حصہ دار ہیں۔ لیکن انسان کی خود غرضی،

کم نظری اور وقتی مصلحتیں اسے اکثر اوقات جادۂ حق سے ہٹانے کا موجب بنتیں اور اس کے ہاتھوں دوسروں کی حق تلفیاں ہوا کرتیں، جو مختلف افراد خاندان کے درمیان رسہ کشی اور ظلم و ناانصافی کا سبب بنتیں ۔

اسلام نے ان حق تلفیوں کا اس طرح سدباب کیا کہ مورث کو ایک تہائی کی حد تک وصیت کا اختیار دے کر ترکہ کی تقسیم کے لئے واضح اصول مقرر کردئے اور اس سلسلہ میں قرآن و حدیث نے واضح احکام دئے ۔ تاکہ خاندان میں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی اور عداوت کی تخم ریزی نہ ہو اور صلہ رحمی کے جذبات سرد نہ پڑیں ۔ یہ بات تمدنی ترقی کے نقطۂ نظر سے بھی اہم ہے ۔

شریعت اسلام میں وراثت کے احکام اس اصول پر مبنی ہیں کہ متوفی کی جائداد ان لوگوں کے حق میں منتقل ہونی چاہئے جو بلحاظ شرکت خون و قرابت اپنی قرابتداری کے درجہ کے لحاظ سے اس سے منتفع ہونے کے مستحق ہیں ۔

عین ممکن ہے کہ میت اپنے پیچھے ایک سے زائد ایسے قرابت دار چھوڑ جائے جن میں سے کسی ایک کی نسبت قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہو کہ اس کے حقوق دوسرے قرابت دار کے مقابلہ میں اولیٰ ہیں ۔ عقل انسانی کے اس تذبذب یا وسوسہ کو دور کرنے کی غرض سے سب سے بڑھ کر حکیم و دانا ذات نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا :

"اباؤکم وابناؤکم لاتدرون ایهم اقرب لکم نفعاً"۔

کہ اپنے والدین اور بیٹوں میں تم کو یہ نہیں معلوم ہے کہ ان میں سے کون بلحاظ نفع کے تمہارے قریب ہے ۔

شریعت اسلام ایسی صورتوں میں متوفی کی جائداد کو ورثاء میں ایک خاص درجہ بندی اور ان کے دعوی کی فطری تقویت کی مناسبت کے لحاظ سے تقسیم کرنے کا حکم کرتی ہے اور متوفی کے ایک سے زائد رشتہ داروں کے دعاوی کو باریک بینی کے ساتھ منصفانہ طریقہ سے طے کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔ اس کا پورا اندازہ اصل کتاب کے مطالعہ سے ہوگا ۔ اجمالاً یہاں صرف چند اشارے کئے جاتے ہیں ۔

(۱) شریعت میں بعض ورثاء قرآن مجید میں متعین کردئے گئے ہیں جنکو ذوی الفرض کہا جاتا ہے ۔ ان کے حصص قرآن پاک میں مقرر ہیں ان ذوی الفروض کی تعداد کل بارہ ہے ۔ چار مرد اور آٹھ عورتیں ۔ مردوں میں (۱) باپ (۲) باپ کا باپ (خواہ کتنے ہی بالائی درجہ میں کیوں نہ ہو) (۳) اخیافی بھائی ۔ (یعنی ماں کی طرف سے (۴) شوہر اور عورتوں میں (۵) زوجہ (۶) بیٹی ۔ (۷) پوتی ۔ (خواہ کتنی زیریں پشت میں کیوں نہ ہو) (۸) حقیقی بہن (۹) اخیاتی بہن (۱۰) علاتی بہن ۔ (۱۱) ماں اور (۱۲) جدہ صحیحہ ہیں ۔

ترکہ میں شوہر کا حصہ ۱/۴ مقرر ہے اگر متوفیہ کے کوئی اولاد یا اس کے بیٹے کے کوئی اولاد موجود ہو خواہ وہ کتنی ہی زیریں پشت میں کیوں نہ ہو۔ اور اگر اس کی کوئی اولاد یا بیٹے کی اولاد موجود نہ ہو تو اس کا حصہ متوفیہ کے ترکہ میں نصف ہے۔ زوجہ کا حصہ ۱/۸ ہے جب کہ کوئی اولاد یا بیٹے کی اولاد موجود ہو ورنہ ۱/۴۔ بیٹی کا حصہ نصف ہے جب کہ وہ تنہا ہو اور کوئی بیٹا موجود نہ ہو۔ لیکن اگر بیٹیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں اور کوئی بیٹا نہ ہو تو ان کو مجموعی طور پر جائداد کا ۲/۳ حصہ ملتا ہے۔ پوتی کو اگر وہ تنہا ہے اور کوئی اولاد یا پوتا موجود نہیں ہے، نصف ملتا ہے۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں اور کوئی اولاد یا پوتا موجود نہ ہو تو ۲/۳ ملتا ہے۔ لیکن اگر پوتی کے ساتھ متوفی کی بیٹی یا صنف اعلیٰ کی پوتی موجود ہو اور بیٹا موجود نہ ہو تو پوتی کو صرف ۱/۶ حصہ ملے گا۔ بہن کو نصف ملتا ہے جب کہ وہ تنہا ہو اور کوئی بیٹا یا پوتا (خواہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو) اور باپ یا لڑکی یا پوتی یا بھائی موجود نہ ہو اگر انھیں حالات میں دو یا دو سے زیادہ ہیں تو ان کو ۲/۳ ملے گا۔ علاتی بہن کو اگر وہ تنہا ہے اور کوئی بیٹا یا علاتی بھائی یا بہن موجود نہ ہو تو اس کو نصف ملے گا۔ اگر وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو انھیں حالات میں ان کو ۲/۳ ملے گا۔ علاتی بہن کو ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں بشرطیکہ بیٹا وغیرہ یا علاتی بھائی موجود نہ ہو ۱/۶ حصہ ملے گا۔ ماں کا حصہ ۱/۶ ہے اگر بیٹا یا پوتا یا دو سے زیادہ بھائی بہن موجود ہوں۔ ان کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ۱/۳ ملے گا۔ لیکن یہ تہائی اس باقی ماندہ ترکہ کا ہوگا جو شوہر یا زوجہ کی موجودگی میں ان کے اور باپ کے حصص ادا کرنے کے بعد بچ رہے۔ جدہ صحیحہ کو جب کہ وہ محجوب نہ ہو جائے ۱/۶ حصہ ملتا ہے۔ باپ کا حصہ بھی ۱/۶ ہے۔ اور دادا بھی اگر وہ محجوب نہ ہوجائے اسی قدر پاتا ہے۔

اخیافی بھائی یا بہن کا حصہ ۱/۶ ہے جب کہ وہ اکیلی ہوں اور کوئی اولاد یا پوتے پوتیاں یا باپ یا جد صحیح موجود نہ ہوں۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہیں تو انھیں حالات میں ان کو ۱/۳ ملے گا۔ بعض حالات میں بعض ذوی الفروض عصبہ ہوجاتے ہیں یا بحیثیت ذوی الفروض اور عصبہ دونوں حیثیتوں سے حصہ پاتے ہیں۔

(۲) ورثاء کی دوسری قسم عصبات ہے۔ غیر محجوب ذوی الفروض کو ان کے حصص دینے کے بعد جو ترکہ بچ رہے اس میں عصبات وارث ہوتے ہیں۔ عصبات کی تین قسمیں ہیں۔ عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ اور (۳) عصبہ مع الغیر۔ پہلی قسم میں وہ سب قرابت دار مرد داخل ہیں جن کے متوفی کے ساتھ قرابت میں کوئی عورت داخل نہیں ہوتی۔ وہ چار قسموں پر مشتمل ہیں۔ (۱) جزء متوفی — یعنی متوفی کا بیٹا، پوتا خواہ کتنی ہی زیریں پشت میں ہو۔ (۲) اصل متوفی —

یعنی متوفی کا باپ، دادا خواہ کتنا ہی بالائی پشت میں ہو۔ (۳) متوفی کے باپ کا جزء — یعنی بھائی یا بھائی کے بیٹے خواہ کتنی ہی زیریں پشت میں ہو۔ (۴) متوفی کے دادا کا جزء — یعنی چچا اور ان کے بیٹے خواہ کتنے ہی زیریں درجہ میں ہوں۔

عصبہ بغیرہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں مثلاً بہن بھائی کی موجودگی میں عصبہ ہو جاتی ہے اور مرد کو عورت کے حصہ کا دوگنا ملتا ہے۔
عصبہ مع الغیر وہ وارث عورت ہے جو دوسری وارث عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہوجاتی ہے۔ مثلاً ایک بہن میت کی ایک لڑکی کے ساتھ مل کر عصبہ ہوکر حصہ پاتی ہے۔

(۳) ورثاء کی تیسری قسم ذوی الارحام ہے۔ اس میں وہ تمام رشتہ دار شامل ہیں جو نہ ذوی الفروض ہیں اور نہ عصبہ، جیسے بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد، بہن کی اولاد، بھائیوں کی لڑکیاں پوتیاں، ماموں اور خالائیں وغیرہ۔ یہ ورثاء حسب ترتیب (درجہ وار) حصہ پاتے ہیں۔
(۴) عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ترکہ اگر بچ رہے تو ذوی الفروض پر رد (Return) کر دیا جاتا ہے۔

اسلامی قانون میراث کا ایک اہم قاعدہ حجب و حرمان ہے جس کے تحت بعض ورثاء یاتو دوسرے وارث کی موجودگی میں کم تر حصہ پاتے ہیں یا بالکل محجوب ہو جاتے ہیں۔ جیسے باپ کی موجودگی میں دادا بھائی اور بہن محروم محجوب ہوجاتے ہیں۔ یا بیٹا پوتے کو محجوب کر دیتا ہے یعنی بیٹا دوسرے بیٹے کے بیٹے کا حاجب ہو جاتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو دفعہ نمبر ۳۰۷ قانون ھذا) اس سلسلہ میں مسلم ممالک میں جو جدید قانون سازی کی گئی ہے اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جلد چہارم دفعہ نمبر)۔

اسلامی قانون وراثت کی جامعیت

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ امر بخوبی واضح اور روشن ہوجاتا ہے کہ اسلامی قانون وراثت اپنے پیشرو قوانین وراثت (یا مختلف غیر ممالک میں رائج الوقت قوانین وراثت) کے مقابلہ میں انتہائی سائنٹیفک اور جامع اور فطرت کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ مثال کے طور پر زوجہ یا شوہر کو جیسی بھی صورت ہو ذوی الفروض قرار دے کر ان کے حصے متعین کرتا ہے۔ یہ صورت قدیم قانون روما میں لصفتی مقصد کے طور پر سب سے آخر میں ملتی ہے، جب کہ دوسرے ورثاء نہ ہوں۔ اور قانون ہنود میں حین حیاتی ورثہ کے طور پر نظر آتی ہے۔ قانون روما کے تحت تو شاید ہی کبھی ایسی نوبت آتی ہے ہو کہ زوجہ کو اپنے شوہر سے ترکہ ملتا ہو اور قانون ہنود (جدید) میں شوہر کی مکسوبہ جائداد میں جو ترکہ ملتا ہے وہ حین حیاتی ہوتا ہے یعنی جب تک

وہ زندہ رہتی ہے اس سے (صرف) استفادہ کی مستحق رہتی ہے۔ انتقال کے بعد وہ حصہ بھی شوہر کے ورثاء کو لوٹ جاتا ہے جن کو ورثاء عودی (Reversion Ary Heirs) کہا جاتا ہے۔

دراصل ہندوؤں کے دیومالائی مذہب میں شوہر کی وفات پر زوجہ کے ستی ہونے کا تصور موجود ہونے کے سبب اس کے میراث پانے کا سرے سے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

یہی صورت قانون روما میں بیٹی کی میراث کی ہے۔ نکاح بحق شوہر کے بعد بیٹی ورثہ سے محروم ہوجاتی تھی۔ کیونکہ وہ کوئی جائداد اپنے ذاتی نام میں رکھنے کی مستحق ہی نہ تھی (خود انگلستان میں سنہ ۱۸۸۳ تک یہ صورت رہی) اس کے برخلاف اسلام بیٹی کو ذوی الفروض (Sharers) میں شامل کرتا ہے۔ اور کسی صورت میں بھی اس کا حصہ ساقط نہیں ہوتا۔ خواہ وہ شادی شدہ ہو یا نہ ہو — اسی طرح بیٹوں کے ترکہ کا معاملہ ہے۔ وہ خواہ میت کے زیر کفالت (زیر اختیار) ہوں یا نہ ہوں خواہ باپ نے انھیں اپنی زندگی میں عاق ہی کیوں نہ کردیا ہو۔ ہر صورت میں اپنے باپ کے ترکہ میں وارث ہوں گے جب کہ قدیم قانون روما میں آزاد اور زیر اختیار بیٹیوں کے درمیان تفریق و امتیاز روا رکھا گیا جس کی وجہہ سے اس کے برقرار رہنے کی صورت میں رشتہ داروں کے درمیان ظلم و ناانصافی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہی صورت تبنیت میں دئے گئے بیٹوں کے ساتھ ہوتی کہ وہ بھی وراثت سے محروم رہتے۔ اسلام سرے سے تبنیت ہی کا قائل نہیں۔

دراصل انسانی عقلیں فطرت کے لامحدود امکانات کا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں اس لئے جو قانون تجویز کیا جاتا ہے یا کسی ملک کے واضعان قانون اس کو وضع کرتے ہیں وہ قانون وقتی حالات کے تحت شاید درست معلوم ہوتا ہو، مگر آئندہ پیش آنے والے واقعات و اثرات کا احاطہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف اسلامی قانون وراثت افراط و تفریط سے پاک نہایت مستحکم اصولوں پر قائم ہے۔ جن کی صراحت قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔ اور یہ ایک مسلمہ تمدنی اصول ہے کہ جو قانون جسقدر وسیع ارضی حدود میں شائع، رائج اور نافذ ہوتا ہے اور اس کی مدت جس قدر طویل ہوتی ہے اسی قدر اس قانون کی فعالیت، زندگی اور قیام میں مضبوطی اور استحکام ہوتا ہے۔ اسلامی قانون وراثت چودہ سو سال سے ساری دنیا کے مسلمانوں میں نافذالعمل رہا ہے۔ اور اس وقت بھی دنیا میں تقریباً ایک ارب مسلمانوں میں، شائع اور رائج ہے۔ دوسرے لفظوں میں چودہ سو سالہ مسلسل تعامل (Practice) خود اس کے حق میں زبر دست دلیل ہے۔ اور اصول فقہ کا یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ لوگوں کا تعامل اجماع سے ملحق ہوگا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، اسلامی قانون وراثت قرآن و حدیث پر مبنی ہے جس کی تصریحات

پر امت کے سواد اعظم کا اجماع ہے اور جو چودہ سو سالہ تعامل کے ذریعہ پختہ، موکد اور مستحکم ہو چکا ہے۔

ایک اہم مسئلہ :

وراثت وہ حق ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب، قرآن عظیم میں بندوں کے حق میں مقرر فرمایا ہے اور اس کو ایک ایسا محکم فرض قرار دیا ہے جسمیں تغیر و تبدل کی کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ''یوصیکم اللہ فی اولادکم،، کے الفاظ سے ابتدا فرماتے ہوئے اہل ایمان پر وراثت کا قانون لازم کر دیا۔ اور پھر ان آیات احکام کے خاتمہ پر تنبیہ فرمائی کہ یہ احکام اللہ تعالیٰ کی وہ مقرر کردہ حدیں ہیں کہ جن سے سرموانحراف، رسوا کن عذاب کا موجب ہوگا لیکن افسوس، کتاب و سنت میں بیان کردہ واضح شرعی احکام اور اس قدر سخت وعید کے باوجود ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں، بلکہ دوسرے لفظوں میں اسکی حکمت بالغہ کو چیلنج کرتے ہیں۔، حالانکہ قرآن حکیم میں صاف مذکور ہے:

''فریضة من اللہ ان اللہ کان علیماً حکیما،،

یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اور اللہ ہی خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے :

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ و رسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم :

کہ جب اللہ تعالی اور اس کے رسول کسی چیز کا حکم فرمائیں تو کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اس حکم کو قبول کریں اور اگر نہ چاہیں تو اسے نہ قبول کریں، بلکہ ان پر ان دونوں (اللہ اور اس کے رسول) کے فرمان کی تعمیل فرض ہے اور نص قرآنی کے ذریعہ مکلف سے اس کا اختیار سلب کرلیا گیا ہے۔ اور یہ اصول تمام قرآنی نصوص کے بارے میں ہے۔

قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے :

فلیحذر الذین یخالفون عن امره ان تصیبهم فتنة او یصیبهم عذاب الیم :

پس جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کےحکم کی تعمیل نہیں کرتے ہیں، انھیں اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ اس مخالفت کی وجہ سے ان پر دنیا میں کوئی مصیبت یا آخرت میں کوئی دردناک عذاب نہ آجائے،،۔

واضح رہے کہ رسول اکرمؐ کے حکم کی یہ مخالفت انکار کے طور پر ہو یا ترک عمل کے طور پر ہو یہ وعید دونوں صورتوں میں ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب آقا اپنے غلام کو کسی کام کے کرنے کا حکم دے اور وہ غلام کام نہ کرے یا کرنے سے انکار کردے تو غلام سزا کا مستحق ہوگا۔ اور ہم سب اللہ کے بندے (غلام) ہی تو ہیں، مجال انکار کہاں۔ اللہ تعالی ہم سب کو لایعنی تاویلوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

اس ضمن میں ، جہاں تک پاکستان میں رائج قوانین کا تعلق ہے ، پنجاب میں ایک عرصہ تک وراثت کے باب میں رواجی قانون کی عنمبرداری رہی جسکا ماخذ اصلی قانون روما اور قانون ہنود تھے۔ ازاں بعد پاکستان عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ یتیم پوتے پوتیوں ، نواسے نواسیوں ، کے حق میراث کے سلسلے میں محل نظر ہے ، جس پر تفصیلی تنقید باب ۲۷ "حجب و حرمان" کے تحت مطالعہ کی جا سکتی ہے۔

ایسٹیٹ ڈیوٹی:

یہاں ایک اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے اور وہ ہے ایسٹیٹ ڈیوٹی یا فوتی محصول (ta te or death duty) کا مسئلہ ، کہ آیا یہ ٹیکس یا محصول شرعی قانون وراثت سے متصادم ہے یا نہیں؟ یہ امر مسلمہ ہے کہ اسلامی قانون وراثت سے جو حقوق متعلق ہوتے ہیں وہ کل تین ہیں - دین (debt) اور وصیت (اگر کوئی ہو) اور وراثت۔ ظاہر ہے کہ ایسٹیٹ ڈیوٹی نہ تو میت کی جانب سے حکومت کے حق میں وصیت ہے اور نہ اس کے ذمہ میں کوئی دین ، کیونکہ دین (debt) کا بدل (consideration) مفقود ہے۔

اگر یہ ایک قسم کا حق میراث ہے جو حکومت کی جانب سے اس کے وضع کردہ قانون کے ذریعہ متوفی کی جائداد سے (بعد وفات) متعلق ہوا ہے تو اس کی بنیاد نہ تو قرآن و سنت پر ہے اور نہ قیاس شرعی ہی اس کی تائید کرتا ہے۔ (یوں بھی واضح احکام قرآن و حدیث کی موجودگی میں قیاس متروک ہے) - چنانچہ راقم الحروف کے نزدیک ، ایسٹیٹ ڈیوٹی اسلامی قانون وراثت کے خلاف ہے ، اور کتاب‌اللہ میں بیان‌کردہ احکام وراثت سے متصادم ہے۔ در حقیقت یہ ٹیکس قانون کی جبری قوت کے ذریعہ یک طرفہ بنیاد پر ورثاء کے حقوق جائداد میں مداخلت کرتا ہے۔ جو انگلستان میں رائج الوقت فوتی محصول (death duty) کا چربہ ہے ، یہاں شاید کسی کو یہ گمان گزرے کہ اگر کسی شخص کے ذمہ حکومت کے ٹیکس واجب الادا ہوں اور وہ مر جائے تو اس کی جائداد سے وہ ٹیکس وصول کر لئے جاتے ہیں تو پھر اسٹیٹ ڈیوٹی کی وصولی

میں کیا قباحت ہے؟ لیکن اسٹیٹ ڈیوٹی اور دیگر ٹیکسوں (مثلاً انکم ٹیکس) میں ایک فرق ہے۔ وہ یہ کہ ٹیکس (اس بحث سے قطع نظر کہ وہ شرعاً درست ہے یا نہیں) میت کی ذات سے متعلق ہو چکا تھا جسکی ادائی کی ذمہ داری یا کم از کم بناءدعوی اس کی حیات میں پیدا ہو چکی تھی۔ اس کے برخلاف ایسٹیٹ ڈیوٹی (estate duty) جیسا کہ خود نام سے ظاہر ہے میت کی جائداد سے متعلق ہے جو بعد مرگ ترکہ پر عاید ہوتی ہے۔ یہ براہ راست ورثاء کے حق میں مداخلت اور قرآنی نظم وراثت کے خلاف ہے۔ حتیٰ کہ احناف کے نزدیک غیر ادا شدہ زکواۃ بھی ترکہ سے متعلق نہیں رہتی۔

کچھ اس جلد کے بارے میں :

یہ جلد حسب ذیل آٹھ ابواب (۳۱ تا ۳۸) پر مشتمل ہے۔

(۱) ارکان ، شرائط و موجبات وراثت (باب ۳۱)۔

(۲) حقوق متعلق بہ ترکہ (باب ۳۲)۔

(۳) مستحقین ترکہ (باب ۳۳)۔

(۴) عول (باب ۳۴)۔

(۵) حمل ، مفقود ، اسیر، ولد الزنا ، ولد الملاعنہ اور خنثیٰ کی میراث (باب ۳۵)۔

(۶) موانع میراث (باب ۳۶)۔

(۷) حجب و حرمان (باب ۳۷)۔

(۸) مناسخہ (باب ۳۸)۔

اس جلد میں بھی سابق جلدوں کی طرح فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ ”قران و سنت“ سے براہ راست رہ نمائی حاصل کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ”اجماع“ کو بھی دلیل راہ بنایا گیا ہے، اور قیاس شرعی سے بھی مدد لی گئی ہے۔ یہاں ”اجماع“ کے سلسلہ میں ایک وضاحت ضروری ہے۔ اگرچہ اجماع (امت) کا عام مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ تمام آئمہ مجتہدین و فقہا سلف کسی مسئلہ میں متفق ہیں لیکن علم الفرائض کے باب میں اجماع کے ضمن میں بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ یہاں اجماع سے تمام آئمہ و فقہا کا اجماع مراد نہیں بلکہ ایک مذہب فقہ کے مجتہدین کا اجماع متفق علیہ یا مفتی بہ قول مراد لیا جا سکتا ہے، خواہ دوسرے مذاہب کے ائمہ اس مسئلے میں ان کے ساتھ متفق نہ ہوں جیسے کہ ذوی الارحام کی میراث کا مسئلہ، کہ حنفیہ کے نزدیک وہ وارث ہوتے ہیں، جبکہ بعض دیگر مذاہب فقہ مثلاً شافعیہ اور حنبلیہ ذوی الارحام کو صرف اس صورت میں وارث تسلیم کرتے ہیں جبکہ بیت المال

منتظم نہ ہو ۔ لہذا یہاں اجماع کو کسی خاص فقہی مذہب کا اجماع کہنا زیادہ موزوں ہوگا ، جسکو '' اجماع مطلق ،، کے مقابلہ میں ''اجماع مخصوص،، کہا جا سکتا ہے ۔ البتہ بعض مقامات پر صراحتاً ''اجماع امت ،، کی اصطلاح بھی استعمال کی گئی ہے۔

اصولی طور پر استحقاق میراث کی بنیاد ''قیاس،، پر نہیں ہے۔ البتہ بعض مسائل و احکام میں قیاس (شرعی) سے مدد لی گئی ہے ۔ مثلاً ایک ساتھ جل کر یا دب کر یا ڈوب کر مر جانے والوں کی میراث کا مسئلہ۔ اسی طرح ذوی الارحام کی میراث کے قواعد قیاس پر مبنی ھیں، گو ان کو وارث قرار دینا نص سے ثابت ہے۔ حتی الامکان متعلقہ مسائل میں آیات قرآنی، احادیث نبوی و آثار صحابہ کو بطور ماخذ بیان کرنے کے ساتھ مذاھب اربعہ(حنفیہ ، مالکیہ ، شافعیہ و حنبلیہ) اور شیعہ امامیہ و ظاھریہ کے نقطہ ھائے نظر ان کی مستند کتابوں سے پیش کرکے ان کے دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جدید رجحانات سے واقفیت بہم پہچانے اور تقابلی مطالعہ کی غرض سے پاکستان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک — مصر ، شام ، عراق ، اردن ، مراکش ، تیونس وغیرہ کے رائج الوقت قوانین کے اقتباسات دیئے گئے ھیں۔ اور بعض اھم مسائل مثلاً یتیم پوتے پوتیوں کی میراث کے ضمن میں اسلامی ممالک میں وصیت واجبہ کے رائج الوقت قانون پر تنقید بھی شامل ہے۔ اور جہاں کہیں کسی نقطہ' نظر سے راقم‌الحروف کو اختلاف ھوا ہے وھاں راقم‌الحروف نے اپنا نقطہ' نظر دیانت داری سے بیان کر دیا ہے۔

باب واربعض اھم نکات درج ذیل ھیں ۔

اکتیسواں باب :

(۱) اس باب میں ارکان ، شرائط و موجبات وراثت سے بحث کی گئی ہے۔ ارکان میراث میں ترکہ کی بحث بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ ترکہ کی تعریف میں مال اور حقوق مالی ، تابع مال یا متعلق مال ، دونوں شامل ھیں، البتہ ''حق شخصی محض،،ترکہ کی تعریف سے خارج ہے۔ نیز ایسا مال بھی جس پر دوسرے کا حق قائم و ثابت ھو، تا آنکہ اس حق کا استیفاء نہ کر دیا جائے۔

ترکہ کی بحث میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ایسا مال جو میت نے چھوڑا ھو اور عرفاً مال شمار ھوتا ھو مگر شریعت نے اس پر مال ھونے کا حکم نہ لگایا ھو تو وہ مال ,,شرعاً،، ترکہ شمار نہ ھوگا۔ ایسے مال کی ورثاء میں تقسیم عرف اور قانون رائج الوقت کے تحت ھوگی، شرعاً اس کا اعتبار نہ ھوگا۔ مثلاً شراب کا ذخیرہ ، جوئے میں جیتی ھوئی رقم ، اور سود وغیرہ۔ از روئے شرع حرام‌مال میں وراثت کا اجراء ورثاء کے حق میں حلال نہیں ۔ اگر وہ

مال ورثاء لے لیں تو وہ گناہ کے مرتکب ہونگے اور بطورکفارہ وہ مال واجب التصدق ہوگا ۔

(۲) ترکہ کی بحث کے ضمن میں ''منافع،، (usufructs)پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً عقد اجارہ (contract of hire) میں حق کرایہ داری۔ احناف کے نزدیک عقد اجارہ موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے ۔ اور ورثا کی طرف خود بخود منتقل نہیں ہوتا، البتہ عدالت مجاز فریق متضرر کو فوری ضرر سے محفوظ رکھنے کے لیئے کچھ عرصہ کے لئے عقد اجارہ کی توسیع یا تجدید کا حکم دے سکتی ہے ۔ اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ کے نزدیک موت سے عقد اجارہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے ۔ موجودہ دور میں غیر منقولہ جائدادوں کی تجارتی و معاشی اہمیت کے پیش نظر ان کے حق کرایہ داری کو قابل ارث قرار دینے میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک راجح نظر آتا ہے ۔ مغربی پاکستان شہری غیر منقولہ جائداد اور تحدید کرایہ داری آرڈی ننس ۱۹۵۹ء کے تحت کرایہ داری کو متوفی کی بیوی اور اولاد کے حق میں قابل ارث قرار دیا گیا ہے۔

بتیسواں باب :

اس باب میں میت کے مال کے ساتھ جو حقوق متعلق ہوتے ہیں ان کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، حقوق متعلق بہ ترکہ حسب ترتیب یہ ہیں ۔

(۱) میت کی تجہیز و تکفین ۔

(۲) الف ۔ میت کے ترکہ (عین شئے) سے حقوق غیر کا ایفاء۔

ب ۔ میت کے ترکہ سے اس کے ذمہ تمام دیون(debts and pecuniary obligations)کی ادائی ۔

(۳) تمام دیون کی ادائی کے بعد ما بقی ترکہ میں ایک تہائی کی حد تک وصیت کا نفاذ ، بشرطیکہ موصی نے کوئی وصیت کی ہو اور وہ شرعاً قابل نفاذ بھی ہو۔

(۴) اس کے بعد جو ترکہ بچ رہے اس کی ورثاء میں حسب قاعدہ شرعی تقسیم۔

دیون کی ادائی کے ضمن میں غیر ادا شدہ زکوۃ کا مسئلہ بھی آتا ہے جبکہ میت نے اس کی ادائی کی کوئی وصیت نہ کی ہو ۔ حنفیہ کے نزدیک غیر ادا شدہ زکواۃ موت کے بعد میت کے مال سے متعلق نہیں رہتی جبکہ شافعیہ کے نزدیک میت کے مال میں سے ادائی لازم ہے۔ بہرکیف ، اولی یہ ہے کہ ورثاء متوفی کے ذمہ واجب الادا زکواۃ کو ادا کر دیں، تاکہ متوفی آخرت میں جواب دہی سے محفوظ رہ سکے ۔ میت کے ذمہ بندوں کے مالی حقوق کی ادائی بلا اختلاف وصیت و میراث سے قبل لازم ہے۔

(۵) میت کے ذمہ دین (قرض) ہونے کی صورت میں اس کی ادائی تک ترکہ کی حالت اور ورثاء کے حقوق کا مسئلہ بھی خاصا اہم ہے۔ اسلامی قانون غالباً دیگر نظام ہائے قوانین کے مقابلہ میں منفرد قانون ہے جو میت کے مفادات و ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو ایک قانونی حیثیت دیتا ہے اور اس غرض کے لئے اس کو اس وقت تک حکمی طور پر زندہ تصور کرتا ہے جبتک کہ اس کی ضروریات پایہ' تکمیل کو نہ پہونچ جائیں یعنی اس کی تجہیز و تکفین، اس کے ذمہ قرضوں کی ادائی، وصیتوں (Wills) کا اجراء، وصول طلب قرضوں کی بازیابی وغیرہ۔ اس کی بناء یہ ہے کہ اسلامی قانون محض ایک انسان کے دوسرے انسانوں کے ساتھ اس دنیا میں تعلقات (قانونی) ھی کا احاطہ نہیں کرتا، بلکہ انسان کے اپنی زندگی میں اور موت کے بعد بھی خدا سے تعلق کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ بطور مثال میت کے ذمہ قرضوں کی عدم ادائی اس کی اخروی نجات کے لئے رکاوٹ ہے، اس لئے مرنے کے باوجود اس کی ضرورت یعنی قرضوں کی ادائی قائم رہتی ہے اور اسی سبب سے قرضوں کی ادائی اور وصیتوں کے اجراء کے بعد ھی ورثاء کا حق ترکہ میں ثابت ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مذاہب اربعہ، شیعہ امامیہ اور ظاہریہ کے نقطہ' ہائے نظر کا تفصیلی جائزہ لے کر حنفیہ نقطہ' نظر اقرب الی القبول قرار پایا ہے۔ ساتھ ھی ھندو پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے ایک '' غلط مفروضہ ،، پر مبنی جو فیصلے دئے ھیں ان کی نشان دھی کردی گئی ہے۔ نیز موجودہ حالات کے پیش نظر '' جبری انتظام ترکہ ،، (Compulsory administration of the estate of deceased) کا قانون بنانے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

(٦) '' حقوق متعلق بہ ترکہ ،، کی آخری بحث '' وصیت ،، سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں '' وصیت بہ حق وارث ،، کے مسئلہ پر نہایت مفصل بحث کے بعد ائمہ اربعہ کا اجماعی نقطہ' نظر اختیار کیا گیا ہے۔

تینتیسواں باب :

باب نمبر ۳۳ میں مستحقین میراث کا تفصیلی بیان ہے۔ اس میں ائمہ اربعہ اور جہاں کہیں احناف اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف رائے پایا گیا ہے، وہاں احناف کے نقطہ' نظر سے بالعموم اتفاق کیا گیا ہے۔ مذاہب فقہ میں مستحقین میراث کی تعداد و ترتیب میں تھوڑا سا اختلاف ہے چنانچہ تمام مذاہب فقہ میں مستحقین میراث کی تعداد و ترتیب بیان کرنے کے بعد مذہب احناف کو اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اس کے تحت دوسرے فقہی مذاہب کے نقطہ' نظر کے

بموجب تمام مستحقین میراث بھی آجاتے ھیں ۔ ترتیب حنفی نقطۂ نظر کے بموجب رکھی گئی ہے۔ مگر وہ مستحقین میراث جنکا ذکر قدیم کتب فقہ میں تو ملتا ہے مگر عہد حاضر میں انکا وجود نا پید ہے ان کو قانون ھذا کے تحت مستحقین میراث کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے ۔ البتہ ان کا اجمالی ذکر تاریخی حیثیت سے فٹ نوٹ میں کر دیا گیا ہے ۔ مستحقین میراث کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر مستحق میراث کی مختلف حالتوں کا بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں علی العموم سنی مکاتیب فقہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ جہاں کہیں شیعی فقہ کا حکم (provision) قرآن و سنت کے خلاف نظر آیا ہے اس کی نشان دھی کر دی گئی ہے ۔

چونتیسواں باب :

باب نمبر ۳۴ ''عول،، پر ہے ۔ اس میں ائمہ اربعہ کے اجماعی نقطہ' نظر سے اتفاق کیا گیا ہے نیز شیعی فقہ میں '' عول ،، کے اطلاق میں جہاں کہیں بے ربطی موجود پائی گئی ہے، اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

پینتیسواں باب :

باب نمبر ۳۵ ، میراث حمل اور مفقود ، اسیر ، ولد الزنا ، ولدالملعان ، اور خنثیٰ کی میراث سے متعلق ہے ۔

میراث حمل :

میراث حمل کے سلسلہ میں زائد سے زائد مدت حمل کا مسئلہ خاصی اھمیت اور پیچیدگی کا حامل ہے ۔ احناف کے نزدیک زائد سے زائد مدت حمل دو سال ہے ۔ وہ اس مسئلہ کو '' تقدیر شرعی ،، تصور کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث موقوف کو مرفوع کے درجہ میں قرار دیتے ھیں ۔ ائمہ ثلاثہ اس مسئلہ کو ''قیاسی ،، قرار دیتے ہوئے اس کی بنیاد تجربہ اور مشاھدہ پر رکھتے ھیں۔ یہی نقطہ' نظر شیعہ امامیہ کا ہے ۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ (اپنے مشاھدہ کی بنا پر) ۴ سال تک مدت حمل قرار دیتے ھیں اور شیعہ امامیہ ۹، ۱۰ ماہ ۔ اسلامی ممالک میں جو جدید قانون سازی کی گئی ہے اس کے تحت زائد سے زائد مدت حمل ایک سال قرار دی گئی ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک مدت حمل کا مسئلہ اگر ''مدرک بالقیاس،، ہے تو طبی تجربات و مشاھدات اور روزمرہ واقعات کے پیش نظر ایک سال انتہائی

مدت مقرر کرنا موزوں ہوگا ۔ البتہ اگر یہ مسئلہ ''مدرک بالقیاس،، نہیں ہے تو پھر لامحالہ اس مسئلہ کی بنیاد حضرت عائشہ صدیقہ رض کی روایات ہی پر رکھنا ہوگی ، جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔ راقم الحروف نے اس مسئلہ میں فقہ حنفی کے بموجب قانون کی تدوین کی ہے۔ ساتھ ہی پاکستان میں جائز النسبی کے سلسلہ میں رائج الوقت قانون (زیر دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت ۱۸۷۲ء) پر تنقید بھی کی گئی ہے۔ بالخصوص کم سے کم مدت حمل کا رائج الوقت قانون قرآن کے خلاف ہے ۔

میت اور غیر میت کی زوجہ کا حمل اور اختلاف حکم :

احناف میت اور غیر میت کی زوجہ کے حمل کی مدت میں باغراض وراثت تفریق کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر حمل میت کی زوجہ کا ہے تو انتہائی مدت دو سال قرار دیتے ہیں بشرطیکہ زوجہ معتدہ نے انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو ۔ اور اگر حمل غیر میت کی زوجہ کا ہے تو کم سے کم مدت حمل یعنی چھ ماہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ احناف کا بہ اغراض وراثت یہ تفریق و امتیاز کرنا کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر غیر میت کی زوجہ کا حمل میت کے انتقال کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے پر ثابت النسب ہے ، تو بہ اغراض وراثت محض قیاس کی بناء پر اسے میراث سے کیونکر محروم قرار دیا جا سکتا ہے ، بظاہر جو حکم نسب کا ہے وہی میراث کا ہونا چاہئے ، لیکن ذرا غور کرنے سے یہ نکتہ ذہن میں آ جاتا ہے کہ حمل کی میراث میں بنیادی اور فیصلہ کن امر یہ ہے کہ مورث کی موت کے وقت نطفہ قرار پکڑ چکا ہو۔ غیر میت کی زوجہ کے حمل سے متعلق ، جسکا شوہر زندہ ہے، ظن غالب یہ نہیں ہو سکتا کہ نطفہ میت کی حیات میں قرار پا چکا تھا اس لئے کم از کم مدت حمل یعنی چھ ماہ کا اعتبار کیا گیا ، جبکہ اس کے برخلاف میت کے خود اپنی زوجہ کے حمل کی صورت میں، مورث کی موت واقع ہو جانے کے سبب ، بعد الموت نطفہ قرار پانے کا سرے سے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ، اس لئے میت وغیر میت کی زوجہ کے حمل کی میراث میں فرق ملحوظ رکھنا درست ہے۔

مفقود کی میراث :

مفقود کی میراث کے سلسلہ میں قدیم کتب فقہ میں جو نقطہ ہائے نظر ملتے ہیں، ان پر نئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مختلف اسلامی ممالک نے رسل و رسائل کے سلسلہ میں عہد حاضر کی سہولتوں کا لحاظ کرتے ہوئے مفقود کی میراث کے سلسلہ میں قانون سازی کی ہے۔ راقم الحروف کی رائے میں مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں پاکستان میں بھی قانون سازی کی جائے ۔ فی الوقت زوجۂ مفقود الخبر کے فسخ نکاح کے سلسلہ میں ۴ سال کی مدت مقرر ہے لیکن فسخ نکاح اور تقسیم

ترکہ کے درمیان اصولی طور پر فرق ہے کیونکہ ان دونوں مسئلوں کی تہ میں جو سماجی عوامل کار فرما ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اسیر کی میراث :

احناف کے نزدیک مسلمان اسیر جو کافروں کی قید میں ہو،اس کی میراث کا وہی حکم ہے جو عام مسلمانوں کی میراث کا ہے، البتہ دین اسلام کے ترک کر دینے پر اس کا حکم مرتد کی میراث کا ہوگا۔ یہی نقطہ نظر امام مالک اور احمد بن حنبل کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اسیر اور مفقود کی میراث کا ایک ہی حکم ہے۔

ولد الزنا او ولد اللعان کی میراث :

ولد الزنا کی میراث کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اجماعی نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ اپنی ماں اور دوسرے مادری رشتہ داروں کا وارث ہوگا اور اس کی ماں اور اس کے مادری رشتہ دار اس کے وارث ہونگے۔ یہی صورت اسلامی ممالک میں رائج الوقت قوانین کے تحت ہے ۔ لیکن شیعی فقہ میں ولد الزنا کو مطلقاً کوئی حق میراث حاصل نہیں، حتی کہ وہ نہ خود ماں اور ماں کے قرابت داروں کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اس کا وارث ہو سکتا ہے۔ ولد اللعان کے سلسلہ میں احکام میراث کی نوعیت ذرا مختلف ہے، اس کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

چھتیسواں باب :

یہ باب موانع میراث سے متعلق ہے جس میں ان موانع کا جائزہ لیا گیا ہے جن کے سبب کوئی مستحق میراث سے محروم قرار پاتا ہے ان موانع میں قتل ، اختلاف دار اور ارتداد شامل ہیں۔

قتـــــل :

احناف کے نزدیک جس نے ناحق قتل کیا ہو ، وہ مقتول کی کسی شئے کا وارث نہیں ہو گا ، خواہ وہ قتل عمداً ہو یا خطاءً۔ البتہ قتل بالتسبب میں قاتل میراث سے محروم نہیں ہوگا۔ امام مالک کا اس مسئلہ میں احناف سے اختلاف ہے۔ وہ قتل بلا عمد (خطاءً) کی صورت میں قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم قرار نہیں دیتے ، البتہ مقتول کی دیت میں سے اس کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔ امام شافعی قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کرنے کے سلسلہ میں انتہا پسند نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ وہ نہ صرف قتل عمد و قتل خطاء کی صورتیں قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم قرار دیتے ہیں بلکہ قاتل خواہ کسی طرح قتل سورث میں شریک ہو، مقتول کے ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح وہ قتل بالتسبب کی صورت میں بھی قاتل کو محروم الارث قرار دیتے ہیں،حتی کہ ان کے نزدیک قصاص لینے والا ، امام و قاضی (جس نے قتل کا حکم دیا ہو) اور جلاد و شاہد جس نے قاتل کے خلاف شہادت دی ہو) مقتول کے ترکہ سے محروم رہیں گے ۔ حنبلی مکتبہ قانون کے نزدیک ہر وہ قتل میراث سے محروم کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں قاتل کسی قسم کی سزا کا مستحق قرار دیا جائے ، خواہ وہ سزا قصاص ہو یا دیت ہو یا کفارہ۔ چنانچہ ان کے نزدیک قتل کی تمام صورتوں (قتل عمد ، قتل شبہ عمد ، قتل خطا، قائم مقام خطاء اور قتل بالتسبب) میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو جائے گا ، البتہ وہ قتل جس کے بعد کسی قسم کا ضمان (تاوان) عائد نہ ہوتا ہو، میراث سے محرومی کا سبب نہ ہوگا جیسے قصاص میں قتل یا کسی جرم کی حد میں قتل وغیرہ۔ شیعہ امامیہ امام مالک کے مسلک کے مطابق قتل خطاء کی صورت میں قاتل کو محروم الارث قرار نہیں دیتے ، جبکہ ظاہریہ قتل خطا کے مسئلہ میں قاتل کو محروم الارث قرار دیتے ہیں اور حنفیہ سے متفق ہیں ۔

راقم الحروف کے نزدیک قتل خطاء کے سلسلہ میں دیگر ائمہ کے اقوال کی بہ نسبت امام مالک کا قول پسندیدہ ہے کہ قاتل میراث مقتول سے محروم نہ ہونا چاہئے ۔ البتہ یہ حکم اس وقت دیا جانا چاہئے جبکہ حاکم عدالت کے نزدیک صحیح معنوں میں یہ ثابت ہو جائے کہ قتل واقعی خطاءً ہوا ہے ۔ جہاں تک قتل بالتسبب کا تعلق ہے ، اگر واقعی طور پر قتل محض اس سبب کے ذریعہ واقع ہوا ، اور سبب کے بانی کا کسی طرح بھی اس قتل سے تعلق، نیت یا ارادہ ظاہر نہ ہوتا ہو تو میراث مقتول سے محرومی کا حکم نہ دیا جائے گا ، لیکن اگر قاتل نے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ایسا سبب اختیار کیا ہو جس سے ''بالواسطہ،، ارتکاب قتل کا ثبوت فراہم ہوتا ہو تو قاتل کو میراث سے محروم قرار دیا جانا چاہئے ۔ اگر کوئی شخص بحکم شرع حد یا قصاص میں مار ڈالے یا حق حفاظت خود اختیاری کے استعمال میں اس سے قتل سرزد ہو تو میراث سے محروم نہ ہو گا۔قاتل کی میراث کے ضمن میں امام شافعی رح کا مسلک غایت تقوی اور ورع پر مبنی ہے مگر مرجوح قرار پائے گا۔ اس موضوع پر مصر و لبنان میں جو جدید قانون سازی کی گئی ہے ،اس سے بھی راقم الحروف کے نقطہ' نظر کی تائید ہوتی ہے ۔

اختلاف دار :

موانع میراث کی بحث میں ''اختلاف دار،، کا مسئلہ بھی ہے ۔ اختلاف دار دراصل غیر مسلموں میں معتبر ہے ۔ لیکن اس ضمن میں خود دارالاسلام اور دار الحرب کی اصطلاحیں اور ان کا

قدیم مفہوم بھی زیر بحث آیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں قومیت و وطنیت کا ایک نیا تصور پیدا ہوا ہے مسلم وغیر مسلم اقوام بلا لحاظ دین و ملت اپنے قومی و بین الاقوامی معاملات میں ، اس جدید تصور کی نمائندگی کرتی ہیں۔ نیز پرامن بقائے باہمی ، انفرادی و اجتماعی مذہبی آزادی عام امن و امان ، قانون کی بالا دستی اور عام مساوات کے پیش نظر دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحات کا وہ مفہوم اور اثر و نتیجہ، جو متقدمین فقہاء کے نزدیک تھا ، نئے سرے سے غور و فکر کا متقاضی ہے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے ''مملکت اسلامیہ،، اور ''غیر اسلامیہ،، کی اصطلاحیں اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے اسلامی نقطہ نگاہ سے ان دونوں مملکتوں کے درمیان ''خط امتیاز،، کھینچنے کی کوشش کی ہے، البتہ اختلاف دار کو مانع میراث قرار دینے سے اتفاق کیا ہے، کیونکہ ایک مسلم مملکت دوسری غیر مسلم مملکت میں واقع جائداد و املاک کی نسبت اپنے شہری کے ایفاء حق و تعمیل ڈگری کے لئے دوسرے ملک کے قانون کی محتاج ہے۔ ہاں اگر مابین کوئی معاہدہ موجود ہو تو پھر اختلاف دار کو مانع میراث قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بین الاقوامی معاہدہ کی یہ صورت شاید نئی ہے، جو اختلاف دار کے سبب منع میراث کی بحث کے دوران قدیم کتب فقہ میں بیان نہیں ہوئی۔

ارتــــداد :

مرتد و مرتدہ کی میراث کے بارے میں مختلف فقہی مذاهب کے نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد پاکستان میں رائج الوقت قانون مذہبی آزادی ایکٹ نمبر ۲۱ بابت ۱۸۵۰ء کو منسوخ کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

سینتیسواں باب

باب ۳۷ ''حجب و حرمان،، سے متعلق ہے جسمیں یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی میراث کا مسئلہ خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

یتیم پوتے کی میراث :

اس باب میں اہم ترین مسئلہ دادا کے ترکہ میں اس کے مرحوم بیٹے یا بیٹی کی اولاد کی توریث کا ہے جو اس کی حیات میں فوت ہو چکے ہوں ۔ عرف عام میں یہ مسئلہ یتیم پوتے کی میراث کے نام سے مشہور ہے۔ تمام مذاهب فقہ (بلا استثناء) کا اجماعی نقطہ نظر یہ ہے کہ دادا یا نانا کے انتقال پر اگر اس کا کوئی بیٹا موجود ہو تو اس کے (دوسرے) مرحوم بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو دادا کے ترکہ میں سے کوئی ورثہ نہیں ملے گا ، حنفی کے شیعہ امامیہ کے نزدیک اگر صرف

بیٹی ہی موجود ہو تو کل ترکہ بیٹی کو ملے گا۔

دور حاضر میں اس مسئلہ کو پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی ''یتیمی اور فقر و احتیاج،، کی بنیاد پر مختلف انداز سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے مصر میں قانون الوصیت ، ۱۹۴۶ء کی رو سے ''وصیۃ الواجبہ،، کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ شام ، تونس ، اور مراکش میں بھی علی الترتیب ۱۹۵۳ء ، ۱۹۵۶ء ، ۱۹۵۸ء میں ''وصیۃ الواجبہ ،، کا قانون نافذ کیا گیا ۔ البتہ شام اور مراکش کے قوانین کے تحت اس قاعدہ کا اطلاق صرف میت (دادا) کے مرحوم بیٹے کی اولاد (پوتے پوتیوں) تک محدود رکھا گیا ہے یعنی وہاں وصیتہ الواجبہ کا اطلاق میت (دادا) کی مرحوم بیٹی کی اولاد (نواسے نواسیوں) پر نہیں کیا جاتا ۔ اس کے برخلاف پاکستان میں عائلی قوانین آرڈی نینس مجریہ ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ کے ذریعہ پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو اپنے مرحوم باپ یا ماں (جیسی صورت ہو) کے قائم مقام کی حیثیت سے وارث قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے عائلی قانون کے تحت دادا یا دادی کی میراث کی تقسیم کے معاملہ میں اس صورت میں بنیادی تبدیلی واقع ہوئی ہے جبکہ میت (دادا ، دادی یا نانا نانی) کا کوئی بیٹا بیٹی اسکی زندگی میں فوت ہو چکا ہو۔ ایسی صورت میں اس کو زندہ تصور کرتے ہوئے اس کا حصہ (جو بشرط حیات اس کو ملتا) اس کی اولاد میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ۔ اس کے اثرات دوسرے موجود بیٹے ، بیٹی اور پوتی کی میراث پر پڑتے ہیں جن سے نص قرآنی حدیث نبوی اور اجماع کی مخالفت لازم آتی ہے راقم الحروف نے ایسے مقامات پر جدید قانون کے تحت پیدا شدہ تبدیلی کی طرف اشارہ کر دیا ہے ۔ البتہ راقم الحروف نے مسئلہ کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے رائج الوقت قانون کو امت مسلمہ کے اجماعی نقطۂ نظر کے مخالف قرار دیا ہے ، اور اجماعی نقطۂ نظر کے مطابق دفعہ قانون ھذا مرتب کی ہے۔

تاہم اس سلسلہ میں ایک متبادل تجویز بھی پیش کی ہے ۔ یہ تجویز راقم الحروف نے اس بحث و تمحیص کی روشنی میں مرتب کی ہے جو بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ راولپنڈی (فروری ۱۹۶۸ء) میں عائلی قوانین کمیٹی کے اجلاس کے دوران ایک ممتاز عالم دین (جو موجودہ ملکی سیاست میں بھی اونچا مقام رکھتے ہیں) نے پیش کی تھی — مجھے اس تجویز میں ایک سقم نظر آتا تھا اور وہ یہ کہ اس کے زیر اثر ''وصیت،، کو ایک حد تک ''واجب،، قرار دینا لازم آتا ہے، جب کہ وصیت مستحب ہے، لیکن جب میں نے اپنے اس اشکال کا ذکر موصوف سے کیا تو انھوں نے یہ کہہ کر میری تسلی کردی کہ دادا کا ''سکوت،، ان کی ''رضامندی،، شمار ہوگا۔ بہر کیف میں نے اس تجویز کا ذکر اس خیال سے کیا ہے کہ یہ تجویز ''نئی ،، ہے اور اصحاب علم اس پر

غور کر سکیں گے ۔ خود میرا ذھن ابھی پوری طرح اس تجویز کے بارے میں صاف نہیں ہے ۔

اڑتیسواں باب :

یہ باب ''مناسخہ،، پر ہے۔ اس میں مناسخہ کا ایک ایسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو شاید کسی حد تک جدید کہا جا سکتا ہے۔

تختہ جات وراثت :

کتاب کے آخر میں سنی و شیعہ قوانین وراثت کے بموجب ذوی الفروض کے تختہ ھائے وراثت دے گئے ھیں جن سے بیک نظر ان کی میراث کے حصے معلوم ھو سکتے ھیں ۔ یہ حصص قدیم فقہ کے بموجب ھیں۔ دفعہ ۴ عائلی قانون آرڈی نینس ۱۹۶۱ء کا اتباع نہیں کیا گیا ، کیونکہ وہ امت مسلمہ کے چودہ سو سالہ تعامل اور اجماع کے خلاف ہے۔

کتابیات (مصادر و مآخذ):

سب سے آخر میں کتابیات ہے ۔ کتابیات میں وہ کتب شامل ھیں جن کے حوالے فٹ نوٹ میں دیے گئے ھیں، البتہ بعض کتب ایسی بھی ھیں جن کے حوالے فٹ نوٹ میں نہیں ھیں مگر ان سے عام استفادہ کیا گیا ہے۔ حوالوں میں قوسین میں (م) متوفی کی علامت ہے۔ کسی کسی کتاب کے آخر میں سط ـن یا س ـ ن کی علامتیں سن طباعت ندارد کی جگہ استعمال کی گئی ھیں۔ مصادر و مآخذ کی جو فہرست آخر میں دی ہے ان میں سے اکثر کتب کا صرف ایک ھی نسخہ مطالعہ میں رھا ہے مگر بعض کتب مثلاً ردالمحتار، الھدایہ ، الدر المختار، البحرالرائق ، المغنی ، فتاویٰ عالمگیریہ ، شرائع الاسلام ، المحلی، سنن دار قطنی وغیرہ کے مختلف نسخے مختلف اوقات میں زیر مطالعہ رہے ۔ حتی الامکان کتاب کے ساتھ سن طباعت یا ایڈیشن کی صراحت کر دی گئی ہے۔

تحدیث نعمت:

تحدیث نعمت کے طور پر یہ عرض کرنا غالباً بے جا نہ ھوگا کہ اسلامی قانون وراثت پر مشتمل یہ کتاب اپنی جامعیت کے اعتبار سے آج تک اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتب پر گوئے سبقت لے گئی ہے۔ تمام متعلقہ مباحث کا کسی ایک ھی کتاب میں ملنا ممکن نہ ھوگا ۔ ھر چند کہ انسان خطاء و نسیان کا مرکب ہے، کوشش کی گئی ہے کہ کتاب اغلاط سے پاک ھو۔

انشاءاللہ تعالیٰ یہ کتاب اسلامی فقہی سرمایہ میں بیش قیمت اضافہ شمار کی جائے گی اور اھل علم و نظر اس کی شہادت دینگے۔

اگر چه زیب سرش افسر و کلاہے نیست
گدائے کوئے تو کمتر ز پادشاہے نیست
بخواب رفته جوانان و مرده دل پیران
نصیب سینهٔ کس آه صبح گاہے نیست
بایں بہانه بدشت طلب زپا نه نشیں
که در زمانه، کسے آشنا به راہے نیست
گناه ماچه نویسند کاتبان عمل
نصیب ما ز جہان تو جز نگاہے نیست
بیا که دامن اقبال را بدست آریم
که او ز خرقه فروشان خانقاہے نیست

حرف سپاس :

آخر میں ان اصحاب کا شکریه ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کا مسوده دیکھا ، ان میں مولانا منتخب الحق صاحب سابق ڈین و صدر شعبهٔ معارف اسلامیه ، کراچی یونیورسٹی ، مولانا امجد العلی صاحب سابق شیخ الحدیث مدرسه مطلع العلوم رامپور اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رح، صدر دارالعلوم کراچی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اول الذکر ہر دو صاحبان نے اس کتاب کو از اول تا آخر پڑھا اور بعض مشکل اور پیچیده مسائل میں میری مدد اور رہنمائی فرمائی ، جس کے لئے میں ان کا ته دل سے ممنون ہوں۔ مفتی صاحب مرحوم نے میری عاجزانه درخواست پر ضعف وانحطاط اور علالت کے باوجود تقریباً چھ ماه تک ہفته وار نشستوں میں اس کتاب کے معتدبه حصه کو لفظاً لفظاً سننے کی زحمت گوارا فرمائی ۔ اور بعض مقامات پر اپنی قیمتی آراء سے نوازا ۔ مفتی صاحب کی فقه دانی کا شعور و اندازه تو پہلے سے تھا لیکن ان نشستوں میں عین الیقین حاصل ہوا ، مفتی صاحب علیه الرحمة واقعی پاکستان میں فقه اسلامی کے سب سے بڑے عالم تھے ان کی ذات گرامی میرے لئے نعمت غیر مترقبه ثابت ہوئی ۔ آج وه ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ان کا پر خلوص اور محبت و شفقت سے بھر پور رویه مجھے تا دم زیست یاد رہے گا۔

نا سپاسی ہوگی اگر میں جناب مولانا کوثر نیازی صاحب، سابق وفاقی وزیر امور مذہبی، حکومت پاکستان و سابق چیرمین ادارۂ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) کا شکریه ادا نه کروں ۔ موصوف نے اداره کے سربراه کی حیثیت سے ان موانع کو دور فرمایا جو، شاید ، نئے حالات میں، اس کام کی تکمل

میں رکاوٹ ثابت ہو سکتے تھے ، اور اس طرح اس کام کی قدر دانی کا عملی ثبوت دیا۔ میں ان کا تہ دل سے ممنون ہوں۔

آئندہ پروگرام :

خدا کا شکر ہے کہ اس جلد کے ساتھ ہی مسلمانوں کے شخصی قوانین کی حد تک اسلامی قوانین کی تدوین جدید کا ایک مرحلہ طے ہوا ، اور اس کے ذریعہ اسلام ، پاکستان اور اردو زبان کی خدمت کا ایک اور موقع نصیب ہوا۔ والمنۃ للہ و بحسن توفیقہ۔ در حقیقت جتنا وقت اس کام میں صرف ہوا ، اور ہو رہا ہے، وہی حاصل زندگی ہے۔

سرم خوشست و ببانگ بلند می گویم
کہ من نسیم حیات از پیالہ می جویم

اب مجموعہ قوانین اسلام کی تالیف و ترتیب کا دوسرا مرحلہ در پیش ہے۔ الحمد للہ اس مجموعہ قوانین کی چھٹی جلد ''قانون شفعہ،، کی تالیف و ترتیب مکمل ہو چکی ہے۔ مجموعہ هذا کی ساتویں جلد ''اسلامی قانون حدود و تعزیرات،، پر کام شروع کر دیا گیا ہے جس کے بعد انشاءاللہ العزیز مجموعہ هذا کی اگلی جلدیں قانون شہادت ، اور متعدد اہم اسلامی دیوانی قوانین پر مشتمل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید واثق اور یقین کامل ہے کہ اس عظیم کام کی تکمیل کے لئے طمانیت قلب کے ساتھ کام کرنے کی توفیق مرحمت ہوگی۔ وما توفیقی الا باللہ ۔

واللہ اسئال النفع بہ فی الدنیا و احسن الجزاء علیہ فی العقبیٰ بمنہ و کرمہ

ھر چند غرق بحر گناھم ز صد جہت
تا آشنائے عشق شدم ز اھل رحمتم

دار التنزیل ، ڈی - ۱۳ ، جے، نارتھ ناظم آباد
کراچی - ۹ نومبر ۱۹۷۷ء
تنزیل الرحمن

متن (Text)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قانون وراثت

متن (Text)

اکتیسواں باب

ارکان، شرائط و موجبات وراثت

وراثت کی تعریف

۲۶۱ - وراثت ایک غیر اختیاری انتقال ملکیت ہے جس کے ذریعہ ایک متوفی کا ترکہ اس کے ورثا کے حق میں بطریق خلافت جانشینی منتقل ہوجاتا ہے ۔

ارکان وراثت

۲۶۲ - وراثت کے حسب ذیل تین ارکان ہیں :-

(۱) مورث، (۲) وارث، اور (۳) ترکہ (محل وراثت) ۔

شرائط وراثت

۲۶۳ - میراث کی تین شرطیں ہیں :-

(۱) مورث کی حقیقی یا حکمی موت کا ثبوت ،

(۲) مورث کی موت کے بعد وارث کی حقیقی یا حکمی حیات کا ثبوت، اور

(۳) قرابت کی نوعیت اور درجہ جس میں مورث اور وارث جمع ہوں ۔

موجبات وراثت

۲۶۴ - شرع اسلام میں وراثت کے دو موجبات ہیں :-

(۱) نسب، اور (۲) زوجیت (سبب) ۔

تیئسواں باب

حقوق متعلق بہ ترکہ

حقوق متعلق بہ ترکہ

۲٦۵۔ میت کے مال کے ساتھ حسب ذیل حقوق متعلق ہوتے ہیں جن میں بعض پر بعض مقدم ہیں :۔

(۱) میت کی تجہیز و تکفین،

(۲) (الف) میت کے ترکہ (عین شے) سے حقوق غیر کا ایفاء،

(ب) میت کے ترکہ سے اس کے ذمہ قرضوں (دیون) کی ادائی، اور

(۳) تمام دیون کی ادائی کے بعد مابقی ترکہ میں سے ایک تہائی کی حد تک غیر وارث کے حق میں وصیت کا اجراء ، اگر میت کی وصیت موجود ہو اور شرعاً قابل نفاذ ہو۔

توضیح — وصیت کے ایک تہائی سے زائد یا وارث کے حق میں ہونے کی صورت میں اس کا نفاذ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

(۲) موصی کے شیعہ ہونے کی صورت میں وارث کے حق میں ایک تہائی کی حد تک وصیت بلا اجازت ورثاء جائز و قابل لفاذ ہوگی۔

(۳) ما بقی ترکہ کی کتاب و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں ورثاء میں تقسیم۔

چوبیسواں باب

مستحقین میراث

ترتیب میراث

۲٦٦۔ علی الترتیب حسب ذیل افراد ترکہ کے مستحق ہوں گے :۔

(۱) ذوی الفروض، (۲) عصبات، (۳) عصبہ نہ ہونے کی صورت میں

رد علی ذوی الفروض، (۴) ذوی الارحام، (۵) مولی الموالات، (۶) مقرلہ بالنسب، (۷) موصی لہ بجمیع مال، اور (۸) بیت المال۔

ورثاء کی اقسام

۲۶۷۔ ورثاء کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :۔

(۱) ذوی الفروض، (۲) عصبات اور (۳) ذوی الارحام

ذوی الفروض کی اقسام

۲۶۸۔ ذوی الفروض کی دو قسمیں ہیں :۔

(الف) سببی، اور (ب) نسبی۔

شوہر کی میراث

۲۶۹۔ شوہر کی میراث کی دو حالتیں ہیں :۔

(۱) زوجہ متوفیہ کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو کل ترکہ کا نصف ملے گا۔ اور

(۲) زوجہ متوفیہ کی اولاد موجود ہونے کی صورت میں شوہر کل ترکہ کا چوتھائی پائے گا۔

توضیح — جس اولاد کی وجہ سے شوہر (یا زوجہ) کے حصہ میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے وہ بیٹا، بیٹی پوتا پوتی یا پوتے کا بیٹا یا بیٹی یعنی پڑ پوتا یا پڑپوتی ہیں (خواہ کتنے ہی زیرین پشت میں ہوں)۔ اس میں بیٹی کی اولاد شامل نہیں ہے۔

زوجہ کی میراث

۲۷۰۔ زوجہ کی میراث کی دو حالتیں ہیں :۔

(۱) شوہر متوفی کی اولاد در اولاد نہ ہونے کی صورت میں کل ترکہ کا چوتھائی پانے کی مستحق ہوگی، اور

(۲) اولاد یا اولاد کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ پانے کی مستحق ہوگی۔

توضیح — (۱) ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں متذکرہ بالا حصہ سب بیویوں میں برابر تقسیم ہوگا۔

(۲) اولاد کی جو توضیح دفعہ سابق میں کی گئی ہے اس کا اعتبار دفعہ ھذا میں بھی کیا جائے گا۔

باپ کی میراث

۲۷۱- میت کے باپ کے میراث کی تین حالتیں ھیں :-

(۱) فرض مطلق (تعصیب سے خالی) ۱/۶ پائے گا، جب کہ بیٹا (زیرین درجہ تک) موجود ھو۔

(۲) فرض مع التعصیب جب کہ بیٹی یا پوتی زیرین درجہ تک موجود ھو۔

(۳) خالص عصبہ جب کہ میت کی اولاد اور اس کی اولاد موجود نہ ھو۔

ماں کی میراث

۲۷۲- میت کی ماں کی میراث کی تین حالتیں ھیں :-

(۱) اگر میت کی اولاد یا اولاد کی اولاد (نیچے تک) موجود ھو یا دو یا دو سے زائد بھائی بہن کسی جہت میں موجود ھوں تو ماں کو ترکہ کا ۱/۶ حصہ ملے گا۔

(۲) اگر میت کے ورثاء میں زوجین میں سے کوئی ایک (شوھر یا زوجہ، جیسی صورت ھو) موجود ھو تو شوھر یا زوجہ کا حصہ دے کر ماں کو بقیہ ترکہ کا ۱/۳ ملے گا، جب کہ

(الف) میت کا شوھر اور والدین ھوں، یا

(ب) میت کی زوجہ اور والدین ھوں۔

(۳) اگر صورت مذکورہ میں باپ کی بجائے دادا موجود ھو تو ماں کو کل مال کا ۱/۳ دیا جائے گا۔

بیٹی (دختر) کی میراث

۲۷۳- بیٹی کی میراث کی تین حالتیں ھیں :-

(۱) ایک ھو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا۔

(۲) دو یا دو سے زیادہ ھوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی ملے گا، اور

(۳) اگر میت کا بیٹا بھی موجود ھو تو "للذکر مثل حظ الانثیین" کے اصول پر بیٹے کے حصہ کا نصف ملے گا۔

توضیح — میت کے اگر صرف بیٹی یا بیٹیاں ھوں تو وہ بحیثیت ذوی

الفروض حصہ پاتی ہیں لیکن اگر میت کے کوئی بیٹا بھی ہو تو پھر بیٹی اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی۔

پوتی کی میراث

۲۷۴۔ پوتیوں کی میراث کی چھ حالتیں ہیں :۔

(۱) ایک پوتی ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا،

(۲) دو یا دو سے زائد پوتیاں ہوں تو ان کو مجموعی طور پر ترکہ کا دوتہائی ملے گا، جب کہ بیٹی موجود نہ ہو،

(۳) اگر میت کی ایک بیٹی موجود ہو تو بیٹی کو ترکہ کا نصف، اور پوتی کو ترکہ کا ۱/۶ دے دیا جائے گا، تا کہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے۔

(۴) اگر میت کی دو یا دو سے زائد بیٹیاں موجود ہوں تو پوتیاں محروم ہوجائیں گی۔

(۵) الا یہ کہ ان کے درجہ میں یا ان سے نیچے درجہ میں میت کا کوئی پوتا موجود ہو تو وہ پوتیوں کو عصبہ کردے گا، اور باقی ماندہ ترکہ مرد کو عورت کے مقابلہ میں دوگنا ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے قاعدہ کے بموجب تقسیم ہوگا۔

(۶) میت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں محروم ہو جائیں گی، بخلاف بیٹی کے۔

حقیقی بہن کی میراث

۲۷۵۔ میت کے کوئی بیٹا (خواہ کتنے ہی زیریں درجہ میں ہو) یا باپ (خواہ کتنے ہی بالائی درجہ میں ہو) نہ ہونے کی صورت میں —

(۱) اگر ایک بہن موجود ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا۔

(۲) دو یا دو سے زیادہ بہنیں موجود ہوں تو ان کو ترکہ کا دوتہائی ملے گا۔

توضیح — میت کے بیٹے یا باپ کی موجودگی میں بہن محروم ہوجاتی ہے۔

(۳) بھائی کی موجودگی میں بہن عصبہ ہوجائے گی اور ''مرد کو عورت کے مقابلہ میں دوگنا،، کے قاعدہ کے مطابق حصہ پائے گی۔

(۴) بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں ان کے حصے دے کر ما بقی بہن کو ملے گا۔

(۵) میت کے بیٹے، پوتے، یا باپ کی موجودگی میں بہن محروم ہوجائے گی۔

علاتی بہن کی میراث

۲۷۶ - علاتی بہن کی میراث کی چھ حالتیں ہیں :-

(۱) ایک ہو تو ترکہ کا نصف، اور

(۲) دو یا دو سے زائد ہوں تو دو تہائی ملے گا، جب کہ حقیقی بہنیں موجود نہ ہوں۔

(۳) اگر ایک حقیقی بہن ہو اور ایک علاتی بہن ہو تو حقیقی بہن کو ۱/۲ اور علاتی بہن کو ۱/۶ مل کر دو تہائی کی تکمیل کی جائے گی۔

(۴) اگر دو حقیقی بہنیں موجود ہوں تو علاتی بہنیں وارث نہ ہوں گی۔

(۵) الا یہ کہ کوئی علاتی بھائی موجود ہو جو ان (علاتی بہنوں) کو عصبہ کردے۔

(۶) علاتی بہنیں صلبی (حقیقی) بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہوجاتی ہیں۔

توضیح :- بھائی یا بہن خواہ حقیقی ہوں یا علاتی، میت کے بیٹے اور پوتے (خواہ کتنے ہی زیرین درجہ کے ہوں) میت کے باپ کی موجودگی مین محروم ہوجاتے ہین -

مادری یا اخیافی بھائی بہن (برادر یا خواہر اخیافی) کی میراث

۲۷۷ - اخیافی بھائی بہن (ماں کی اولاد) کی میراث کی دو حالتیں ہیں، جب کہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد نہ ہو نہ باپ - ہو اور نہ دادا۔

(۱) ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو چھٹا حصہ ملے گا، اور

(۲) دو یا دو سے زائد کے لئے ایک تہائی ہوگا جو مرد و عورت میں مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا۔

دادا (جد صحیح) کی میراث

۲۷۸ - دادا باپ کی غیر موجودگی میں اس کی مثل میراث کا مستحق

ہوگا، بجز ذیل کی صورتوں کے :-

(۱) باپ کی ماں باپ کی موجودگی میں محروم ہوگی، دادا سے محروم نہ ہو گی۔

(۲) جب میت والدین اور زوجین میں سے کسی ایک کو چھوڑے تو ماں کو زوجین کا حصہ دینے کے بعد بقیہ کا ایک تہائی ملے گا، لیکن باپ کی جگہ دادا کی موجودگی میں ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی ملے گا، اور

(۳) حقیقی یا علاتی بھائی دادا کی موجودگی میں محروم نہ ہوں گے بلکہ دادا کو بھائی کے برابر حصہ ملے گا۔

دادی یا نانی کی میراث

۲۷۹۔ دادی نانی کو ترکہ کا ۱/۶ حصہ ملے گا، خواہ ایک ہوں یا متعدد، بشرطے کہ سب صحیحہ اور ایک درجہ میں ہوں۔

(۲) ماں کی موجودگی میں تمام جدات ہر قسم کی خواہ ایک سلسلہ کی ہوں یا مخلوط محروم ہو جائیں گی۔

(۳) پدری جدات باپ سے محروم ہو جائیں گی، اسی طرح دادا سے بھی، البتہ باپ کی ماں (اوپر درجہ تک) محروم نہ ہوگی بلکہ دادا کےساتھ میراث پائے گی۔

عصبہ نسبی کی تعریف

۲۸۰۔ عصبہ نسبی شرعاً ہر اس وارث کو کہتے ہیں جو تنہا ہونے پر تمام ترکہ لے لے یا جو ترکہ ذوی الفروض سے باقی رہے وہ تمام سمیٹ لے۔

عصبہ نسبی کی اقسام

۲۸۱۔ عصبہ نسبی کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :-

(۱) عصبہ بنفسہ، وہ وارث جو اپنے عصبہ ہونے میں کسی غیر کا محتاج نہ ہو، اور اس کے اور میت کے درمیان رشتہ میں کوئی عورت داخل نہ ہو۔

(۲) عصبہ بغیرہ، وہ وارث عورت جو اپنے عصبہ ہونے میں غیر کی محتاج ہو، اور یہ غیر، عصبہ ہونے میں اس کا شریک ہو، اور

(۳) عصبہ مع الغیر، وہ وارث عورت جو عصبہ بننے میں غیر کی محتاج ہو اور وہ غیر عصبہ ہونے میں اس کا شریک نہ ہو۔

عصبات کی توریث کے عام قواعد

۲۸۲ - عصبات کی توریث کے اہم قاعدے حسب ذیل ہیں :-

(۱) قریب کو بعید پر ترجیح ہے ،

(۲) ہم درجہ عصبات کی صورت میں اقوی قرابت کا اعتبار کیا جائے گا،

(۳) چند قسم کے عصبہ جمع ہوجانے کی صورت میں میت سے قریب تر عصبہ کو ترجیح دی جائے گی ، اور

(۴) عصبات میں تقسیم بہ اعتبار فی کس ہوگی۔

رد علی ذوی الفروض

۲۸۳ - ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد کوئی عصبہ موجود نہ ہونے کی صورت میں، باقی ماندہ ترکہ زوجین کو چھوڑ کر دیگر ذوی الفروض میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کرنے کا عمل ''رد،، کہلاتا ہے ۔ مگر لازم ہوگا کہ زوجین کو صرف اسی صورت میں اس قاعدہ سے خارج کیا جائے جب کہ بیت‌المال منتظم ہو۔

ذوی الارحام کی تعریف

۲۸۴ - میت کے وہ قرابت دار جو نہ ذوی الفروض ہیں، اور نہ عصبات، ''ذوی الارحام،، کہلاتے ہیں ۔

ذوی الارحام کی میراث

۲۸۵ - ذوی الفروض کے عصبات اور رد علی ذوی الفروض کے بعد میراث کے مستحق ذوی الارحام ہوتے ہیں ۔

ذوی الارحام کی ترتیب توریث

۲۸۶ - ذوی الارحام کی ترتیب توریث حسب ذیل ہے :-

(۱) جو میت کی طرف منسوب ہوں مثلاً میت کی بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد،

(۲) جن کی طرف میت منسوب ہو مثلاً نانا، نانا کا باپ، نانا کی ماں، یا نانا کی نانی وغیرہ،

(۳) وہ جو میت کے ماں باپ سے منسوب ہوں مثلاً بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں، اخیافی بھائی، بہنوں کی اولاد وغیرہ، اور

(۴) وہ جو میت کے دو جد یا دو جدہ کی طرف منسوب ہوں، یعنی دادا، نانا، یا دادی، نانی کی طرف مثلاً عینی یا اخیافی پھوپیاں، ماموں اور خالائیں وغیرہ۔

مولی الموالات

۲۸۷- سابق میں مذکور ورثاء — ذوی الفروض یا عصبات یا ذوی الارحام — میں سے کوئی موجود نہ ہونے کی صورت میں ترکہ کا مستحق وہ مولی الموالات قرار پاتا ہے، جس کے ساتھ ترکہ لینے کے واسطے بطریق جائز آپس میں معاهدۂ موالات کر لیا گیا ہو۔

مقر لہ بالنسب علی الغیر کی میراث

۲۸۸- جب کہ متوفی نے کسی شخص کے لئے نسب کا اقرار کیا ہو تو مقرلہ ترکہ کا مستحق ہوگا، بشرطے کہ وہ شخص مجہول النسب ہو اور کسی دوسرے شخص سے ثابت النسب نہ ہو اور مقر نے اپنے اقرار سے تا دم زیست رجوع نہ کیا ہو۔

موصی لہ بجمیع المال

۲۸۹- مورث کا کوئی وارث موجود نہ ہونے کی صورت مین وصیت موصی لہ جمیع المال کے حق میں نافذ العمل ہوگی۔

بیت المال

۲۹۰- جس میت کے ترکہ کا دفعات سابقہ میں مذکور کوئی مستحق موجود نہ ہو، اس کا ترکہ بیت المال (خزانہ عامرہ) کی ملکیت ہوگا۔

چونتیسواں باب

عول

عول

۲۹۱- جب کسی میت کے ترکہ میں ذوی الفروض کے سہام کی تعداد زیادہ ہو اور ترکہ کی اکائی ان سہام کی تعداد کو ان کے حق کے مطابق پورا نہ کرسکتی ہو تو سہام میں کمی کرکے تمام ورثہاء کے حق میں تقسیم کے لئے حسابی زیادتی پیدا کرنے کا نام ''عول'' ہے۔

پینتیسواں باب

حمل، مفقود، اسیر، ولد الزنا، ولد الملاعنہ اور خنثی کی میراث

حمل کی میراث

۲۹۲ - (۱) بہ پابندی احکام متعلق نسب اولاد مندرجہ باب ۲۱ مجموعہ ہذا، متوفی کے حمل کے لئیے لڑکے یا لڑکی میں سے کسی ایک فرد کا وہ حصہ روک رکھا جائے گا جس کی مقدار زیادہ ہوگی۔ یہ عمل اس وقت ہوگا جب کہ حمل متوفی کے وارثوں میں سے کسی وارث کے لئے حجب نقصان کا سبب ہوسکتا ہو، لیکن اگر حمل حجب حرمان کا سبب ہوتا ہو تو کل ترکہ تقسیم سے روک دیا جائے گا، اور قبل پیدائش بصورت تقسیم ورثاء سے کفالت (Security) لی جائے گی۔

(۲) حمل اس وقت وارث ہوسکے گا جب کہ اس کا کل یا نصف سے زیادہ حصہ زندگی کی حالت میں پیدا ہوا ہو، لیکن جس صورت میں کم حصہ زندہ پیدا ہو اور زیادہ حصہ مردہ تو یہ کل مردہ تصور کیا جائے گا اور وارث نہ ہوگا، البتہ اگر حمل پر دست اندازی کی گئی ہو اور اس کے بعد حمل مردہ پیدا ہوا تو اس صورت میں وہ خود بھی وارث ہوگا اور اس کے دیگر ورثاء اس کے وارث ہوں گے۔

(۳) جب کہ حمل پیدا ہوجائے تو ترکہ کا جو حصہ روک رکھا گیا ہے اگر وہ پورے حصہ کا وارث ہے تو اس کو وہ پورا حصہ دے دیا جائے گا اور اگر وہ اس کے جزو کا مستحق ہے تو وہ جزو دینے کے بعد جو باقی رہے گا، ورثاء میں بقدر استحقاق تقسیم کردیا جائے گا۔

مفقود کی میراث

۲۹۳ - (۱) مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جس کی موت و زیست کی کوئی اطلاع نہ ہو۔ وارثت میں اس کا حکم وہی ہے جو حمل کا ہے، یعنی اس کا حصہ میراث اس کے لئے روک رکھا جائے گا۔

(۲) اگر حاضر ورثاء میں سے مفقود کسی کے لئے حاجب ہوتا ہو تو کل مال تقسیم سے روک رکھا جائے گا، اور اگر کسی کے لئے حجب حرمان کا

سبب نہیں ہوتا ہے، تو ہر وارث کو مفقود کے حصہ کے بقدر کم کرکے تقسیم کیا جائے گا، یعنی مفقود کی حیات فرض کرکے اس کے حصہ کی مقدار کے اعتبار سے۔

(۳) اگر مفقود کی حیات ثابت ہوجائے اور وہ زندہ واپس آجائے تو اس کا امانت شدہ حصہ اس کی دے دیا جائے گا۔

(۴) جب کہ اس کی موت کا حکم دے دیا جائے تو مفقود کا وہ حصہ اس کے ان موجود ورثاء میں تقسیم کردیا جائے گا جو موت کے حکم کے وقت موجود ہوں گے، اور موت کا حکم دینے سے قبل جن لوگوں کا انتقال ہوچکا ہوگا وہ وارث نہ ہوں گے۔

اسیر کی میراث

۲۹۴۔ (۱) کوئی مسلمان جو کفار کی قید میں ہو اس کی میراث کا وہی حکم ہے جو عام مسلمانوں کی میراث کا ہے۔ اس کے واپس آنے تک اس کا حصہ میراث محفوظ رکھا جائے گا۔

(۲) اگر زندہ واپس نہ آیا تو اس کا حصہٗ محفوظ اس کے ورثاء کا ہوگا۔

(۳) اگر مرتد ہوگیا تو اس کے مال پر مرتد کے احکام مرتب ہوں گے۔

ولد الزنا اور ولد اللعان کی میراث

۲۹۵۔ ولد الزنا اور ولد اللعان اپنی ماں کے اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے اور یہ عورت (ماں) اس کی اور اس کے قرابت داروں کی وارث ہوگی۔ باپ یا اس کے قرابت داروں سے میراث کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

خنثی کی میراث

۲۹۶۔ (۱) خنثی اگر مُرد ہے تو اس کو مرد کا حصہٗ میراث دیا جائے گا اور اگر عورت ہے تو اسے عورت کا حصہ میراث دیا جائے گا۔

(۲) اگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ وہ خنثی مرد ہے یا عورت تو اگر مرد قرار دینے کی صورت میں اسے کم حصہ میراث ملتا ہے تو اسے مرد قرار دیا جائے گا اور اگر عورت قرار دینے کی صورت میں اسے حصہ کم ملتا ہے تو اسے عورت قرار دیا جائے گا۔

چھتیسواں باب

موانع میراث

موانع میراث کی تعریف

۲۹۷۔ موانع میراث سے ایسے اسباب مراد ہیں جو کسی وارث کے ورثہ لینے میں مانع ہوں۔ جو شخص اس طرح ورثہ سے محروم ہوتا ہے اس کو ممنوع الارث یا محروم الارث کہتے ہیں۔

موانع میراث کی اقسام

۲۹۸۔ موانع میراث حسب ذیل ہیں:

(الف) (۱) قتل عمد و شبہ عمد، بشرطیکہ ناحق ہو،

(۲) اختلاف دین (مذہب)

(۳) اختلاف دار (مملکت) اور

(ب) (۱) ارتداد،

(۲) اشتباہ وارث و مورث۔

قتل ناحق

۲۹۹۔ (۱) کوئی وارث جو مورث کے قتل عمد یا شبہ عمد کا مرتکب ہوا ہو مقتول مورث کا وارث نہ ہوگا، بشرطیکہ قتل ناحق ہو۔

(۲) اگر قتل اپنی جان کی حفاظت کے لئے کیا گیا ہو تو قاتل محروم الارث نہ ہوگا۔

(۳) اگر قاتل بچہ یا دیوانہ ہو تو محروم الارث نہ ہوگا۔

اختلاف مذاہب

۳۰۰۔ کافر مسلم کا اور مسلم کافر کا وارث نہ ہوگا۔

اختلاف دارین

۳۰۱۔ غیر مسلم ذمی اور غیر مسلم حربی کے درمیان بجز حالت جنگ اختلاف مملکت مانع ارث نہ ہوگا، الا یہ کہ دوسری مملکت کا قانون اس کا مانع ہو۔

ارتداد

۳۰۲۔ (۱) ارتداد مانع ارث ہے۔ مرتد و مرتدہ (مرد و عورت)

اپنے مسلمان ورثاء کی میراث سے محروم ہوں گے۔

(۲) ارتداد اس مال کے حق میں جو مرتد نے بعد ارتداد حاصل کیا ہو، اس کے ورثاء کے حق میں مانع ارث ہوگا۔ یہ مال بیت‌المال کی ملکیت ہوگا۔ البتہ مرتد کا مسلم وارث اس مال کا وارث ہوگا جو مرتد نے اسلام کی حالت میں حاصل کیا ہو۔

استثناء: مرتدہ (عورت) کا حالت اسلام اور ارتداد دونوں حالتوں کا مال اس کے ورثاء کا حق ہوگا۔

اشتباہ مورث و وارث

۳۰۳۔ ایک ساتھ غرق ہوجانے والے یا دب کر مرجانے والے یا آگ میں جل کر مرنے والے جب کہ ان کے درمیان ورثاء کا رشتہ قائم ہوتا ہو، باہم ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، اگر ان میں یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ کون پہلے فوت ہوا، اور کون اس کے بعد۔ ایسی صورت میں ان کا ترکہ ان کے ذی حیات ورثاء میں تقسیم کردیا جائے گا۔

سینتیسواں باب

حجب و حرمان

حجب کی تعریف

۳۰۴۔ کسی شخص کے وجود کی وجہ سے دوسرے شخص کا میراث پانے سے رک جانا ''حجب'' کہلاتا ہے، وہ کل میراث سے روک دیا جائے یا جزو میراث سے۔

حجب کی قسمیں

۳۰۵۔ حجب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حجب حرمان، اور (۲) حجب نقصان۔

حجب کے بنیادی اصول

۳۰۶۔ حجب کے حسب ذیل تین بنیادی اصول ہیں:-

(۱) حاجب کی میت سے بلا واسطہ قرابت داری،

(۲) حاجب کا محجوب کے مقابلے میں میت سے اقرب ہونا، اور

(۳) میت سے حاجب کی قرابت کا بمقابلہ محجوب قوی تر ہونا۔

یتیم پوتے کی میراث

۳۰۷۔ دادا یا نانا کے انتقال پر اس کے اپنے بیٹے کی موجودگی میں اس کے دوسرے مرحوم بیٹے یا بیٹی (جو اس کی حیات میں وفات پا چکے ہوں) کی اولاد دادا یا نانا کے ترکہ میں میراث پانے کی مستحق نہ ہوگی۔

اڑتیسواں باب

مناسخہ

مناسخہ۔

۳۰۸۔ ایسے وارث کے حصہ کو جو اپنے مورث کی میراث کی تقسیم سے قبل فوت ہوجائے، اس کے اپنے ورثاء کی طرف منتقل کردینا ''مناسخہ،، کہلاتا ہے۔

* * *

قانون وراثت
مع شرح

اکتیسواں باب

ارکان، شرائط و موجبات وراثت (۱)

وراثت کی تعریف

۲۹۱ - وراثت ایک غیر اختیاری انتقال ملکیت ہے جس کے ذریعہ ایک متوفی کا ترکہ اس کے ورثاء کے حق میں بطریق خلافت (جانشینی) منتقل ہو جاتا ہے -

تشریح

تمدن کی ترقی کے لئے انتقال ملکیت ضروری ہے - شرع اسلام میں انتقال ملکیت کی دو صورتیں ہیں - ایک اختیاری اور دوسری غیر اختیاری -

انتقال ملکیت جو اختیاری طور پر صورت پذیر ہوتا ہے وہ بلا معاوضہ یابالمعاوضہ ہوتا ہے - بلا معاوضہ انتقال ملکیت بحالت صحت ''ہبہ،، کہلاتا ہے جب کہ بحالت مرض موت اس سے وصیت کے احکام متعلق ہوجاتے ہیں - موت کے بعد کے زمانے کی طرف نسبت کرکے ملکیت یا منفعت منتقل کردیئے جانے کے ارادہ کا قطعی اظہار ''وصیت،، کہلاتا ہے - بالمعاوضہ انتقال ملکیت اپنی تمام صورتوں کے ساتھ ''بیع،، یا اس کے مشابہ عقود ہوتے ہیں -

---

(۱) راقم نے ''اسباب،، کے بجائے ''موجبات،، کی اصطلاح اختیار کی ہے کیونکہ سبب کا موثر ہونا ضروری نہیں ہے، حالانکہ اسباب وراثت میں جن امور کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ موثر ہیں - اس وجہ سے ''سبب،، کی بجائے ان کو ''موجب،، کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوا - واضح رہے کہ حنفی کتب فقہہ میں وراثت کے ضمن میں اسباب اور شیعی کتب فقہہ میں موجبات کی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں، یعنی اسباب وراثت، موجبات وراثت -

انتقال ملکیت کی دوسری صورت جو غیر اختیاری ہے وہ ملکیت کو خود بخود مورث کی طرف سے اس کے ورثاء کی جانب منتقل کر دیتی ہے جس میں مورث کے ارادہ، نیت یا اختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا ۔ اس غیر اختیاری انتقال ملکیت کو ''وراثت،، کہا جاتا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں ایک شخص کے مال کا دوسرے کے حق میں بطریق خلافت منتقل ہوجانا ''وراثت،، کہلاتا ہے ۔(۲)

انتقال ملکیت کے مذکورہ بالا دونوں طریقوں کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلے یعنی اختیاری طریقہ انتقال ملکیت میں انتقال کنندہ اور منتقل الیہ کے درمیان ایجاب و قبول اور بعض صورتوں میں مثلاً وقف میں صرف ایجاب شرط ہے، جب کہ وراثت دونوں سے مستغنی ہے ۔

مراکش کے قانون الاحوال الشخصیة کی دفعہ ۲۱۷ میں وراثت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ ''وراثت یہ ہے کہ مالک کی موت کے بعد حق ملکیت اس کے مستحقین کی جانب بغیر تبرع (احسان) و معاوضہ کے منتقل ہوجائے،، ۔

ارکان وراثت

۲۶۲ - وراثت کے حسب ذیل تین ارکان ہیں -

(۱) مورث (۲) وارث، اور (۳) ترکہ (محل وراثت)۔

تشریح

۱ - مورث :

وراثت کا پہلا رکن ''مورث،، ہے ۔

وراثت کا استحقاق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ مورث کی موت حقیقتاً یا تقدیراً یا حکماً واقع ہوچکی ہو ۔

(۲) الاختیار لتعلیل المختار (فقه حنفی)، عبداللہ بن محمود بن مودود (م ۶۸۳ھ)، مطبعة المصطفی البابی، مصر، ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء، جزء ۵، ص ۸۵ (کتاب الفرائض) :
''انتقال مال الغیر الی الغیر علی سبیل الخلافة،، ۔

حقیقتاً موت یہ ہے کہ حقیقی زندگی کا رشتہ حقیقتاً منقطع ہوجائے، یعنی مورث کی روح یقینی طور پر اس کے جسم سے نکل چکی ہو۔

تقدیراً موت یہ ہے کہ میت کو زندہ تصور کرتے ہوئے اس کے بعد حقیقی موت واقع قرار دی جائے، مثلاً جنین (رحم مادر میں بچہ) کسی جنایت (دست اندازی) کے ذریعہ ماں کے بطن سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔

حکماً موت یہ ہے کہ حقیقی زندگی کے رشتہ کو حکم شرعی کے تحت منقطع قرار دیا جائے، مثلاً حاکم نے مفقودالخبر شخص کے بارے میں اس کی موت کا حکم دے دیا ہو یا مرتد کو ارتداد کے وقت سے مردہ قرار دے دیا جائے۔

قانون مصری:

دفعہ ۱۔ وراثت کا استحقاق مورث کی حقیقی یا بحکم حاکم موت سے پیدا ہوتا ہے۔

قانون شام:

دفعہ ۲۶۰۔ (۱) مورث کی حقیقی یا حکمی موت کے بعد وراثت کا استحقاق پیدا ہوگا۔

قانون تونس:

دفعہ ۸۵۔ مورث کی حقیقی یا حکمی موت کے بعد بشرط حیات وارث بوقت موت مورث میراث کا استحقاق پیدا ہوگا۔

قانون مراکش :

دفعہ ۲۱۸۔ وراثت کا استحقاق مورث کی حقیقی یا حکمی موت اور وارث کی اس وقت زندگی کے تحقق کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

دفعہ ۲۱۹۔ حکمی موت یہ ہے کہ اس شخص کی زندگی اور موت کا کوئی پتہ نہ چل سکے یا اس کی زندگی نامعلوم ہونے پر حاکم اس کی موت (واقع ہوجانے) کا حکم دے دے (یعنی اسے مردہ قرار دے دے)۔

۲۔ وارث :

وراثت کا دوسرا رکن ''وارث،، ہے۔ ''وارث،، کا لفظ ''ارث،، سے مشتق ہے۔ ارث کے لغوی معنی ''بقیہ،، کے ہیں۔ (۳) نبی علیہ‌السلام نے فرمایا ہے، ''انکم علی ارث من ارث ابیکم ابراھیم،، یعنی تم اس باقی دین پر ہو جو تمہارے باپ حضرت ابراھیم کے دین سے باقی رہا ہے۔ وارث کو وارث اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مورث کی موت کے بعد باقی رہتا ہے۔ گویا وہ مورث کے خاندان کا ایسا باقی فرد ہے جو مورث کے مال میں اس کا قائم مقام ہے۔(۴)

مورث کی موت کے ساتھ ھی وارث کی حیات کا تعین ضروری ہے۔ خواہ وہ حقیقتاً زندہ ہو یا تقدیراً زندہ تصور کر لیا گیا ہو مثلاً وہ بچہ جو رحم مادر میں ہو۔ چنانچہ حمل کی میراث اس کو زندہ تصور کرکے علیحدہ رکھ دی جائے گی اور اس کے زندہ پیدا ہونے کے بعد اس کی ملکیت قرار پائے گی۔ اگر کسی نے حمل کو ایسا صدمہ پہونچایا جس کے نتیجہ میں وہ مردہ حالت میں پیدا ہوا تو ایسی صورت میں اس کو زندہ پیدا ہونے والا تصور کیا جائے گا اور وہ وارث ہوگا۔ (۵) البتہ بعض ایسی صورتوں میں جہاں مورث کے مرنے کے ساتھ وارث کے زندہ ہونے کا پتہ نہیں چل سکتا، (باھم) توارث نہ ہوگا، جیسا کہ ایک ساتھ ڈوب کر مر جانے والے، جل کر مرجانے والے، عمارت میں دب کر مرجانے والے۔(۶)

قانون مصر :

دفعہ ۲۔ وراثت کے استحقاق کے لئے مورث کی حقیقی یا حکمی موت کے وقت وارث کا ذی حیات ہونا ضروری ہے۔

---

(۳) القاموس المحیط، مجدالدین محمد الفیروز آبادی، مطبع مصطفی البابی، مصر، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء، ج ۱، ص ۱۶۷ (مادہ ارث)۔

(۴) الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، مطبوعہ مصر، جز ۵، ص ۸۵، ''والارث فی اللغۃ البقاء، . . . . و سمی الوارث لبقائہ بعد المورث،،۔

(۵) میراث حمل کی تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو ۳۵ واں باب ما بعد۔

(۶) احکام الترکات و المواریث، (فقہ عام)، ابوزھرہ، دارالفکر العربی، مصر، س۔ن، صفحہ ۱۱۱، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ۳۶واں باب، مابعد، بحث اشتباہ وارث و مورث، کتاب ھذا۔

اور حمل وراثت کا اس وقت مستحق ہوگا، جب کہ اس میں دفعہ ۴۳ قانون ھذا میں بیان کردہ شرائط موجود ہوں۔

قانون شام :

۲۶۰ - (۲) وراثت کے استحقاق کے لئے یہ شرط ہوگی کہ وارث مورث کی موت کے وقت زندہ موجود ہو یا جس وقت حاکم نے (مورث کی) موت کا حکم دیا ہو، وارث زندہ موجود ہو، اور حمل اس وقت وارث ہوگا جب کہ اس میں وہ تمام شرائط جو دفعہ ۲۳۶ میں بیان کی گئی ہیں، پائی جائیں۔

۳ - ترکہ (محل وراثت) :

وراثت کا تیسرا رکن ''ترکہ،، (محل وراثت) ہے۔

''ترکہ،، کا لفظ ''ترک،، سے مشتق ہے اور ''متروک،، کے معنی میں ہے۔ متروک کے لغوی معنی ہیں ''چھوڑی ہوئی چیز۔(۷)

علم فرائض کی اصطلاح میں ''ترکہ،، وہ مال ہے جو میت (مورث) اپنے بعد اپنی شرعی مملوکات کی شکل میں چھوڑ جائے۔ بحرالرائق میں ترکہ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ ''ترکہ سے وہ مال مراد ہے جو میت اپنے بعد چھوڑ جائے اور دوسرے معین شخص کا اصل شیٔ (متروکہ) کے ساتھ کوئی حق متعلق نہ ہو۔(۸) یہی تعریف سید شریف جرجانی کی کتاب ''شریفیہ،، (شرح سراجیہ) کے حاشیہ پر تبیین‌الحقائق شرح کنزالدقائق سے نقل کی گئی ہے۔(۹)اس کا مطلب یہ ہے کہ جس مال سے متعین طور پر کسی غیر کا حق متعلق ہو اس وقت تک وہ مال ترکہ میں داخل نہ ہوگا جب‌تک کہ اس حق غیر کا ایفاء نہ ہوجائے۔ یعنی اس دوسرے شخص کا حق ادا نہ کر دیا جائے

---

(۷) الترکة و الترکة الشئی المتروک و منه ترکة المیت، (المنجد، لوئیس معلوف، المطبعة (الکاثر لیکیة،) بیروت، ۱۹۲۷ء، ص ۵۹)۔

(۸) ''المراد من الترکة ما ترکه المیت خالیاً عن تعلق حق الغیر بعینه،، البحر الرائق، فقه حنفی، ابن نجیم، زین الدین احمد ابن ابراهیم (م ۹۷۰ھ) دارالکتب العربیة الکبری، مصر، ۱۳۳۴ھ، ج ۸، ص ۴۸۹ (کتاب الفرائض)۔

(۹) الشریفیه، (شرح سراجیه)، سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ)، (فقه حنفی)، قرآن محل کراچی، س۔ن، صفحه ۳، (حاشیه)۔

چنانچہ ترکہ یا متروکہ وہ مال و متاع ہے جو کوئی شخص چھوڑ مرے اور اسکی اپنی جائز ملکیت ہو، خواہ اس شئے مملوکہ پر میت کا قبضہ نہ ہوا ہو - بنا بریں جہاد کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اگر مجاہد مرجائے تو مال غنیمت میں اس کا حصہ اس کا متروکہ شمار ہوگا جو اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ بشرطیکہ مال غنیمت دارالاسلام میں آچکا ہو۔ یہاں فقہاء نے تاکد حق کو ملکیت کے قائم مقام قرار دیا ہے (۹الف) اسی طرح وہ شئے جو اس کی ملکیت میں موت کے بعد داخل ہوئی ہو مگر جس کا سبب ملک اس کی حیات میں قائم ہوچکا ہو وہ شئے بھی ترکہ میں داخل سمجھی جائے گی۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے جال لگایا تھا کہ مرگیا۔ مرنے کے بعد اس جال میں شکار آپھنسا، یہ شکار ترکہ میں شامل ہوگا۔(۱۰) یا ایک شخص نے کسی کمپنی کے حصص خریدنے کی درخواست دی تھی کہ مرگیا، انتقال کے بعد حصص الاٹ کئے گئے، ایسی صورت میں حصص ترکہ شمار ہوں گے۔

ترکہ کے سلسلہ میں چند مزید صورتیں :

(۱) ایسا مال جو میت کو حاصل ہوا ہو مگر شریعت نے اس پر مال ہونے کا حکم نہیں لگایا، وہ شرعاً ترکہ شمار نہ ہوگا، جیسے ذخیرۂ شراب۔

(۲) جو مال میت نے کسی دوسرے کا غصب کیا ہو، یا چوری یا خیانت کے ذریعہ حاصل کیا ہو، وہ اس کا ترکہ شمار نہ ہوگا، کیونکہ شریعت نے اس پر میت کی جائز ملک ہونے کا حکم نہیں لگایا، اگر ورثاء نے ایسے مال کو آپس میں تقسیم کرلیا تو وہ اس کے خود ذمہ دار ہوں گے اور اللہ کے نزدیک وہ گناہ‌گار ہوں گے - جس طرح میت سے ان مالوں کو اس حالت پر چھوڑ جانے پر مواخذہ ہوگا اسی طرح ورثاء سے ان مالوں کو مالکوں کی جانب نہ بھولچانے اور میت کا مال سمجھ کر تقسیم کرلینے میں مواخذہ ہوگا۔

(۹-الف) ردالمحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ جلد ۳ ص ۳۱۹-۲۰
(۱۰) الترکۃ و المیراث فی الاسلام (فقہ عام)، الدکتور محمد یوسف موسیٰ، مطبوعہ دارالکتب العربی مصر، ۱۹۶۰ع، ص ۴۲-

(۳) جو شے میت نے خریدی تھی لیکن قیمت ادا کرکے اس کو اپنی تحویل (قبضہ) میں نہ لیا تھا، وہ شے ترکہ میں داخل نہ ہوگی۔ البتہ اگر میت نے اس شے کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا مگر قیمت ہنوز ادا نہ کی تھی تو وہ شے میت کے ترکہ میں داخل ہوگی اور اس شے کی قیمت میت کے مجموعی ترکہ پر قرض (دین) ہوگی جو بائع کو بقاعدہ قرض (دین) ادا کی جائے گی۔

(۴) اگر میت کی کوئی شے یا جائداد کسی کے پاس رہن ہو اور اس قدر مال میت نے نہ چھوڑا ہو کہ زر رہن ادا کرکے اس شے یا جائداد مرہونہ کا انفکاک رہن کرایا جاسکے تو وہ شے یا جائداد میت کے ترکہ میں داخل نہ ہوگی، البتہ مرتہن کے اس شے یا جائداد کو فروخت کر دینے کے بعد اگر کوئی رقم باقی بچے تو وہ رقم ترکہ شمار ہوگی۔

(۵) میت کی پینشن جو اس کی زندگی میں حکومت یا کسی ادارہ کے ذمہ واجب ہوچکی تھی، وہ میت کا ترکہ شمار ہوگی۔ مفتی محمد صابر صاحب نے اپنی کتاب مشکواۃ السراج (مکتبہ تھانوی کراچی) میں علماء محققین کے فتوے کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پینشن میت کا حق نہیں بلکہ انعام ہے لہذا میت کا متروکہ شمار نہ ہوگی۔ راقم الحروف کے نزدیک صورت اس سے مختلف ہے۔ شرائط ملازمت میں پینشن کی صراحت بطور ایک ''اضافی فائدہ'' کے ہوتی ہے، جو حسب قواعد، ملازمت کی ایک مقررہ مدت کے اختتام پر ملازم کا حق قرار پاتی ہے، اور یہ حق قابل چارہ جوئی عدالت ہوجاتا ہے۔ بلا سبب جائز پینشن کی مراعت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ ایک قسم کی مراعات ہے لیکن اس کا اسماً مراعت ہونا حکومت کے ذمہ اس کے وجوب کو ساقط نہیں کرتا، اور نہ اس کے وجوب کے منافی ہے کیونکہ حکومت یا ادارہ کے ذمہ پینشن کی ادائی بربناء معاہدہ ملازمت و قانون نافذہ ملازم کا ایک متعین حق ہے جو اس کو ایک مدت تک ملازمت اختیار کئے رہنے پر حاصل ہوجاتا ہے۔

پریوی کونسل نے برطانوی دور حکومت میں ہندوستانی سرکاری ملازمین کی تنخواہ کو بھی عطیہ (bounty) قرار دیا تھا (ملاحظہ ہو ہائی کمشنر

آف انڈیا بنام آئی۔ ایم۔ لال پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۴۸ پریوی کونسل ص ۱۰۰) جس کا عکس خود ہماری فیڈرل کورٹ پاکستان کے فیصلہ پاکستان بنام معراج الدین، مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۵۹ء میں جھلکتا ہے لیکن یہ نظریہ غلامانہ ذہنیت کا آئینہ‌دار تھا چنانچہ بمقدمہ فیڈریشن‌آف پاکستان بنام اے۔ ڈبلو۔ آئزک مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۷۰ء سپریم کورٹ ۱۵۴ قدیم نقطہ نظر سے اختلاف اور فیڈرل کورٹ پاکستان کے مذکورہ فیصلہ کو منسوخ کرتے ہوئے تنخواہ کو ملازم کا حق قرار دیا گیا۔ اسی پر گریچوئیٹی (gratuity) کی رقم کو قیاس کیا جا سکتا ہے، جو ایک مدت ملازمت کی بلا اعتراض تکمیل پر ملازم کا حق قرار پاتی ہے۔ فرق‌صرف اتنا ہے کہ تنخواہ کا حق ''جاری،، اور پینشن و گریچویٹی کا حق معلق، موقوف اور مشروط ہوتا ہے، لیکن شرط کی تکمیل پر وہ وجود میں آکر قابل نفاذ ہوجاتا ہے۔

جو اصحاب اپنی زندگی میں اپنی پینشن یا گریچویٹی کی رقم کسی عزیز وارث یا غیر وارث کے نام حکومت یا ادارہ کے دفتر میں لکھوا جاتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں شخص کو دی جائے اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس بارے میں اس کا حکم وصیت کا ہوگا، اگر شخص نام زدکردہ غیر وارث ہے، بشرطیکہ متوفی کی ہدایت سے مالکانہ تصرف ظاہر ہوتا ہو اور اگر صرف وصول کرنے کا اختیار دیا گیا ہے تو تمام ورثاء کا حق اس سے متعلق ہوگا، البتہ میت کے شیعہ ہونے کی صورت میں اس کا حکم دونوں صورتوں میں وصیت کا برقرار رہے گا، کیونکہ شیعہ فقہ کی رو سے ترکہ کی ایک تہائی‌تک وصیت بحق وارث بھی جائز ہوتی ہے۔ یہی صورت پراویڈنٹ کی ہوگی۔

(٦) البتہ بیمہ کی رقم کی صورت ذرا مختلف ہے۔ اول تو اس لئے کہ بیمہ زندگی شرعا ناجائز ہے کیونکہ وہ جوئے (قمار) کے حکم میں ہے لہذا شرعا بیمہ کی رقم میت کے ترکہ میں داخل نہ ہوگی۔ اگر ورثاء اس رقم کو آپسمیں بحصہ شرعی تقسیم کرلیں تو ان کا یہ فعل اپنا ذاتی ہوگا اور وہ اللہ کے سامنے گنہ گار ہوں گے۔ میت کی اپنی ادا کردہ رقم اس کا ترکہ شمار ہوگی۔

اگر میت نے کسی شخص کو اس رقم کے لئے نام زد (Nominee) قرار دیا ہو تو یہ شخص نامزد خود اپنے حق میں اس رقم کی وصولی کا حقدار ہوگا۔ شرعی احکام وصیت یا وراثت سے اس کا تعلق نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ مال شریعت کی نگاہ میں حرام ہے اس لئے وہ مال ترکہ کا اہل اور وراثت کا محل بننے کی شرعی صلاحیت سے محروم قرار دیا جائے گا۔ میت کی اپنی ادا کردہ رقم ورثاء میں قابل تقسیم ہوگی۔

نوٹ: راقم الحروف نے مجموعہ قوانین اسلام کی سابقہ جلد (چہارم) قانون وصیت (صفحات ۱۳۴۸-۴۹) میں اس مسئلہ پر جو اظہار رائے کیا ہے اس میں خود متروکہ کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کی بحث کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے وہاں بیمہ کی رقم کے سلسلہ میں جو بیان کیا گیا ہے وہ رائج الوقت قانون اور ورثاء کے مطالبہ کی صورت میں ہے۔

(۷) میت کا کسی حادثہ میں دوران انجام دہی کار منصبی انتقال ہو جائے تو از روئے قانون نافذ الوقت مالک کی طرف سے اس کے ورثاء کو اس کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔ یا میت کی وفات ریل یا ہوائی جہاز کے سفر میں ریلوے یا ہوائی کمپنی کے ارکان کی غفلت یا کوتاہی سے کسی حادثہ کا شکار ہوکر واقع ہوجائے تو کمپنیاں اس کے ورثاء کو معاوضہ دینے کی از روئے قانون پابند ہوتی ہیں، یا بعض اوقات بلووں یا ہنگاموں میں کچھ بے گناہ لوگ اپنی جانیں کھو بیٹھتے ہیں اور حکومت میت کے ورثاء کو مالی معاوضہ ادا کرتی ہے یا کسی کار یا بس یا ٹرک کی زد میں آکر ڈرائیور کی تیز رفتاری اور غفلت کی بناء پر موت ہوجائے تو ان موٹر گاڑیوں کے مالکان پر معاوضہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں ورثاء کو ملنے والی رقم میت کا ترکہ نہیں ہوتی، بلکہ ورثاء اس رقم کو میت کے نمائندگان قانونی ہونے کی حیثیت سے بحق خود از روئے قانون نافذ الوقت وصول کرنے کے مجاز ہوتے ہیں۔ ورثاء قانونی کی تعیین بھی قانون نافذالوقت کے تحت کردی جاتی ہے۔

راقم الحروف کی رائے میں میت کے مسلمان ہونے کی صورت میں ورثاء کی تعیین اسلامی قانون کے مطابق ہونی چاہئے اس سے صلہ رحمی کے جذبہ کو تقویت ہوگی نیز ان کل صورتوں میں اسلامی قانون دیات و جنایات متعلق

ہونا چاہیے۔

مختلف مذاہب فقہ میں ترکہ کی تعریف

حنفیہ :

حنفیہ کے نزدیک ترکہ میت کے ان اموال سے عبارت ہے جن سے کسی غیر شخص کا حق دین (قرضہ) متعلق نہ ہو۔(۱۱) چنانچہ وہ شئے جس سے کسی غیر شخص کا حق دین مثلاً رہن وغیرہ متعلق ہو ترکہ کی مندرجہ بالا تعریف کی رو سے اس وقت تک ترکہ میں داخل نہیں ہو سکتی جب تک کہ دین رہن ادا نہ کردیا جائے یا خود اس شئے سے وصول نہ کر لیا جائے۔

مالکیہ :

مالکیہ کے نزدیک بھی میت کے ترکہ میں سے وہ حق غیر جو کسی عین شئے سے متعلق ہو، ترکہ کی تعریف سے خارج شمار ہوگا جیسے شئے مرہونہ۔(۱۲)

شافعیہ :

شافعی فقہاء کے نزدیک ہر وہ چیز جو انسان کی زندگی میں اس کی اپنی ملکیت تھی اور اس نے اپنی موت کے بعد اس کو اپنے پیچھے چھوڑا خواہ اموال میں سے ہو یا حقوق میں سے ہو، ترکہ کہلائے گی۔(۱۳) البتہ صاحب مغنی المحتاج کی عبارت میں یہ صراحت ملتی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک بھی اگر شئے متروکہ سے کسی غیر کا حق، مثلاً رہن، متعلق ہو تو وہ شئے ترکہ نہ کہلائے گی جب تک کہ حق غیر اس شئے سے ساقط یا ادا نہ ہوجائے۔(۱۴)

---

(۱۱) البحر الرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۴ھ، ج ۸، ص ۴۸۹۔

(۱۲) یخرج من ترکۃ المیت حق تعلق بعین کالمرھون،'' (جواھر الاکلیل، شرح مختصر خلیل، الآبی عبدالسمیع، مطبعۃ المصطفی البابی الحلبی مصر، ۱۳۶۶ھ، جلد ۲، ص ۳۲۷، (کتاب الفرائض)۔ الترکۃ والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف، محولہ بالا، ص ۴۲۔

(۱۳) الترکۃ و المیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، مطبوعہ مصر، ۱۹۶۰ع، ص ۴۲۔

(۱۴) مغنی المحتاج شرح المنہاج، الشربینی شیخ محمد الخطیب، مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۷۷ھ، ج ۳، ص ۲ (کتاب الفرائض)۔

حنبلیہ :

یہی صورت حنبلی فقہاء کے نزدیک ہے۔ ان کے نزدیک بھی ترکہ وہ حق ہے جو میت نے اپنے بعد چھوڑا ہو۔ اسی سبب سے اس کو ''ورثہ،، کہا جاتا ہے۔(۱۵)

ظاہریہ :

ظاہریہ فرقے کے امام ابن حزم کا مسلک احناف کے مطابق ہے۔(۱۶)

شیعہ :

شیعی فقہاء کے نزدیک میت کا چھوڑا ہوا مال اگرچہ ترکہ شمار ہوگا، لیکن اگر وہ مال دین میں مستغرق ہے تو وہ صرف حکماً مورث کی ملکیت مانا جائے گا اور بوجہ بار رہن ورثاء کی طرف منتقل نہ ہوگا اور اگر مستغرق نہیں ہے تو بعد ادائی دین ورثاء میں تقسیم ہو جائے گا۔(۱۷)

دو نقطہ ہائے نظر :

مندرجہ بالا اجمالی تعریفات سے دو نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ ترکہ صرف اموال کو کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ترکہ میں اموال اور حقوق دونوں شامل ہیں۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ ترکہ کی تعریف میں اموال اور حقوق دونوں کو (باستثناء حقوق شخصی محض مثلاً حق ولایت) داخل کرتے ہیں اور اپنے مسلک کی تائید میں حضور (صلعم) کی حدیث ''من ترک مالاً او حقاً فلورثتہ،، سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن احناف کہتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ ''حقاً،، محفوظ نہیں ہے اور جو محفوظ نہیں ہے وہ دلیل نہیں بن سکتا۔(۱۸)

---

(۱۵) الترکۃ و المیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، مطبوعہ مصر، ۱۹۶۰ع، ص ۴۲۔

(۱۶) المحلی، ابو محمد ابن حزم الظاہری، (م ۴۵۶ھ)، مطبعۃ الامام، قاہرہ، ج ۶، ص ۳۰۹ (ماخوذ)۔

(۱۷) شرائع الاسلام، الحلی، نجم الدین (م۶۷۶ھ)، مطبوعہ بیروت، القسم الرابع، ص ۱۸۳ (ماخوذ)۔

(۱۸) الترکۃ و المیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، مطبوعہ مصر، ۱۹۶۰ع، ص ۴۲۔

راقم الحروف کے نزدیک اس امر سے قطع نظر که حدیث مذکورہ بالا میں لفظ حقاً محفوظ ہے یا نہیں، حقاً کا لفظ مال ہی کو مستلزم قرار دیا جانا چاہئے بشرطیکه وہ حق مالی ہو، مال کی جنس سے ہو، کیونکه اگر لفظ حقاً کو مال کے مغائر قرار دیا جائے تو اس سے مراد حق مجردہ یا حق محض یا حق شخصی (مخالف مال) ہوگا جس میں توریث جاری کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں ۔

جہاں تک اموال کے ترکہ ہونے کا تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ۔ اختلاف اس میں ہے که حقوق ترکہ میں شامل ہیں یا نہیں ۔

حقوق :

فقہاء امت نے لفظ ''حقوق،، کو متعدد معانی میں استعمال کیا ہے ۔ بالعموم اس کا اطلاق نفس ملک، مصالح اور منافع پر کیا جاتا ہے ۔ چنانچه ہر ایسی عین شئے یا امر جس میں شریعت نے انسان کو اس کے مطالبه کا مجاز بنایا ہو، کسی دوسرے کے تصرف سے محفوظ رکھا ہو یا کسی دوسرے کو عطا کردینے یا دے دینے یا اس کے ذمه سے ساقط کردینے یا معاف کردینے کی آزادانه اجازت دی ہو، اس پر ''حق،، کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ۔ کبھی لفظ '' حق،، عین شئے اور مملوکه منافع کے مقابلے میں محض ایسی مصلحت پر بولا جاتا ہے جس کو شریعت نے موجود و ثابت قرار دیا ہو، اور خارج میں سوائے اس شرعی اعتبار کے اس کا کوئی حسی وجود نه ہو بلکه صرف شارع نے اس کو موجود و ثابت قرار دیا ہو جیسے که مکان مشفوعه میں شفیع کے لئے شفعه کا حق، یا مقتول کے اولیاء (۱۹) کے لئے قاتل سے قصاص کا حق، یا شوہر کے لئے زوجه کو طلاق دینے کا حق ۔ یه تمام حقوق اعتباری ہیں، جن کے لئے کوئی خارجی وجود نہیں ہوتا بلکه صرف شریعت کے اعتبار و فرض کر لینے سے یه حقوق موجود و ثابت متصور ہوتے ہیں ۔

---

(۱۹) قرآن حکیم میں مقتول کی دیت و قصاص کے سلسله میں ''ولی،، کا لفظ آیا ہے جس کی جمع ''اولیاء،، آتی ہے ۔ لفظ ولی،،'' سے ذہن فوری طور پر ''وارث،، کی طرف منتقل ہوتا ہے ۔ لیکن قرآن پاک لفظ ''ولی،، کے استعمال سے دیت یا قصاص کے مطالبه کو صرف ورثاء تک محدود نہیں رکھتا بلکه ولی کی وسیع تر اصطلاح استعمال کرتا ہے ۔ اس کا منشاء یه ہے که مقتول کی دیت یا قصاص کا مطالبه مقتول کا ولی کر سکتا ہے، خواہ وہ وارث ہو یا نه ہو ۔ چنانچه مقتول کا کوئی وارث زندہ نه ہونے کی صورت میں اسٹیٹ مقتول کی ولی ہوگی ۔ (مؤلف) ۔

کتب فقہ کے مطالعہ سے حقوق کی حسب ذیل چند قسمیں سامنے آتی ہیں:

(۱) حق مالی محض (۲) حق تابع مال یا متعلق مال یا بمعنی مال (۳) حق شخصی محض

(۱) حق مالی محض:

وہ حق جو محض مال ہی ہو یعنی عین مال ہو۔

۲) حق تابع مال یا متعلق مال:

وہ حق جو مال کے تابع ہو جیسے اشیاء سے استفادہ کرنے کا حق جو عین شئے کے تابع ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں، عین شئے سے حقیقی منفعت و مطلوب حاصل کرنے کا حق حق تابع مال کہلائے گا مثلاً حق سکونت یا حق انفکاک رھن یا زمین میں کھیتی کرنے کا حق۔

حق بمعنی مال:

ایسا حق اگرچہ خود عین شئے نہیں ہوتا مگر اس کے مانند متصور ہوتا ہے یعنی اگرچہ وہ حق فی نفسہ مال نہیں، لیکن یا تو مال کے لوازم میں سے ہے یا مال کے ساتھ متصل ہے یا اس کو امداد و استحکام پہنچانے والا ہے، اور اس طرح اصل شئے سے استفادہ کی قیمت میں اضافے کا موجب ہوتا ہے جیسے حق گزر، آب، حق سیرابی، حق علو (اوپر جانے کے لئے زینہ پر چڑھنے کا حق)۔ خیار عیب، خیار فوت وصف مرغوب، خیار تعیین تمام حقوق حنفیہ کے نزدیک تابع مال ہیں اور قابل ارث ہیں۔ دیگر آئمہ کے نزدیک بھی یہ حقوق قابل ارث ہیں

(۴) حق شخصی محض:

وہ حق جو محض شخص کی اپنی ذات سے متعلق ہو اور جس میں مالی عنصر بالکل موجود نہ ہو، جیسے کہ ماں کا حق حضانت یا باپ کا بچے کی ذات و مال کا حق ولایت یا شوہر کا اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا حق یا شوہر کا اپنی زوجہ سے استمتاع (فائدہ اٹھانے) کا حق۔ اس قسم کے حقوق شخصی میں تمام ائمہ و فقہاء عدم میراث کے قائل ہیں۔

تجزیہ

وہ حقوق جو مالی ہیں یا مال کے تابع ہیں ان کے ترکہ میں شامل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ دراصل وہ مال ہی کے لوازم میں سے ہیں۔ البتہ وہ حقوق جو بالکلیہ غیر مالی ہیں، اور مورث کی اپنی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں میراث جاری نہیں ہو سکتی، جیسے واہب کا اپنے ہبہ میں رجوع کرنے کا اختیار یا ماں کا حق حضانت یا باپ کا حق ولایت، خیار شرط یا خیار رویت(۲۰) لیکن وہ حق جو اگرچہ شخصی ہیں مگر اپنی نوعیت کے اعتبار سے مالی بھی ہیں ترکہ میں شامل ہوں گے یا نہیں، اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ حق جو مال اور حق شخصی دونوں سے مشابہ ہو، ''حق مشابہ مال و ذات شخصی،، کہا جا سکتا ہے۔ ایسا حق نہ محض مالی ہوتا ہے اور نہ محض شخصی۔ جیسے کہ ایک قرض دار کا میعاد معینہ میں قرض ادا کرنے کا حق۔ یہ ایک اعتبار سے حق مالی ہے اور دوسرے اعتبار سے حق شخصی ہے۔ اس اعتبار سے کہ قرض خواہ نے مقروض کی شخصیت، اس کے حالات اور باہمی تعلقات کے پیش نظر اس کے ساتھ سلوک کرنے کی غرض سے یہ رعایت دی تھی، مقروض کا حق شخصی قرار پاتا ہے، جو ناقابل انتقال ہے، اور مقروض کی موت کے فوراً بعد وہ میعاد معین (جو ابھی نہ گذری ہو) ساقط ہوکر قرضہ فوری واجب الادا ہوجاتا ہے۔ لیکن اس اعتبار سے کہ لوگوں میں عام رواج پایا جاتا ہے کہ موجل (deferred) قرضہ عموماً معجل (Prompt) قرضے کے مقابلے میں اپنی مقدار کے لحاظ سے زیادہ ہوا کرتا ہے اور یہ مدت ادائی اس زیادتی مقدار کے مقابلے میں متصور ہوتی ہے، اس لئے قرضہ کا ایک معینہ مدت میں ادا کرنے کا حق محض شخصی نہیں بلکہ ''مالی،، بھی ہے، جو اس مقروض کی وفات کے بعد اس کے ورثاء کو منتقل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح فروخت کنندہ اور خریدار کا حق خیار بیع جسکو خیارشرط بھی کہتے ہیں ''حقوق مشابہ مال و ذات شخصی،، میں شامل ہیں۔

(۲۰) خیار شرط اور خیار رویت کو احناف کے نزدیک ''حق شخصی محض،، قرار دیا گیا ہے (مؤلف)۔

در اصل یہ امر کہ حق مشابہ مال و ذات شخصی ترکہ میں شامل ہے یا نہیں، اس حق کے مالی او غیر مالی ہونے کی بحث کو اس کی تمام تر جزئیات کے ساتھ اپنی تہہ میں لئے ہوئے ہے ۔

حقوق کی اس توضیح و تفصیل سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ تمام فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ وہ تمام اموال (منقولہ و غیر منقولہ) جن کا مورث اپنی حیات میں مالک تھا اور حقوق مالی محض یا تابع مال مورث کے انتقال کے بعد وراثت میں ورثاء کی طرف منتقل ہو جائیں گے، اور ورثاء بطریق خلافت ان کے مالک و وارث ہوں گے ۔ اسی طرح حقوق شخصی محض کے بارے میں بھی تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ ایسے حقوق مورث سے ورثاء کی طرف بطور وراثت منتقل نہ ہوں گے ۔ البتہ جیسا کہ سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے، فقہاء کرام کا ایسے حقوق میں جو حقوق مالی و حقوق شخصی ہر دو سے مشابہت رکھتے ہیں، قابل وراثت ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ جن فقہاء نے ان حقوق کی مالی حیثیت کو ان کے شخصی ہونے پر ترجیح دی ہے وہ ان کے وراثت میں منتقل ہونے کے قائل ہیں اور جو ان کے شخصی ہونے کو ترجیح دیتے ہیں وہ ان کے وراثت میں ورثاء کی طرف منتقل ہونے کے قائل نہیں ہیں ۔

جمہور فقہاء کا مسلک ہے کہ یہ حقوق (مشابہ مال و ذات شخصی) وراثت میں مورث سے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائیں گے جب کہ حنفی فقہاء اور ابو محمد بن حزم ظاہری کا یہ مسلک ہے کہ ان میں وراثت جاری نہیں ہوگی ۔ چنانچہ ان کے نزدیک (بطور مثال) حق شفعہ باوجود مطالبہ شفعہ، عدالت کے فیصلہ سے پہلے ''ناقابل توریث،، ہوگا ۔ چنانچہ احناف اور امام ابن حزم کے نزدیک شفعہ کے مطالبہ کے بعد عدالت کے فیصلے سے قبل اگر شفیع کا انتقال ہوگیا تو شفعہ کا حق باطل ہوجائے گا اور ورثاء کو شفعہ کا حق وراثت میں منتقل نہ ہوگا ۔ چونکہ احناف اور امام ابن حزم ظاہری کے نزدیک یہ تمام خیارات انسان کے ارادہ اور اس کی رغبت پر مبنی تھے جو اس کے فوت ہونے کے ساتھ معدوم ہوگئے، اس لئے وہ ناقابل ارث ہیں ۔ ان کے ماسوا دیگر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ خیارات مورث سے منتقل ہوکر اس کے ورثاء

کو وراثت کے ذریعہ حاصل ہو جائیں گے۔ ائمہ ثلاثہ و جمہور فقہاء حق شفعہ کو زمین کے ساتھ بطور خادم اور معاون کے قرار دیتے ہوئے اس کو مال سے متعلق ٹھہراتے ہیں، جب کہ حنفیہ اس کو صرف ایک شخصی ارادہ کہہ کر ناقابل ارث قرار دیتے ہیں، کیوں کہ ارادہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ بالفاظ دیگر حنفی فقہاء اور امام ابن حزم نے ان حقوق کے ''شخصی پہلو،، کو قابل ترجیح قرار دیا ہے۔ جب کہ دیگر ائمہ نے ان حقوق کے ''مالی پہلو،، کو فوقیت دے کر ان کو قابل ارث قرار دیا ہے۔

نتیجۂ فکر :

راقم الحروف کے نزدیک حق شفعہ کے قابل ارث ہونے یا نہ ہونے میں فیصلہ کن عنصر محض مورث کا ارادہ ھی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا حق ہے جو فی الحقیقت زمین سے متعلق اور مال کے معنی میں ہے اور بالآخر مورث کے اہل و عیال (ورثاء) کے مالی مفاد کے لئے ہے۔ اس لئے یہ حق قابل ارث قرار دیا جانا چاہئے اور اس سلسلے میں ائمہ ثلاثہ کی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے کہ اگر مطالبہ شفعہ کے بعد شفیع کا انتقال ہوا تو اب چونکہ حق ثابت تھا لہذا وہ حق شفیع کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجائے گا۔ اکثر اسلامی ممالک میں بھی اسی کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔ چنانچہ مصر میں بھی از روئے قانون مجریہ ۱۹۳۹ء حق شفعہ کو مالی حق قرار دے کر دوسرے مالی حقوق کی طرح قابل ارث قرار دے دیا گیا ہے۔(۲۱) پاکستان میں بھی ازروئے پنجاب شفعہ ایکٹ ۱۹۱۳ء و صوبہ سرحد شفعہ ایکٹ ۱۹۵۰ء حق شفعہ قابل ارث ہے۔ (حق شفعہ کے قابل توریث ہونے کے بارے میں تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو مجموعہ قوانین اسلام، مؤلف ھذا، جلد ششم ''قانون شفعہ،،)

منافع محض :

حقوق کی بحث نامکمل رہ جائے گی اگر ''منافع محض،، کا ذکر نہ کیا جائے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک ''منافع محض،، اموال کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ان میں وراثت جاری ہوگی۔ مگر حنفیہ کے نزدیک ''منافع محض،، قابل توریث

(۲۱) احکام المواریث، عمر عبداللہ، (فقہ عام)، مطبوعہ دارالمعارف مصر، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء ص ۲۱ ان قررت محکمة النقض فی ۸ یونیه سنة ۱۹۳۹ء ان حق الشفعة یورث،،۔

نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک وہ اموال نہیں ہیں اور نہ اموال کے درجہ میں ہیں، خواہ یہ منافع عوض کے ذریعہ حاصل ہوں، جیسا کہ اجارے کے عقد میں ہوتا ہے یا بغیر عوض کے حاصل ہوں، جیسا کہ وصیت میں ہوتا ہے۔

چنانچہ امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور لیث بن سعد کے نزدیک اگر کسی شخص نے زمین یا مکان یا دوکان ایک مدت معینہ تک کے لئے اجارے پر لی ہو اور مدت پوری ہونے سے پہلے مستاجر (اجارہ پر لینے والا) فوت ہوجائے تو اجارہ فسخ ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کے حق میں مکان میں ایک معینہ مدت کے لئے سکونت کی وصیت کی ہو اور اس مدت کے گزرنے سے پہلے موصی لہ کا انتقال ہوجائے تو اس کی موت سے وصیت ختم ہوجائے گی، ورثاء کی طرف منتقل نہ ہوگی اور ان (ورثاء) کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ وصیت کے تحت بقیہ مدت تک مکان میں سکونت اختیار کریں۔ امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل، اسحق بن راهویہ اور ابو ثور کے نزدیک متعاقدین (کرایہ پر لینے یا دینے والے) کے فوت ہوجانے سے عقد اجارہ فاسد نہیں ہوتا، بلکہ ورثاء کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ دراصل ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عقد اجارہ ان عقود لازمہ میں داخل ہے، جو دونوں فریق کے ذمہ لازم ہوجاتے ہیں اور کسی کی موت کی بناء پر فسخ نہیں ہوا کرتے الا یہ کہ کوئی ایسا سبب پایا جائے جس سے عقد لازم فسخ ہوجایا کرتا ہے مثلاً عیب یا جو چیز استیفائے منفعت کا محل تھی معدوم ہوجائے یا منفعت کے قابل نہ رہے۔(۲۲)

تجزیہ :

احناف کے نزدیک مستاجر کی موت کے بعد اس کے متعلقین کو ضرر پہونچنے کا خطرہ ہے تو حاکم کو عقد اجارہ باقی رکھنے کا حکم دینے کا حق حاصل ہوگا بلکہ بعض حالات میں یہی اولی ہوگا کہ باقی رکھنے کا حکم دے۔ چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے کہ اگر کسی شخص نے زراعت کے لئے ایک

---

(۲۲) بدایۃ المجتہد نہایۃ المقتصد (فقہ اربعہ)، ابن رشد (م ۵۹۵ھ)، مطبع المصطفی البابی الحلبی، مصر ۱۹۶۰ء، ج ۲، ص ۲۳۰۔
رحمۃ الامۃ بر حاشیۃ المیزان الکبری (فقہ اربعہ) عبدالوهاب الشعرانی، (م ۹۷۳ھ)، مطبعۃ المصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء، ج ۱، ص ۲۲۱۔

معین مدت کے لئے اراضی اجارے پر لی ہو اور اس مدت کے اندر مستاجر فوت ہوجائے درآنحالیکہ اراضی میں کھیتی قائم ہو جو کٹائی کی حد کو نہ پہونچی ہو تو اس کھیتی کو اراضی میں اس وقت تک چھوڑے رکھا جائے گا جب تک وہ کٹنے کے قابل ہوجائے، اور مستاجر کے ورثاء پر اس اجرت کا ادا کرنا لازم ہوگا جو اجارے میں متعین کی گئی ہوگی، کیوں کہ اگر ایسی صورت میں کھیتی کاٹ دینے کا حکم دیا جائے تو مستاجر کو ضرر پہونچے گا اور اگر بغیر اجرت کے کھیتی قائم رہنے کا حکم دیا جائے تو آجر کے ورثاء کو ضرر پہنچے گا، لہذا دونوں ضرر کا دفعیہ اسی طرح ممکن ہوگا کہ کھیتی قائم رہے اور اجرت ورثاء کو ادا کی جائے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کی ذات کے لئے عقد اجارہ واقع ہوا ہے اگر اس کی موت واقع ہوجائے تو اجارہ باطل ہوجاتا ہے لیکن اگر کوئی عذر پیش آجائے تو اجارہ فاسد و باطل نہ کیا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستاجر کی موت کے بعد اگر آجر اور مستاجر کے ورثاء نے اس عقد کے باقی رکھنے پر اظہار رضامندی کردیا تو اجارہ قائم رہے گا اور یہ ایسا ہوگا جیسا کہ ایک جدید عقد وجود میں آگیا ہو۔(۲۳)

چنانچہ احناف کے نقطۂ نظر کے بموجب جس معاہدہ کے ذریعہ منفعت حاصل کی جارہی ہو اگر اس معاہدہ کے فوراً ختم ہوجانے سے کسی فریق کے ورثاء یا ان کے فریق مقابل کو ضرر پہنچتا ہو تو اس صورت میں ضروری ہوگا کہ ورثاء یا فریق مقابل کے درمیان کسی جائز جدید معاہدہ شرعی کے انعقاد کے ذریعہ اس ضرر کو دور کیا جائے اور ضرر کے دور ہونے کے وقت تک اس جدید معاہدہ کی مدت مقرر کردی جائے۔ مدت مقررہ کے انقضاء پر اس معاہدہ کو ختم سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد فریقین اگر باہم راضی ہوں تو دوبارہ معاہدہ کرلیں، بصورت دیگر معاہدہ مختتم متصور ہوگا، الا یہ کہ معاہدہ سے اس کے خلاف منشاء ظاہر ہوتی ہو۔ مثلاً ایک شخص نے زمین کھیتی باڑی کے لئے کرایہ پر لی تھی یا مکان سکونت کے لئے لیا تھا لیکن مدت پوری ہونے سے قبل مستاجر کا انتقال ہوگیا زمین میں فصل کھڑی ہوئی ہے

(۲۳) بدائع الصنائع، امام کاسانی (۵۸۷ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۴، ص ۲۲۳ - ۲۲۲۔

جو اپنی تکمیل کو نہیں پہونچی ہے۔ ایسی صورت میں مستاجر مرحوم کے معاهده کو 'بقول حنفیہ، فوراً باطل قرار دینے سے مستاجر کے ورثاء کا نقصان لازم آتا ہے، اگر زمین سے فصل کو جدا کیا جاتا ہے یا مرحوم کے ورثاء کو فوری طور پر مکان کے تخلیہ کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اول صورت میں فصل ضائع ہوگی اور دوسری صورت میں مکان کا فوری مل جانا دشوار ہوگا۔ لہذا از روئے قانون، معاهده کو ایک معینہ مدت کے لئے جاری یا تجدید شدہ تصور کیا جائے یا حاکم پر واجب قرار دیا جائے کہ وہ مستاجر کے ورثاء اور مالک زمین یا صاحب مکان کے مابین اس وقت تک کے لئے جدید معاهده اجارہ کرادے جس وقت تک فصل کاٹنے کے قابل اور دوسرا مکان سکونت کے لئے مہیا ہونا ممکن ہو اور مدت ختم ہونے پر فریقین کو اختیار دیا جائے کہ یا وہ پھر معاهده کرلیں یا زمین اور مکان کا تخلیہ کردیں۔

نتیجۂ فکر :

راقم الحروف کے نزدیک اگر معاهده اجارہ میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ فریقین کی تعریف میں ان کے ورثاء قانونی بھی شامل ہیں تو عقد اجارہ کسی فریق کی موت سے فسخ نہیں ہونا چاہئے۔ برصغیر ہند و پاکستان میں کرایہ پر لی ہوئی شہری غیر منقولہ جائدادوں میں حق کرایہ داری کو قابل ارث قرار دیا گیا ہے۔(۳۲) کیونکہ موجودہ دور میں غیر منقولہ جائدادوں کی شدید قلت ہے، اور تجارتی و معاشی اهمیت کے پیش نظر ایسا کرنا لابدی ہے۔ دراصل منافع کی بذریعہ وراثت منتقلی معاشرہ کے عرف و عادت پر مبنی ہونی چاہئے۔ اس ضمن میں ائمہ ثلاثہ کا نقطۂ نظر جدید عہد کے تقاضوں سے قریب تر نظر آتا ہے۔

ترکہ کا وجود :

استحقاق میراث کے لئے ترکہ کا وجود بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

---

(۳۲) Section 2 (i) of West Pakistan Urban Rent Restriction Ordinance (vi) 1959-"tenant" means — and includes (b) The wtfe and children of a deceased tenant.

چنانچہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اپنے اموال یا حقوق مالی میں سے کوئی شئے قابل توریث نہ چھوڑے تو سرے سے میراث کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا اور اگر میت نے بلا ترکہ اپنے ذمہ کوئی قرضہ چھوڑا ہو تو ورثاء پر یہ قرض لازم نہ ہوگا کیونکہ دائن (قرض خواہ) کا حق ترکہ سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ ورثاء کی ذات سے۔ لہذا ایسی صورت میں وارث کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہوگا۔ ترکہ موجود نہ ہونے کے باوجود اگر وارث اپنے مورث کے ذمہ قرض کی ادائی کرتا ہے تو اس کا یہ عمل تبرع (احسان) کہلائے گا جس کے لئے وہ آخرت میں عنداللہ ماجور ہوگا۔

ترکہ کے موجود ہونے کی صورت میں اس کا شرعاً حلال ہونا ضروری ہے۔ بنا بریں شرعاً حرام اشیاء یا حقوق مالی کا شمار ازروئے شرع ترکہ میں نہیں کیا جا سکتا، مثلاً شراب کا ذخیرہ، گھوڑ دوڑ (ریس) کا جیتا ہوا روپیہ وغیرہ۔

وضاحت :

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلام کی رو سے جو اموال و حقوق حرام ہیں لیکن کسی مسلم ملک (مثلاً پاکستان) نے اپنے رائج الوقت قوانین کے ذریعہ ان اموال و حقوق کو قانونی حیثیت دے رکھی ہے مثلاً شراب کا ذخیرہ، لاٹری اور ریس میں جیتا ہوا روپیہ سود اور بیمہ کی رقم اور فلمیں وغیرہ، انکا کیا ہوگا ؟

اس سلسلہ میں یہ وضاحت کافی ہے کہ جن ممالک میں لاٹری یا ریس کا کاروبار، شراب فروشی، سودی لین دین اور بیمہ کو قانونی تحفظ حاصل ہے ان ممالک میں ورثاء کو متوفی کے ان مملوکات کو ترکہ میں شامل کرانے اور مقررہ حصص کے مطابق تقسیم کرانے کا اختیار ان ممالک میں رائج قانون کی بناء پر حاصل ہے۔ بحرالرائق میں لکھا ہے کہ "اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کا متروکہ (بطور مثال) شراب ہو یا ظلم و تعدی اور رشوت کے ذریعہ حاصل شدہ مال ہو تو ورثاء کے لئے واجب ہوگا کہ اس متروکہ میں سے کچھ بھی نہ لیں اور یہی ان کے لئے واجب ہے۔ اور

اگر ان اموال کے اصلی مالکوں کو جانتے ہوں تو ان کو لوٹا دیں اور اگر نہ جانتے ہوں تو صدقہ کردیں،، ۔(۲۵) اس عبارت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ حرام مال میں وراثت کا اجراء ورثاء کے حق میں حلال نہیں۔ اگر وہ مال ورثاء لے لیں تو وہ گناہ کے مرتکب ہوں گے اور بطور کفارہ وہ مال واجب التصدق ہوگا۔

شرائط ورثت

۲۶۲ - میراث کی تین شرطیں ہیں :-

(۱) مورث کی حقیقی یا حکمی موت کا ثبوت،

(۲) مورث کی موت کے بعد وارث کی حقیقی یا حکمی حیات کا ثبوت، اور

(۳) قرابت کی نوعیت اور درجہ جس میں مورث اور وارث جمع ہوں ۔

تشریح

ارکان کی طرح میراث کے استحقاق کی بھی تین شرطیں ہیں :-

(۱) یہ کہ مورث حقیقتاً، تقدیراً یا حکماً کسی ایک طریقہ پر مرچکا ہو۔

(۲) یہ کہ وارث مورث کی موت کے وقت زندہ ہو یا زندہ تصور کیا گیا ہو۔

(۳) یہ کہ ترکہ (قابل ارث) موجود ہو، اور کوئی امر مانع ارث موجود نہ ہو۔

لیکن استحقاق وراثت میت کی تجہیز و تکفین، قرضوں کی ادائی اور ایک تہائی کی حد تک جائز وصیتوں کے اجراء کے بعد ہی عمل پذیر ہوسکتا ہے ۔(۲۶)

موجبات وراثت

۲۶۳ - شرع اسلام میں وراثت کے دو موجبات ہیں :-
(۱) نسب، اور (۲) سبب (زوجیت)

---

(۲۵) البحر الرائق، زین الدین ابراهیم ابن نجیم (۹۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۴ھ، باب الکراهیة ج ۷، ص ۲۰۱۔

(۲۶) ،،یبدأ من ترکة المیت تجهیزه و دفنه ثم تقضی دیونه ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین الورثة،، مجمع الانہر، (فقہ حنفی)، داماد آفندی (م ۱۰۷۸ھ)، دارالطباعة العامرہ، مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، صص ۷۴۳ - ۷۴۲، کتاب الفرائض۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

تشریح

۱- نسب :

نسب سے مراد وہ حقیقی قرابت ہے جو مورث اور وارث کے درمیان بذریعہ صلب قائم ہوتی ہے خواہ وہ قرابت اقرار کنندہ کے اقرار ہی سے کیوں نہ ثابت ہو، جیسے کہ مقرلہ بالنسب۔

نسبی قرابت کی تین قسمیں ہیں:۔

(الف) وہ جو میت کی طرف منسوب ہوں یعنی میت کے فروع (اولاد) خواہ کتنے ہی زیرین درجے کے ہوں۔

(ب) وہ جن کی طرف میت منسوب ہو یعنی میت کے اصول (والدین) اور اجداد و جدات (دادا دادی) خواہ کتنے ہی بالائی درجے میں ہوں۔

(ج) فروع و اصول کے علاوہ دیگر تمام اقارب یعنی حواشی و جوانب (بہن، بھائی، چچا وغیرہ)۔

۲- سبب (زوجیت) :

سبب زوجیت(۲۷) وہ تعلق ہے جو میت اور وارث کے درمیان بذریعہ نکاح صحیح قائم ہوا ہو۔ بشرطیکہ یہ سبب (زوجیت) مورث کی وفات کے وقت بھی

''وانہ یقتضی تاخر القسمۃ من الدین و الوصیۃ : . . . فھذہ الحقوق الاربعۃ تتعلق بترکۃ المیت علی ھذا الترتیب ،، الاختیار لتعلیل المختار، (فقہ حنفی)، عبداللہ بن محمود بن مودود، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ع، جزء ۵، ص ۸۵ (کتاب الفرائض)۔

(۲۷) قدیم کتب فقہ میں سببی میراث کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں: ایک زوجیت اور دوسرے ولاء (البحر الرائق، مصر، ج ۸، ص ۳۸۸)۔

ولاء کی صورت عہد حاضر میں ناپید ہے۔ اس لئے متن قانون اور اصل کتاب میں صرف ایک سبب ''زوجیت،، کا ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ تاریخی طور پر ولاء کا اجمالاًذکر یہاں کیا جارہا ہے۔ ''ولاء،، کے لفظی معنی ''معاونت کرنا،، ہیں۔ یہ لفظ ''قرب،، کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ البتہ فقہی اصطلاح میں اس کے معنی ''تناصر،، یعنی ''باہمی تعاون،، کے ہیں۔

قائم موجود ہو۔ نکاح فاسد یا باطل میں مابین زوجین میراث جاری نہیں

عنایہ میں مذکور ہے کہ ''ولاء وہ باھمی معاونت ہے جو وراثت اور دیت (خون بہا) کا موجب ہو۔ (بحرالرائق، جلد ۸ ، ص ٦٥ ،مجمع الانہر، جلد ۲،ص ۳۲۳)۔ ولاء کی دو قسمیں ھیں: ایک ولاء عتق اور دوسری ولاء موالات۔

۱ - ولاء عتق: ''ایک شخص کے دوسرے کو آزاد کرنے کے تعلق (قرب) سے جو حق حاصل ھوتا ہے اس کو ولاء عتق کہتے ھیں جب کہ مورث کو وارث نے آزاد کیا ھو۔ ولاء عتق میں اعلی (اپنے اسفل (فقہی اصطلاح میں آزاد کرنے والے کو اعلی اور آزاد ھونے والے کو اسفل کہتے ھیں) کا وارث ھوتا ہے۔ اسفل اپنے اعلی کا وارث نہیں ھوتا۔ مثلاً زید نے ایک غلام الف آزاد کیا جو خودمختار ھوگیا۔ اس غلام الف کی ولاء زید اور اس کے عصبات نسبی کے لئے ھوگی یعنی الف کے مرنے کے بعد اگر اس کا کوئی وارث ذوی الفروض اور عصبات میں سے نہ ھو تو زید اس کی میراث پانے کا مستحق ھوگا اور اگر الف کے انتقال سے قبل زید فوت ھوگیا تو ولاء زید کے عصبات کو حاصل ھوگی۔ اسی طرح اگر الف نے اپنے آزاد ھونے کے بعد بذات خود کوئی غلام ب آزاد کیا تو اس ب کی ولاء بھی، بشرط عدم ورثاء ب و الف، زید اور اس کے عصبات نسبی کی طرف منتقل ھوگی۔ (بحر الرائق، ج ۸، ص ٦٥) (مجمع الانہر، ج ۲، ص ۳۲۳) آج کل ولاء بذریعہ عتق مفقود ہے اس لئے اس ''سبب وراثت،، کا محض تاریخی و علمی حیثیت سے مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔

ولاء موالات: شرعاً مورث اور وارث کے درمیان عقد (معاھدہ) کی بناء پر تعلق بھی بعض صورتوں میں میراث کا سبب ھوتا ہے۔

ولاءُ موالات کی صورت یہ ہے کہ ایک مشرک الف ایک مسلمان ب کے ھاتھ پر ایمان لایا اور پھر اسی شخص مسلم سے یہ معاھدہ کرلیا کہ تم میرے مولا ھو۔ اگر میں مرجاوں تو تم میرے وارث ھوگے اور کوئی جرم کر بیٹھوں تو دیت کی ذمہ داری تم پر ھوگی اور دوسرے نے اس کی اس بات کو قبول کرلیا تو یہ عقد موالات صحیح ھوگا اور اس کے ذریعہ وراثت کا حق حاصل ھوجائے گا۔ اسی طرح اگر الف ب کے ھاتھ پر اسلام لایا اور عقد موالات کسی دوسرے مسلم سے کیا تب بھی ان دونوں کے درمیان معاھدہ صحیح ھوگا۔ شمس الائمہ امام سرخسی نے کہا ہے کہ ''یہ شرط نہیں ہے کہ جس مسلمان کے ھاتھ پر اسلام لایا ھو اسی سے موالات کا معاھدہ کیا جائے بلکہ کسی دوسرے سے بھی کیا جاسکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ موالات کا معاھدہ کرنے والے کے اپنے حقیقی شرعی ورثاء موجود نہ ھوں۔ اگر اس کے اپنے ذوی الفروض و عصبات موجود ھوں تو (معاھدہ کے باوجود) مولاء موالات وارث نہ ھوگا۔ یہ مسلک احناف کا ہے جس کے قائلین حضرت عمر، حضرت علی اور ابن مسعود وغیرھم ھیں۔ (ماخوذ از الشریفیہ، (شرح سراجیہ) صص ۱۰ - ۹)، مجمع الانہر ج ۲، ص ۲۷۴، الاختیار لتعلیل المختار جزء ۴، ص ۴۴، البحرالرائق ج ۸، ص ٦٨) امام شعبی و امام شافعی ولاء موالات کے قائل نہیں ھیں۔ یہی مذھب زید ابن ثابت کا ہے۔ امام مالک و احمد بن حنبل کا بھی وھی مسلک ہے جو امام شافعی کا ہے۔ (المغنی، ابن قدامہ المقدسی (م ٦٢٠ع) مطبعة المنار، مصر، ۱۳۴۸ھ (فقہ حنبلی) ج ۷، ص ۲۷۸)، بدایة المجتہد و نہایة المقتصد (فقہ اربعہ) ج ۲، ص ۳۱۲، المدونة الکبری امام سحنون (م ۲۴۰) (فقہ مالکی) جزء ۸، ص ۳۷ مطبعة السعادة، مصر ۱۳۲۳ھ امام ابو محمد ابن حزم ظاھری بھی اپنے مسلک میں ولاء موالات کے قائل نہیں معلوم ھوتے۔ (المحلی ،فقہ ظاھری، جزء ٦ ،ص ۳۰۸، امام ابو محمد علی ابن حزم م (۴۵٦ھ)، مطبعة الامام، مصر، ٦ جزء ٦ س ـن، کتاب المواریث)۔ البتہ امامیہ کے نزدیک ولاء موالات کے ذریعہ وراثت جاری

ہوتی ۔(۲۸)اسی طرح مصاہرت (سسرالی رشتہ داری) کا تعلق وراثت کا سبب نہیں ہوا کرتا ۔ یعنی شوہر یا زوجہ کی جانب سے قرابت وراثت کا سبب نہیں بن سکتی ۔ الا یہ کہ ان کے درمیان زوجیت کے علاوہ کوئی اور قرابت بھی ہو ۔

قانون مصر :

دفعہ ۷ ۔ وراثت کے اسباب زوجیت، قرابت اور عصوبت سببی ہیں ۔ زوجیت کے تعلق سے وراثت بصورت فرضیت ہوگی ۔

قرابت کی وراثت کبھی بطور فرض یا عصوبت یا ہر دو طریق یا بذریعہ رشتہ رحم ہوگی، مگر اس میں حجب اور رد کے قواعد کو ملحوظ رکھنا ہوگا، لہذا جب کسی وارث میں وراثت کی دو جہتیں موجود ہوں گی، وہ ان دونوں کے لحاظ سے دفعہ ۱۴ تا ۳۷ کی رعایت کے ساتھ وارث ہوگا ۔

قانون شام :

دفعہ ۲۶۳(۱) ۔ اسباب وراثت زوجیت اور قرابت ہیں ۔

(۲) ۔ وراثت کے تین طریقے ہیں ۔ وہ فرائض جو کتاب اللہ سے متعین ہیں، یا عصوبت یا رحمی تعلق ۔

(۳) ۔ ازدواجی تعلق کی وراثت فرض کے طریق پر ہوگی ۔

(۴) ۔ جو وراثت قرابت کے تعلق سے ہوگی، کبھی بطریق فرض ہوگی، کبھی بطریق عصوبت اور کبھی دونوں طریق سے، یا رحمی تعلق کی وجہ سے، پس جس وقت کسی وارث میں وراثت کے دو سبب موجود ہوں گے تو وہ دونوں

ہوگی اس کو فقہاء امامیہ نے ولاء تضمن بالجریرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے ۔ بلکہ فقہاء امامیہ موالات کی ایک تیسری قسم کے بھی قائل ہیں جس کو ''ولاء امامۃ'' کہا جاتا ہے یعنی امام وقت کی ولاء ۔ (شرائع الاسلام، فقہ شیعی، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۹۳) ولاء موالات میں بھی ولاء عتق کی طرح اعلی اپنے اسفل کا وارث ہوگا، الا یہ کہ دونوں جانب سے اس کے برعکس معاہدہ ہوا ہو، ایسی صورت میں اسفل بھی اعلی کا وارث ہوگا ۔ (الدر المنتقی شرح الملتقی) فقہ حنفی علاءالدین الحصکفی، مصر، ج ۲، ص ۴۲۸) ۔

(۲۸) الدر المنتقی (شرح الملتقی) (فقہ حنفی)، علاءالدین الحصکفی (م ۱۰۸۸ھ)، بر حاشیہ مجمع الانہر، دارالمطبعۃ العامرہ، مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۷۴۷ : ''فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعاً''، مجموعہ قوانین اسلام، مؤلف ہذا کراچی، ۱۹۶۵ع، ج ۱، ص ۱۰۳ ۔

(سبب سے) وراثت کا مستحق ہوگا، لیکن دفعات ۲۷۱ و ۲۹٦ کی رعایت کرنا لازم ہوگا۔

قانون مراکش :

۲۲۴ - وراثت کے اسباب کا تقرر چونکہ شریعت کی جانب سے ہے کسی عقد کے ذریعہ ان کا حصول نہیں ہوتا، نہ وصیت کی اثر اندازی ہو سکتی ہے، اس لئے وارث یا مورث کو وراثت کی کسی صفت سے تنزل اختیار کرکے کسی غیر کی جانب منتقل کرنے کا حق نہیں ہوتا۔

۲۲۵ - وراثت کا سبب زوجیت یا قرابت ہے۔

۲۲٦ - قرابت چھ جہتوں میں منحصر ہے : ابوت، اور اموت (ماں ہونا) جدیت (دادا، دادی) ہونا، بنوۃ (اولادی سلسلہ)، اخوۃ (بھائی یا بہن ہونا) عمومۃ (پھوپی ہونا)۔

۲۲۷ - استحقاق وراثت کے لئے حسب ذیل امور شرط ہیں :-

(۱) مورث کی حقیقی یا حکمی موت۔

(۲) مورث کی ہر دو موت کے وقت وارث کی حیات کا متحقق ہونا، اور

(۳) جہت وراثت کا علم۔

تئیسواں باب

حقوق متعلق بہ ترکہ

حقوق متعلق بہ ترکہ

۲۹۵ - میت کے مال کے ساتھ حسب ذیل حقوق متعلق ہوتے ہیں جن میں بعض پر بعض مقدم ہیں :-

(۱) - میت کی تجہیز و تکفین

(۲) الف) - میت کے ترکہ (عین شئے) سے حقوق غیر کا ایفاء،

(ب) - میت کے ترکہ سے اس کے ذمہ (دیون) کی ادائی ، اور

(۳) - تمام دیون کی ادائی کے بعد ماباقی ترکہ میں ایک تہائی کی حد تک غیر وارث کے حق میں وصیت کا نفاذ، اگر میت کی وصیت موجود ہو اور شرعاً قابل نفاذ ہو -

توضیح :- وصیت کے ایک تہائی سے زائد یا وارث کے حق میں وصیت ہونے کی صورت میں اس کا نفاذ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا -

استثناء - موصی کے شیعہ ہونے کی صورت میں وارث کے حق میں ایک تہائی کی حد تک وصیت بلا اجازت ورثاء جائز و قابل نفاذ ہوگی -

۴ - ماباقی ترکہ کی کتاب و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں ورثاء میں تقسیم ہوگی -

تشریح

میت کے ترکہ سے قبل از وراثت حسب ذیل امور متعلق ہوتے ہیں :-

(۱) تجہیز و تکفین (۲) ادائی دیون (۳) نفاذ وصیت

۱ — (الف) تجہیز و تکفین :

ایک مسلمان کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ سے فی‌الفور جو حقوق

متعلق ہوجاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) میت کا اپنا حق (۲) میت پر دوسروں کا حق۔

میت کا اپنا حق :

میت کا اپنا سب سے پہلا حق اس کی تجہیز و تکفین ہے۔ تجہیز ایک عام لفظ ہے جس میں تکفین و تدفین کے تمام اخراجات شامل ہیں۔ یہ لفظ حنفی فقہ میں تکفین کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، لیکن مقصد دونوں کا ایک ہے۔ تجہیز کے بعد تکفین یا تدفین کے لفظ کا استعمال لفظ عام کے بعد خاص کا استعمال ہے۔ بعض اصحاب کے نزدیک ادائی قرض تجہیز پر مقدم ہے جیسا کہ ملا مسکین نے بیان کیا ہے لیکن تجہیز پر قرض مقدم ہونے کی روایت غیر صحیح ہے۔ اصح یہی ہے کہ تجہیز و تکفین قرض پر مقدم ہے۔(۱) اس لئے سب سے پہلے میت کے ترکہ سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی۔

اس کی دو دلیلیں ہیں :-

(الف) بر بنائے سنت (ب) از روئے قیاس۔

(الف) دلیل بر بنائے سنت :

حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نماز جنازہ پڑھانے کے وقت دریافت فرماتے تھے کہ میت پر قرض تو نہیں ہے ! اگر جواب اثبات میں ہوتا تو آپ بذات خود نماز نہ پڑھاتے بلکہ کسی صحابی سے فرمادیتے کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود مسلمانوں کو دوران حیات قرض کی ادائی کی طرف متوجہ کرنا اور اس کی اہمیت کا احساس دلانا تھا، نہ یہ کہ قرض میت کی تجہیز پر مقدم ہے۔ حضرت حمزہ جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو آپ نے ان کے دفن سے پہلے قرض کے متعلق کوئی استفسار نہ فرمایا۔ اس روایت سے بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تجہیز و تکفین پر قرض مقدم نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) الدر المنتقی، علاءالدین حصکفی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۴۶۔

(۲) المبسوط، امام شمس الدین سرخسی (م ۴۸۳ھ) (فقہ حنفی)، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۲۴ھ، ج ۲۹، ص ۱۳۶۔

علاوہ ازیں، تجہیز کے بعد ھی نماز میت کا مرحلہ سامنے آتا ھے۔ لہذا حدیث میں خود اس بات کی دلیل موجود ھے کہ تجہیز مقدم ھے۔ آنحضرت صلعم نے فعل تجہیز کو برقرار رکھا، لہذا تجہیز کا ادائی دین پر مقدم ھونا منصوص ھوگیا۔

(ب) دلیل از روئے قیاس:

موت کے بعد میت کا کفن وہ حیثیت رکھتا ھے جو اس کی زندگی میں اس کے عام لباس کی ھوتی ھے۔ جس طرح ایک قرض خواہ کے قرضہ کے عوض قرض دار کے جسم کا لباس قرق اور فروخت نہیں کیا جاسکتا۔(۳) اسی طرح موت کے بعد قرضے کی ادائی پر اس کے کفن دفن کا انتظام مقدم ھوگا۔(۴) البتہ تجہیز و تکفین میں ترکہ اور اس کی زندگی کے اوسط لباس کا لحاظ رکھا جائے گا نہ کمی کی جائے گی اور نہ اسراف۔(۵)

زوجہ کی تجہیز و تکفین کے اخراجات:

حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق زوجہ کی تجہیز بجمیع اجزاء (مکمل طور پر) شوھر کے ذمہ ھوگی۔(۶) اور زوجہ کی تجہیز کے اخراجات کا خود شوھر ذمہ دار ھوگا۔ چنانچہ زوجہ کے ترکہ میں سے

---

(۳) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ھ، ج ۲۹، ص ۱۳۶۔

(۴) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ھ، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔
مجمع الانہر، داماد آفندی (م ۱۰۸۰ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۷۳۶۔
بحرالرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۴۸۹۔
الاختیار لتعلیل المختار، محولہ بالا، جزء ۵، ص ۸۵۔

(۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۳۶۔
الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، جزء ۵، ص ۸۵۔
الشریفیہ، (شرح سراجیہ)، سید شریف جرجانی، مطبوعہ قرآن محل، کراچی، ص ۵۔
بحرالرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۴۸۹۔

(۶) الدر المنتقی، علاءالدین حصکفی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۳۶۔
المہذب، (فقہ شافعی)، ابی اسحاق ابراھیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، (م ۴۷۶ھ) مطبع مصطفے البابی الحلبی، مصر، ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ع، ج ۱، صص ۱۳۷-۱۳۶۔

اس کی تجہیز کے اخراجات وضع نہیں کئے جائیں گے ، اگرچہ زوجہ مالدار ہو، کیونکہ زوجہ سے تعلق زوجیت ہی کے سبب شوہر اپنی زوجہ کا وارث ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ (بخلاف عام حنفی ائمہ و فقہاء) اور امام مالک و احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ اگر زوجہ کا اپنا مال موجود ہو تو اس سے تجہیز و تکفین کی جائے اور اگر اس کا مال موجود نہ ہو تو امام مالک کے نزدیک زوجہ کی تجہیز و تکفین شوہر پر واجب ہے۔ امام محمد بن حسن الشیبانی بیت المال سے تجہیز و تکفین کے قائل ہیں، لیکن مفتی بہ اول قول ہے۔ ائمہ احناف کا البتہ اس میں اتفاق ہے کہ اگر شوہر تنگدست ہو تو زوجہ کی تجہیز کے اخراجات بیت‌المال سے ادا کئے جائیں گے۔ اس مسئلہ میں شافعی مذہب یہ ہے کہ کفن کا محل ترکہ ہے اگر میت نے ترکہ نہ چھوڑا تو تجہیز اس کے ذمہ ہے جس کا ذمہ میت کا نفقہ ہے۔ امام احمد بن حنبل کا صحیح قول یہ ہے کہ شوہر پر زوجہ کی تجہیز و تکفین کے اخراجات کسی حال میں واجب نہیں۔ (۷) یہی مسلک اکثر اصحاب مالکیہ اور ابن حزم ظاهری کا ہے۔ چنانچہ مالکیہ اور حنبلیہ مکاتیب فقہ کے نزدیک زوجہ کی تجہیز اس کے اپنے مال سے ہوگی، خواہ شوہر مالدار ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تجہیز و تکفین زوجہ کے نفقہ کی قبیل سے ہے جو مرد کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ چونکہ موت کے سبب نفقہ کا وجوب منقطع ہوجاتا ہے اس لئے تجہیز کی ذمہ داری بھی شوہر پر عائد نہیں کی جاسکتی، الا یہ کہ عورت کا مال (ترکہ) تجہیز کے لئے ناکافی ہو۔

نتیجۂ فکر :

راقم‌الحروف کے نزدیک مالکیہ اور حنبلیہ کی یہ دلیل متناقض ہے، کیونکہ اس کا مقدمہ اولی یہ ہے کہ تجہیز نفقہ کی قبیل سے ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ موت کے بعد تجہیز نفقہ کی جگہ لے گی، کیونکہ زندگی میں تو بہر حال تجہیز نفقہ کی نہ قائم مقام ہوسکتی ہے اور نہ اس کی جگہ لے سکتی ہے۔ اس

---

(۷) المیزان الکبری (فقہ اربعہ)، عبدالوہاب الشعرانی (م ۹۷۳ھ)، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء، ج ۱، ص ۲۲۲۔
المحرر فی الفقہ الحنبلی، مجدالدین ابو البرکات، عبدالسلام (م ۶۵۲ھ)، مطبع السنۃ المحمدیہ، مصر، ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء، ج ۱، ص ۱۹۲۔

لئے اگر تجہیز نفقہ کی قبیل سے ہے تو موت کے بعد واجب ہوگی ورنہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تجہیز موت کے بعد شوہر کے ذمہ واجب نہیں اور زندگی میں تجہیز کا کوئی محل نہ ہوگا تو نفقہ کی قبیل سے ہونے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے ! اس لئے اگر مالکیہ اور حنبلیہ کا مقدمہ اولی راست ہے تو تجہیز کی ذمہ داری بھی نفقہ کی طرح شوہر کے ذمہ واجب ہونی چاہئے۔

بالفاظ دیگر، زندگی میں زوجہ کی ضروریات کی تکمیل کے اخراجات کو نفقہ کہا جاتا ہے جب کہ مرنے کے بعد اس کی ضروریات کو تجہیز کا نام دیا گیا ہے۔ جس طرح زوجہ کی زندگی میں اس کی ضروریات کی تکمیل شوہر کے ذمہ تھی، اسی طرح زوجہ کے مرنے کے بعد اس کی ضرورت یعنی تکفین و تدفین کی تجہیز شوہر کے ذمہ ہونی چاہئے۔ حنابلہ کا یہ استدلال کہ یہ نفقہ کی قبیل سے ہے اور چونکہ نفقہ کی ذمہ داری زندگی تک ہے اس لئے مرنے کے بعد تجہیز کی ذمہ داری شوہر پر عائد نہ ہوگی، یوں بھی غلط ہے کیونکہ زوجہ کے انتقال کے فوری بعد رشتۂ زوجیت اپنے اثر و نتیجہ کے اعتبار سے مطلقاً ساقط نہیں ہوتا اور متعدد شرعی مقاصد کے لئے وہ قائم تصور کیا جاتا ہے بلکہ بعض شرعی مقاصد خود زوجہ کی موت سے شروع ہوتے ہیں جیسے کہ وراثت۔

میت کے ذمہ زکواۃ کی ادائی :

اگر میت کے ذمہ زکوۃ یا کفارہ ادا کرنا باقی ہے تو وہ، شافعی علماء کے نزدیک، تجہیز و تکفین سے پہلے ادا کرنا لازم ہے لیکن حنفی علماء کے نزدیک چونکہ موت کے بعد زکوۃ (یا کفارہ) میت کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے اس لئے زکوۃ یا کفارہ کی ادائی لازم نہیں، البتہ اگر متوفی نے زکوۃ یا کفارہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو تجہیز و تکفین و ادائے قرض کے بعد جو مال باقی بچے اس میں سے تہائی کی حد تک بطور وصیت عمل کیا جاسکتا ہے۔(۸) اس سلسلے میں تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

---

(۸) الشریفیہ (شرح سراجیہ)، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۶۔
الترکات و المیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، مطبوعہ قاہرہ، ص ۱۱۳۔

۲ (ب) — میت پر دوسروں کا حق :

میت پر دوسروں کے جو حقوق ہوتے ہیں، فقہاء نے ان کی دو قسمیں بیان کی ہیں :-

۱ — حقوق‌اللہ -

۲ — حقوق‌العباد -

شریعت میں میت کے ذمہ حقوق کی مندرجہ بالا دو بڑی قسمیں ہیں - ایک حقوق اللہ مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ اور دوسرے حقوق العباد مثلاً دوسروں کے دیون (قرضے) وغیرہ

حقوق‌اللہ اور حقوق‌العباد کے مابین ترجیح :

اس سلسلے میں پہلا مسئلہ حقوق‌اللہ اور حقوق العباد کے درمیان وجوب و ترجیح کا ہے - احناف کے نزدیک حقوق‌اللہ میت کی وفات کے ساتھ ہی اس سے باین طور متعلق نہیں رہے کہ مال متروکہ سے ان حقوق کی ادائی کے لئے شرعاً مال لیا جائے - مثال کے طور پر ایک مسلمان مر گیا، اس پر حج فرض تھا جو اس نے ادا نہیں کیا یا کفارہ واجب تھا جو اس نے پورا نہیں کیا یا زکوۃ واجب‌الادا تھی - یہ تمام وجوب و ذمہ داریاں اس کی وفات کے سبب اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئیں، الا یہ کہ اگر اس نے ان کی ادائی کے لئے وصیت کی ہو تو بمتابعت احکام وصیت ترکہ کی ایک تہائی کی حد تک عمل درآمد کیا جاسکتا ہے -

احناف کا نقطہ نظر :

احناف کے نزدیک حقوق‌العباد کی صورت حقوق‌اللہ سے مختلف ہے - شرعاً ان کی ادائی ورثاء پر میت کے ترکہ میں سے لازم ہے - از روئے حکم قرآنی(۹) حقوق‌العباد کی ادائی اور وصیتوں کے اجراء کے بعد ہی ورثاء کے درمیان میراث تقسیم کی جاسکتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ

میت کے ذمہ لوگوں کے حقوق اس کا جسم ٹھنڈا ہوجانے سے پہلے ادا کردو(۱۰)
احناف اپنے اس موقف کی تائید میں چند دلیلیں پیش کرتے ہیں :-

(۱) پہلی دلیل یہ کہ دین کی اصلیت اہل شرع کے عرف میں یہ ہے کہ کسی شخص پر کسی ذمہ داری کی بناء پر مال دینا واجب ہو، مگر زکوٰۃ میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ زکوۃ اس مال کو بغیر کسی بدل کے دے دینا ہے۔ اسی بناء پر فقہائے احناف زکوۃ اور کفارہ کو ''دین،، شمار نہیں کرتے۔(۱۱)

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی غنی اور کریم ہے، اس لئے بندوں کا حق ہی ترکہ سے متعلق ہونا انسب ہے الا یہ کہ اگر مورث وصیت کر گیا ہو تو بندوں کے قرضوں کی ادائی کی طرح حقوق اللہ کی ادائی کے لئے وصیت پر عمل کیا جائے گا اور تجہیز و تکفین اور قرضوں کی ادائی کے بعد جو ترکہ بچ رہے گا اس کے ایک تہائی کی حد تک بطور وصیت عمل کیا جائے گا۔(۱۲)

۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ عبادت میں مکلف کی نیت اور اس کا فعل رکن کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ موت کے ساتھ ہی اس کی نیت اور فعل دونوں فوت ہوجاتے ہیں جس کی بناء پر وجوب باقی نہیں رہتا۔(۱۳) اس کے برخلاف حقوق العباد کی ادائی میں نیت اور فعل شرط نہیں ۔ مثال کے طور پر قرض خواہ کے ہاتھ میں مقروض کا کوئی مال مقروض کی بلا اجازت آجائے تو وہ اس کو اپنے پاس رکھ کر قرض دار کے ذمہ قرض کے حساب میں محسوب کرسکتا ہے۔

---

(۹) ۴ : ۱۱ (النساء ۴) ''من بعد وصیة یوصی بھااودین۔
(۱۰) الترکة والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا ص ۱۱۲ -
(۱۱) احکام الترکات و المواریث (فقہ عام)، ابو زھرہ، دارالفکر العربی، مصر ،ص ۲۹ -
(۱۲) الدار المنتقی ، علاءالدین حصکفی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۴۶ -
(۱۳) المبسوط، امام سرخسی (۴۸۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴ھ، ج ۲۹، ص ۱۳۷ -
تبیین الحقائق (شرح کنز الدقائق)، زیلعی، امام فخرالدین عثمان (م ۷۴۳ھ)، (فقہ حنفی)، الطبعة الامیریہ مصر، ۱۳۱۳-۱۵ھ، ج ۳، ص ۲۳۰ -

ائمہ ثلاثہ کا نقطہ نظر :

اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ اور امام ابن حزم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موت سے حقوق‌اللہ کی ادائی ساقط نہیں ہوتی۔ چنانچہ مالکی فقہاء کے نزدیک حقوق‌العباد کے بعد حقوق اللہ ادا کئے جائیں گے۔ یعنی تجہیز و تکفین کے بعد لوگوں کے قرضے ادا کئے جائیں گے اس کے بعد حقوق اللہ مثلاً زکوۃ فطرہ اور کفارات، جن کا اقرار میت نے اپنی صحت کی حالت میں کیا ہو، ادا کئے جائیں گے، خواہ میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس کے برخلاف شافعی فقہاء حقوق‌اللہ کی ادائی کو حقوق العباد پر مقدم رکھتے ہیں جب کہ دونوں کی ادائی کے لئے ترکہ ناکافی ہو۔ حنبلی فقہاء حقوق‌اللہ اور حقوق‌العباد کی ادائی میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ وہ دونوں کو ایک ساتھ (ترکہ کی مقدار کے مطابق) ادا کرنے کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ دین متعلق بالعین کے بعد حقوق‌اللہ اور حقوق‌العباد کو ایک ساتھ ادا کرتے ہیں۔ امام ابن حزم نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ شدت اختیار کی ہے۔ ان کے نزدیک سب سے پہلے حقوق اللہ ادا کئے جائیں گے اس کے بعد حقوق‌العباد اور اس کے بعد میت کو کفن دیا جائے گا۔ اگر مال باقی نہ بچے تو اس کے کفن کی ذمہ داری ان پر ہوگی جو اس وقت موجود ہوں، خواہ قرضخواہان یا کوئی اور۔(۱۴)

امام ابن حزم کی دلیل :

شافعی علماء اور امام ابن حزم جو ادائی کے معاملہ میں حقوق‌اللہ کو حقوق‌العباد پر ترجیح دینے کے قائل ہیں، اپنے نقطہ نظر کی تائید میں

---

(۱۴) الترکة والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۱۱۳۔
البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، الکاسانی، امام علاءالدین (م ۵۸۷ھ)، مطبعة الجمالیه، مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۵۳۔
احکام الترکات و المواریث، ابوزهره، محوله بالا، مصر ص ۳۹-۳۷۔
المیزان الکبری، علامه شعرانی، مطبوعه مصر، ج ۱، ص ۲۲۲ و ۲۲۳۔
المحلی، ابن حزم (م ۴۵۶ھ) مطبوعه مصر، ۱۳۵۲ھ ج ۶، ص ۳۰۹۔

حضور علیہ السلام کے ارشادات ''اللہ کا دین زیادہ مستحق ہے کہ ادا کیا جائے،، اور ''اللہ کا دین ادا کرو کہ وہ ادائی کا زیادہ مستحق ہے-(۱۵) پیش کرتے ہیں،، -

تجزیہ و نتیجہ' فکر:

صاحب مشکوۃ نے کتاب ''المناسک،، میں صحیح بخاری و مسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک مرد حضور علیہ الصلوۃ و السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی مگر وہ نذر پوری کئے بغیر مرگئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتاھوں ؟ حضور نے فرمایا کہ اگر تیری بہن پر کسی کا دین ہوتا تو کیا تو اس کو ادا نہ کرتا ؟ اس نے جواب دیا کہ بے شک میں ادا کرتا - حضور نے فرمایا کہ اللہ کا دین ادائی کا زیادہ مستحق ہے-(۱۶) امام شافعی اور امام ابن حزم اس حدیث کے ظاہر معنی پر مسئلہ کی بنیاد رکھتے ہوئے حقوق‌اللہ کو حقوق‌العباد پر فوقیت دیتے ہیں، جب کہ حنفیہ صرف وصیت کی صورت میں حقوق‌اللہ کی ادائی پر عمل کرتے ھیں - ان کے نزدیک اس مرد کا فعل تبرعاً تھا، یعنی اس نے اپنی بہن کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا، جس سے اس فعل کا واجب ہونا لازم نہیں آتا -

بہر کیف ، اولیٰ یہ ہے کہ ورثاء متوفی کے ذمہ واجب الادا زکوۃ کو ادا کردیں ، ورنہ متوفی سے آخرت میں سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنے ذمہ واجب الادا زکواۃ اپنی زندگی کے دوران کیوں ادا نہیں کی، یا مرنے کے بعد اس کی ادائی‌گی کی وصیت کیوں نہ چھوڑی -

---

(۱۵) ''دین اللہ احق ان یقضی،، ''اقضوا اللہ فھوا حق بالوفاء ،، یہ احادیث مع اسناد ابن حزم نے اپنی مندرجہ ذیل تصنیف کی کتاب الصیام و الزکوۃ و الحج میں بالتفصیل روایت کی ہیں- المحلی، ابن حزم، ج ۶، ص ۳۰۹ -

(۱۶) ''عن ابن عباس قال اتی رجل النبی صلعم، فقال ان اختی نذرت ان تحج و انہاماتت فقال النبی صلعم لوکان علیہا دین اکنت قاضیۃ قال نعم، قال فاقض دین اللہ فھوا حق بالقضاء، (متفق علیہ) (بخاری، ج ۲، ص ۹۹۱، باب الایمان و النذور) -

(۱۷) مشکواۃالمصابیح ' اصح‌المطابع کراچی' صفحہ ۲۲۱ (حاشیہ)

میت پر دوسروں کے حقوق کی بھی دو قسمیں ہیں :-

(١) قرض متعلق بالعین (نفس شئے) (١٨)

قرض سادہ (عام)۔

قرض متعلق بالعین :

اگر قرض متعلق بالعین ہو یعنی قرضہ کسی خاص شئے سے متعلق ہو (مثلاً رہن) اور میت کی ملکیت میں سوائے مرہونہ شئے کے کچھ نہ ہو تو سب سے پہلے اس شئے (مرہونہ) کو فروخت کر کے (یا بطریق دیگر رہن سے چھڑا کر) مرتہن کا قرض ادا کیا جائے گا۔ یہ حق تجہیز پر بھی مقدم ہے کیونکہ اس کا تعلق بوجہ حق غیر ایسے معین مال سے ہے جس کا ابھی ترکہ میت میں شمار نہیں ہوا۔(١٩)

قرض سادہ (عام) بذمہ میت :

تجہیز و تکفین جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، میت کے ترکہ سے متعلق حقوق میں سب سے پہلا حق ہے۔ تجہیز و تکفین کے بعد میت کے ذمہ جو قرض واجب ہو اس کی ادائی کا ترکہ سے متعلق دوسرا حق ہوتا ہے۔ چنانچہ میت پر قرضہ ہونے کی صورت میں قرض خواہان کا حق وصولی کل ترکہ سے متعلق ہوجاتا ہے، (٢٠) اگر وہ قرض حالت صحت کا ہے یا دوران مرض صریح اقرار یا شہادت سے ثابت شدہ ہے۔(٢١)

---

(١٨) Corpus of property.

(١٩) ردالمحتار (شرح تنویر الابصار)، ابن عابدین، محمد امین (م ١٢٥٢ھ)، مطبع مصطفی البابی، مصر، ١٣٢٨ھ، ج ٥، ص ٥٣٥۔

(٢٠) ''کل حق للغیر تعلق بعین الترکة فانه مقدم علی تکفینه کالدین المتعلق بالمرهون،، (الشریفیه شرح سراجیه، سید شریف جرجانی، محوله بالا، ص ٣)۔

''لم یبدأ بقضاء دینه من جمیع ماله الباقی بعد التجهیز و تکفین،، (الشریفیه، محوله بالا، ص ٥)۔
''و علی کل لمنها ما یتعلق بعین الترکه و بجزء منها مالا یکون کذلك بل هی دیون مرسلة متعلقه بالذمة وحدها'' الترکة و المیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محوله بالا، ص ١١٢)۔

(٢١) ''فان کان الکل دین الصحة اعنی ما کان ثابتا بالبینة او بالاقرار فی زمان الصحة، الشریفیه، سید شریف جرجانی، محوله بالاله، ص ٩)۔

ادائی قرض وصیت پر مقدم ہے:

میت کے ذمہ قرضہ کی ادائی وصیت پر مقدم ہے۔ اگرچہ قرآن پاک میں بہ لحاظ ترتیب وصیت کا ذکر پہلے آیا ہے۔ (۲۲) لیکن اول تو قرآن پاک میں احکام کی ترتیب بیان ان کی تنفیذ میں تقدم و تاخر کا سبب نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ حضرت علی نے فرمایا کہ ''میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ آپ وصیت (کی اجرائی) سے پہلے قرضہ کی ادائی شروع فرماتے تھے۔،،(۲۳) قرضے کی وصیت پر مقدم ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ قرضہ کی ادائی فرض ہے جب کہ وصیت کرنا فی نفسہ ایک فعل تبرع (احسان کا معاملہ) ہے۔ ایسی صورت میں قرضہ کا وصیت سے پہلے ادا کرنا ظاہر ہے۔(۲۴) قیاس بھی اس کا مقتضی ہے۔

قرضوں کی ادائی میں تقدم و تاخر:

فقہاء نے حقوق العباد کے سلسلے میں دین کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ایک دین الصحت اور دوسرے دین المرض۔ یہ تقسیم حنفی فقہاء کے نزدیک ہے جو حقیقت میں فقہی باریک بینی پر دلالت کرتی ہے۔ دین الصحت جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے اپنی مشہور کتاب ''رد المحتار،، (جس کا حوالہ آگے آرہا ہے) میں لکھا ہے کہ وہ قرض ہے جو شہادت سے ثابت شدہ ہو، خواہ وہ قرض حالت صحت کا ہو یا حالت مرض کا، دونوں صورتوں میں برابر ہے۔ نیز وہ قرض جو حالت صحت میں اقرار سے ثابت ہو وہ حالت صحت کا قرض کہلائے گا۔ اور جو قرض بحالت مرض موت میت کا اقراری ہو (یعنی شہادت یا معائنہ سے ثابت شدہ نہ ہو) وہ دین المرض کہلائے گا۔ جہاں تک ان دیون کی ادائی کا تعلق ہے ان میں یہ فرق رکھا گیا ہے کہ تجہیز و تکفین کے بعد دین الصحت کو دین المرض کے مقابلہ میں ادا کرنے میں تقدم حاصل ہوگا۔

---

(۲۲) ''من بعد وصية يوصون بها اودين،، (۴ : ۱۲، النساء کل ۴)۔

(۲۳) ''ولقد شهدت النبي صلى الله عليه وسلم قدم الدين على الوصية،، (البحرالرائق، ابن نجیم، محولہ بالا ج ۸، ص ۴۸۹)۔
الاختيار لتعليل المختار، عبدالله بن محمود بن مودود، محولہ بالا، جزء ۵، صص ۸۶ ۸۵۔

(۲۴) ''ولان الدين واجب ابتداء و الوصية تبرع والبداءة بالواجب اولى۔،، (البحرالرائق، ابن نجیم محولہ بالا، ج ۸، ص ۴۸۹)۔
المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔
الشریفیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۶۔
احکام الترکات و المواریث، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۳۷۔

لیکن دین المرض جو بحالت مرض موت میت کے صرف اقرار سے ثابت ہو اس کو وصیت شمار کیا جائے گا اور اس کے وصیت ہونے کی حیثیت سے ترکہ کی ایک تہائی کی حد تک قابل عمل ہوگا۔

علماء احناف نے یہ تفریق اس بنیاد پر کی ہے کہ اول تو اس دین کا سوائے اقرار میت بحالت مرض موت اور کوئی ذریعہ اس کے ثبوت کا نہیں، دوسرے مشاہدہ میں بارہا آیا ہے کہ لوگ بوقت مرگ اپنے مالی معاملات میں تغافل سے کام لے کر دوسرے مستحق ورثاء کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی محض اقرار میت بحالت مرض موت سے قرضہ ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ ان کے مشاہدہ کے بموجب انسان اپنے آخری وقت میں اللہ سے زیادہ قریب ہوجاتا ہے اس لئے ان کے نزدیک اس کے اقرار کو جھوٹ کی تہمت سے محفوظ رکھتے ہوئے دین المرض کو دین الصحت کے برابر سمجھا جائے گا، اگرچہ دین المرض کے ثبوت میں میت کے اپنے اقرار بحالت مرض موت کے سوا کچھ نہ ہو۔ چنانچہ اس امر میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر تمام قرضے حالت صحت کے ہوں تو سب قرضوں کو مساوی درجہ میں ادا کیا جائے گا۔ کسی کو کسی پر تقدم حاصل نہ ہوگا لیکن اگر تمام دیون حالت مرض کے ہوں تو ان سب قرضوں کو مساوی طور پر ادا کیا جائے گا ادائی میں کسی کو کسی پر تقدم حاصل نہیں ہوگا۔ اس طرح اگر بعض قرضے حالت صحت کے اور بعض حالت مرض کے ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ مرض کی حالت کے قرضے گواہی یا حالت صحت کے اقرار سے ثابت ہیں یا صرف مریض کے بحالت مرض اقرار شدہ ہیں۔ اگر اقرار حالت مرض کے قرضے یا شہادت (ورثاء) کے مشاہدے کے ساتھ ثابت ہوں تو قرضۂ صحت اور قرضۂ مرض دونوں مساوی درجہ کے حامل ہوں گے۔ لیکن اگر قرضۂ مرض صرف مریض کا اقرار شدہ ہو تو احناف کے نزدیک ایسے قرضۂ مرض الموت کے مقابلہ میں قرضہ صحت کی ادائی مقدم ہوگی۔(۲۰) (اگرچہ قرضوں کے ساتھ حق ادا لازم ہونے میں قرضۂ صحت اور قرضۂ مرض دونوں برابر ہیں)۔ بطور مثال:

(۲۰) رد المحتار، محمد امین ابن عابدین (م ۱۲۵۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ ج ۵، ص ۶۳۹۔ الشریفیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۔

(۱) ایک شخص فوت ہوگیا اور بعد تجہیز و تکفین مبلغ دو ہزار روپے ترکہ میں باقی بچا اور اسی کے بقدر قرضہ' صحت ہے نیز قرضہ اقرار بحالت مرض ایک ہزار ہے (جس کی ماسوائے اقرار کوئی اور شہادت نہیں) تو احناف کے نزدیک قرضہ' صحت پہلے ادا کیا جائے گا اور ترکہ باقی نہ ہونے کے سبب قرض خواہان اقراری (بحالت مرض) محروم رہیں گے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں قرض خواہوں کو ان کے قرضوں کے تناسب سے ملے گا۔

(۲) اس کی ایک اور صورت یہ ہے کہ ایک شخص فوت ہوگیا اور تجہیز و تکفین کے بعد کل تین ہزار روپیہ نقد باقی چھوڑا۔ دو ہزار قرضہ صحت اور ایک ہزار قرضہ کا اقرار بحالت مرض ہے تو احناف کے نزدیک دو ہزار قرضہ بحالت صحت ادا کرنے کے بعد ایک ہزار کا تہائی بطور وصیت بحق قرض خواہ واجب ہوگا۔ (۲۶)۔ اقرار قرضہ مذکور بحالت مرض موت مریض پر حجت ہوگا نہ کہ ورثاء کے خلاف بھی۔ اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ دونوں قرضوں کو بطور قرض صحت ادا کرنے کے قائل ہیں اس صورت میں ان کے نزدیک ورثاء کے لئے کچھ نہ بچے گا۔

ابو زہرہ کی تصریحات :

ابو زہرہ نے اپنی کتاب ''احکام الترکات و المواریث،، میں قرضوں کی ادائی کے تقدم و تاخر کے بارے میں لکھا ہے کہ جو قرضے اشیاء معینہ سے متعلق نہ ہوں وہ حالت صحت میں مشاہدہ، شہادت یا اقرار سے ثابت ہوں یا حالت مرض میں شہادت سے ثابت ہوں یا مریض نے مرض موت کی حالت میں کوئی ایسا عمل کیا جس کا سبب واضح تھا مثلاً کوئی شے خریدی یا کسی سے قرض لیا (جس کا علم ہر متعلق شخص کو ہوا) یہ تمام قرضے حالت صحت کے قرضوں کے درجے میں متصور ہوں گے ، لیکن جو قرضے مرض کی حالت

(۲۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ابوزہرہ محولہ بالا ص ۱۰ - ۱۳ -

میں محض مریض کے اقرار سے ثابت ہوں اور ان کی کوئی دوسری دلیل موجود نہ ہو، حالت مرض کے قرضے کہلائیں گے(۲۷)

یہ تفریق محض احناف کے نزدیک ہے، دیگر فقہاء کی کتابوں میں ایسی کوئی تفصیل موجود نہیں۔ ان کے نزدیک ہر قسم کے قرضے میت کے ترکہ سے مساوی درجہ میں متعلق ہوتے ہیں۔راقم الحروف کے نزدیک اس ضمن میں احناف کا نقطۂ نظر دقت نظری اور فقہی باریک بینی پر مبنی ہے اور قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔

ایک سوال ؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مورث کی حالت مرض موت میں ورثاء کا حق جو اموال مورث سے متعلق ہوجاتا ہے اس کی نوعیت کیا ہے ؟ آیا وہ حق بطریق ملک ہے یا بطریق اعتراض۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ حق بطریق ملک ہے جب کہ دوسری جماعت کے نقطۂ نظر کے مطابق یہ ایک حق اعتراض ہے جو بحالت مرض موت پیدا ہوتا ہے، البتہ موت کے بعد بطریق ملک ''ثابت،، ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں متاخرین کا نقطۂ نظر زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وارث اپنا حق اعتراض مورث کے دوران حیات استعمال نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف ایک قرض خواہ اپنے حق اعتراض کو حالت مرض موت اور غیر حالت مرض موت دونوں حالتوں میں اپنے قرضہ کی حد تک استعمال کر سکتا ہے اور اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ قرض خواہ کا حق مورث کے اموال کی مالیت سے بطریق ملک ثابت ہوتا ہے۔

دراصل مورث مرض الموت کی حالت میں جو مالی تصرف کرتا ہے ان تصرفات سے ورثاء کے حقوق کا اس طریقہ پر تحفظ کیا گیا ہے کہ وہ تصرفات مالی ترکہ کے ایک تہائی سے زائد نہ ہوں۔ الا یہ کہ وہ تصرفات مورث نے اپنی حاجت اصلی کی تکمیل کی غرض سے کئے ہوں۔ اسی طرح قرض خواہوں کے حقوق کا بھی تحفظ کیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر تصرفات میں غبن فاحش یعنی

(۲۷) احکام الترکات و المواریث، ابو زہرہ، محولہ بالا، صص ۳۶ - ۳۵۔

حد درجہ بے اعتدالی ثابت ہو تو وہ تصرفات ناجائز قرار پائیں گے، خواہ ترکہ قرض سے زائد ہو یا نہ ہو اسی طرح اگر مدیون نے اپنی حالت مرض موت میں کوئی جائداد کسی کو ہبہ یا بیع کی ہو جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ وہ ہبہ یا بیع قرض خواہ کے حق کو متاثر کرنے کے لئے کی گئی ہے، تو قرض خواہ نہ صرف مورث کی زندگی میں بلکہ اس کی موت کے بعد بھی اس معاملت کو ناجائز قرار دلواسکتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

خلاصہ یہ کہ احناف کے نزدیک حقوق متعلق بہ ترکہ کی بحث میں سب سے پہلا درجہ حق متعلق بالعین کا ہے۔ اس کے بعد تجہیز و تکفین کا نمبر آتا ہے اور بعد ازاں حقوق العباد، یعنی قرضہ جات بذمۂ میت کی ادائی کی جائے گی، بشرطیکہ وہ قرضے شہادت، معائنہ یا میت کے اقرار بحالت صحت سے ثابت شدہ ہوں۔ حقوق اللہ میت کے ترکہ سے متعلق نہ ہونے کے سبب صرف وصیت کئے جانے کی صورت میں عمل پذیر ہو سکیں گے۔ یعنی حقوق العباد کے بعد وصیت اور سب سے آخر میں ورثاء کے درمیان ترکہ کی تقسیم عمل میں آئے گی۔

مالکیہ کے نزدیک حق متعلق بالعین کی ادائی اور تجہیز و تکفین کے بعد حقوق العباد (غیر متعلق بالعین) خواہ وہ دین الصحت ہو یا دین المرض ادا کئے جائیں گے۔ اس کے بعد حقوق اللہ، پھر وصیت اور اس کے بعد میراث کا درجہ ہے۔

شافعیہ کے نزدیک تجہیز و تکفین کے بعد حقوق اللہ کو سب پر فوقیت ہے۔ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد خواہ قرضہ صحت ہو یا قرضہ مرض، اس کے بعد وصیت اور بعد ازاں میراث۔

حنبلیہ کے نزدیک سب سے پہلے تجہیز و تکفین، اس کے بعد قرض متعلق بالعین کی ادائی، پھر حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ایک ساتھ ادائی (ترکہ کم ہونے کی صورت میں بقدر تناسب کمی کے ساتھ)، پھر وصیت اور ما بعد میراث۔

ظاہریہ کے نزدیک سب سے پہلے حقوق‌اللہ ادا کئے جائیں گے پھر حقوق‌العباد اس کے بعد تجہیز و تکفین، بعد ازاں وصیت اور پھر میراث۔

ادائی قرض تک ترکہ کی حالت:

احناف کے نزدیک میت کا ترکہ، کل یا جزء، جب تک اس سے قرض متعلق ہے ورثاء کی ملکیت (تصرف) کی طرف منتقل نہ ہوگا۔ جمہور احناف کے نزدیک جب دین (قرض) ترکہ پر محیط ہو تو وہ وارث کی ملکیت کا مانع ہوگا، اور جب محیط نہ ہو تب بھی۔ امام ابو حنیفہ کا ایک قول یہی ہے، البتہ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ دین تمام ترکہ پر محیط نہ ہونے کی صورت میں مالک کی ملکیت کا کسی حالت میں مانع نہیں ہوتا، کیونکہ وارث ترکہ میں مورث کا نائب ہوتا ہے اور تمام مال میت کی حیات میں اس (میت) کا مملوکہ تھا، مع اس کے کہ وہ قرض کے ساتھ مشغول ہو، جیسا کہ مرہون ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ لہذا اسی طریقہ سے وارث کی ملکیت ہوگا۔ اس مسئلہ میں جمہور احناف کی دلیل اللہ تعالی کا ارشاد "من بعد وصیة یوصی بها اودین" ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے میراث کا وقت دین اور وصیت کی ادائی کے بعد مقرر فرمایا ہے۔ حکم اپنے وقت سے پہلے ثابت نہیں ہوا کرتا (لہذا وراثت کا حکم قرضوں کی ادائی سے پہلے ثابت نہ ہوگا)۔ بنابریں (صرف) معنوی اعتبار سے قرض‌دار کا حال مورث کی حیات کے حال کے مطابق ہوگا۔ علاوہ ازیں وارث اس مال میں نائب ہوتا ہے، جو مورث کی حاجت سے فاضل ہو، لیکن جو مال میت کی حاجت میں مشغول ہو اس مال میں وارث اس کا خلیفہ نہیں ہوتا، چنانچہ اگر دین ترکہ پر محیط ہے تو مال مورث کی حاجت میں مشغول ہوگا اور اصیل کی موجودگی نائب کے حق میں ظہور حکم کے لئے مانع ہوگی۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس حالت میں ترکہ بغیر مالک کے مملوک سمجھا جائے گا بلکہ دائن (قرض خواہ) کی ملکیت اس مال کی مالیت میں تصور کی جائے گی۔ یہ حکم مدیون (میت) کی حاجت کی بناء پر ہے۔(۲۸)

جمہور شافعیہ کے نظریہ کے مطابق مورث کے فوت ہوتے ہی ترکہ

(۲۸) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۷۔

کی ملکیت ورثاء کی طرف منتقل ہوکر ثابت ہوجاتی ہے، لیکن ترکہ سے قرضوں کا تعلق قائم رہتا ہے۔ ان کے نزدیک ترکہ کا میت کی حاجت میں مشغول رہنا ورثاء کی ملکیت کے تحقق کے لئے مانع نہیں ہوتا، جس طرح کہ مورث کی زندگی میں اس کے مال سے رہن کا تعلق اس کی ملکیت میں مانع نہیں ہوتا۔ البتہ ادائیگی حقوق کے وقت قرض خواہان کا حق ورثاء کے حق پر مقدم ہوگا۔ امام احمد بن حنبل کی مشہور روایت بھی اسی کے مطابق ہے اور شیعہ امامیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۲۹)

اسلامی قانون کی انفرادیت :

اسلامی قانون غالباً دیگر نظام ہائے قانون کے مقابلے میں منفرد قانون ہے جو میت کے مفادات و ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو ایک قانونی حیثیت دیتا ہے اور اس غرض کے لئے میت کو حکمی طور پر زندہ تصور کرتا ہے۔ چنانچہ حکمی طور پر اس کو اس وقت تک زندہ تصور کیا جاتا ہے جب تک اس کی ضروریات پایہٴ تکمیل کو نہ پہنچ جائیں۔ یعنی اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین، اس کے ذمہ قرضوں کی ادائی، وصیتوں کا اجراء، وصول طلب قرضوں کی وصولی اور ورثاء میں ترکہ کی تقسیم کے امور مکمل نہ ہو جائیں۔ گویا وہ اس وقت تک حکماً زندہ تصور کیا جاتا ہے جب تک کہ اس کے ترکہ سے متعلق جملہ شرعی امور انجام کو نہ پہونچ جائیں۔ اس کی بناء یہ ہے کہ اسلامی قانون محض ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ اس دنیا میں تعلقات ظاہری ہی کا احاطہ نہیں کرتا بلکہ انسان کے اس کی زندگی میں اور موت کے بعد خدا سے تعلق کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

بطور مثال میت کے ذمہ قرضوں کی عدم ادائی اس کی اخروی نجات کے لئے ایک رکاوٹ ہے، اس لئے مرنے کے باوجود اس کی ضرورت — قرضوں کی ادائی — قائم رہتی ہے اور جب تک اس کی ضروریات قائم رہتی ہیں اس کو حکماً زندہ تصور کیا جاتا ہے۔

---

(۲۹) احکام الترکات و المواریث ابو زہرہ، محولہ بالا، صص ۲۴-۲۵۔

صاحب کفایہ شارح ھدایہ نے لکھا ھے کہ ''میت کے قرضوں کی ادائی اور وصیتوں کے اجراء کی ضروریات کے تعلق سے ھم میت کو زندہ اور اپنی جائداد و املاک کا (حکماً) مالک تصور کرتے ھیں۔(۳۰)

تقریباً یہی بات صاحب عنایہ (۳۱) اور ابن عابدین دوم (۳۲) نے بھی لکھی ھے۔

اصول فقہ کے ماھرین (اصولیین) بھی میت کی قانونی شخصیت کو بالکل معدوم تصور نہیں کرتے، کیونکہ میت کے حقوق اور مالی ذمہ داریاں فی‌الفور معدوم نہیں ھو جاتیں۔ چنانچہ موت کے باوجود وہ شخص ان حقوق کا جن کا انشاء (وجود) اس کی زندگی میں متحقق ھوچکا تھا، مستحق ھوتا ھے۔ مثال کے طور پر زندگی میں جال لگایا اور مرگیا، اور بعد مرگ اس جال میں شکار آپھنسا تو وہ شکار متوفی کی ملکیت ھوگا یا زمین میں پودا لگایا، بعد مرگ بارآور ھوا، وہ پودا و پھل متوفی کی ملکیت میں شمار ھوگا۔ اسی طرح وہ مالی ذمہ‌داریاں جو زندگی میں پیدا ھوچکی تھیں، محض موت کے سبب ساقط نہیں ھوتیں، ان کی ادائی اور تکمیل کی ذمہ داری بھی اس کے ترکہ پر قائم رھتی ھے۔ یعنی وہ ذمہ‌داریاں اس کی ذات سے اس کے ترکہ کی طرف منتقل ھو جاتی ھیں، (۳۳)

---

(۳۰) کفایہ (شرح ھدایہ)، محمود بن عبداللہ (م ۷۳۰ھ)، مطبوعہ بمبئی، ۱۲۷۹ھ، ج ۳، ص ۳۰۰۔
''ولھذا قدرنا المیت بعد موته حیا و مالکا لاموالہ فیما یحتاج الی قضاء دینه و تنفیذ وصیته،،۔

(۳۱) عنایہ (شرح ھدایہ)، البابرتی، اکمل الدین محمد ابن محمود (م ۷۸۶ھ)، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۳۰ھ ج ۳، ص۱۳۷ ''انزلنا المیت حیاً فی حق بقاء الترکة علی حکم ملکه فیما اذا کان علیه دین مستغرق و فی حق تجهیز التکفین و تنفیذ الوصایا فی الثلث۔،،

(۳۲) قرة العیون الاخیار (ردالمحتار، ابن عابدین دوم، محمد علاءالدین (م ۱۳۰۶ھ) مطبوعہ مصر، ۱۲۹۹ھ ج ۲، ص ۳۳۶ (المیت یعطی حکم الحی فی الاشیاء التجهیز و التکفین و قضاء الدین و تنفیذ الوصیة،،)۔
المبسوط، سرخسی، محولا بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۷ ''لیکون حال الدین کحال حیات المورث فی المعنی و لکن تبقی ملکیة المدیون فی ماله حکما لبقاء حاجته،،۔

(۳۳) الترکات و المیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محوله بالا، ص ۲۷۔
''والدین یتحول من الذمة الی الترکة،، (کشف الاسرار (شرح بزدوی)، عبدالعزیز ابن احمد (م ۷۳۰ھ) مطبوعہ قسطنطنیہ، ۱۳۰۸ھ، ج ۳، صص ۲۰۰-۳۱۱۔
''والذمة خربت بالموت فان ترک مالا انتقل الدین الیه،، (منار الانوار، النسفی، عبد اللہ ابن احمد ابن محمود (م ۷۱۰ھ)، مطبوعہ قسطنطنیہ، ۱۳۱۳ھ، ص ۳۳۹)
''لان الدین بالذمة یتعلق بالترکة اذالذمة خربت بالموت،، (درر الاحکام، ملا خسرو، محمد ابن فراس ز(م ۸۸۰ھ)، مطبوعہ قسطنطنیہ، ۱۳۳۰ھ، ج ۲، ص ۳۵۱۔
احکام الترکات و المواریث، ابو زھرہ، محولہ بالا، ص ۲۹۔

اگر ترکہ موجود ہو۔ اسی بناء پر اسلامی فقہ میں حق المیت اور ''دین علی المیت،، کی اصطلاحیں برابر استعمال کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر جو قرض اس کی ذات پر واجب تھا وہ اب (بسبب وفات) اس کے ترکہ کی مالیت سے متعلق ہوگیا۔ چنانچہ قرض خواہ کا حق اس کے ترکہ کی مالیت سے متعلق ہوکر زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے۔

چونکہ موت کے سبب وہ شخص ادائی قرض سے بالکل عاجز ہوجاتا ہے اس لئے اس کے مفادات کی نگہداری اور ضرورتوں کی تکمیل کی ذمہ داری ''اس کے ترکہ کی حد تک،، اس کے ورثاء پر عائد ہوجاتی ہے۔ جس طرح مرض الموت ''جنون، نابالغی اور غائب (غیر مفقود) ہوجانے کے سبب اس کے حقوق و فرائض کی تکمیل کی ذمہ داری اس کے ولی کی طرف منتقل ہوجاتی ہے یا جس طرح مرض الموت کے دوران قرض خواہان اور ورثاء کے حقوق اس کے ترکہ سے متعلق ہوجاتے ہیں اسی طرح موت کے بعد کی بھی صورت ہوتی ہے۔

قرآن پاک نے صاف و صریح الفاظ میں ورثاء کے حق کو ''من بعد وصیة یوصون بها اودین،، فرما کر میت کے مفاد اور ضرورت کو اولیت دی ہے۔ اسی بناء پر فقہاء شافعیہ اور امامیہ قرض خواہان (اور موصی لہ) کے موجود ہونے کی صورت میں میت کے کل ترکہ کو ''رہن شرعی،،(٣٤) قرار دیتے ہیں۔ (٣٥) اور میت کے اسی مفاد و ضرورت کے اصول کے تحت ان کے نزدیک موجل قرضہ موت کے سبب فوری واجب الادا ہوجاتا ہے۔(٣٦) اور اسی ضرورت کے سبب ترکہ کو میت کی حکمی ملکیت میں تصور کیا جاتا

---

(٣٤) رہن شرعی کی اصطلاح رہن عام سے مختلف ہے۔ رہن عام یا سادہ متعلق بالعین یعنی کسی مخصوص شے سے متعلق ہوتا ہے جب کہ رہن شرعی کی اصطلاح متروکہ کی مالیت سے بحکم شرعی متعلق کی گئی ہے۔

(٣٥) ''الترکه إنما جعلت رهنا بدین المیت نظراً لحاجته . . . احوط للمیت ان یمتنع علی هذا تصرف الوارث فیه جزماً ''(نهایة المحتاج، للرملی، محمد ابن احمد (م ١٠٠٣ھ)، مطبوعہ مصر، ١٢٩٢ھ، ج ٣، ص ٣٩٥۔

(٣٦) کتاب الام، الشافعی، محمد ابن ادریس، (م ٢٠٣ھ) مکتبة الکلیات الازهریه، مصر، ١٩٦١ع ج ٣، ص ٢١٢۔

ہے ۔(۳۷) چنانچہ میت کی حاجتوں کی تکمیل کی شرط کے ساتھ ترکہ میں ورثاء کا حق متعلق ہوتا ہے ، جیسا کہ متعدد کتب فقہ میں بیان کیا گیا ہے ۔(۳۸)

نتیجۂ فکر:

اگرچہ شافعی فقہاء حنفیوں کے ''حکمی حیات،، کے تصور کو کلی طور پر قبول نہیں کرتے لیکن وہ میت کے حاجتوں اور ان کی تکمیل کے منکر نہیں ۔ وہ اس لئے ''رہن شرعی (Legal mortgage) کا نظریہ پیش کرتے ہیں ۔ جس کا مطلب ہے کہ میت کے ذمہ قرض ہونے کی صورت میں (باعتبار مالیت) تمام ترکہ (بعد تجہیز و تکفین) قرض خواہاں کے حق میں خود بخود میت کی ضرورت کے سبب ''من جہۃ الشرع،، رہن ہوجاتا ہے ۔(۳۹) جس کے نتیجہ میں ورثاء اس وقت تک اپنے حقوق ملکیت آزادانہ طور پر استعمال نہیں کر سکتے، جب تک کہ وہ میت کے ترکہ میں سے تمام قرضے اور واجبات ادا نہ کردیں ۔ اگرچہ شافعی فقہاء اس موقع پر ایک مختلف اصطلاح استعمال کرتے ہیں لیکن وہ بالنتیجہ حنفیہ سے متفق نظر آتے ہیں ۔ دراصل احناف کے نزدیک موت کے سبب قرضہ ذمہ میت سے منتقل ہوکر ترکۂ میت سے متعلق ہوجانے کا یہ

---

(۳۷) ''ان الترکة قبل القسمة مبقاة علی ملک المیت،، (المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۷ ۔
''حوائجہ و قضاءالدین منها ولا یزول ملکہ (''کفایہ، محمود بن عبیداللہ، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۷ ۔
''المیت جعل کا المالک حکماً لقیام حاجتہ الی قضاء دیونہ،، (عنایہ، بابرتی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۴۷۳، اسی قسم کا مضمون جلد ۴، ص ۲۰۰ پر بھی بیان کیا گیا ہے ۔

(۳۸) ''حق الورثة یتعلق بالترکہ بشرط الفراغ عن الحاجة،، (الھدایہ، مرغینانی، برھان الدین (م ۵۹۳ھ)، قرآن محل کراچی، ج ۳، ص ۲۴۲ (کتاب الاقرار) ۔
''حق الورثة یتعلق بالترکة الا بعد الفراغ عما یحتاج الیہ (المیت)،، القہستانی، شمس الدین محمد (م ۹۵۰ھ) جامع الرموز، مطبوعہ کازان، ۱۸۹۸ع، ج ۳، ص ۵۵۴ ۔
''ثم اجماع المسلمین ان لا وصیة ولا میراث الا بعد الدین؛،، (کتاب الام، شافعی، محولہ بالا، ج ۴، ص ۱۰۰ ۔
''ولا یسلم للوارث شیئی من الترکہ الا بعد قضاء الدین،، (المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۱۵، ص ۵۹ ۔
''والوارث انما یستحق المیراث اذا استغنی المورث،، (البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۳۸۸ ۔

(۳۹) ۳۵ ما سبق ۔

مطلب ہے کہ قرضہ ترکہ کی قیمت و مالیت سے متعلق ہوجاتا ہے نہ کہ خود اصل اشیاء سے۔ شافعی فقہاء قرضہ کے ترکہ میت سے متعلق ہوجانے کے سلسلہ میں ''رہن شرعی،، کی جو اصطلاح استعمال کرتے ہیں وہ ''عام یا سادہ رہن،، کی اصطلاح سے مختلف ہے کیونکہ عام رہن میں قرضہ کا تعلق براہ راست اس شئے یا اشیاء سے قائم ہو جاتا ہے جو قرضہ میں رہن کی گئی ہوں، جب کہ رہن شرعی میں ایسی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ دراصل شافعی فقہاء اس اصطلاح کے استعمال سے قرضہ اور ترکہ میت کے درمیان تعلق کو استحکام بخشنا چاہتے ہیں۔ ان کی اس مخصوص اصطلاح کے پیش نظر رہن کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں ایک رہن شرعی اور دوسری رہن‌العباد، کیونکہ رہن شرعی کی اصطلاح اس امر کی مقتضی ہے کہ بلا نیت و فعل شخص شرع رہن کا اعتبار کرے جب کہ رہن العباد کی صورت میں رہن فریقین (راہن و مرتہن) کے مخصوص عمل سے وجود میں آتا ہے۔ چنانچہ نتیجہ کے اعتبار سے شافعی فقہاء کی اصطلاح میں رہن شرعی کا تعلق صرف ترکہ کی قیمت و مالیت سے ہی قائم تصور کیا جاسکتا ہے نہ کہ اصل شئے سے۔ بنا بریں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ باعتبار نتیجہ احناف اور شافعیہ کے درمیان قرضوں کے ترکہ میت سے متعلق ہوجانے کے نقطۂ نظر میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔(۳۰) مالکی فقہاء کے یہاں بھی تقریباً یہی صورت ہے۔ اگرچہ وہ بین طور پر ''حکمی حیات،، کے قائل نہیں ہیں اور ان کے نزدیک مورث کے مرتے ہی اس کے ترکہ میں ورثاء کا حق ملکیت قائم ہوجاتا ہے، لیکن ورثاء اس میں تصرف نہیں کرسکتے تا وقتیکہ تمام قرضہ جات وغیرہ ادا نہ ہوجائیں۔ بالفاظ دیگر، مورث کی وفات کے وقت سے ورثاء کا حق ملکیت متروکہ میں قائم ہوجاتا ہے لیکن جب تک قرضوں کی ادائی اور وصیتوں کا اجراء نہ ہوجائے اس وقت تک وہ نہ اپنے حصص تقسیم کرسکتے ہیں اور نہ فروخت کرنے کے مجاز ہیں۔ ایک لحاظ سے مالکی و شافعی نقطہ نظر کے بموجب نتیجہ کے اعتبار سے بھی تا ادائی قرضہ ورثاء کی ملکیت موقوف کہی جا سکتی ہے کیونکہ وہ اس میں تصرف کے مجاز نہیں ہیں۔ حنبلی فقہاء کے نزدیک بھی یہی صورت ہے۔

---

(۳۰) کتاب الام، امام شافعی، محولہ بالا، جلد ۴، صص ۱۰۱ - ۱۰۰ (ماخوذ)۔

اس مسئلہ میں شیعہ امامیہ کا مسلک حنفی اور شافعی نظریات کا مرکب ہے ۔ وہ احناف کی متابعت میں میت کو ''حیاً تقدیراً'' یعنی میت کو حکمی طور پر زندہ اور متروکہ کا مالک تصور کرتے ہیں، اور شافعی نقطہ نظر کے مطابق متروکہ کو شرعا مرہونہ تسلیم کرتے ہیں ۔ چنانچہ ان کے نزدیک بھی قرضہ جات وغیرہ کی ادائی تک ورثاء مالک نہیں ہوتے بلکہ وہ (اس وقت تک کے لئے) واجبات کی ادائی اور جائداد کا انتظام کرتے ہیں، جب تک قرضہ جات وغیرہ ادا نہ ہو جائیں ۔

ترکہ کی مختلف حالتیں اور ورثاء کے تصرفات :

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب ترکہ کی مختلف حالتوں اور ان سے متعلق ورثاء کے احکام تصرف کا بھی جائزہ لے لیا جائے ۔ یہ امر بدیہی ہے کہ ترکہ کسی صورت میں تین حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا :۔

(۱) ایک یہ کہ وہ قرضوں اور وصیتوں کے مساوی ہو،

(۲) دوسرے یہ کہ ان سے کم ہو، اور

(۳) تیسرے یہ کہ ان سے زیادہ ہو۔

اگر ترکہ قرضوں اور وصیتوں کے مساوی ہے تو ورثاء کا حق ملکیت متروکہ میں قائم ہونے کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔(۱۴) ورثاء کے حق ملکیت کے تعلق سے یہی صورت اس وقت ہوگی جب کہ میت کا ترکہ قرضوں کی ادائی اور وصیتوں کی تکمیل کے لئے کافی نہ ہو۔

پہلی صورت میں جب کہ میت کا متروکہ (مال) اس کے قرضوں کی ادائی اور وصیتوں کے اجراء کے لئے کافی ہو تو ورثاء ان قرضوں کی ادائی اور وصیتوں کے اجراء کا انتظام کرنے کے مستحق ہوں گے ۔ دوسری صورت میں جب کہ

---

(۱۴) ''الترکۃ مستغرقۃ بالدین حتی لا یبقی للوارث بعد الدین'' (فتاوی قاضی خان برحاشیہ فتاوی عالمگیری، قاضی خان، فخرالدین الحسن ابن منصور، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ھ، ص ۵۵۸ ''ان الدین یمنع وقوع الملک للوارث'' (الھدایۃ، کتاب الصلح (حاشیہ) مرغینانی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۵۷ ۔

متروکہ میت کےدیون و وصایا کی تکمیل کے لئے ناکافی ہو تو ورثاء کو اس امر کا کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ اس متروکہ میں کسی قسم کا تصرف کریں، خواہ وہ بذمہ میت قرضوں کی ادائی ہی کے لئے کیوں نہ ہو، الا یہ کہ قرض خواہ کی رضامندی حاصل کرلی گئی ہو۔(۴۲) ایسی صورت میں صرف حاکم عدالت یا وصی (جس کو میت نے مقرر کیا ہو) اس میں تصرف کا مجاز ہوگا۔(۴۳) ورثاء فروخت کرنے، تصفیہ کرنے یا آپس میں جائیداد تقسیم کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔(۴۴) اگر ایسا کریں گے تو ان کا فعل باطل ہوگا کیونکہ وہ سرے سے اس جائداد کے مالک ہی نہ تھے۔(۴۵) البتہ قرض خواہاں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ چاہیں تو اس معاملت سے کلیتاً انکار کردیں یا اس (بیع) کو جائز تسلیم کرلیں۔ موخرالذکر صورت میں اگر بیع بازار کی صحیح قیمت کے مطابق ہے تو وہ وارث سے قیمت حاصل کرنے کے مجاز ہوں گے۔ وارث اگر قیمت فروخت قرض خواہ کو ادا نہ کرے تو وہ خریدار سے طلب کرنے کے مجاز ہونگے اور خریدار اسکا ذمہ دار ہوگا۔(۴٦)

ایسی صورت میں خریدار وارث (بائع) کے خلاف نقصان کی پابہ جائی کا حق رکھتا ہے۔ اس کی مثال بیع فضولی کی ہے۔ کیونکہ وارث نے ایک ایسی شئے کی بیع کی جس میں وہ حق ملکیت نہ رکھتا تھا اور تصرف کا مجاز نہ تھا کیونکہ اس شئے سے قرض خواہاں کا حق متعلق ہو چکا تھا۔ البتہ اگر ورثاء

---

(۴۲) ''اذاکان الدین مستغرقا للترکہ فلان الورثۃ لا یملکون الترکۃ ولا ینفذ تصرفہم فیہا،، (المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۱۰، ص ۵۹)۔

(۴۳) لأن ولایۃ البیع للقاضی اذا کانت الترکۃ قد احاط بہاالدین ولا یملک الوارث البیع،، (البحرالرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۷، ص ۵۲، مسائل شتی)۔

(۴۴) ''وان کان علی المیت دین مستغرق لا یجوز الصلح ولا القسمۃ لان الترکۃ لم یتملکہا الوارث،، (الہدایۃ، مرغینانی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۷۔ کتاب الصلح)۔

''لو علی المیت دین مستغرق لم یجز الصلح ولا القسمۃ اذ وارثہ لم یتملک ترکتہ،، (جامع الفصولین، قاضی سماوہ، محمود بن اسرائیل (م ۸۲۳ھ)، مطبوعہ بولاق مصر، ۱۳۰۰ھ، ج ۲، ص ۲۳)۔

(۴۵) البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲٦۲۔

(۴٦) ''بیعۃ الوارث موقوف علی رضاء الغرماء،، (ردالمحتار، ابن عابدین، مطبوعہ قسطنطنیہ، ۱۲۹۴ محولہ بالا، جلد ۴، ص ۵۲۷)۔

چاہیں تو وہ تمام جائداد کو واگزار کرانے کا اختیار رکھتے ہیں اور تمام قرضے ادا کرکے جائداد کے مالک ہو سکتے ہیں (نہ کہ بقدر مالیت جائداد)۔ چنانچہ اگر ورثاء ایسا کریں تو قرض خواہاں قرضہ کی ادائی قبول کرنے کے پابند ہوں گے وہ ترکہ کی کسی مخصوص شئے کا دعوی نہیں کرسکتے کیونکہ حق وصولی قرض دراصل متروکہ کی ''مالیت،، سے متعلق ہے۔ ترکہ کی کسی ''مخصوص شئے،، سے متعلق نہیں ہے، مگر ایسی صورت میں لازم ہے کہ ورثاء کل قرضے ادا کریں محض ترکہ کی مالیت کے بقدر ادا کرنا کافی نہ ہوگا۔

اگر ترکہ ذمہ داریوں سے زائد ہو یعنی قرضہ کی ادائی اور وصیت کی تکمیل کے بعد ترکہ میں سے کچھ بچ رہتا ہو جس کے ورثاء مستحق قرار پائیں تو ایسی صورت میں ورثاء کی ملکیت اور تصرف کے استحقاق کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں :۔

۱۔ پہلا نقطۂ نظر ''بربنائے قیاس،، یہ ہے کہ جب تک تمام قرضوں کی ادائی اور وصیتوں کی تکمیل نہ ہوجائے اس وقت تک ورثاء اس (متروکہ) کے مالک قرار نہیں دئے جا سکتے۔ کیونکہ قرضے یا وصیت کسی مخصوص شئے یا ترکہ کے مخصوص (علیحدہ شدہ) حصے سے متعلق نہیں ہیں بلکہ کل ترکہ میں ان کا تعلق قائم ہوجاتا ہے اور چونکہ میت کی حاجتیں (قرض و وصیت) موجود ہیں لہذا حکمی طور پر اس کو زندہ تصور کیا جائے گا اور اس کی حاجتوں کی تکمیل کے بعد ہی ورثاء تصرف کے مجاز ہوں گے۔ چنانچہ ورثاء نہ بیع کرسکتے ہیں اور نہ خود آپس میں تقسیم یا تصفیہ کر سکتے ہیں تاآنکہ میت کے ذمہ تمام قرضوں کی ادائی اور اس کی وصیتوں کی تکمیل نہ ہو جائے۔(۳۷)

۲۔ دوسرا نقطہ نظر ''بر بنائے استحسان،، یہ ہے کہ اگرچہ ورثاء کی ملکیت کا براہ‌راست سبب ایسا ترکہ ہے جس میں دوسرے کا حق متعلق نہ ہو لیکن اگر قرضہ مقدار میں تھوڑا ہو جس کے لئے آسانی سے ترکہ کا ایک حصہ

(۳۷) فتاوی عالمگیری، شیخ نظام الدین، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۲ء، ج ۰، ص ۳۳۱۔

علیحدہ کرکے باقی ترکہ ورثاء تقسیم کرلیں تو یہ میت کے حق میں بھی بہتر ہوگا، کیونکہ اب جائداد کے اتلاف کے خود ورثاء ذمہ دار ہوں گے۔ نیز ترکہ کی ملکیت موقوف نہ رہے گی جو نہ صرف قرض خواہان بلکہ ورثاء کے حق میں بھی ضرر رساں ہے۔ چنانچہ اگر ترکہ کا کوئی حصہ دین میں مشغول ہو تو اس حصہ کی حد تک ورثاء مالک اور تصرف کے مجاز نہ ہوں گے البتہ غیر مشغول حصہ میں وہ تصرف کے مجاز ہوں گے۔

فقہاء کی اکثریت اس نظریہ کی تائید میں نظر آتی ہے کہ وہ قرضے جو میت کے متروکہ سے ادا کئے جائیں گے ان کی نوعیت ان قرضوں کی سی ہے جو کسی مرھونہ شئے سے متعلق ہوں۔ جس طرح راھن شئے مرھونہ میں مالک ہونے کے باوجود اس کی بیع نہیں کر سکتا، اسی طرح ورثاء بھی بیع نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر متروکہ کافی سے زائد ہو تو اس صورت میں قرضہ کی ادائی کا مناسب انتظام کرنے کے بعد ورثاء کے باقی ترکہ میں مالکانہ تصرف کرنے سے قرض خواہان کو ضرر پہنچنے کا احتمال نہیں رہتا اور میت کی حاجتیں بھی تکمیل پذیر ہوجاتی ہیں۔ لہذا ما بقی ترکہ کی تقسیم میں کوئی مضائقہ نہیں۔ راقم‌الحروف کا نقطہ نظر بھی اس سے متفق ہے۔ حکم قرآنی ''من بعد وصیة یوصی بہا اودین،، کا مقصود وصیت اور قرض کی ادائی کے بعد ورثاء کے حصوں کی تقسیم عمل میں لانا ہے، جس سے ورثاء کے درمیان تقسیم ترکہ کو قبل از ادائی قرض و وصیت روکنے کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہوں کے حق معرض خطر میں نہ پڑجائیں۔ لیکن اگر قرض کے بقدر ترکہ کا ایک حصہ علیحدہ کردیا گیا اور باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم ہوجائے تو اس سے قرض خواہان کا حق متاثر ہونے کا خطرہ باقی نہیں رہتا، بشرطے کہ تمام قرضے حقیقتاً ادا کردئے جائیں۔

چنانچہ اگر ترکہ قرضوں سے زائد ہو تو ورثاء قبل از تقسیم متروکہ کی ملکیت میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی وارث دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر ان کے حصے بھی منتقل کردے تو اس کا فعل ناجائز ہوگا، البتہ اس کو اپنے حصے کی حد تک بیع کا اختیار ہے، بشرطے کہ قرض خواہاں کے لئے ترکہ

کا مناسب حصہ علیحدہ کردیا گیا ہو اور قرضہ حقیقتاً ادا بھی کر دیا جائے۔ اسی طرح ایک وارث میت کا کل حق جو کسی کے ذمہ واجب ہو وصول کرنے کا مجاز نہیں۔ چنانچہ اگر میت کے مقروض نے کسی ایک وارث کا حصہ دوسرے کو دے دیا تو دوسرے ورثاء کا حق ساقط نہ ہوگا، وہ اب بھی مقروض سے اپنے حصے کے بقدر مطالبہ کرسکتے ہیں۔

اس صورت میں جب کہ ترکہ قرضوں سے زائد ہو اور ورثاء آپس میں تقسیم کرلیں اور بعد کو کوئی نیا قرضہ میت کے ذمہ ثابت ہو جائے تو ایسی صورت میں قرض خواہ کو اس تقسیم یا بیع کے باطل قرار دلانے کا حق حاصل ہوگا، الا یہ کہ اس کا قرضہ ادا کردیا جائے۔(۳۸) مصری قانون کے تحت اس قسم کے دعوی کی میعاد سماعت مورث کی وفات سے تین سال تک مقرر کی گئی ہے۔ یہی مدت پاکستانی قانون کے تحت ہے۔ اس مدت کے تعین میں کوئی قباحت نہیں نظر آتی، کیونکہ ایک غیر معینہ عرصہ تک ترکۂ میت کو ''کھلا'' نہیں رکھا جا سکتا البتہ مدیون اور دائن کے درمیان تعلق قرض بہرحال قائم رہیگا جس کے لئے مدیون آخرت میں مواخذہ دار ہوگا۔

نتیجۂ فکر:

مندرجہ بالا بحث و نظر سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ترکہ قرضہ سے زائد ہونے کی صورت میں اگرچہ ورثاء متروکہ کے مالک متصور ہوتے ہیں لیکن ان کو متروکہ میں قطعی حقیت (absolute title) حاصل نہیں ہوتی اور اسی لئے وہ دوسرے کو بھی اپنی حقیت منتقل نہیں کرسکتے الا یہ کہ تمام قرضے ادا کردئے جائیں۔ چنانچہ جب تک قرضے واجب الادا ہیں، خواہ ورثاء کو ان کا علم ہو یا نہ ہو، مشتری کو وارث بائع سے مکمل اور قطعی حقیت حاصل نہیں ہو سکتی، اور قرض خواہان بیع کو منسوخ کرانے کے مجاز ہوں گے۔

قرض خواہان کے حقوق جو میت کی زندگی میں اس کی ذات سے متعلق تھے اس کے مرنے کے بعد از روئے قانون جائداد کی مالیت سے متعلق ہو جاتے

(۳۸) جامع الفصولین، قاضی سماوہ، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۲-۲۳۔

ہیں۔ جائداد قرض خواہان کے قرضہ کے عوض بلا تخصیص رہن متصور ہوتی ہے۔ چنانچہ شافعی اور شیعی علماء کا نقطہ نظر قرض خواہان کے حق میں اپنے اندر زیادہ تحفظ کا حامل ہے کہ قرضوں کی ادائی سے قبل ورثاء کا جائداد کا دوسرے کے حق میں منتقل کر دینا باطل ہوگا۔ لیکن مصالح عامہ کے حصول کی خاطر حنفی اور مالکی فقہاء اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطے کہ قرضے ادا کردئے جائیں۔ لیکن دونوں نقطہ ہائے نظر میں اپنے اثر کے اعتبار سے وہی فرق ہے جو باطل (void) اور قابل ابطال (voidable) میں ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں حنفی نقطۂ نظر مصالح عامہ سے زیادہ قریب ہے۔

اسلامی اور مغربی قوانین انتقال جائداد میں فرق :

عہد حاضر میں اسلامی قانون انتقال جائداد اور مغربی قانون انتقال جائداد کے درمیان ایک بنیادی فرق پایا جاتا ہے وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے میت کے وارث سے میت کا متروکہ بالعوض حاصل کر لیا جب کہ میت کے قرضے ادا نہ کئے گئے ہوں تو شریعت اسلامی کے تحت وہ مشتری قطعی حقیت حاصل نہیں کر سکتا۔ قرض خواہان اس بیع کو منسوخ کراسکتے ہیں۔ اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وارث قرض سے واقف تھا یا نہیں، خواہ خریدار نے نیک نیتی کے ساتھ ہی جائداد کیوں نہ خریدی ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خود وارث کو قطعی ملکیت حاصل نہیں، اس لئے وہ قطعی ملکیت کیوں کر منتقل کر سکتا ہے ! الا یہ کہ تمام قرضے ادا کردئے جائیں۔ یہ قاعدہ اس اصول پر مبنی ہے کہ : ''تا ادائی قرض میراث نہیں ہے،، (۴۹) جو حکم قرآنی ,,من بعد وصیۃ یوصی بھا اودین،، (۵۰) پر قائم ہے۔ تاکہ میت کے ذمہ دوسروں کے جو حقوق ہیں وہ پہلے ادا ہو جائیں اور میت کی روح عذاب آخرت سے نجات پائے۔ اس کے برخلاف مغربی قانون انتقال جائداد کے تحت مندرجہ بالا صورت میں ایسی جائداد میں جو نیک نیتی کے ساتھ خریدی گئی ہو، خریدار کا حق ملکیت متاثر نہ ہوگا۔

خریداری بہ نیک نیتی کا اصول اور شرعی اطلاق :

اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ جس شخص نے نیک نیتی کے ساتھ

---

(۴۹) لا میراث قبل قضاء الدین۔

(۵۰) ۴ : ۱۱ (النساء ۴)۔

جائداد حاصل کی ہو، قرض خواہ قرضے کی عدم ادائی کے سبب اس بیع کو منسوخ کیوں کر کرا سکتا ہے؟ مغربی قانون کے تحت نیک نیتی کے سبب خریدار کو تحفظ حاصل ہے، (ملاحظہ ہو دفعہ ۲۷ قانون دادرسی مختص اور دفعہ ۴۸ قانون انتقال جائداد نافذ الوقت جو انگریزی قانون پر مبنی ہیں) ۔ لیکن اسلامی قانون اس ضمن میں یہ نقطۂ نظر رکھتا ہے کہ واقفیت یا عدم واقفیت کے ذریعہ کسی فعل کی قانونی قدر، جس کا تعلق حق سے ہو، تبدیل نہیں کی جاسکتی۔ دوسرے یہ کہ اس متروکہ (کی مالیت) سے قرض خواہان کا حق خریدار سے قبل متعلق ہو چکا تھا۔ اس لئے حسن نیت یا عدم علم کے باوجود قرض خواہ بیع کو منسوخ کرانے کا حق رکھتا ہے اَلّا یہ کہ اس کا قرضہ بے باق کردیا جائے، جو میت کے ذمہ واجب‌الادا ہے۔ چونکہ اسلامی قانون میں بذریعہ عدالت جبری انتظام ترکہ کا قانون رائج نہیں ہے اس لئے میت کی نجات اور قرض خواہان کے حق کے تحفظ کے لئے وراثت کو قرض کی ادائی اور وصیت سے موخر کردیا گیا ہے۔

تجویز :

عہد حاضر میں جب کہ مسلم معاشرہ کی عام اخلاقی حالت انتہائی گرچکی ہے یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ اگرچہ اسلامی قانون نے قرض خواہان کو مناسب تحفظات دئے ہیں، لیکن معاشرتی حالت اور موجودہ عدالتی ڈھالچے کے پیش نظر وہ احکام بڑی حد تک "بے اثر" ثابت ہو رہے ہیں، لہٰذا شرعی حدود میں رہتے ہوئے جبری انتظام ترکہ کا قانون بنانا مناسب ہوگا۔ ورثاء پر قانوناً لازم‌قراردیا جائے کہ وہ تجہیز و تکفین کے بعد ایک معینہ مدت کے اندر میت کی جملہ املاک و جائداد و قرضہ جات و وصایا کی تفصیلات سے عدالت کو آگاہ کریں اور عدالت اپنی نگرانی میں جملہ شرعی امور انجام دلائےتاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، بالخصوص قرض خواہان "ورثاء" کی "حکمت عملیوں" سے محفوظ رہیں۔ اور خود میت بھی عذاب اخروی سے نجات پائے۔ فی الوقت اختیاری انتظام ترکہ کا جو قانون رائج ہے وہ نہ صرف غیر اطمینان بخش ہے بلکہ قرض خواہان کے حقوق کے تحفظ کے تصور ہی سے عاری ہے۔

کیونکہ مورث کی وفات، جملہ ورثاء کے نام و پتے اور متروکہ کی تفصیلات سے بالعموم قرض خواہان ناواقف ہوتے ہیں۔ یہ صورت بڑے تجارتی شہروں میں عام طور پر دیکھنے میں آتی ہے جو جدید صنعتی عہد کا لازمہ ہے۔

برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطہ نظر:

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں بر صغیر ہند و پاکستان میں اس مسئلے سے متعلق عدالتی فیصلوں(۵۱) کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرضوں کی ادائی، تقسیم ترکہ سے قبل ترکہ کی حالت اور ورثاء کے حقوق کے سلسلے میں عدالتوں کے پیش نظر بالعموم انگریزی قانون کے اصول و قواعد رہے ہیں اور بلا کسی دانستہ کوشش کے بلکہ غیر محسوس طور پر یہ اصول و قواعد اسلامی قانون وراثت و جانشینی کا جزو خیال کئے جانے لگے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلے میں عدالتی فیصلوں کے ذریعہ جو اینگلو محمڈن لاء وجود میں آیا اس کے تحت میت کے حکمی طور پر زندہ قرار دئے جانے کا تصور ایک اجنبی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔

غیر منقسم ہندوستان کے سب سے پہلے اور غالباً مشہور ترین مسلمان جج جناب جسٹس محمود کے خیال کے مطابق جیسا کہ انھوں نے بمقدمہ جعفری بیگم بنام امیر محمد خان قرار دیا، ایک مسلمان کی وفات پر ترکہ فوری طور پر اس کے ورثاء کے حق میں منتقل ہو جاتا ہے محض اس بناء پر کہ میت کے ترکہ میں سے قرضے واجب الادا ہیں، وراثت معطل نہیں ہوتی۔ چنانچہ ان کے خیال میں قرضوں کی موجودگی، خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت، بالکل غیر متعلق ہے۔ دراصل جسٹس محمود پریوی کونسل کے اس فیصلے سے متاثر ہوئے جو اس نے بضاعت حسین بنام دولی چند (۵۲) کے مقدمہ میں دیا تھا کہ ایک وارث بلا لحاظ اس امر کے کہ میت کے ذمہ قرضہ واجب الادا ہے اپنے حصہ

(۵۱) Assamathem Nasaa Bibi V/s Roy Latchmooput Singh (1878) 4 Cal. 142
Jafri Begum V/s Amir Mohamad Khan (1885) 7. All .822;
Khursheetbibi V/s Kesso Vinayak (1887) 12 Bom. 101;
Darvalara V/s Bhimajje Bhond (1885) 20 Bom. 335;
Pathammabi V/s Vittel Ummachabi (1902) 26 Mad. 734.

(۵۲) Dazayet V/s Doolichand (1878) 51 A. 211

وراثت کو فروخت کرنے کا مستحق ہے اور خریدار کو صحیح حقیت منتقل ہوجاتی ہے۔ پریوی کونسل کا یہ فیصلہ وحیدالنساء بنام شبراتی(۵۳) کے مقدمہ پر مبنی ہے جو زیادہ تر انگریزی قانون سے متاثر ہے۔ غیر منقسم ھندوستان کی اعلی عدالتوں میں اکثر فیصلے اسی اصول کی مطابقت میں ہوتے رہے ھیں ۔(۵۴)

پریوی کونسل نے ایک اور مقدمہ جان محمد بنام کرم چند میں قرار دیا کہ ''ایک مسلمان متوفی کے ورثاء میں سے کوئی ایک وارث خواہ وہ متوفی کی کل املاک و جائداد پر قابض کیوں نہ ہو، اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ دیگر شریک ورثاء کے حصے کسی کے حق میں منتقل کر دے خواہ ایسا کرنا متوفی کے قرضوں کی ادائی کے مقصد کے تحت ھی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اگر وہ کسی ایسی جائداد کو جو مرحوم کا ترکہ ہے اور اس کے قبضہ میں ہے متوفی کے قرضوں کی ادائی کے سلسلے میں منتقل کرتا ہے تو یہ فروخت جائداد میں صرف اس کے اپنے مفاد کی حد تک نافذ ہو گی۔ دوسرے ورثاء یا متوفی کے داینین اس کے پابند نہ ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جو بلا وصیت مرجائے تو اس کی جائداد و املاک اس کے مرتے ھی اس کے ورثاء کے حق میں منتقل ہو جاتی ہے جو اپنے حصوں کے انفرادی طور پر مالک ہو جاتے ھیں ۔ چنانچہ ان کے حقوق کرایہ داران مشترک (Tenants-in-common) کے حقوق کے مشابہ ہوتے ھیں نہ کہ ایک ھندو خاندان مشترکہ کے ارکان کی طرح ۔''(۵۵)

---

(۵۳) Waheedunnisa V/s Shubratan (1870) 6 Bengal Law Report P. 54;

(۵۴) Awais V/s Harshabai (1885) ILR All 716. Dallumal V/s Hari Da (1901) ILR 23 All 263. Campbell V/s Delancy 1863 Rep. P. 509. Abdul Khadir V/s Chindambaram Chattiyar (1908) 32 Mad 276. Abdul Majeed V/s Krishnamachariar (1917) 40 Mad. 243. Bhagarerthi Raj V/s Roshan Bai (1918) 43 Bom. 412 Kazim Ali V/s Sadiq Ali (1938) 65 I. A. 219. Bilandi Sbini V/s Begum Noor AIR 1943 Peshawar 62. Faizullah Khan V/s Abdul Jabbar AIR 1943 Peshawar 65. Ibrahim Abubakr V/s Tekchand AIR 1953 SC 2981.

(۵۵) PID 1947 Privy Council, 62. AIR 1918 Madras, 1049.

پاکستان کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس اے۔ آر۔ کارنیلیس نے بحیثیت جج لاهور هائی کورٹ بمقدمہ محبوب عالم بنام رضیہ بیگم قرار دیا کہ ”قرآن پاک اس امر پر بہت زور دیتا هے کہ متوفی کی جائداد ورثاء کے درمیان تقسیم هونے سے پہلے متوفی کے ذمہ جو قرضے هیں ان کی ادائی کی جائے اور اس کی وصیتوں کی تکمیل کی جائے“۔ اسی مقدمہ میں جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی (مرحوم) نے قرار دیا کہ ”ما بقی ترکہ کا متوفی کے ورثاء میں تقسیم هونا ایک فرض هے جو ترکہ سے متعلق هے، بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ ترکہ متوفی کی وفات کے وقت هی سے ورثاء کو پہنچ جاتا هے۔ یہ مسئلہ کہ متوفی کی جائداد اس کی وفات کے فوراً بعد اس کے ورثاء کو پہنچ جاتی هے بڑی حد تک قرآن کے اس حکم امتناعی سے مربوط هے کہ ایک وارث وصیت اور قرضے کی ادائی کے بعد هی مابقی ترکہ پانے کا مستحق هوتا هے۔(٥٦)

اس ضمن میں ایک اور صورت حال یہ سامنے آتی هے کہ بر صغیر هند و پاکستان کی عدالتوں نے یہ قرار دیا هے کہ قبل از تقسیم ترکہ اگر ایک وارث کے قبضہ میں هے تو اس کے خلاف کل قرضہ کی ڈگری حاصل کی جاسکتی هے (٥٧) لیکن ترکہ تقسیم هوجانے کے بعد میت کے ذمہ قرضوں کی ادائی کے لئے هر وارث صرف اپنے حصہ کے بقدر ذمہ دار هے(٥٨) مثال کے طور پر اگر ترکہ

---

(٥٦) PLD 1949 Lahore 263

(٥٧) ILR 45, Bombay 75
ILR 7, ALL 822
AIR 1938, P. Council 169
ILR 45, Bombay 75
AIR 1928 Madras 769
ILR 39 Bombay 545
28 Indian Cases 895, 41 Indian Cases 579
AIR 1942 Lahore 65
AIR 1940 Lahore 179
AIR 1933 Lahore 81
ILR 1917 Mad.

(٥٨) ILR 4 All 361
AIR 1932 All 591.

ایک لاکھ تھا اور قرضہ بیس ہزار، متوفی نے ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کو چھوڑا ورثاء نے قرضہ ادا کئے بغیر متروکہ تقسیم کرلیا جس کے تحت بیٹے کو پچاس ہزار اور بیٹیوں کو پچیس پچیس ہزار روپے ملے، قرض خواہ عدالت میں اپنے بیس ہزار روپے کی وصولیابی کے لئے مقدمہ دائر کرتا ہے مگر عدم واقفیت کے سبب مقدمہ صرف بیٹے پر کرتا ہے تو عدالت اس کے خلاف صرف قرضہ کے نصف حصے یعنی دس ہزار روپے کی ڈگری دے گی کیونکہ اس کو کل ترکہ کا نصف حصہ ملا ہے۔ قرض خواہ کو چاہئے تھا کہ وہ بقیہ نصف کے لئے دونوں بیٹیوں پر مقدمہ دائر کرتا یا ان سب کو مقدمہ میں فریق بناتا۔ چنانچہ اس طرح قرض خواہ کے لئے لازمی ہوگیا کہ تمام ورثاء کو مقدمہ کا فریق بنائے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو عدالت اس وارث کے خلاف ڈگری نہ دے گی، جو فریق مقدمہ نہیں ہے لیکن فقہ حنفی کے تحت وارث ترکہ کی مالیت و مقدار کی اس حد تک قرض کی ادائی کے لئے ذمہ دار ہوتا ہے جو اس کو ملا ہے۔ چنانچہ اگر ایک ہی وارث کو اس قدر ترکہ مل چکا ہو جو قرض خواہ کی مطلوبہ رقم کے لئے کافی ہے تو قرض خواہ کے لئے یہ امر لازمی نہیں کہ وہ ہر ہر وارث کا تعاقب کرے۔(۵۹) صورت متذکرہ بالا میں بیٹے کو پچاس ہزار روپیہ ملا ہے جب کہ میت کے ذمہ کل قرض بیس ہزار روپے ہے۔ حنفی فقہہ کی رو سے اس بیٹے کو ملے ہوئے ترکہ میں سے بیس ہزار روپے ادا کئے جانے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ مطالبہ کی تکمیل اس متروکہ کے ذریعہ مطلوب ہے جو وارث کو میت سے ملا ہے جس کے ذمہ فی الاصل وہ روپیہ واجب الادا تھا۔ تاہم بیٹے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ بعد ادائی قرض دیگر ورثاء سے ان کے حصے کے بقدر رقم وصول کرسکے۔

البتہ شافعی فقہاء کے نزدیک ہر وارث اپنے حصے کے بقدر قرضوں کی ادائی کا ذمہ دار ہوتا ہے جب کہ ترکہ ورثاء میں تقسیم کرلیا گیا ہو۔(۶۰) اس ضمن میں تعلیمات قرآنی کے پیش نظر حنفی نقطہ نظر اقرب الی الصحت نظر آتا ہے۔

---

(۵۹) جامع الفصولین، قاضی سماوہ، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۳۔
میراث کے دعوؤں اور ان کی مختلف شکلوں کو قاضی سماوہ نے جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ان کی کتاب متذکرہ بالا، ج ۲، ص ۲۲-۲۳۔

(۶۰) ''اما علی نظریۃ الشافعیۃ فانہ تصح القسمۃ، و یصح علی قول بعضہم تصرف کل وارث فی حصتہ قبل القسمۃ اذا ادی ما علیہا من دین . . . . ان مذہب الشافعیۃ یسوغ تجزیۃ الضمان بمقدار حصص الوارثین،، (احکام الترکات و المواریث، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۳۲)۔

نتیجۂ فکر:

نتیجہ کے طور پر بر صغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں کا رجحان یہ قرار پایا کہ ورثاء یا کوئی وارث اپنا حصہ وراثت بلا ادائی قرض منتقل کر دے تو اس کا یہ فعل جائز ہوگا اور خریدار بہ حسن نیت(Bonafide Purchaser) کی حقیت متاثر نہ ہوگی۔ یہ اصول بلا استثناء اختیار کیا گیا، خواہ قرضے ترکہ سے کم ہوں یا زیادہ۔ بالخصوص اگر قرضہ ترکہ کے مقابلے میں زائد یا اس کے برابر ہو تو یہ اصول نہ صرف اسلامی قانون بلکہ عام انصاف کے اصول کے بھی خلاف نظر آتا ہے۔ اس سے نہ صرف حکم قرآنی ''ن بعد وصیة یوصی بھا اودین،، کی خلاف ورزی ہوتی ہے بلکہ قرض خواہان کے حقوق بھی متاثر ہوتے ہیں۔ صحیح اسلامی قانون کی روشنی میں قرضے اور وصیت کی ادائی کے بعد ہی ورثے کی تقسیم یا کسی دوسرے کے حق میں انتقال جائز ہو سکتا ہے، بالخصوص جب کہ قرضے ترکہ کے مقابلے میں زائد ہوں۔ جبری انتظام ترکہ کی جو تجویز سطور بالا میں پیش کی گئی ہے وہ اپنے اندر بڑی حد تک اس صورت حال کا سدباب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ رائج الوقت قانون(٦۱) موجودہ معاشرتی تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ہے۔

۳ - وصیت:

ترکہ سے متعلق حقوق میں بہ لحاظ ترتیب وصیت تیسرا حق ہے۔ قرضہ کی ادائی کے بعد جو مال ترکہ سے بچ رہے (نہ کہ کل مال ترکہ سے) اس میں سے ایک تہائی کی حد تک وصیت جاری کی جا سکتی ہے۔ وصیت تہائی مال سے زائد ہونے کی صورت میں اگر ورثاء اجازت دیں تو نافذ ہو گی۔ اجازت صرف ان ورثاء کی معتبر ہوگی جو اجازت کے اہل ہوں یعنی عاقل و بالغ ہوں۔ نابالغ یا اس کے ولی کی اجازت درست نہیں۔(٦۲) نیز یہ کہ یہ اجازت مورث کی

---

(٦۱) قانون جانشینی مجریہ ۱۹۲۵ع
ضابطہ دیوانی مجریہ ۱۹۰۸ع
دفعات متعلق کاروائی انتظام ترکہ۔

(٦۲) البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۳۸۹۔
الدر المنتقی، علاءالدین حصکفی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۳۵۔
الدر المختار بر حاشیہ ردالمحتار، علاءالدین حصکفی، دارالکتب العربیة الکبری، مصر، ۱۳۲۷ھ
ج ۵، ص ۳٦۳۔

وفات کے بعد دی گئی ہو۔

فقہاء نے وصیت کی حسب ذیل دو قسمیں کی ہیں :۔

۱ - وصیت معین، اور

۲ - وصیت مطلق۔

وصیت معین :

وصیت معین سے یہ مراد ہے کہ کسی مخصوص شئے کی وصیت کی جائے۔

وصیت مطلق :

وصیت مطلق سے یہ مراد ہے کہ وصیت کے ذریعہ کوئی شئے معین نہ ہو۔(۶۳)

وصیت معین و مطلق میں تقدم و تاخر :

فقہاء متقدمین کی کتابوں میں وصیت معین اور وصیت مطلق کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں بھی مختلف آراء ملتی ہیں چنانچہ ایک رائے یہ ہے کہ اگر وصیت کسی کے حق میں ایک معین شئے کے بارے میں کی جائے تو وہ مقدم ہوگی اور اگر وصیت مطلق ہو یعنی کسی مخصوص شئے کی تعیین لہ کی گئی ہو تو ایسی صورت میں موصی لہ ورثاء کے ساتھ جملہ اشیاء کی تقسیم میں شریک ہو سکے گا، لیکن متاخرین کے نقطہ نظر کے بموجب ہر قسم کی وصیت خواہ وہ معین شئے سے متعلق ہو یا مطلق ہو، وراثت پر مقدم ہوگی۔ چنانچہ ردالمحتار میں لکھا ہے ''صحیح یہ ہے کہ وصیت مطلق بھی میراث پر مقدم ہے اور یہی درست ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ''من بعد وصیة یوصی بھا اودین'' فرما کر وصیت کو میراث پر مقدم فرمایا ہے۔ اس لئے ہر قسم کی وصیت، خواہ معین ہو یا مطلق، میراث پر مقدم ہوگی۔ چنانچہ اصح یہ ہے کہ تجہیز و تکفین اور ادائی قرض کے بعد جو بچ رہے، اس میں حسب شرع ہر قسم کی وصیت پر عمل کیا جائے گا اور اس (وصیت) کے بعد جو باقی رہے وہ شرع کے مطابق ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالی نے قرضہ و وصیت کے بعد

(۶۳) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۷
رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ۱۳۲۷ھ، ج ۵، ص ۵۳۷۔

ورثاء اور ان کے حصوں کی تصریح فرمائی ھے۔،،(۶۴) اس کی ایک اور دلیل یہ بھی ھوسکتی ھے کہ قرآن پاک کی آیت ''من بعد وصیة،، میں وصیت کا لفظ ''نکرہ،، استعمال کیا گیا ھے جو وصیت معین اور وصیت مطلق دونوں کو شامل ھے

ورثاء کی غیر موجودگی میں وصیت کا نفاذ :

اس امر میں احناف کا اتفاق ھے کہ اگر میت کا کوئی وارث مستحق ترکہ موجود نہ ھو تو میت کے ذمہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے ترکہ سے میت کی وصیت پوری کی جائے گی، خواہ وہ کتنی ھی مقدار کی کیوں نہ ھو (کیونکہ اس سے کسی وارث کا حق متاثر نہیں ھوتا جو فی نفسہ اس کے ایک تہائی سے زائد ھونے کی حد تک اس کے نفاذ میں مانع تھا)۔ اس مسئلہ میں امام مالک اور امام اوزاعی کا مسلک یہ ھے کہ ایک تہائی سے زائد وصیت باطل ھوگی۔ امام شافعی کا بھی یہی مسلک ھے۔ لیکن امام احمد بن حنبل سے اس بارے میں دو مختلف روایتیں ھیں، جن میں عدم صحت کا قول ضعیف ھے ۔(۶۵) اس اختلاف کی بنیاد یہ ھے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سعد ابن ابی وقاص کی حدیث کے ذریعہ ایک تہائی کی قید اس مصلحت کے پیش نظر لگائی گئی ھے کہ ورثاء کو اپنی حاجتوں کی تکمیل کے لئے دوسروں کے آگے دست سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ جب کوئی وارث سرے سے موجود ھی نہیں تو ایک تہائی کی حد مقرر کرنے کی علت نہ پائی گی، اس لئے موصی لہ کے کل ترکہ کے استحقاق

---

(۶۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۷ -
رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ۱۳۲۷ھ، ج ۵، ص ۵۳۷ -

(۶۵) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۱ -
بدایة المجتہد، ابن رشد (۵۹۵ھ) مطبوعہ مصر، ج ۲، ص ۳۳۶ (کتاب الوصایا)۔
و اما اختلافہم فی جواز الوصیة باکثر من الثلث لمن لاوارث لہ فان مالکا قال لایجیز ذلك والاوزاعی اختلف فیہ قول احمد، و اجاز ذلك ابو حنیفة و اسحاق و ھو قول ابن مسعود ۔،،
ابو اسحاق ابراھیم الفیروز آبادی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۵۷ کتاب الوصایا:
''و اما اذا اوصی بما زاد علی الثلث فان لم یکن لہ وارث بطلت الوصیة فیما زاد علی الثلث لان مالہ میراث للمسلمین ولا مجیز لہ منہم،،۔
ابو زھرہ نے اپنی کتاب ''احکام الترکات،، ص ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ اس امر میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ اگر میت کا کوئی وارث مستحق ترکہ موجود نہ ھو تو میت کے ذمہ قرض ادا کرنے کے بعد اس ترکہ سے میت کی وصیت پوری کی جائے گی خواہ وہ کتنی ھی مقدار کی کیوں نہ ھو۔ ابو زھرہ کی یہ عبارت مندرجہ بالا حوالہ جات کے پیش نظر غلط معلوم ھوتی ہے -

میں کوئی امر مانع موجود نہیں، جب کہ امام مالک و شافعی کی دلیل یہ ہے کہ وصیت ایک عبادت ہے جس کی حد بطور رکن کے مقرر ہے اس لئے اگر میت کے وارث موجود نہ ہوں تو تمام مسلمین بمنزلہ ورثاء قرار پائیں گے۔ اسی طرح ایسی صورت میں جب کہ میت کا کوئی وارث موجود ہو تو ایک تہائی سے زائد کے لئے وصیت صحیح یا باطل ہونے میں بھی ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ احناف اور حنابلہ کے نزدیک ایک تہائی کی حد تک وصیت مطلقاً صحیح ہوگی اور ایک تہائی سے زائد میں ورثاء کی اجازت کے بعد نافذ ہو گی۔ شافعیہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک زائد از ثلث وصیت باطل ہو گی۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر ورثاء نے اجازت دی تو یہ خود ورثاء کی طرف سے ان کا اپنا عمل احسان (تبرع) متصور ہوگا۔ میت سے بطور وصیت اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔(٦٦)

احناف و حنابلہ اور شافعیہ و بعض مالکیہ کے درمیان اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ احناف اور حنابلہ ورثاء کی موجودگی کو ''انعقاد وصیت،، کے لئے مانع قرار نہیں دیتے بلکہ زائد از ثلث میں ورثاء کی موجودگی کو ''نفاذ وصیت،، میں مانع قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف شافعیہ اور بعض مالکیہ ورثاء کی موجودگی کو ''انعقاد وصیت،، ہی کے لئے مانع ٹھراتے ہیں جب کہ وہ وصیت ایک تہائی سے زائد ترکہ میں کی جائے۔

اس اختلاف کی بنیاد سعد ابن ابی وقاصؓ کی حدیث ہے۔ حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک اس حدیث کے ذریعہ ایک تہائی سے زائد وصیت کے نفاذ کو رد کیا گیا ہے جب کہ شافعیہ و مالکیہ اس کے ظاہری معنی کے پیش نظر ایسی وصیت کو جو ورثاء کی موجودگی میں ایک تہائی سے زائد کے لئے کی جائے منعقد ہی تصور نہیں کرتے، گویا مالکیہ و شافعیہ صورت مذکورہ میں ''علت وصیت،، کی لفی کرتے ہیں جب کہ حنفیہ و حنابلہ ورثاء کی موجودگی کو

(٦٦) احکام الترکات و المواریث، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۱۰۱۔
المحرر فی الفقه الحنبلی، ابو البرکات، مجدالدین، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۷٦۔
جواهر الاکلیل شرح مختصر خلیل (فقہ مالکی)، الابی، صالح عبدالسمیع، مطبعة مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۷ء، ج ۲، ص ۳۱۸۔
المهذب، فقہ شافعی، ابو اسحاق ابراهیم الفیروزآبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۵۷۔

ایک تہائی سے زائد ہونے کی صورت میں صرف ''تاثیر وصیت،، میں مانع قرار دیتے ہیں ۔ راقم‌الحروف کے نزدیک حنفیہ و حنابلہ کانقطہ نظر قرین صواب ہے ۔ چنانچہ وصیت ایک تہائی سے زائد ہونے کی صورت میں بھی باطل و غیر نافذ قرار نہ پائے گی بلکہ تہائی کی حد تک نافذ قرار دی جائے گی الا یہ کہ زائد کی حد تک ورثاء راضی ہوں ۔ یہی رائے بحرالرائق میں بیان کردہ علامہ ابن نجیم کی عبارتوں سے مستنبط ہوتی ہے ۔(۶۷)

وصیت کی حد :

وصیت کے لئے ترکہ میں (بعد تجہیز و تکفین و ادائی قرض) ''ایک تہائی کی حد،، کے سلسلے میں کتب احادیث میں کئی روایتیں ملتی ہیں ۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص‌رض نے فرمایا ''یا رسول اللہ (صلعم) ! میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہے ۔ اجازت دیجئے کہ میں اپنے کل مال کی وصیت کروں، آپ نے فرمایا نہیں، عرض کیا دو تہائی مال کی وصیت کروں ؟ آپ نے فرمایا ''نہیں،، سعد نے کہا ''ایک تہائی کی اجازت دیجئے،، فرمایا ''خیر تہائی مال کی وصیت کر دو اگرچہ یہ بھی بہت ہے ۔،، تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں فقیر اور تنگدست چھوڑ جاؤ اور دوسرے لوگ ان کی کفالت کریں ۔(۶۸)

---

(۶۷) البحرالرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۳۰۳، ۳۰۹ اور ۳۵۰ (کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال و الوصیۃ بالخدمۃ و السکنی) ۔

(۶۸) صحیح مسلم بشرح نووی، امام مسلم، ابو الحسن (م ۲۶۱ھ)، المطبعۃ المصریہ، ۱۹۲۳ع جز ۱۱، صص ۸۲ - ۷۶ ۔

''حدثنا یحیی بن یحیی التمیمی اخبرنا ابراهیم بن سعد عن ابن شهاب عن عامر ابن سعد عن ابیه قال عادنی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی حجة الوداع من وجع اشفیت منه علی الموت فقلت یا رسول اللہ بلغنی ماتری من الوجع و انی ذومال ولا یرثنی الا بنتی افأ تصدق بثلثی مالی قال لا قلت افأ تصدق بشطره قال لا قلت الثلث قال الثلث و الثلث کثیر انك ان تذر ورثتك اغنیاء خیر من ان تزرهم عالة یتکففون الناس . . . الخ،،

امام مسلم نے چند دیگر اسناد سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے ۔

صحیح البخاری، امام بخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، مطبوعہ اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ع، ج ۱، ص ۳۸۳ ۔

''حدثنا ابو نعیم ثنا سفیان عن سعد بن ابراهیم عن عامر بن سعد بن ابی وقاص قال جاء النبی

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ''کاش لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آجائیں،، اس لئے کہ آنحضرت (صلعم) نے تہائی کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔(۶۹)

حضرت علی کا قول ہے کہ مجھے ایک تہائی کے مقابلے میں ایک چوتھائی اور ایک چوتھائی کے مقابلے میں پانچواں حصہ وصیت کرنے والا شخص زیادہ محبوب ہے۔ یہی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔(۷۰)

وارث کے حق میں وصیت:

قرآن پاک میں وصیت کے سلسلے میں حسب ذیل آیات نازل ہوئی ہیں:-

۱- تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی پر موت کے اسباب و آثار ظاہر ہونے لگیں اور تم مال کثیر چھوڑو تو والدین اور عزیز و اقارب کے لئے وصیت کر دو، ساتھ عدل کے (یہ عمل) متقیوں پر حق (ثابت) ہے۔ پس جس کسی شخص نے اس وصیت کو سننے کے بعد بدلا تو اس (تبدیلی) کا گناہ ان لوگوں پر ہے جو اسے بدلتے ہیں۔ تحقیق اللہ تعالی سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اگر کوئی شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی زیادتی یا معصیت کا اندیشہ کرے اور اس میں (اس بناء پر) اصلاح کردے تو اس پر

صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی وانا بمکۃ وھو یکرہ ان یموت بالارض التی ھاجر منھا فقال یرحم اللہ ابن عفراء قلت یارسول اللہ اوصی بمالی کلہ قال لا قلت الشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر انک ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس فی ایدیھم . . . . الخ،،۔

امام بخاری نے مزید اسناد سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

(۶۹) امام بخاری، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۸۳۔

''حدثنا قتیبۃ بن سعید ثنا سفیان عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن ابن عباس قال لو غض الناس الی الربع لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الثلث و الثلث کبیر او کثیر۔،،

صحیح مسلم، بشرح نووی، امام مسلم، ابو الحسن، محولہ بالا، جز ۱۱، ص ۸۲۔

''حدثنی ابراھیم ابن موسی الرازی اخبرنا عیسی،، یعنی ابن یونس ''و حدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ و ابو کریب قالا حدثنا وکیع و حدثنا ابو کریب حدثنا ابن نمیر کلھم عن ھشام ابن عروۃ عن ابیہ عن ابن عباس قال لوان الناس غضوا من الثلث الی الربع فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الثلث و الثلث کثیر،،۔

(۷۰) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۷، ص ۱۴۲۔

کوئی گناہ نہیں اللہ تعالی بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے ۔(۷۱)

۲ ۔ ''وہ لوگ جو تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیبیاں چھوڑ جائیں ان کی ازواج کے لئے وصیت ثابت ہے کہ وہ ایک سال تک اپنے گھروں سے نہ نکلیں اور اگر نکلیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں، جو وہ اپنے نفس کے معاملے میں کریں ۔ اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے ۔(۷۲)

۳ ۔ وصیت یا قرض (کی ادائی) کے بعد ۔ (۷۳)

''خیر،، کے معنی :

آیت نمبر ۱ محولہ بالا میں مفسرین نے ''خیر،، کے معنی مال کے لئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ وصیت ہر صورت میں مشروع ہے،

---

(۷۱) ۲ : ۱۸۰ (البقرہ م) ۔
''کتب علیکم اذا حضر احد کم الموت ان ترک خیراًن الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقاً علی المتقین۔ فمن بدله بعد ما سمعه فانما اثمه علی الذین یبدلونه ان اللہ سمیع علیم ۔ فمن خاف من موص جنفاً او اثماً فاصلح بینهم فلا اثم علیه ان اللہ غفور رحیم ۔،،
تفسیر جلالین بر حاشیہ بیضاوی، السیوطی، جلال الدین (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ع، جلد ۱، ص ۸۹ ۔
تفسیر الکشاف، علامہ زمخشری، مطبوعہ بیروت، ج ۱، ص ۲۳۳ ۔
تفسیر النسفی، النسفی، عبداللہ بن احمد محمود (م ۷۱۰ھ)، مطبوعہ مصر، ج ۱، ص ۹۲ ۔

(۷۲) ۲ : ۲۴ (البقرہ م) ۔
''و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً وصیة لازواجهم متاعاً الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسهن من معروف واللہ عزیز حکیم،، ۔

(۷۳) ۴ : ۱۲ (النساء م) ۔
''من بعد وصیة یوصین بها او دین،، ۔
دین اور وصیت کے تعلق سے قرآن میں اسی حکم کو سورۃ النساء میں صیغوں کے فرق کے ساتھ سات جگہ بیان فرمایا گیا ہے، ملاحظہ ہو آیات ۱۱ و ۱۲ ۔
تفسیر بیضاوی، البیضاوی، عبداللہ بن عمر (م ۷۹۱ھ) مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ع، ج ۱، ص ۸۹ ۔
تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر، اسمعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ) مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی، بار دوم، ص ۳۰ (اردو ترجمہ) ۔
تفسیر کشاف (الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل)، الزمخشری، محمود بن عمر (م ۵۲۸ھ) مطبوعہ بیروت، سنہ ندارد، ج ۱، ص ۲۲۳ ۔
تفسیر نسفی (مدارک التنزیل و حقایق التاویل)، النسفی (م ۷۱۰ھ)، مطبوعہ مصر، ج ۱، ص ۹۲ ۔

کیونکہ میراث تھوڑے اور زیادہ ہر مال میں جاری ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت علی رض اور حضرت عائشہ رض کے قول کے بموجب یہاں ''خیر،، کے معنی ''مال کثیر،، کے ہیں تاکہ ورثاء کی حق تلفی نہ ہو۔ یہی قول امام زہری کا ہے۔ چنانچہ قرآن کا منشاء یہ ہے کہ مال زیادہ مقدار میں ہو تو غیر وارث ذوی القربی، یتامی اور مساکین کے حق میں وصیت کی جائے، ورنہ نہیں۔

''بالمعروف،، کی تشریح:

''بالمعروف،، کی تشریح بھی فقہاء مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ وصیت

۱ - عدل کے ساتھ ہو،

۲ - تہائی سے زائد نہ ہو،

۳ - غریب کے حق میں کی جائے، اور

۴ - مالدار کے لئے نہ ہو۔

مفسرین قرآن کی آراء:

مفسرین نے لکھا ہے کہ اقرباء والدین کیلئے وصیت کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا، جو میراث کی آیت (۷۴) سے منسوخ ہوگیا (۷۵) جس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''ان اللہ قد اعطی کل ذی‌حق حقہ الا لاوصیۃ لوارث،، ہے کہ ''اللہ تعالی نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا، اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ (۷۶)

---

(۷۴) ۴ : ۴ (النساء ۴)۔
''یوصیکم اللہ فی اولادکم،،۔

(۷۵) تفسیر جلالین، برحاشیہ بیضاوی، السیوطی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۸۹ -
تفسیر بیضاوی، البیضاوی، عبداللہ بن عمر، محولہ بالا، ج ۱، ص ۸۹ -

(۷۶) سنن، ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (م۲۷۵ھ) مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز، سنہ ندارد، کراچی، ص ۳۹۶ -
سنن، ابن ماجہ، محمد ابن یزید الربعی (م ۲۷۳ھ)، اصح المطابع، کراچی، سنہ ندارد، ص ۱۹۴ -
جامع، ترمذی، محمد ابن عیسی (م ۲۷۹ھ)، اصح المطابع کراچی، سنہ ندارد، ص ۳۰۸ -
سنن، نسائی، عبدالرحمن ابن احمد (م ۳۰۳ھ) مطبوعہ ولی محمد اینڈ سنز، سنہ ندارد، کراچی، ص ۱۱۱ -

علامہ زمخشری کی رائے :

تفسیر الکشاف کے مصنف علامہ زمخشری نے اس موقع پر مذکورہ بالا حدیث (لا وصیة لوارث) کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ،، اگرچہ یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے لیکن تمام فقہاء امت نے اس کو قبول کیا ہے جس کی بناء پر یہ حدیث متواتر کا درجہ پاگئی، کیونکہ فقہاء صحابہ و تابعین کسی حدیث کو اسی صورت میں متفقاً قبول کریں گے جب کہ وہ ان کے نزدیک انتہائی درجہ صحت کو پہونچ چکی ہو۔ ''اس لئے یہ حدیث ''وصیت للوارث،، والی آیت کے لئے ناسخ ہوسکتی ہے۔

علامہ بیضاوی کا نقطۂ نظر:

علامہ بیضاوی نے کہا ہے ''کہ اس حدیث کے ذریعہ وصیت کی آیت کے ناسخ ہونے کے بارے میں ہم کو اعتراض ہے۔ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہونے کی بناء پر قرآن کی کسی آیت کو منسوخ نہیں کر سکتی ہے۔ نسخ کے لئے ضروری ہے کہ ناسخ قوت میں یا تو منسوخ سے قوی تر ہو یا کم از کم مساوی ہو، اور خبر واحد کچھ قوت نہیں رکھتی۔ قرآن کی آیت قطعی الثبوت ہے اور خبر واحد ظنی،، ۔(۷۷)

علامہ بیضاوی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ ''میراث کی آیت وصیت کی آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس سے وصیت کی آیت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ میراث کی آیت وصیت کے مقدم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔(۷۸) (یعنی وصیت پوری کرنے کے بعد میراث تقسیم ہوگی)۔ بیضاوی نے (غالباً زمخشری کا جواب دیتے ہوئے) مزید لکھا ہے کہ ''خبر واحد امت کے قبول کرلینے سے خبر متواتر کا درجہ نہیں پاتی۔ زیادہ سے زیادہ خبر مشہور کے درجے میں ہوجائے گی، جو متواتر سے کم درجہ میں ہے۔(۷۹) بیضاوی نے اپنے

(۷۷) بیضاوی کا یہ اعتراض اس وقت وارد ہوتا ہے جب کہ حدیث کو ناسخ قرار دیا جائے لیکن اگر اس حدیث کو مواریث کی آیت کی تفسیر قرار دیا جائے تو اس وقت قرآن کی ایک آیت کا نسخ قرآن کی دوسری آیت ہی سے ہوگا اور حدیث محض دوسری آیت کے ناسخ ہونے کی تفسیر قرار پائے گی، جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے۔ (مولف)

(۷۸) تفسیر بیضاوی، البیضاوی، عبداللہ ابن عمر، محولہ بالا، ج ۱، ص ۸۹۔

(۷۹) ایضاً۔

قول کی تائید میں بعض ان مفسرین کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے جو الفاظ ”وصیة للوالدین والاقربین“ کو ”یوصیکم اللہ فی اولاد کم“ پر محمول کرتے ہیں اور اس طرح اس آیت کو نسخ سے محفوظ رکھتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ”یوصیکم اللہ فی اولاد کم“ سے اللہ تعالی کی وہ وصیت مراد لیتے ہیں جو آیت وصیت میں مذکور ہے اور اس طرح دونوں آیتوں کو حکماً ساتھ ملاکر پڑھنے سے ناسخ و منسوخ کی بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔(۸۰)

علامہ ابن کثیر کی رائے:

اس مسئلہ میں علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس آیت وصیة للوالدین والاقربین میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے وصیت کا حکم ہے۔ یہ حکم میراث کے حکم سے پہلے واجب تھا۔ میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کردیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر، ابو موسی اشعری، سعید بن المسیب، حسن، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، عکرمہ، زید بن اسلم، ربیع بن انس، قتادہ، سدی، مقاتل بن حبان، طاؤس، ابراهیم نخعی، شریح، ضحاک اور زهری یہ سب حضرات بھی آیت وصیت ”للوالدین والاقربین“ کو حکماً منسوخ کہتے ہیں۔

بعض مفسرین و فقہاء کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے۔ اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے۔ چنانچہ ابن عباس، حسن، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد کا مسلک یہی ہے۔ ان حضرات کے اس قول کی بناء پر متاخرین فقہاء کی اصطلاح میں یہ آیت وصیت کلیہ منسوخ قرار نہیں پاتی، کیونکہ میراث کی آیت سے وہ لوگ اس حکم سے مخصوص ہوگئے جن کا حصہ اللہ تعالی نے خود مقرر کردیا ہے اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ

---

(۸۰) بیضاوی، عبداللہ ابن عمر، محولہ بالا، ج ۱، ص ۸۹۔
مدارک التنزیل و حقائق التاویل معروف بہ ”تفسیر نسفی“، نسفی عبداللہ بن احمد بن محمود (م ۷۱۰ھ)، مطبعة عیسی البابی، مصر، ج ۱، ص ۹۲۔
الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل معروف بہ تفسیر کشاف، الزمخشری، محمود بن عمر (م ۵۲۸ھ) مطبوعہ بیروت، سنہ ندارد، ج ۱، ص ۲۲۲-۲۲۳۔

لفظ ''اقربین،، عام ہے اس میں سب ہی قرابت دار شامل ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو۔ لہذا وصیت کا حکم ان قرابت داروں کے لئے قائم رہا جو وارث نہیں ہیں اور ان کے حکم میں قائم نہ رہا جو وارث ہیں ۔ اس طرح یہ کہنا کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا، غیر ضروری ہوجاتا ہے ۔ چنانچہ والدین اور ورثہ پانے والے قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا ممنوع قرار پاتا ہے ۔ کیونکہ میراث والی آیت کا حکم مستقل ہے اور وہ اللہ تعالی کی جانب سے فرض اور واجب ہے ۔ اس سبب سے آیت وصیت کا حکم بطور واجب اٹھ جاتا ہے اور صرف وہ قرابت دار جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے لئے مال کے ایک تہائی کی حد تک وصیت کرنا بطور استحباب باقی رہ جاتا ہے ۔،،(۸۱)

تفسیر خازن :

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ ''زمانہ جاہلیت کے لوگ فخر و مباہات کی خاطر بعید رشتہ داروں کے حق میں وصیت کیا کرتے تھے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو محتاج اور تنگدست چھوڑ جایا کرتے تھے، لہذا اللہ تعالی نے قرابت داروں کے حق میں وصیت کرنا واجب کر دیا ۔ پھر یہ آیت، میراث والی آیت سے منسوخ ہوگئی ۔ (۸۲)

امام رازی کا استدلال :

''وصیت بحق وارث کے مسئلے میں علماء مفسرین میں امام رازی علیہ الرحمۃ نے پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں : ۔

''علماء نے آیت وصیت کے متعلق اختلاف کیا ہے ۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ وصیت والدین و اقرباء کے لئے مستحب ہے اور دوسری جماعت اس کے وجوب کی قائل ہے ۔ ان لوگوں کا استدلال مذکورہ آیت کے لفظ ''کتب،، اور ''علیکم،، سے اس طرح ہے کہ یہ دونوں لفظ ''وجوب،، پر دلالت

---

(۸۱) تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ)، ابن کثیر، اسمعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ-۱۳۷۳ع)، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی، ج ۱، ص ۳۰-۲۹ -

(۸۲) لباب التاویل فی معانی التنزیل معروف بہ ''تفسیر الخازن،، علاءالدین علی بن محمد (م ۷۲۵ھ)، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ع، ج ۱، ص ۳۹-۱۳۸ -

کرتے ہیں - پھر اللہ تعالی نے اس وجوب کی تاکید اس طرح بھی فرمادی ہے کہ آیت کے آخر میں فرمایا ''حقا علی المتقین،، (یعنی متقین پر وصیت کرنا حق ہے) اس کے بعد وصیت کے واجب ہونے کے قائلین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی یا نہیں،، -

پہلی بحث - آیت وصیت منسوخ نہیں ہوئی :

ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں ہوئی- انھوں نے اپنے قول پر حسب ذیل چند طریقوں سے استدلال کیا ہے :-

۱ - پہلا طریقہ استدلال یہ ہے کہ وصیت کی آیت مواریث کی آیت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ دونوں آیتیں (اپنے اپنے حکم میں اس طرح) جمع ہیں کہ گویا اللہ تعالی فرماتا ہے، جس طرح اللہ تعالی نے تم کو والدین اور اقربین کے متعلق وصیت کی ہے اسی طرح تم پر (دوسروں کے لئے) وصیت کرنا بھی واجب کردیا گیا- (یعنی ہر دو وصیتوں پر اپنی اپنی حیثیت میں عمل کیا جائے)- یا یہ مطلب ہے کہ جس شخص کی موت کا وقت قریب آگیا ہو، اس کے لئے یہ واجب ہے کہ جو حصے اللہ تعالی نے مقرر فرمائے ہیں ان کے حق میں مقررہ حصوں کی وصیت کر دے، اور ان کی مقدار اور حصوں میں کمی نہ کرے-

۲ - دوسرا طریقہ استدلال یہ ہے کہ میراث کے ذریعہ ترکہ دلانے اور وصیت کے ذریعہ دلانے میں کوئی تضاد نہیں- ایک حصہ (میراث) خدا کا عطیہ ہے اور دوسرا حصہ (وصیت) میت کا عطیہ ہے- لہذا وارث کے لئے دونوں عطیوں کو جمع فرما دیا گیا اور دونوں آیتوں کا حکم برقرار رہا-

۳ - تیسرا طریقہ استدلال یہ ہے کہ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ دونوں آیتوں میں تضاد ہے تو پھر یہ قرار دے سکتے ہیں کہ میراث کی آیت وصیت کی آیت کی مخصص (تخصیص پیدا کرنے والی) ہے نہ کہ ناسخ (اس کو منسوخ کرنے والی)- چنانچہ اب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وصیت کی آیت والدین اور تمام اقرباء کے حق میں عام تھی- میراث کی آیت نے ایسے قریبی کو وصیت

سے خارج کردیا جو وارث بھی ہو، البتہ وہ قریبی بدستور وصیت کے حکم میں داخل رہا جو باوجود قریبی ہونے کے وارث نہ ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کے والدین کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وارث ہوں اور دوسری یہ کہ وہ وارث نہ ہوں مثلاً جب کہ وہ دین میں اختلاف رکھتے ہوں یا کسی کے غلام ہوں یا قتل کے مرتکب ہوگئے ہوں۔ پھر بعض ورثاء ایسے ہوتے ہیں کہ محجوب کردینے والے کی بناء پر ساقط ہوجاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ساقط نہیں ہو سکتے یا جب کہ کسی صورت میں ان سے اعلیٰ طبقہ کا وارث موجود ہو تو ساقط ہوجاتے ہیں، ورنہ نہیں ہوتے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو ذوی الارحام ہونے کی حیثیت سے ساقط رہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے وارثوں میں سے جو کوئی فرد بھی جس حال میں وارث ہوگا اس کے حق میں وصیت جائز نہ ہوگی اور جب وارث نہ ہوگا تو جائز ہوگی تاکہ صلہ رحمی کا تقاضہ پورا ہو سکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کو پورا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔(۸۳)

دوسری بحث — آیت وصیت منسوخ ہے:

امام رازی آگے لکھتے ہیں کہ "جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ آیت وصیت منسوخ ہے ان کے قول کے پیش نظر اس مقام پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وصیت کی آیت کس دلیل سے منسوخ ہے؟ اس امر میں ان حضرات کا اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں چند وجوہ سے استدلال کیا جاتا ہے:۔

۱ - پہلی وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اہل وراثت کا بذات خود میت کے مال میں حصہ مقرر فرمایا ہے اور ہر حق‌دار کو اس کا حق دے دیا اور بس۔

لیکن یہ دلیل بعید از عقل ہے کیونکہ یہ امر ممتنع تو نہیں ہے کہ جس کا حصہ بذریعہ وراثت مقرر کردیا جائے پھر اس کو وصیت کے ذریعہ مزید

(۸۳) ۴ : ۱ (سورۃ النساء م)۔
"واتقوا اللہ الذی تسألون بہ والا رحام"۔
۱۶ : ۹۰ (النحل ک)۔
"ان اللہ یأمر بالعدل و الاحسان و ایتاء ذی القربیٰ"۔

حصہ نہ دلایا جائے ۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ میراث کی آیت وصیت کی آیت میں تخصیص پیدا کرنے والی ہے، نہ یہ کہ اس کو منسوخ کرنے والی ہے، مثلاً کوئی کہنے والا یہ کہے کہ جس صورت میں کہ ''میت نے والدین کے ماسوا کوئی دوسرا وارث نہ چھوڑا ہو تو میت کا تمام مال والدین کو وراثت کے ذریعہ پہونچ جائے گا اور وصیت کے لئے کچھ باقی نہ رہے گا۔ مگر یہ تخصیص کہلائے گی تنسیخ نہ کہلائے گی۔

۲ ۔ دوسری وجہ استدلال یہ ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ وسلم کے فرمان ''الا لا وصیة لوارث،، سے منسوخ قرار دیا جائے ۔

یہ قول اگرچہ اقرب الی القبول ہو سکتا ہے، لیکن یہاں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن کا نسخ جائز نہیں ۔ اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ خبر واحد ہے لیکن اسے آئمہ نے قبولیت میں ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، اور اس طرح یہ متواتر کے درجے تک پہونچ گئی ہے ۔ لیکن ایک معترض یہ کہہ سکتا ہے اور دعوی کر سکتا ہے کہ آئمہ نے اس حدیث کو یا بطریقہ ظن قبول کیا ہوگا یا بطریقہ قطعیت ۔ اگر اول صورت ہے تو یہ ہمیں تسلیم ہے، مگر اس صورت میں اس امر پر ائمہ کا اجماع تصور کیا جائے گا کہ یہ حدیث خبر واحد ہے، لہذا قرآن کا اس کے ذریعہ منسوخ کرنا جائز نہیں، اور اگر دوسری صورت اختیار کی جائے تو اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ اگر اس حدیث کے خبر واحد ہونے کے باوجود ہم یہ کہیں کہ اس کے قطعی ہونے کی بناء پر اس کو قبول کیا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ انھوں نے خطاء پر اجماع قائم کر لیا، اور ایسا کہنا جائز نہیں۔

۳ ۔ تیسری وجہ استدلال یہ ہے کہ کہا جائے کہ وصیت کی آیت کو اجماع نے منسوخ کردیا ۔

لیکن اجماع ایسی دلیل نہیں ہوتی جس سے قرآن کو منسوخ کیا جا سکے، بلکہ اجماع اس امر کی دلیل ہوا کرتا ہے کہ ناسخ کی دلیل موجود ہے ۔ یہ نہیں ہوتا کہ دلیل کو ترک کرکے محض اجماع کے دلیل ہونے پر اکتفا کر لیا جائے ۔

نیز قائل یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب یہ ثابت ہوچکا ہے کہ است میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں تو پھر اجماع کے انعقاد کا دعوی کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

۴۔ چوتھی وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت کو قیاس کی بناء پر منسوخ مانا جائے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر یہ وصیت واجب ہوتی تو اگر میت کی طرف سے کوئی وصیت نہ ہوتی اس صورت میں بھی اقرباء کا حق ساقط نہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ قرضوں کی صورت میں ہے کہ جب میت نے ان کی ادائی کی وصیت نہ کی ہو (تب بھی دائنین اپنے دین کے مستحق ہوتے ہیں)، لیکن (قرضوں کی ادائی کے برخلاف) ہم دیکھتے ہیں کہ اگر وصیت نہ کی گئی ہو تو پھر یہ اقرباء کسی شئے کے مستحق نہیں ہوتے، کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے ''من بعد وصية يوصى بها اودين،، اس آیت کا ظاہری معنی یہ ہے کہ اگر وصیت نہ کی گئی ہو اور دین موجود نہ ہو تو تمام مال ورثاء کا ہوگا۔

تیسری بحث ـ صرف وارث کے لئے منسوخ :

جو لوگ اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ان کا باهم اس طرح بھی اختلاف ہے کہ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ آیت وصیت ہر قریبی وارث اور غیر وارث کے حق میں منسوخ ہو چکی۔ اکثر مفسرین فقہاء کا قول یہی ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ آیت وصیت وارث کے حق میں منسوخ ہے اور غیر وارث (قرابت دار) کے حق میں منسوخ نہیں ہے، بلکہ ان کے حق میں وصیت ثابت و برقرار ہے۔ یہ مسلک حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد کا ہے۔ یہاں تک کہ ضحاک نے کہا ہے :

''جو شخص اقرباء کے حق میں وصیت کئے بغیر مرگیا تو اس معصیت کے فعل سے اس کے نیک عمل ختم ہو جاتے ہیں،،۔

طاؤس نے کہا ہے :

''اگر کسی نے غیر شخص کے لئے وصیت کی ہو تو اس وصیت کو رد

کردیا جائے گا اور اس وصیت کو غیر وارث اقرباء کے حق میں لازم کردیا جائے گا،،۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک غیر وارث اقرباء کے حق میں اس آیت کا حکم بحیثیت وجوب وصیت باقی ہے۔ ان حضرات کی طرف سے اس اصول پر دو دلیلیں قائم کی گئی ہیں :۔

پہلی دلیل :

مواریث کی آیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ فرمان ''لا وصیة لوارث،، اور اسی طرح اجماع اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ۔ اس مقام پر (منسوخ ہونے پر) اجماع قطعی اس لئے موجود نہیں ہے کہ نسخ کے مخالفین اور موافقین (قدیم و جدید) ہر زمانہ میں رہے ہیں ۔ لہذا یہ ضروری ہوا کہ آیت کو ایسے قرابت دار کے حق میں جو وارث نہ ہوتا ہو، باقی رکھا جائے۔

دوسری دلیل:

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے پاس کچھ مال ہو اور وہ اس کے بارے میں وصیت کرنا چاہے تو بغیر وصیت کے دو راتیں (بھی) گزارے۔(۸۳) اور ہم سب کا اس پر اجماع ہے کہ غیر قرابت دار کے لئے وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ غیر وارث قرابت دار کے لئے وصیت کرنا واجب قرار دیا جائے۔ اور اس وجوب کے لئے سنت کو قرآن کا موکد تصور کیا جائے۔ لیکن جمہور جو وارث کے حق میں وصیت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ان کی بہترین دلیل اللہ تعالی کا فرمان ''من بعد وصیة یوصی بھا اودین،، ہے۔ اس آیت کے متعلق پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ اگر میت کے ذمہ قرض نہ ہو اور نہ کوئی وصیت کی گئی ہو تو سارا ترکہ مطابق حصص شرعی ورثاء

(۸۳) صحیح مسلم، بشرح نووی، امام مسلم، ابو الحسن، محولہ بالا، جز۹، (کتاب الوصیة)، ص ۷۴ ''ما حق امرئ مسلم له شي يريدان يوصی فيه يبيت ليلتين الا و وصيته مكتوبة عنده،،۔

میں تقسیم ہوجائے گا، جس سے ثابت ہوا کہ وصیت واجب نہیں ہے۔

تیسری دلیل :

جو لوگ غیر وارث قرابت دار کے حق میں اس آیت کو منسوخ نہیں تصور کرتے ان کے درمیان بھی دو مقام پر اختلاف ہے :۔

(اول) حضرت ابن مسعود سے منقول ہے کہ ایسے اقرباء میں وصیت کے لئے ''الافقر فا الافقر،، کا طریقہ اختیار کیا جائے اور حسن بصری کے نزدیک غنی و فقیر دونوں یکساں درجہ رکھتے ہیں ۔

(دوم) دوسرا اختلاف حسن اور خالد بن زید و عبدالملک بن یعلی حضرات کا ہے۔ یہ اصحاب کہتے ہیں کہ اگر میت نے غیر وارث قرابت دار کے موجود ہوتے ہوئے کسی اجنبی کے حق میں وصیت کی ہو تو مال موصی بھی اس اجنبی کو نہ دیا جائے، اور طاؤس سے منقول ہے کہ وصیت کا پورا مال اجنبی (موصی لہ) سے پھیر کر قرابت دار غیر وارث لوگوں کو دیا جائے۔ واللہ تعالی اعلم ۔(۸۵)

علامہ قرطبی :

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس مسئلے پر مختصر مگر جامع بحث کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے ''فقد ظہران وجوب الوصیة للاقربین الوارثین منسوخ بالسنة و انہا مستند المجمعین ''کہ بلا شبہ یہ امر ظاہر ہوگیا کہ وارث اقربا کے حق میں وصیت کا وجوب سنت کے ذریعہ منسوخ ہوگیا اور تمام اجماع کرنے والے علماء و فقہاء نے اسی سنت سے استدلال کیا ہے ۔(۸۶)

احادیث نبوی :

''وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں،، کے مسئلہ پر کتب احادیث میں

---

(۸۵) التفسیر الکبیر، الرازی، عبدالرحمن محمد ابو بکر (م ۶۰۶ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۹۳۸ع، ج ۵، صص ۶۹ - ۶۷ -

(۸۶) جامع الاحکام القرآن (معروف بہ تفسیر قرطبی)، محمد ابن احمد القرطبی (م ۶۷۱ھ)، مطبوعہ دارالکتب المصریہ، ۱۹۳۴ع، ج ۲، صص ۴۴ - ۲۴۳ -

متعدد روایات موجود ہیں اور ہر روایت بلحاظ معنی متفق ہے، اگرچہ ان روایات کے متون میں کہیں کہیں لفظی فرق پایا جاتا ہے۔ دار قطنی نے اس سلسلے میں متعدد احادیث اپنی سنن میں روایت کی ہیں -(۸۷)چنانچہ دارقطنی کی بیان کردہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے ''لا یجوز الوصیة للوارث،، اور دوسری روایت میں ہے ''لا یجوز لوارث وصیة،، — دار قطنی نے عمرو بن خارجة سے بھی دو روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک روایت میں ہے ''لا وصیة لوارث،، دوسری روایت میں ہے ''فلا یجوز لوارث وصیة،، یہ عبارت ابن عباس کی دوسری مذکورہ روایت کے فقرہ سے متفق ہے ایک اور روایت دارقطنی نے حضرت جعفر بن محمد کی ان کے والد سے نقل کی ہے جس کی عبارت ہے ''لا وصیة لوارث،،۔ یہ عبارت عمرو بن خارجہ کی اول روایت سے متحد ہے۔

بیہقی نے بھی اسی مضمون کی احادیث کو اپنی سندوں سے روایت کیا ہے -(۸۸)حضرت ابو امامہ سے جو روایت مروی ہے اس کے الفاظ ہیں ''فلا

---

(۸۷) سنن، دار قطنی، علی ابن عمر (م ۳۸۵ھ)، مطبعة انصاری دھلی، ۱۳۱۰ھ، ص ۸۹-۳۸۸

''(نا) ابوبکر نیسا پوری (زا) یوسف بن سعید (نا) حجاج عن عطاء عن ابن عباس قال۔ قال: ''رسول اللہ صلعم لا یجوز الوصیة للوارث الا ان یشاء الورثة،،۔ (نا) عبیداللہ بن عبدالصمد بن المھدی (نا) محمد بن عمرو بن خالد (نا) ابی عن یونس بن راشد عن عطاء الخراسانی عن عکرمة عن ابی عباس قال قال: ''رسول اللہ صلعم الا لا یجوز لوارث وصیة الا ان یشاء الورثة،،۔

(نا) علی بن ابراھیم بن عیسی (نا) احمد بن محمد ن الماسرجسی (نا) عمر بن زرارة (نا) زیاد بن عبداللہ (نا) اسمعیل بن مسلم عن الحسن عن عمرو بن خارجة قال قال: ''رسول اللہ صلعم لا وصیة لوارث الا ان یجیز الورثة،،۔

(نا) احمد بن محمد بن زیاد (نا) عبدالرحمن بن مرزوق (نا) عبدالوھاب (نا) سعید عن قتادہ عن شھر بن حوشب عن عبدالرحمن بن غنم عن عمرو بن خارجة قال: ''خطبنا رسول اللہ صلعم بمنی فقال ان اللہ عزوجل قد قسم لکل انسان نصیبه من المیراث فلا یجوز لوارث وصیة الا من الثلث،،۔

(نا) احمد بن کامل (نا) عبید بن کثیر (نا) عباد بن یعقوب (نا) نوح بن دراج عن ابان ابن تغلب عن جعفر بن محمد عن ابیه قال قال: ''رسول اللہ صلعم لا وصیة لوارث ولا اقرار بدین،،۔

(۸۸) البیھقی، احمد بن الحسین (م ۴۵۸ھ)، السنن الکبری، مطبوعہ دائرة المعارف، دکن، ۱۹۰۳ع، ج ۶، ص ۲۱۲ اور ۶۳-۲۶۳ -

قد اخبرنا ابوبکر مورك عن عبداللہ بن جعفر ثنا یونس بن حبیب ثنا ابو داؤد ثنا اسمعیل بن عیاش عن شرحبیل بن مسلم الخولانی سمع ابو امامة یقول شھدت رسول اللہ صلعم فی حجة الوداع مقلمة یقول۔ ←

وصیة لوارث،، جو حضرات ابن عباس اور عمرو بن خارجه کی مذکوره دو روایات سے متفق ہے، ایک روایت حضرت ابن عباس رضی الله عنه سے بھی مروی ہے جس کی عبارت ہے ''لا یجوز الوصیة لوارث،، یه فقره دارقطنی کی بیان کرده ابن عباس والی روایت سے متفق ہے، اگرچه اس حدیث کو منقطع کہا گیا ہے کیونکه حضرت ابن عباس سے اس کے راوی عطاء خراسانی ہیں جن کو حضرت ابن عباس سے سماعت حاصل نه تھی۔ لیکن دوسری سند میں عطاء خراسانی کے بعد حضرت ابن عباس اور ان کے درمیان حضرت عکرمه کا اضافه مروی ہے، اس لئے یه حدیث متصل قرار پاگئی۔

ابو داؤد نے اپنی سنن میں اس مسئله سے متعلق دو باب مقرر کرکے دو حدیثیں نقل کی ہیں۔(۸۹) جس کی عبارت یه ہے ''فلا وصیة لوارث،، چنانچه

''ان الله قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث،،۔

انا ابو عبدالله الحافظ اخبرنی عبدالرحمن بن الحسن القاضی ثنا ابراهیم الحسین ثنا آدم بن ابی ایاس ثنا ورقاء عن ابن ابی نجیح عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباس فی قول عزوجل ''یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الا نثیین،، قال کان المیراث للولد و کانت الوصیة للوالدین والا قربین فنسخ الله من ذلك ما احب فجعل للولد الذکر مثل حظ الا نثیین و جعل للوالدین السدس و جعل للزوج النصف و الربع و جعل للمراة الربع و الثمن رواه البخاری عن محمد ابن یوسف عن ورقاء،،۔

انا ابو متوکل احمد بن محمد بن احمد بن الحارث الفقیه انا علی بن عمر الحافظ ثنا ابوبکر النیسابوری ثنا یوسف بن سعید ثنا حجاج ثنا ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس قال قال: ''رسول الله صلعم: لا یجوز الوصیة لوارث الا ان یشاء الورثة،،۔ عطاء هذا هو الخراسانی لم یدرك ابن عباس ولم یره قاله ابو داؤد السجتانی وغیره و قدروی من وجه آخر عنه عن عکرمة عن ابن عباس،،۔

(اخبرنا) ابو عبدالله الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب، انا الربیع بن سلیمان انا الشافعی، انا ابن عیینة عن سلیمان الاحول عن مجاهدان رسول الله صلعم قال: لا وصیة لوارث،، (قال الشافعی وروی بعض الشامیین حدیثا لیس محل شبهة اهل شام بان بعض رجاله مجهولون عن النبی صلعم فروینا منقطعاً و اعتمدنا علی حدیث اهل المغازی عامة ان النبی صلی الله قال عام الفتح لا وصیة لوارث و اجماع العامة علی هذا القول،،۔

اس روایت میں فتح مکه کے دن آنحضرت کا یه فرمانا دیگر تمام راویات کے خلاف ہے۔ دیگر تمام روایات و اهل مغازی سے حجة الوداع کا واقعه بیان کیا گیا ہے۔ هوسکتا ہے که کتابت کی غلطی هو یا امام شافعی کو یاد نه رها هو۔ والله علم۔

(۸۹) سنن، ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، محوله بالا، ص ۳۹۶ (باب الوصایا)

حدثنا عبدالوهاب بن جدة قال ابن عیاش عن شرحبیل بن مسلم قال سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله صلعم یقول ان الله قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث،،۔

''احمد بن محمد المروزی حدثنی علی بن حسین بن واقد عن ابیه عن یزید النحوی عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنه۔ ان ترك خیراً و الوصیة للوالدین و الاقربین فکانت الوصیة کذلك حتی نسختها آیة المیراث،،۔

یہ عبارت دار قطنی کی دو روایات اور بیہقی کی ایک روایت سے متفق ہے۔

امام ترمذی نے بھی اس مسئلہ سے متعلق احادیث کو باب ''لا وصیۃ لوارث،، کے تحت روایت کیا ہے۔(۹۰) چنانچہ ایک روایت حضرت ابو امامہ باھلی کی اور دوسری حضرت عمرو بن خارجۃ کی نقل کی ہے۔ ان دونوں کی عبارت میں بھی ''لا وصیۃ لوارث،، ہے۔ جو مذکورہ بالا تین روایات سے متحد و متفق ہے، اس طرح پانچ متون اس عبارت میں متفق ہوئے۔

امام نسائی نے بھی بعینہ اسی سند سے عمرو بن خارجۃ سے تین حدیثیں نقل کی ہیں (۹۱) ان میں دو روایتوں کا متن ''لا وصیۃ لوارث،، ہے جو مذکورہ بالا پانچ احادیث کے متن سے متفق ہے اور ایک متن ''فلا یجوز لوارث وصیۃ،، ہے جو دار قطنی کی بیان کردہ حضرت ابن عباس سے ایک روایت سے اور عمرو بن خارجۃ کی ایک روایت سے اور بیہقی کی ابن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت سے متفق ہے۔ اس طرح تین روایتیں اس متن میں متفق ہیں۔

ابن ماجہ نے بھی اس مسئلہ سے متعلق احادیث روایت کی ہیں۔(۹۲)

---

(۹۰) ''حدثنا ھناد و علی بن حجر قالا اخبرنا اسماعیل بن عیاش نا شرحبیل بن مسلم الخولانی عن ابی امامۃ الباھلی قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول فی خطبۃ عام حجۃ الوداع ان اللہ تبارک و تعالی قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث، الولد للفراش و للعاھر الحجر و حسابھم علی اللہ تعالی و من ادعی الی غیر ابیہ او انتمی الی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ التابعۃ الی یوم القیامۃ لا تنفق امراۃ من بیت زوجھا الا باذن زوجھا فقیل یا رسول اللہ ولا الطعام قال ذالک افضل اموالنا و قال العاریۃ مؤداۃ و المنحۃ مردودۃ و الدین مقضی و الزعیم غارم، و فی الباب عن عمرو بن خارجۃ و انس بن مالک ھذا حدیث حسن، و قد روی عن ابی امامۃ عن النبی صلعم من غیر ھذا الوجہ و روایۃ اسمعیل بن عیاش عن اھل الاعراق و اھل الحجاز لیس بذاک فیما ینفرد بہ لانہ روی عنھم مناکیر و روایتہ عن اھل الشام اصح ھکذا اقال محمد بن اسمعیل سمعت احمد بن الحسن یقول قال احمد بن حنبل اسمعیل بن عیاش اصلح عندنا من بقیۃ الخ،،۔

''حدثنا قتیبہ نا ابو عوانۃ عن قتادۃ عن شھر بن حوشب عن عبدالرحمن ابن غنم عن عمرو بن خارجۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب علی ناقتہ و انا تحت جرانھا وھی تقصع بجرانھا و ان لعابھا لیسیل بین کتفی فسمعتہ یقول ان اللہ عزو جل اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث والولد للفراش و للعاھر الحجر، ھذا حدیث حسن صحیح،،۔

(۹۱) سنن، نسائی، عبدالرحمن ابن احمد، محولہ بالا، جزء ۲، ص ۱۱۱۔

''اخبرنا اسمعیل بن مسعود قال ثنا خالد قال حدثنا شعبۃ قال ثنا قتادۃ عن شھر بن حوشب الخ،،۔

''اخبرنا عتبۃ بن عبداللہ المروزی قال اخبرنا عبداللہ بن المبارک قال اخبرنا اسمعیل بن ابی خالد عن قتادہ عن عمرو بن خارجۃ الخ،،۔

(۹۲) سنن، ابن ماجہ، محمد ابن یزید الربعی، محولہ بالا، صص ۹۰ - ۱۹۳۔

''ثنا ابو بکر بن ابی شیبہ ثنا یزید بن ھارون انبانا سعید بن ابی عروبۃ عن قتادہ الخ،،۔

''حدثنا ھشام بن عمار ثنا محمد بن شعیب بن شابور ثنا عبدالرحمن بن یزید بن جابر عن سعید بن سعید انہ حدثنا عن انس بن مالک قال انی تحت ناقۃ رسول اللہ صلعم یسیل علی لعابھا انی سمعتہ یقول ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوارث،،۔

چنانچہ ایک حدیث عمرو بن خارجۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس کے الفاظ ہیں ''فلا یجوز لوارث وصیۃ''، دوسری حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت کی ہے جس کے متن میں ہے ''لاوصیۃ لوارث''، تیسری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کی عبارت میں بھی ''لا وصیۃ لوارث'' ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کی ایک روایت کا متن دارقطنی اور بیہقی کی مذکورہ تین روایتوں سے متفق ہے اور دو حدیثوں کا متن مذکورہ بالا سات احادیث سے متفق ہے۔

بیان کردہ کل روایات کا جائزہ لینے کے بعد بآسانی اس نتیجہ تک پہونچا جاسکتا ہے کہ ''لا وصیۃ لوارث''، میں کل نو روایات متفق ہیں اور ''لا یجوز لوارث''، میں کل چار روایتیں متفق ہیں۔ اور دو روایتیں ''لا یجوز الوصیۃ لوارث'' کی عبارت میں متفق ہیں۔ لیکن ان عبارتوں کا اختلاف حدیث کے منشاء اور مقصد میں کوئی فرق نہیں پیدا کرتا۔ تمام عبارتوں کا منشاء یہی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت ناجائز و نادرست ہے۔ احادیث کے نو متن ایسے ہیں جن میں لاء نفی جنس استعمال کیا گیا ہے جو اس امر کا مقتضی ہے کہ وارث سے وصیت کی ماہیت اور اس کی جنس کی نفی کردی گئی ہے، یعنی وصیت کا چھوٹا، بڑا یا اوسط کوئی فرد وارث کے حق میں جائز نہ ہوگا۔ چار متون میں ''لا یجوز لوارث وصیۃ''، کی عبارت ہے جس میں ''وصیۃ''، کا لفظ نکرہ سیاق نفی میں آیا ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ جب نکرہ سیاق نفی میں واقع ہوتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث ''لا یجوز لوارث وصیۃ''، کے معنی یہ ہوئے کہ وارث کے حق میں وصیت کا کوئی فرد جائز نہیں۔ یعنی خواہ وصیت کثیر مال کی ہو یا قلیل مال کی۔ اور یہ معنی ''لا وصیۃ لوارث''، سے متفق ہیں، البتہ دو روایتوں میں وصیت کے لفظ کو معرفہ باللام ''الوصیت''، ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے معرفہ لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سابقہ احادیث سے بلحاظ معنی کچھ اختلاف ہو۔ کیونکہ یہ الف لام الوصیت میں جنسی بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی ہوں گے، وارث کے حق میں جنس وصیت جائز نہیں۔ اور الف لام استغراقی بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں اس عبارت کے وہی معنی ہوں گے جو نکرہ کے سیاق نفی میں آنے سے ہوا کرتے ہیں۔ یعنی وارث کے لئے وصیت کا کوئی فرد جائز نہیں۔ چنانچہ اس توضیحی بیان

سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ احادیث کی تمام عبارتیں معنوی حیثیت میں متحد ہیں ۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ''الوصیة،، میں جس طرح الف لام جنسی یا استغراقی ہو سکتا ہے اسی طرح یہ احتمال بھی ہے کہ یہ الف لام عہد خارجی ہو اور اس سے وصیت کی ایک مخصوص قسم و فرد مراد ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر الف لام تعریفی کو عہدی تصور کیا جائے تب بھی اس سے اس وصیت کی طرف اشارہ ہوگا جس کو کتاب اللہ میں وراثت کی آیت کے نزول سے قبل لازم کیا گیا تھا۔ یعنی ''اذا حضر احد کم الموت ان ترک خیران الوصیة للوالدین والاقربین،، کی جانب ۔ چنانچہ حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ وصیت جو کتاب اللہ میں ''اذا حضر احد کم الموت،، سے واجب کی گئی تھی اب لازم نہیں ۔ چنانچہ اس صورت میں بھی وارث کے حق میں وصیت کا ناجائز ہونا ثابت ہوگا۔

وارث اقرباء کے حق میں وصیت کے متعلق فقہاء کرام کی آراء:

علامہ ابن رشد نے ''بدایة المجتہد،، میں لکھا ہے کہ فقہاء امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ۔ (۹۳) البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ میت کے اقرباء کے موجود ہوتے ہوئے غیر شخص کو وصیت کرنا جائز ہے یا نہیں ۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کراہت کے ساتھ جائز ہے ۔ حسن و طاؤس فرماتے ہیں کہ ''غیر وارث اقرباء،، کے ہوتے ہوئے اجنبی کے حق میں وصیت جائز نہیں بلکہ یہ وصیت ان اقرباء کی طرف پھیردی جائے گی۔ اسحاق کا قول بھی یہی ہے ۔

وارث اقرباء کے حق میں وصیت کے باطل ہونے پر اجماع کے ساتھ اس پر بھی اتفاق ہے کہ وارث کے حق میں میت کے ورثاء وصیت کی اجازت دے دیں تو وصیت نافذ کردی جائے گی۔ البتہ اہل ظاہر اور امام مزنی ورثاء کی اجازت کے بعد بھی جواز کے قائل نہیں ہیں ۔ اور امام شعرانی نے میزان الکبری

---

(۹۳) بدایة المجتہد، ابن رشد (م ۵۹۵ھ)، مطبعة مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۶۰ع، ج ۲، ص ۳۳۴ ۔
''فانہم اتفقوا علی ان الوصیة لا تجوز لوارث لقولہ علیہ السلام (لا وصیة لوارث)،،

میں امام زہری کو بھی اس قول میں اہل ظاہر کے ساتھ شامل کیا ہے۔(۹۴)
لیکن اصح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت موصی (وصیت کرنے والے) کی وفات کے بعد دیگر ورثاء کی رضامندی سے قابل نفاذ ہوگی۔ البتہ موصی کی زندگی میں دیگر ورثاء کی رضامندی کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

حنفیہ :

المبسوط میں امام سرخسی نے لکھا ہے کہ آیت ''کتب علیکم اذا حضر احد کم الموت ان ترک خیراً الخ،، کے متعلق اکثر مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں اس وقت تک تھا جب تک کہ مواریث کی آیت نازل نہ ہوئی تھی جو آیت موارث کے نزول کے بعد منسوخ ہوگیا، البتہ اس کے ناسخ ہونے کے متعلق اختلاف ہے۔ ابوبکر رازی کا خیال ہے کہ آیت وصیت کا حکم، ''من بعد وصیة یوصی بہا اودین،، کے ذریعہ منسوخ ہوا، کیونکہ اس آیت میں اس امر پر نص موجود ہے کہ میراث وصیت کے بعد تقسیم کی جائے، نیز وصیت کا لفظ نکرہ وارد ہوا ہے، لہذا والدین اور اقربین کے لے وصیت ثابت تھی تو ایسی صورت میں وصیت کو ''معرفہ باللام،، لاکر میراث کا ذکر اس کے بعد کرنا چاہئے تھا، کیونکہ وصیت ایک معین امر تھا۔ یہی قول امام شافعی کا ہے، اگرچہ ان کے مذہب میں سنت کے ذریعہ کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں۔ امام رازی کتاب اللہ کا نسخ سنت متواترہ کے ما سوا دیگر اقسام سنت سے جائز نہیں سمجھتے، لیکن اکثر حنفی علماء فرماتے ہیں کہ وصیت کا مذکورہ بالا قرآنی حکم رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد سے منسوخ ہوگیا کہ ''ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیة لوارث،، — یہ مشہور حدیث ہے جس کو علماء نے قبول کرتے ہوئے اس پر متواتر عمل کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس قسم کی حدیث سے نسخ جائز ہوتا ہے۔ کیونکہ جس حدیث کو علماء امت قبول و عمل میں تسلسل بخشیں وہ حدیث ایسی تصور کی جاتی ہے گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو (خود) سن لیا گیا ہو۔ چنانچہ اگر ہم خود حضور (صلعم) کو اس طرح فرماتے سن لیتے کہ ''یہ آیت باعتبار حکم منسوخ ہوگئی، اس کے حکم پر عمل نہ کرنا ''تو اس وقت

---

(۹۴) میزان الکبری، امام شعرانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۰۰۔

همارے لئے (آیت پر) عمل کرنا جائز نہ ہوتا۔ حضرت ابو قلابہ نے اس حدیث کو مذکورہ الفاظ سے روایت کیا ہے اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ زائد ہیں "الا ان یجیز الورثة"، ان الفاظ کی زیادتی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی وصیت کے جواز کی نفی ہے، وصیت کے ثبوت کی نفی نہیں ہے۔ جواز کی نفی کے ساتھ یہ لازم ہے کہ فرضیت اور وجوب کی بھی نفی ہو جائے۔ مذکورہ حدیث جس سند سے روایت کی گئی ہے اگرچہ اس سند سے وہ مرسل ہے، لیکن ہمارے نزدیک مرسل حدیث حجت ہوتی ہے، جس طرح کہ مسند حدیث قابل حجت ہوا کرتی ہے، بلکہ استدلالی حیثیت میں مرسل حدیث مسند حدیث سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے کیونکہ راوی جب کسی حدیث کے متن کو محض ایک شخص سے سنتا ہے تو اس شخص کے نام کا محفوظ کرلینا اس کے لئے مشکل نہیں ہوتا، لیکن اگر کثیر تعداد میں اشخاص سے سنتا ہے تو ان سب کا محفوظ کرلینا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے، اس لئے وہ ارسال اختیار کرلیتا ہے، گویا کسی مشہور راوی کا ارسال اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ حدیث انتہائی درجے میں مشہور ہوچکی تھی"۔(۹۵)

مندرجہ بالا اقتباس سے جو حنفی نقطہ نظر واضح ہوکر سامنے آتا ہے یہ ہے کہ وصیت کی آیت قرآن کی آیت میراث کے ذریعہ منسوخ ہوگئی نیز سنت سے بھی، کیونکہ احناف کے نزدیک سنت مشہورہ حتی کہ احادیث مرسلہ سے بھی نسخ جائز ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اگرچہ سنت سے کتاب اللہ کے نسخ کے قائل نہیں ہیں لیکن چونکہ وصیت کی آیت کے منسوخ ہونے میں یہ احتمال موجود ہے کہ وہ میراث کی آیت سے منسوخ ہوئی ہے اور حدیث مذکورہ اس کا بیان ہے یا تائید کرتی ہے۔ نیز اس حدیث پر جمہور کا اجماع ہوچکا ہے اس لئے وہ قابل عمل ہوگئی اور آیت کا نسخ صحیح متصور ہوگا۔

مالکیہ:

امام مالک کے نزدیک بھی وصیت کی آیت میراث کی آیت سے منسوخ ہے اور سنت ثابتہ سے یہ امر ثابت ہے کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں

(۹۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۷، ص ۱۴۳-۱۴۲۔

الا یہ کہ دیگر ورثاء اجازت دے دیں ۔(۹٦)

شافعیہ :

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں متعدد مقامات پر اس مسئلے میں گفتگو فرمائی ہے ۔ چنانچہ ''باب ما نسخ من الوصایا،، میں فرمایا ہے کہ ''بعض اہل علم بالقرآن (مفسرین) کا فرمانا ہے کہ والدین اور وارث اقرباء کے حق میں وصیت کرنا منسوخ ہوگیا ۔ اور غیر وارث اقرباء کی وصیت میں اختلاف ہے ۔ زیادہ تر اہل علم جن سے میری ملاقات ہوئی اور جن سے مجھ کو علم حاصل ہوا یہ فرماتے رہے کہ وصیت منسوخ ہو گئی، اس لئے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب کہ وصیت کے ذریعہ ہی ترکہ دیا جاتا تھا، لیکن جب اللہ تعالی نے وراثت کا بذات خود تعین فرما دیا، تو اب یہ حکم منسوخ ہوگیا ۔ یہ جو کچھ ان حضرات نے کہا ہے، انشاءاللہ ایسا ہی ہے ۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ آپ کے قول کی کیا دلیل ہے، تو اس کا جواب اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے ''ولا بویه لکل واحد منها السدس،، الآیہ ۔ کہ ماں باپ میں سے ہر ایک کے واسطے چھٹا حصہ ہے ۔ ہم سے ابن عینیۃ نے بواسطہ سلیمان الاحول حضرت مجاہد سے روایت کیا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ''لا وصیۃ لوارث،، اور جو کچھ میں نے بیان کیا کہ مواریث کی آیت ''لا وصیۃ لوارث،، سے منسوخ ہے، اس میں میری ملاقات اور میرے علم کی حد تک کسی کا اختلاف نہیں ہے ۔ جن لوگوں کے لئے اللہ تعالی نے وصیت کا حکم دیا تھا جب وہ آیت وصیت مواریث کی آیت سے منسوخ ہوگئی اور سنت نے بھی اس کی تائید کردی کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اور یہ بتادیا کہ وصیت غیر وارث کے لئے کی جا سکتی ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ورثاء کے لئے وصیت جائز نہیں اور یہ قوی طور پر ثابت ہو گیا کہ غیر وارث کے لئے وصیت ثابت ہے ۔ اس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ والدین اور دوسرے ایسے قرابت دار جو کسی وقت میں وارث نہ ہوں تو ان کے حق

---

(۹٦) شرح موطا الامام مالک، الزرقانی، محمد بن عبدالباقی (م ۱۱۲۲ھ)، مطبعۃ مصطفی البابی، مصر، ۱۳۸۱ھ/۱۹٦۲ع، ج ۳، ص ۳۸۰۔
المسوی (شرح موطاء امام مالک)، ولی اللہ دھلوی، شاہ، (م ۱۱۷٦ھ) مطبعۃ السلفیہ، مکہ معظمہ، ۱۳۵۱ھ، ج ۲، ص ۷۹

بھی وصیت جائز ہوگی۔ یعنی ان کا وارث ہونا ان کے حق میں وصیت کو باطل کرتا ہے لیکن اگر وارث نہ ہوں تو وصیت باطل نہ ہوگی۔ الخ(۹۷) اس کے بعد پھر امام شافعی نے ''باب الوصیة للوارث،، کے عنوان کے تحت فرمایا ہے کہ ''مغازی کے عام اہل علم جن سے میری ملاقات ہوئی ان کو واضح طور پر یہ نقل کرتے پایا کہ فتح مکہ کے سال میں رسول اللہ (صلعم) نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا ''لا وصیة لوارث،، اور اس حکم میں علماء کے درمیان مجھے کوئی اختلاف نظر نہ آیا۔(۹۸)

پھر امام شافعی نے دوبارہ صفحہ ۱۱۲ پر ''باب الوصیة للوارث،، کا عنوان قائم کرکے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''اذا حضر احد کم الموت ان ترک خیراً،، ''الآیة،، اور مواریث کی آیت میں اللہ تعالی نے فرمایا ''ولا بویه لکل واحد منهما السدس،، الآیۃ۔یہاں یہ امکان ہے کہ اللہ تعالی کے دونوں حکموں کو اس طرح جمع کر دیا جائے کہ والدین اور اقرباء دونوں حکم میں شامل ہوں۔ اس طرح وصیت کنندہ پر واجب ہو کہ وہ ان لوگوں کے لئے وصیت بھی کردے تاکہ یہ لوگ وصیت کے ذریعہ وصیت کا حصہ حاصل کرلیں اور وراثت کے ذریعہ وراثت کا حصہ بھی لے لیں ۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ وصیت کا حکم بالکل منسوخ ہوچکا ہو۔ صرف وراثت ان کے حق میں باقی رہی ہو۔ لہذا ہم نے اس پر یہ دلیل موجود پائی کہ والدین اور وارث اقرباء کے حق میں وصیت مواریث کی آیت سے منسوخ ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو وہ روایات ہیں جو اگرچہ مغازی کے راویان کی سندوں سے متصل نہیں ہیں (بلکہ مرسل ہیں) جن کے منجملہ ایک وہی سابقہ روایت جو حضرت مجاھد کی ہے۔ اس کے ماسوا ہم کو ایک متصل روایت بھی پہونچی ہے جو دوسرے راوی سے مروی ہے۔ پھر تمام مقامات کے اہل علم میں سے کسی کو ہم نے ایسا نہ پایا جس نے اس حکم میں اختلاف کیا ہو کہ والدین کے حق میں وصیت مواریث کی آیت سے منسوخ ہوچکی ہے۔ لیکن منسوخ ہونے کے بعد دو احتمال مزید پیدا ہوتے ہیں ۔ ایک یہ کہ فی نفسه وصیت منسوخ

(۹۷) الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۴، ص ۹۹ - ۹۸ -
(۹۸) الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۴، ص ۱۰۸ -

ہو اور اب وصیت کرنا بالکل جائز ہی نہ ہو بلکہ باطل ہو اور اگر کی جائے تو اس کو رد کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ فی نفسہ باطل نہ ہو بلکہ واجب ہوتا منسوخ کردیا گیا ہو۔ اس حالت میں اگر کوئی میت وصیت کردے تو صحیح ہو سکتی ہے اور جس صورت میں کہ میت نے والدین کے لئے وصیت کی ہو اور اس کے بعد وارثوں نے بھی اس کی اجازت دے دی ہو تو ایسی صورت میں جو مال والدین کو ملے گا وہ مال وصیت کی بناء پر نہ ملے گا بلکہ وہ درحقیقت ورثاء کی طرف سے تبرعاً (بطور احسان) دیا گیا متصور ہوگا۔ کیونکہ وصیت کا حکم تو ہم والدین کے حق میں باطل قرار دے چکے ہیں۔ لہذا کتاب اللہ کا حکم والدین کی وصیت کے حق میں منسوخ قرار پایا۔ چنانچہ جب والدین وارث ہوتے ہیں (تو وصیت ان کے حق میں باطل ہوتی ہے) تو اس پر ہم نے دیگر اقرباء وارثین کو قیاس کرلیا (کہ جب یہ وارث ہوں گے تو وصیت ان کے حق میں باطل ہوگی)۔ یہی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

امام شافعی مزید فرماتے ہیں کہ "مختصر یہ کہ ہم نے نص (کتاب اللہ) اور سنت و قیاس کے ذریعہ ورثاء کے حق میں وصیت کو باطل قرار دیا اور غیر وارث اقربین و اجنبی لوگوں کے لئے جائز قرار دیا، خواہ کوئی بھی ہوں۔ اب وصیت میں اصل وہ لوگ قرار پائیں گے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصل قرار پائے یعنی غیر وارث اقرباء اور اجنبی۔ لہذا جو شخص میت کا وارث ہوگا اس کے حق میں وصیت کو میں باطل قرار دوں گا اور جو وارث نہ ہوگا اس کے حق میں صحیح قرار دوں گا اور میرے نزدیک یہ طریقہ موجود بھی ہے۔(۹۹)

حنبلیہ :

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ و علماء حنبلیہ کا مسلک بھی آئمہ ثلاثہ کے مسلک کے مطابق ہے اور ان کے بھی تقریباً وھی دلائل ہیں جن کو آئمہ مذکورہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ ان کے نزدیک بھی

(۹۹) الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۴، ص ۱۳ - ۱۱۲ -

وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ۔(۱۰۰)

امامیہ :

امامیہ کے نزدیک ورثاء کے لئے وصیت جائز ہے ۔ علامہ حلی نے شرائع الاسلام میں فرمایا ہے کہ اجنبی اور وارث (دونوں) کے لئے وصیت جائز ہے(۱۰۱) البتہ کتاب مذکور کے دوسرے مقام کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امامیہ کے نزدیک بھی وصیت کے مال کی مقدار ایک تہائی سے زائد کسی حالت میں نہ ہونی چاہئے ۔ ایک تہائی سے زائد کی وصیت باطل ہوگی ۔(۱۰۲)

ظاہریہ :

علامہ ابن حزم ظاہری نے اپنی کتاب ''المحلی،، میں لکھا ہے کہ ''وارث کے لئے وصیت بالکل جائز نہیں ۔ چنانچہ اگر مرنے والے نے کسی غیر وارث کے لئے وصیت کی مگر شخص موصی لہ موصی کے موت کے وقت وارث کا درجہ پاجائے تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اگر وارث کے لئے وصیت کی تھی (جو جائز نہ تھی) اور پھر یہ وارث غیر وارث کا درجہ پاگیا، تب بھی وصیت باطل ہوگئی، کیونکہ وصیت کے وقت ہی وصیت باطل تھی، خواہ ورثاء اجازت دیں یا نہ دیں (ان کی اجازت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا) ۔(۱۰۳)

جواز و نفاذ وصیت :

امام مالک کے نزدیک وصیت کے جائز یا ناجائز ہونے کے سلسلے میں یوم تنفیذ کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ یوم وفات کا ۔(۱۰۴) ابن حزم کے نزدیک

---

(۱۰۰) المختصر الخرقی، الخرقی، عمر بن الحسین (م ۳۳۴ھ)، المکتبۃ الاسلامی، دمشق، ۱۳۸۴ھ ۱۹٦۴ع، ص ۱۱۱ (کتاب الوصایا) ۔

(۱۰۱) شرائع الاسلام، نجم الدین ابو جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۱، القسم الثانی، ص ۲٦۲ ۔

(۱۰۲) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۱، القسم الثانی، ص ۲۵۹ ۔

(۱۰۳) المحلی، امام ابن حزم، محولہ بالا، ج ٦، ص ۳۸٦ ۔

(۱۰۴) جواہر الاکلیل، شرح مختصر خلیل، صالح عبدالسمیع، مطبعۃ مصطفی البابی مصر، ۱۳٦٦ھ/ ۱۹۴۷ع، ج ۲، ص ۳۱۸ ۔
المحلی، امام ابن حزم، محولہ بالا، ج ٦، ص ۳۸۹ ۔

اگر وارث بوقت مرگ موصی غیر وارث کا درجہ پاجائے، تب بھی وصیت باطل ہوگی۔(۱۰۵) (کیونکہ وہ من ابتداء باطل تھی)۔

راقم الحروف کے نزدیک امام ابن حزم کا نقطہ نظر درست نہیں۔ جو امر عارض وصیت کے جواز میں مانع تھا وہ ہٹ گیا تو وصیت کے نفاذ میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اس لئے اعتبار یوم تنفیذ کا کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ وصیت کے نفاذ کا سوال موت کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے اور جب نفاذ کے وقت میں موصی لہ وارث نہیں ہے تو وصیت نافذ قرار دی جانی چاہئے۔ مزید برآں وصیت کے جواز یا عدم جواز کا قطعی اور فیصلہ کن وقت موصی کی وفات کے فوری بعد ہے کیونکہ موصی کی موت ہی سے ایجاب وصیت قطعی ہوتا ہے اور نفاذ وصیت کا وقت بھی موصی کی موت کے بعد ہوتا ہے اس لئے موصی لہ کا وارث یا غیر وارث ہونا نفاذ وصیت کے وقت معتبر ہونا چاہئے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ ظاہریہ کے نزدیک ورثاء کی اجازت کے بعد بھی وصیت جائز نہ ہوگی۔ حالانکہ راقم الحروف نے اس سلسلے کی جو احادیث سطور بالا میں نقل کی ہیں، ان میں وارث کے حق میں وصیت کی ممانعت کے بعد بعض روایات میں یہ جملہ بھی منقول ہے ''الا ان یشاء الورثۃ'' یا ''الا ان یجیز الورثۃ'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظاہریہ نے ''الا ان یشاء الورثۃ'' کو کتاب اللہ کے مخالف تصور کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ''لا وصیۃ لوارث'' کے ذریعہ جو کہ بظاہر کلام رسول ہے (لیکن درحقیقت وحی خفی کے ذریعہ اللہ کا حکم ہے) وصیت کی ماہیت اور جنس کی نفی کردی گئی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عزو جل نے اپنے رسول کی زبان مبارک سے خود اس کو باطل قرار دے دیا۔ اور جس کو اللہ تعالی باطل فرمائے اس کو مخلوق کی اجازت صحیح قرار نہیں دے سکتی۔

البتہ ابن حزم نے اسی مقام پر فرمایا ہے کہ ''اگر ورثاء نے اجازت دے دی تو یہ بذات خود ورثاء کی طرف سے ہبہ تصور کیا جائے گا۔(۱۰٦) جیسا کہ امام شافعی کا مسلک بھی ہے۔

---

(۱۰۵) المحلی، امام ابن حزم، محولہ بالا، ج ٦، ص ۳۸٦۔

(۱۰٦) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ٦، ص ۳۸٦۔

ایک اشتباہ:

دارقطنی کی ایک روایت میں جس کو انھوں نے عمرو بن خارجۃ سے، ان کی اپنی سند کے ذریعہ روایت کیا ہے یہ جملہ بھی آیا ہے ''الا من الثلث،، یعنی وارث کے حق میں وصیت نہیں مگر یہ کہ ایک تہائی کے اندر ہو۔ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک تہائی کی حد تک وارث کے حق میں وصیت جائز ہے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ اتنے حصے میں ورثاء کی اجازت کی ضرورت نہیں، خواہ اجازت دیں یا نہ دیں، ایک تہائی کی حد تک وصیت جائز ہو گی۔ حالانکہ ورثاء کے حق میں بغیر اجازت ورثاء کسی مقدار کی وصیت جائز نہیں ۔ اور جتنی روایات میں ''الا ان یشاء الورثۃ،، ہے، ان تمام روایات سے اس جملہ کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ وارث کے حق میں وصیت صرف اس وقت صحیح ہوگی جب کہ ورثاء اجازت دے دیں ورنہ نہ ہوگی۔

دراصل یہ الفاظ ''الا من الثلث،، صرف دار قطنی کی ایک روایت میں مذکور ہیں ۔ باقی آئمہ حدیث کی روایات اس فقرہ سے خالی ہیں ۔ دیگر روایات کے راویان اس روایت کے راوی قتادہ تک متحد ہیں ۔ قتادہ سے نیچے کے راوی مختلف ہیں ۔ قتادہ سے نیچے راوی سعید ہیں ۔ چنانچہ حضرت قتادہ سے ان سعید کے ماسوا جتنے روایت کرنے والے ہیں ان میں سے کسی نے اس جملہ کو اپنی حدیث میں روایت نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ترمذی میں قتادہ سے ابوعوانہ نے روایت کیا ہے، نسائی کی ایک سند میں بھی ابو عوانہ ہیں، دوسری سند میں شعبہ ہیں، تیسری میں اسمعیل بن ابی خالد ہیں، ان میں سے کوئی راوی قتادہ اور ان کے اعلی راویوں سے اس جملہ کی روایت نہیں کرتا۔ البتہ ابن ماجہ کی سند میں قتادہ سے نیچے راوی سعید بن ابی عروبہ موجود ہیں لیکن اس حدیث میں بھی یہ جملہ موجود نہیں بلکہ دوسری تفصیل آتی ہے۔ چونکہ دار قطنی نے اپنی سند میں محض ''سعید،، کہا ہے، ان کی کوئی نسبت نہیں بیان کی، اس لئے معلوم نہیں کہ یہ کون سعید ہیں ۔ اگر یہ وہی سعید ابن بی عروبہ ہیں جن سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے تو وہاں ان کی روایت میں یہ جملہ موجود نہیں ۔ اور اگر وہ سعید نہیں ہیں تو کون سے سعید ہیں، معلوم نہیں ۔

بہر کیف یہ اضافہ دیگر کثیر روایتوں کے مقابلے میں منکر یا شاذ یا معلول کے درجہ کا ہے اور ناقابل قبول ہے۔

نیز یہ کہ اگر یہ وہی سعید بن عروبہ ہیں جن سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے جس میں یہ جملہ موجود نہیں تو ابن ماجہ کی روایت دارقطنی کی روایت کے مقابلے میں مرجح ہے۔ اس لئے کہ ابن ماجہ نے راوی کو اس کی نسبت کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں دارقطنی کی اس سند کے مقابلے میں دیگر احادیث کی اسناد بھی قوی ہیں۔ ان کے تمام راوی معروف و مشہور ہیں، اس لئے محض دارقطنی کا سعید سے مروی یہ اضافہ صرف نظر کر دیا جائے گا۔

تجزیہ :

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں اپنے باب کا عنوان ''لا وصیۃ لوارث،، کے الفاظ سے قائم کیا ہے۔ یہ جملہ محدثین کی روایت کا ہی ایک حصہ ہے۔ امام بخاری اس عنوان کے تحت بذات خود ایسی روایت نہیں لائے ہیں جس کا بعینہ متن '' لا وصیۃ لوارث،، ہو بلکہ حضرت عطاء کے واسطہ سے حضرت ابن عباس کا یہ اثر روایت کیا ہے ''کہ عطا نے ابن عباس سے روایت کیا کہ ابن عباس نے فرمایا کہ اولاً مال اولاد کے لئے تھا اور والدین کے حق میں وصیت تھی پس اللہ تعالی نے اس میں سے جس کو جس طرح پسند فرمایا منسوخ کر دیا، لہذا لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر اور والدین میں سے ہر ایک کے لئے ۱/۶ اور زوجہ کے لئے ۱/۸ یا ۱/۴ اور شوہر کے لئے ۱/۲ یا ۱/۴ حصہ مقرر کردیا۔'' صاحب فتح الباری نے اس کی شرح میں لکھا ہے(۱۰۷) کہ ''بخاری کا ترجمۃ الباب،، لا وصیۃ لوارث،، ایک مرفوع حدیث کا فقرہ ہے۔ چونکہ اس حدیث کے روایت کنندگان امام بخاری کی شرط کے مطابق پورے نہ اترتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے طریقہ کے مطابق متن حدیث کے الفاظ کو اپنے باب کا عنوان مقرر فرما دیا اور ترمذی و ابو داؤد

---

(۱۰۷) صحیح، بخاری، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۸۳ -
''عن عطاء عن ابن عباس قال کان المال للولد و کانت الوصیۃ للوالدین فنسخ اللہ من ذلک ما احب فجعل للذکر مثل حظ الانثیین، وجعل للابوین لکل واحد منھما السدس و جعل للمرأۃ الثمن و الربع و للزوج الشطر و الربع،،۔

وغیر هما نے اس حدیث کا متن اپنی سندوں سے روایت کیا ہے جو کہ حضرت ابو امامہ سے باین عبارت ہے ''سمعت رسول اللہ صلعم یقول فی خطبتہ فی حجة الوداع : ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیة لوارث''۔ اس حدیث کی سند کے ایک راوی اسمعیل بن عیاش ہیں جن کی روایت کو شامی مشائخ سے ائمہ کی ایک جماعت نے مکمل قوی بتایا ہے۔ ان ائمہ کے منجملہ امام احمد بن حنبل اور امام بخاری بھی ہیں اور اس حدیث کو اسمعیل بن عیاش نے شرحبیل بن مسلم سے روایت کیا ہے جو کہ شامی مشائخ میں محدثین کے نزدیک ثقہ شیخ ہیں اور ترمذی کے استخراج میں ان کا بصراحت ذکر موجود ہے۔ خود ترمذی نے اس حدیث کے متعلق ''حدیث حسن'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں نیز ترمذی اور نسائی نے اسی متن حدیث کو عمرو ابن خارجة سے روایت کیا ہے، ابن ماجہ نے حضرت انس سے اور دارقطنی نے عمرو بن شعیب اور حضرت جابر سے بھی روایت کیا ہے اور حضرت جابر کی روایت کے متعلق کہا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ان احادیث کی اسناد کے بارے میں اگرچہ محدثین نے گفتگو کی ہے لیکن مجموعی طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کی اصل ثابت ہے بلکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے '' کتاب الام'' میں کہا ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت تواتر کو پہنچ چکی ہے، چنانچہ فرمایا ہے ''ہم نے اہل فتوی اور ان تمام اہل علم بالمغازی قرشیین کو جن سے ہم سنتے رہے ہیں اس روایت کو نقل کرتے پایا، نیز ان کے ماسوا دوسرے حضرات کو بھی۔ ان میں سے کسی کا آنحضرت صلعم کے اس فرمان کو سال فتح مکہ میں ارشاد فرمانے سے اختلاف نہیں ہے اور جن اہل علم نے ان حضرات سے ملاقات کی وہ سب اس کو مسلسل روایت کرتے چلے آئے ہیں اس لئے یہ روایت ''نقل کافة عن کافة'' قرار پائی جو کہ خبر واحد سے قوی تر ہوا کرتی ہے، لیکن امام فخرالدین رازی نے اس قول پر اعتراض کیا ہے، اور بالفرض اس کو تسلیم کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک سنت کے ذریعہ نسخ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں امام شافعی کے نزدیک نسخ بذریعہ سنت نہیں بلکہ اس مسئلہ میں ان کے نزدیک اجماع حجت ہے جس کی امام شافعی

نے تصریح بھی کی ہے۔ وارث کے حق میں وصیت صحیح نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان کے لئے اب وصیت کرنا واجب نہیں رہا، البتہ اگر ورثاء اجازت دے دیں تو وصیت نافذ ہوگی۔

دارقطنی نے بذریعہ ابن جریج بواسطہ عطاء ابن عباس سے اس حدیث کو مرفوع روایت کیا ہے جس کا متن یہ ہے ''لا تجوز وصیة لوارث الا ان یشاء الورثة،، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ یہ حدیث باین معنی معلول کہی جا سکتی ہے ، کہ سند میں راوی کا نام بغیر نسبت صرف (عطا) کہہ کر روایت کیا گیا ہے، جس کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عطاء خراسانی ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح ہیں۔ واللہ اعلم۔ امام بخاری نے بھی اسی علت کے پیش نظر اس متن حدیث کو سنداً روایت نہیں کیا بلکہ حدیث کے متن کو اپنے باب کا عنوان کر دیا، (اور یہ عنوان مقرر کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ اصل متن بخاری کے نزدیک بھی ثابت الاصل ہے) اور عطا بن ابی رباح کی موقوف روایت حضرت ابن عباس سے بیان کر دی۔ چنانچہ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے، لیکن دوسری روایات کے سبب جو اسی مضمون کو ادا کرتی ہیں حکماً مرفوع قرار پاگئی۔

اسلامی ممالک میں قانون سازی :

بعض اسلامی ممالک بشمول مصر، شام، عراق، تیونس میں یہ نقطۂ نظر اختیار کیا گیا ہے کہ دادا کے لئے وصیت ایسے غیر وارث پوتے اور پوتیوں کے حق میں کرنا واجب ہے جن کا باپ اس دادا کی زندگی میں فوت ہوچکا ہو۔ چنانچہ دفعہ ۷۶ قانون الوصیة ۱۹۴۶ء مصر میں کہا گیا ہے کہ ''اگر میت نے اپنے اس بیٹے کی اولاد کے لئے جو اس کی حیات میں انتقال کر چکا تھا، خواہ یہ انتقال حکماً ہی کیوں نہ ہو، اس حصہ کی جو بیٹا زندہ ہونے کی حالت میں پاتا، وصیت نہ کی ہو تو (قانوناً) یہ لازم ہوگا کہ اس اولاد کے لئے میت کے ترکہ سے اس کے باپ کے حصہ کے بقدر ایک تہائی کی حدود میں وصیت موجود قرار دی جائے، بشرطیکہ یہ اولاد اس حالت میں غیر وارث ہو اور میت (دادا،

دادی) نے کسی دوسرے طریقہ (تصرف) سے اس اندازے کے مطابق جو قانوناً اس کے لئے مقرر تھا، مال نہ دیا ہو اور اگر کچھ مال دیا ہو لیکن وہ قانونی مقدار سے کم ہو تو اس کمی کے پورا کرنے کی حد تک قانونا وصیت لازمی قرار دے کر کمی کے بقدر اس کو پورا کیا جائے گا۔(۱۰۸)

البتہ اسلامی ممالک کے جبری وصیت سے متعلق وضع کردہ قوانین سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ یتیم پوتے پوتیاں (میت کے بیٹے کی موجودگی میں) وارث نہیں ہوتے۔ کیونکہ اگر مرحوم بیٹے کا حصہ ایک تہائی سے کم ہوتا ہے تو حصہ کے مطابق وصیت قرار دی جائے گی اور اگر حصہ ایک تہائی سے زائد ہے تو ایک تہائی کی حد تک عمل کیا جائے گا نیز یہ کہ وصیت واجبہ میں موصی لہ کے غیر وارث ہونے کی شرط خود ایک واضح ثبوت ہے، جس کے اطلاق کو محض یتیم پوتے پوتیوں تک محدود رکھنا اجتہاد پر مبنی نظر آتا ہے۔ البتہ دفعہ ۱۳ قانون الوصیۃ، ۱۹۴۶ع مصر کے تحت یہ امر جائز قرار دیا گیا ہے کہ موصی اپنے ترکہ کی تقسیم و تخصیص اپنے سب یا بعض ورثاء کے درمیان بذریعہ وصیت کر سکتا ہے، خواہ بعض کے حق میں ان کے شرعی حصہ سے اضافہ ہی کیوں نہ اختیار کیا گیا ہو، بشرطیکہ وہ اضافہ ایک تہائی سے متجاوز نہ ہو نیز یہ کہ اس وصیت کے نفاذ کے لئے ورثاء کی اجازت کی ضرورت نہ ہوگی۔(۱۰۹) چنانچہ مصر میں وصیت کا جو قانون بنایا گیا ہے اس کی تحت بالنتیجہ وارث کے حق میں وصیت (اختیاری) جائز قرار دی گئی ہے۔

---

(۱۰۸) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ابی الفضل (م ۸۵۲ھ)، مطبعۃ مصطفی البابی مصر، ۱۳۴۸ھ/۱۹۶۹ع، ج ۶، ص ۲-۳۰۱۔

(۱۰۹) اذا لم یوص المیت لفرع ولده الذی مات فی حیاته اومات معه ولو حکما بمثل ماکان یستحقه هذا الولد میراثاً فی ترکته لو کان حیا عند موته وجبت للفرع فی الترکة وصیة بقدر هذا النصیب فی حدود الثلث بشرط ان یکون غیر وارث والایکون المیت قدر اعطاه بغیر عوض من طریق تصرف آخر قدر ما یجب له، و ان کان اعطاه اقل منه وجبت له وصیة بقدر ما یکمله»۔

''تصح الوصیة بقسمة اعیان الترکة علی ورثة الموصی بحیث یعین لکل وارث او لبعض الورثة قدر نصیبه و تکون لازمة بوفاة الموصی، فاذن زادت قیمة عین لاحدهم علی استحقاقه فی الترکة کانت الزیادة وصیة»۔

جدید نقطۂ نظر :

چنانچہ جدید نقطہ نظر یہ ہے کہ سب سے پہلے تقسیم ترکہ کے قرآنی احکام وصیت کے ذریعہ نافذ ہوئے اور آیت وصیت نازل ہوئی۔ لیکن وصیت کا یہ حکم اقرباء اور والدین کے حصص کے اعتبار سے غیر معین تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے اسی آیت وصیت میں عدل کے تقاضے پورے کرنے کے لئے یہ پابندی لگادی کہ اگر کوئی موصی غیر عادلانہ طریقہ پر وصیت کرجائے تو اہل اختیار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ وصیت کو بدل کر تقاضائے عدل کے مطابق کر دیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کار جس میں موصی کو وصیت کا پورا اختیار دے دیا گیا تھا عملی زندگی میں دشواریوں کے بغیر چلنا مشکل تھا، لہذا مشیت ایزدی کا تقاضہ ہوا کہ والدین اور اقربین کے حصوں کا قانون میراث کے ذریعے تعین کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ وصیت کو بھی جائز رکھا، جس کی تعیین رسول اکرم نے ایک تہائی تک فرما دی۔ چنانچہ آیت مواریث اور آیت وصیت کے مطالعہ سے یہ امور واضح ہوتے ہیں :۔

۱ - میراث کے طے شدہ حصے لازمی طور پر والدین اور اقرباء کو ملیں گے۔

۲ - یہ حصے کم سے کم ہیں اور موصی وصیت کے ذریعہ عدل کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان مقررہ حصوں کے علاوہ بذریعہ وصیت دے سکتا ہے۔

۳ - موصی کو یہ اجازت ہے کہ وہ چاہے تو وصیت عدیم المال وارثوں کے حق میں کرے اور چاہے تو کسی غیر وارث یا کسی جائز خیراتی مد میں دے دے۔

نتیجۂ فکر :

اگرچہ بظاہر یہ امر اقرب الی العدل معلوم ہوگا کہ وصیت عدیم المال قرابت‌داروں کے حق میں کی جائے ، خواہ وہ وارث ہی

کیوں نہ ہو، لیکن آیت میراث کے ذریعہ ورثاء کے حصوں کے تعین کے بعد وصیت غیر وارث ھی کے حق میں بطور استحباب ثابت ہے ۔ بہر کیف، اسی بنیاد پر بعض ممالک اسلامیہ بالخصوص مصر نے وارث کے حق میں وصیت کو جائز قرار دیا اور ساتھ ھی غیر وارث ذوی الفروض یعنی یتیم پوتے، پوتیوں کے حق میں وصیت کو واجب قرار دیا ہے ۔ (یتیم پوتے پوتیوں کے حق میں وصیت واجبہ کے نافذالوقت قانون سے متعلق تفصیلی بحث باب ۳۷ ''حجب و حرمان،، کے تحت آرھی ہے) ۔

مندرجہ بالا مباحث پر غور و فکر کے بعد راقم الحروف اس نتیجے پر پہونچا ہے کہ حدیث ''لاوصیة لوارث،، بوجہ تلقی است (یعنی قبول امت) درجہ شہرت کو پہونچ گئی اور آیت وصیت ''کتب علیکم،، مطلق ہے اور آیت مطلق کی تخصیص خبر مشہور کے ساتھ بالاتفاق حنفیہ و شافعیہ درست ہے ۔ چنانچہ حدیث نبوی، ''لا وصیة لوارث،، خبر مشہور ھونے کے سبب اصل آیت وصیت غیر وارث کے حق میں وصیت کرنے کے حکم پر قائم رہے گی، لیکن یہ حکم واجب نہیں بلکہ استحباب کے درجہ میں ھوگا ۔ اس کی دو وجہیں ھیں ایک یہ کہ ''کتب،، کا لفظ فرض واجب اور مستحب سب کو شامل ہے اور دوسرے یہ کہ اگر یہ لفظ اپنے حکم میں (صرف) واجب ہے تو پھر وصیت نہ کرنے کی صورت میں غیر وارث ذوی القربی، یتامی و مساکین کے حق میں وصیت کا وجوب ثابت قرار دینا ھوگا، لیکن آیت وصیت اور آیات میراث کے مجموعی مطالعہ، رسول اکرم کی احادیث، اجماع اور امت کے تعامل کے پیش نظر وصیت کا حکم بربنائے استحباب غیر وارث ھی کے حق میں ثابت ھوتا ہے۔ اجنبی کے مقابلہ میں غیر وارث قرابت دار کا حق اولی اور افضل ہے ۔

ھند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطہ نظر :

بر صغیر ھند و پاکستان کی اعلی عدالتوں میں بھی وصیت کے بارے میں اس امر پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ وصیت وارث کے حق میں (بلا اجازت دیگر ورثاء) جائز نہیں ۔ نیز یہ کہ اجنبی (غیر وارث) کے حق میں بھی وصیت

ایک تہائی سے زائد نہیں کی جاسکتی ہے۔ (۱۱۰) البتہ موصی کے شیعہ فرقہ سے متعلق ہونے کی صورت میں وارث کے حق میں وصیت بلا اجازت دیگر ورثاء جائز و قابل نفاذ ہوگی۔

مصری قانون :

دفعہ ۴۔ ترکہ کی تقسیم حسب ذیل طریقہ پر ہوگی :۔

۱ - میت کی تجہیز و تکفین کے اخراجات (جس قدر کافی ہوں) اور میت پر جن لوگوں کا نان نفقہ واجب ہو اس کی ادائی،

۲ - میت کے ذمہ قرضوں کی ادائی،

۳ - شرعی مقررہ حد تک وصیت کا اجراء،

اس کے بعد بقیہ ترکہ ورثا میں تقسیم ہوگا۔

اگر میت کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو بقیہ ترکہ کی تقسیم کا طریقہ حسب ذیل طریقہ پر ہوگا :۔

۱ - جس شخص کے لئے میت نے نسب کا اقرار کیا ہو۔

۲ - حد شرعی سے زائد کی وصیت کا اجراء۔

جب یہ بھی موجود نہ ہوں تو اب ترکہ خزانہ عامرہ کا حق ہوگا۔

---

(۱۱۰) 2 Cal 184.
(1903) 3 Cal 683
39 IC 83
42 A11 497 = 61I. C. 947.
54 A11 93
136 I.C. 454
(1916) 41 Bom 377
(1932) 59 I.A. 74.
AIR 1933 Oudh 142 = 150 IC 330.
AIR 1934 Lah. 427 = 153 IC 33
AIR 1944 Oudh 139 = 216 IC 276
PLD 1958 Kar. 420

شام کا قانون :

دفعہ ۲٦۲ - (۱) ترکہ کی تقسیم حسب ذیل ترتیب پر کی جائے گی :-

(الف) میت کی تجہیز و تکفین اور جن لوگوں کا نفقہ میت کے ذمہ شرعاً بمقدار شرعی واجب ہو،

(ب) میت پر جو قرضے ہوں،

(ج) وصیت واجبہ کا اجراء،

(د) وصیت اختیاری کا اجراء،

(ہ) قانون ہذا کے بموجب مواریث کی تقسیم کا لازم ہونا۔

(۲) جب کہ کوئی وارث موجود نہ ہو تو ترتیب مواریث حسب ذیل ہوگی :-

(الف) وہ شخص وراثت کا مستحق ہوگا جس کے حق میں میت نے اپنے نسب کا اقرار کیا ہو،

(ب) اس وصیت کا اجراء جو اس مقدار سے زائد ہو جو شرعاً وصیت کے لئے مقرر کی گئی ہے،

(ج) جب کہ مذکورہ بالا میں سے کسی کا وجود نہ ہو تو ترکہ کا مال خزانہ عامرہ کا حق ہوگا۔

تیونس کا قانون :

دفعہ ۸۷ - ترکہ کی تقسیم حسب ذیل طریقہ پر ہوگی :-

(الف) اولاً ان حقوق کی ادائی جو ترکہ کی ذات سے متعلق ہوں،

(ب) تجہیز و تکفین کے مصارف،

(ج) ان قرضوں کی ادائی جو میت کے ذمہ ہوں،

(د)　وصیت صحیحہ کا اجراء،

(ہ)　تقسیم میراث،

اگر میت کا کوئی وارث موجود ہو تو پھر ترکہ سرکاری خزانہ کا حق ہوگا۔

مراکش کا قانون:

دفعہ ۲۲۳۔ ترکہ سے حسب ذیل حقوق متعلق ہوں گے:۔

(۱) وہ حقوق جو ترکہ کی ذات سے متعلق ہوں۔

(۲) میت کی مروجہ شرعی تجہیز و تکفین۔

(۳) میت پر ثابت شدہ قرضوں کی ادائی۔

(۴) وصیت صحیحہ کا اجراء۔

(۵) قانون ھذا کے مطابق تقسیم وراثت اور جب کوئی وارث موجود نہ ہو تو ترکہ بیت المال کا حق ہوگا۔

خلاصہ کلام:

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں حقوق متعلق بہ ترکہ کی ترتیب حسب ذیل ہوگی:۔

۱۔ میت کی تجہیز و تکفین۔

۲۔ تجہیز و تکفین کے بعد میت کے وہ قرضے ادا کئے جائیں گے جن سے بندوں کا حق متعلق ہو یعنی حقوق العباد کی ادائی کی جائے گی۔ جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے ان کی ادائی، بسبب موت میت کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اور ترکہ سے متعلق نہ ہوگی۔ ان کا ادا کرنا ورثاء پر لازم نہ ہوگا۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ورثا میت کے مال میں سے ادا کریں۔

۳۔ میت کے ذمہ قرضوں کی ادائی کے بعد مابقی ترکہ کے ایک تہائی کی حد تک غیر وارث قرابت دار یا اجنبی کے حق میں (جیسی صورت ہو)

میت کی وصیتوں کی تعمیل کی جائے گی۔ وصیت کے ایک تہائی سے زائد ہونے کی صورت میں اگر ورثاء ایک تہائی سے زائد میں وصیت جاری کرنے پر رضامند ہوں تو ایک تہائی مال سے زائد میں بھی وصیت جاری کی جا سکتی ہے۔ میت اپنے مال میں سے حقوق اللہ کی ادائی کے لئے بھی وصیت کر سکتی ہے مثلاً نذر، کفارہ، حج وغیرہ۔ ان پر وصیت کے احکام کا اطلاق ہوگا۔

۴۔ تجہیز و تکفین، قرضوں کی ادائی اور شرع کے مطابق وصیتوں کے اجراء کے بعد باقی ترکہ ان ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا جنکا حق وراثت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ تفصیلات کتاب کے آئندہ ابواب میں پیش کی گئی ہیں۔

تینتیسواں باب

مستحقین میراث

ترتیب میراث

۲۶۶ - علی الترتیب حسب ذیل افراد ترکہ کے مستحق ہوں گے :-

(۱) ذوی الفروض
(۲) عصبات
(۳) عصبہ نہ ہونے کی صورت میں رد علی ذوی الفروض
(۴) ذوی الارحام
(۵) مولی الموالات
(۶) مقرلہ ، بالنسب
(۷) موصی لہ بجمیع مال، اور
(۸) بیت المال۔

تشریح

تجہیز و تکفین، ادائی قرض و اجرائے وصیت کے بعد میراث کے مستحقین کے بارے میں اسلامی فقہی مکاتیب کے درمیان بہ لحاظ افراد و ترتیب اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف نہ صرف سنی و شیعی فقہ کے درمیان ہے بلکہ سنی فقہ کے مکاتیب فکر کے درمیان بھی ہے۔ احناف نے مستحقین میراث کے دائرہ کو دیگر مذاہب فقہ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ وسعت بخشی ہے۔ سطور ذیل میں بلحاظ افراد و ترتیب تمام فقہی مذاہب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حنفیہ :

احناف کے نزدیک ترکہ کے مستحق دس قسم کے لوگ ہیں جن کی

ترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) ذوی الفروض (۲) عصبۂ نسبی (۳) عصبۂ سببی یعنی مولائے عتاقہ (۴) مولائے عتاقہ کے ذکور عصبات (بنفسہ) (۵) رد علی ذوی‌الفروض (یعنی ذوی‌الفروض نسبی مین ان کے حقوق (حصص) کے بقدر باقی ماندہ ترکہ کی تقسیم) (٦) ذوی الارحام (۷) مولی الموالات (۸) مقرلہ بالنسب (یعنی جس کے لئے مورث نے نسب کا اقرار کیا ہو اور اس کا نسب کسی سے ثابت شدہ نہ ہو (جب کہ مقر (مورث) اپنے اقرار پر تادم زیست قایم رہا ہو)، (۹) موصی لہ بجمیع مال یعنی جس کے واسطے میت نے تمام مال کی وصیت کی ہو، اور (۱۰) بیت المال - (۱)

مالکیہ:

فقہاء مالکیہ کے نزدیک مستحقین ترکہ کی ترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) ذوی الفروض، (۲) عصبۂ نسبی، (۳) عصبۂ سببی یعنی مولائے عتاقہ، (۴) مولائے عتاقہ کے ذکور عصبات (بنفسہ)، (۵) رد علی ذوی الفروض، (٦) بیت المال (بشرط صحت انتظام) اور (۷) ذوی الارحام (جب کہ بیت المال کا انتظام عدل پر مبنی نہ ہو-) (۲) :

شافعیہ:

علماء شافعیہ کے نزدیک مستحقین میراث کی ترتیب حسب ذیل ہے -

(۱) ذوی الفروض (۲) عصبۂ نسبی، (۳) عصبۂ سببی یعنی مولائے عتاقہ، (۴) مولائے عتاقہ کے ذکور عصبات (بنفسہ)، (۵) بیت المال، اور (٦) ذوی الارحام (جب کہ بیت المال منتظم نہ ہو-) (۳) :

---

(۱) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۱۱-۸ رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ج ۵، صص ۵۳۸-۵۳۱ مجمع الانہر، داماد آفندی، محولا بالا، ج ۲، ص ۷۴۷-

(۲) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، الابی، صالح عبدالسمیع (فقہ مالکی) مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱۳٦٦ھ/۱۹۴۷ع، ج ۲، صص ۳۲-۳۲۸-

(۳) المہذب، فقیہ شافعی ابراہیم بن علی الفیروز آبادی، محولہ بالا، ج ۲، صص ۳۲-۲۵-

حنبلیہ:

علماء حنبلیہ کے نزدیک مستحقین میراث کی ترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) ذوی الفروض، (۲) عصبۂ نسبی، (۳) عصبۂ سببی یعنی مولائے عتاقہ، (۴) مولائے عتاقہ کے ذکور عصبات (بنفسہ)، (۵) مولاء موالات (۶) رد علی ذوی الفروض، (۷) ذوی الارحام، اور (۸) بیت المال ۔(۴) :

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک ورثاء کے دو اقسام ہیں:

(۱) ورثاء سببی یعنی وہ ورثاء جن کا رشتہ بذریعہ نکاح قایم ہو، مثلاً شوہر و زوجہ۔

(۲) ورثاء نسبی یعنی وہ ورثاء جن کا میت سے تعلق بذریعہ نسب ہو۔ متذکرہ بالا دونوں اقسام کے تحت حسب ذیل ترتیب قایم کی گئی ہے :۔

(۱) ذوی الفروض (۲) عصبات (۳) مولی العتاقہ، (۴) ذکور عصبات معتق، (۵) مولی الموالات (مولی تضمن بالجریرہ)، (۶) رد علی ذوی الفروض، (۷) ذوی الارحام، اور (۸) ولاء امام ۔(۵)

شیعی ورثاء بہ اعتبار استحقاق تین طبقوں میں تقسیم کیے گئے ہیں اور ہر طبقہ دو درجوں میں منقسم ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

طبقہ اول :

(الف) والدین،

(ب) اولاد، دراولاد، (خواہ کتنی ہی زیرین پشت کی کیوں نہ ہو)۔

طبقہ دوم :

(الف) اجداد (خواہ کتنے ہی بالا درجہ میں کیوں نہ ہوں)،

---

(۴) المحرر فی الفقہ الحنبلی، مجدالدین ابو البرکات، عبدالسلام ، محولہ بالا، ج ۱، ص ۹۷ - ۳۹۴ -

(۵) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، جلد ۲، القسم الرابع، ص ۹۳ - ۱۹۲ -

(ب) بھائی، بہن اور ان کی اولاد، در اولاد (خواہ کتنے ھی زیریں پشت میں ھوں)۔

طبقہ سوم :

(الف) چچا اور (ب) ماموں۔

شیعی فقہ کی رو سے طبقہ اول، طبقہ دوم اور طبقہ سوم کے ورثاء کو محروم کرتا ھے اور طبقہ دوم طبقہ سوم کے ورثاء کو محروم کرتا ھے لیکن ھر طبقہ کے دونوں درجہ کے ورثاء ایک ساتھ میراث لیتے ھیں البتہ ھر درجہ میں اقرب ابعد کو محروم کرتا ھے۔(۶)

ظاھریہ :

ظاھریہ مسلک کے بموجب ورثاء کی درجہ بندی حسب ذیل طریق پر کی گئی ھے :

(۱) ذوی الفروض، (۲) عصبات، (۳) مولاء عتاقہ، (۴) مولاء عتاقہ کے عصبات، (۵) مقرلہ بالنسب، (۶) بیت المال۔(۷)

راقم الحروف نے ذیل میں ھر فرد مستحق میراث کی تفصیل مرتب کرنے کے سلسلے میں حنفی مسلک کے مطابق اول الذکر ترتیب اختیار کی ھے، جس کے ضمن میں دیگر مکاتیب فقہ کا ذکر بھی کیا گیا ھے۔ اس کا سبب یہ ھے کہ حنفی فقہ میں میراث کے مستحق افراد کی تعداد سب سے زیادہ ھے جس کے احاطے میں دیگر فقہی مذاھب فقہ کے افراد ،مستحقین میراث بھی آجاتے ھیں۔ البتہ قانون کی دفعات اور ان کی تشریحات مرتب کرتے وقت صرف ان مستحقین میراث کا لحاظ رکھا گیا ھے جو عہد حاضر میں وراثت پانے کے مستحق ھو سکتے ھیں۔ چنانچہ مولاء عتاقہ، اس کے ذکور عصبات اور مولائے موالات کی میراث سے صرف نظر کیا گیا ھے۔

---

(۶) شرائع الاسلام، لنجم الدین جعفر الحلی، بحوالہ بالا، جلد ۲، القسم الرابع، صص ۱۹۳ - ۱۹۲ -

(۷) المحلی، ابن حزم، بحوالہ بالا، جلد ۶، ص ۳۱۲، ۳۷۱ اور ۳۷۳ -

ورثاء نسبی کی اقسام

۲۶۷ - ورثاء نسبی کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :-

(۱) ذوی الفروض ،

(۲) عصبات ، اور

(۳) ذوی الارحام -

تشریح

علم میراث کی اصطلاح میں ذوی الفروض یا اصحاب الفرائض وہ قرابت دار ورثاء کہلاتے ہیں جن کے حصے میت کے ترکہ میں سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مقرر فرما دئے ہیں - ان میں وہ ورثاء بھی شامل ہیں جن کے لئے ایک حالت میں (بطور مثال) نصف اور دوسری حالت میں چوتھائی مقرر ہے - فقہاء کرام نے ذوی الفروض کی تعریف اس طرح بیان کی ہے کہ ''ذی فرض،، وہ وارث ہے جس کے واسطے قرآن مجید میں یا حدیث میں یا بالاجماع کوئی حصہ معین ہو-(۸)

''فروض،، یا ''فرائض،، جمع ہیں ''فریضہ،، کی، جس کے معنی ہیں ''مقررہ،، ''معینہ،،- ذوی جمع ہے ذو کی، جس کے معنی ہیں صاحب، مالک - اس طرح لغت کے اعتبار سے ذی فرض اگرچہ ہر حصہ دار کو کہا جاسکتا ہے لیکن علم میراث کی اصطلاح میں''ذی فرض ،،سے ایک معین حصہ دار مراد لیا جاتا ہے جس کا حصہ کتاب و سنت یا اجماع سے ثابت ہو-

ذوی الفروض یا اصحاب فرائض دوسرے تمام ورثاء پر مقدم ہیں ، کیونکہ اول تو خود اللہ تعالیٰ نے ان کے حصے اپنی کتاب میں بیان فرمادئے ہیں اور دوسرے رسول اکرم ص نے تصریح فرمادی ہے کہ ''اصحاب فرائض،، کو سب

(۸) الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہبالا، جز ۵،ص ۸۶ : ''ھم کل من کان له سهم مقدر فی کتاب اللہ تعالی او فی سنة رسوله اوبالاجماع -

المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، جلد ۲۹،ص ۱۳۸ ''اصحاب الفرائض ھم الذین لهم سهام مقدرة ثابتة بالكتاب والسنة او الاجماع،، -

الشریفیه، شرح سراجیه، شریف جرجانی، محولہ بالا،ص ۸، ''وھم الذین لهم سهام مقدرة فی کتاب اللہ او سنة رسوله او الاجماع،، -

سے پہلے ان کے حصے دو پھر جو بچ رہے وہ اولیٰ مذکر کے لئے ہے۔(۹) جس سے یہ امر ثابت ہوگیا کہ سب سے پہلے ان ورثاء کو حصے دیئے جائیں گے جو از روئے قرآن، سنت واجماع معین ہیں۔

۲۔ عصبات :

علم المیراث کی اصطلاح میں میت کی جانب سے قرابت رکھنے والے کو ''عصبہ،، کہتے ہیں جیسے بیٹا، بھائی و بہن وغیرہ۔ ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو ترکہ بچ رہتا ہے وہ عصبات کا حق ہوتا ہے۔ اس کے مقابل انگریزی اصطلاح Residuary مستعمل ہے لیکن یہ اصطلاح صرف عصبہ کی ''حقیت،، کی طرف اشارہ کرتی ہے خود عصبہ کی ''حقیقت،، کی طرف رہ نمائی نہیں کرتی، بنا بریں یہ انگریزی اصطلاح ناقص ہے اور صحیح معنی میں ''عصبہ،، کی تعریف کا احاطہ نہیں کرتی۔

۳۔ ذوی الارحام :

میت کے وہ تمام قرابت دار ذوی الارحام کہلاتے ہیں جو نہ ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات جیسے ماموں، خالہ وغیرہ۔

ذوی الفروض کی اقسام

۲۹۸۔ ذوی الفروض کی دو قسمیں ہیں :-

(الف) سببی، اور (ب) نسبی۔

---

(۹) صحیح البخاری، امام بخاری، محمد بن اسمعیل، محولہ بالا، ج ۲، ص ۹۹۷ ''الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھولاولی رجل ذکر،،۔

صحیح مسلم بشرح نووی، امام مسلم، ابو الحسن، محولہ بالا، ج ۱۱، ص ۵۲، ''اقسموالمال بین اھل الفرائض علی کتاب اللہ فما ترکت الفرائض فلاولی رجل ذکر،،

فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، محولہ بالا، جلد ۱۰، ص ۱۲۔

نیل الاوطار (شرح منتقی الاخبار)، شوکانی، محمد بن علی (م ۱۲۵۰ھ) مطبعۃ مصطفی البابی مصر، ۱۹۶۱ء، ج ۶، ص ۵۹۔

عمدۃ القاری، عینی، بدرالدین (م ۸۵۵ھ)، (شرح صحیح بخاری)، مطبوعہ مصر، ۱۳۴۸ھ ج ۲۳، صص ۲۳۱-۲۳۶۔

تشریح

الف۔ ذوی الفروض سببی :

ذوی الفروض سببی وہ ہیں جن کا باہمی تعلق زوجیت کے سبب ہو۔ یہ دو ہیں :

(۱) شوہر اور (۲) زوجہ۔

شوہر سے زوجہ کو یا شوہر کو زوجہ سے میراث پانے کا سبب نکاح ہے، جو ایک سببی تعلق ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کے درمیان نکاح صحیح ہو اور بوقت مرگ وہ نکاح حقیقتاً یا حکماً قائم ہو۔ فاسد یا باطل نکاح کی صورت میں باہم توارث نہیں ہوتا اس پر اجماع ہے۔ (۱۰) بعض اوقات شوہر اپنی زوجہ کا نسبی تعلق کے ذریعہ بھی وارث ہوتا ہے۔

ب۔ ذوی‌الفروض نسبی :

ذوی الفروض نسبی وہ ہیں جن کا تعلق میت سے نسب کے ذریعہ ہو۔ ذوی الفروض نسبی دس ہیں :۔

(۱) باپ (۲) ماں (۳) بیٹی (۴) پوتی (۵) حقیقی بہن (۶) علاتی بہن، (۷) اخیافی بھائی (۸) اخیافی بہن (۹) دادا اور (۱۰) دادی۔

ذوی الفروض نسبی کو ذوی الفروض سببی پر بلحاظ رتبہ تقدم حاصل ہے کیونکہ عصبہ موجود نہ ہونے کی صورت میں باقی ترکہ (جو ذوی الفروض نسبی و سببی کو ان کے معین حصے دینے کے بعد) بچے وہ حنفی، حنبلی اور شیعی

---

(۱۰) در المنتقی برحاشیہ مجمع الانہر، علاءالدین حصکفی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۷۴۷ ''فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعاً،،۔

احکام الترکات والمواریث (فقہ عام)، ابو زہرہ، محولہ بالا، صص ۳۲-۱۳۱ -

الترکۃ والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولا بالا، ص ۱۵۳ -

مجموعہ قوانین اسلام، ڈاکٹر تنزیل‌الرحمن (مولف کتاب ھذا)، ج ۱، صص ۷۴، ۱۰۱، ۱۵۳ -

مکاتیب فقہ کی رو سے ذوی الفروض سببی یعنی زوجین پر رد نہیں کیا جاتا، ماسوا چند استثنائی صورتوں کے، جن کا ذکر ''ردعلی ذوی الفروض،، کے تحت کیا گیا ہے۔

فرداً فرداً جملہ ذوی الفروض کی میراث کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔

مصری قانون :

دفعہ ۸ - وارث کے لئے جو حصہ (شرعاً) ترکہ میں مقرر کر دیا گیا ہے وہ فرض کہلاتا ہے، تقسیم ترکہ میں ذوی الفروض سے ابتداء کی جائے گی۔ یہ ذوی الفروض باپ، جد صحیح، ماں (خواہ کتنے ھی اوپر کے ھوں)، اخیافی بھائی، اخیافی بہن، شوھر، زوجہ، بیٹیاں، پوتیاں، (خواہ کتنے ھی نیچے کی ھوں) حقیقی بہنیں، علاتی بہنیں، جدہ صحیحہ (اوپر تک) ھیں۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲٦۵ - (۱) فرض وہ حصہ ہے جو ترکہ میں وارث کے لئے متعین کر دیا گیا ھو، اور ترکہ کی تقسیم میں اصحاب فرائض سے ابتدا کی جائے گی، جو حسب ذیل ھیں :

''باپ، عصبی دادا (خواہ کتنا ھی اوپر کا ھو) مادری بھائی، مادری بہن، شوھر، زوجہ، بیٹیاں پوتیاں، (خواہ کتنے ھی نیچے کی ھوں) حقیقی بہنیں، پدری بہنیں، ماں، جدہ ثابتہ خواہ کتنے اوپر کی کیوں نہ ھو۔،،

(۲) عصبی جد وہ ہے کہ اس کے اور میت کے درمیان کوئی عورت نسبت کا سبب نہ ھو۔ اگر اس کی میت کی جانب نسبت کرنے میں کسی عورت کو دخل ھوا تو یہ جد رحمی کہلائے گا۔

جدۂ ثابتہ وہ جدہ ہے جس کے اور میت کے درمیان کوئی جد رحمی نسبت کا ذریعہ نہ ھو۔

تیونس کا قانون :

دفعہ ۸۹ - وارث دو قسم کے ھیں - صاحبان فرض و صاحبان عصوبت۔

دفعہ ۹۰ ۔ مردوں کی جنس سے حسب ذیل لوگ وارث ہیں :

(۱) باپ (۲) دادا خواہ کتنا ہی اوپر کا ہو، بشرطیکہ عورت کے سلسلے سے نہ ہو (۳) بیٹا (۴) نیچے تک پوتا (۵) حقیقی یا پدری یا مادری بھائی، (۶) حقیقی بھائی یا پدری بھائی کا بیٹا (۷) حقیقی یا پدری چچا (۸) حقیقی یا پدری چچا کابیٹا اور (۹) شوہر ۔

عورتوں کی جنس سے حسب ذیل وارث ہیں :

(۱) ماں (۲) جدہ صحیحہ خواہ کتنے ہی اوپر کی ہو (۳) بیٹی (۴) نیچے تک کی پوتی (۵) حقیقی یا پدری یا مادری ہمشیرہ (۶) زوجہ ۔

دفعہ ۹۱ ۔ فرض وہ حصہ ہے جو میت کے ترکہ میں مقرر کردیا گیا ہے ۔ تقسیم وراثت میں اصحاب فروض کو مقدم کیا جائے گا مردوں میں سےباپ باپ کا باپ (اوپر تک) مادری بھائی، اور شوہر ۔

اور عورتوں میں سے ماں اور جدہ اوپر تک، بیٹی، پوتی نیچے تک، حقیقی بہن، مادری بہن اور زوجہ ۔

دفعہ ۹۲ ۔ فرض حصص کی تعداد چھ ہے ۔ نصف، چوتھائی، آٹھواں، دوتہائی،ایک تہائی، اور چھٹا ۔

دفعہ ۹۳ ۔ نصف حصہ کے مستحق پانچ افراد ہیں :

(۱) شوہر جب کہ بیوی کی کوئی مذکر یا مونث اولاد نہ ہو،

(۲) بیٹی جب کہ میت کی مذکر یا مونث اولاد نہ ہو،

(۳) پوتی جب کہ میت کی صلبی اولاد اور پوتا موجود نہ ہو،

(۴) حقیقی ہمشیرہ جب کہ میت کا باپ، بیٹا، بیٹی، اور پوتا، پوتی، اور حقیقی بھائی نہ ہو،

(۵) پدری ہمشیرہ جب کہ تنہا ہو، حقیقی بہن یا مذکورہ بالا میں سے کوئی وارث نہ ہو اور پدری بھائی و بہن بھی نہ ہوں ۔

دفعہ ۹۴ ۔ چوتھائی حصہ کے مستحق دو شخص ہیں :

(۱) شوہر جب کہ زوجہ کی اولاد موجود ہو،

(۲) زوجہ جب کہ شوہر کی کسی قسم کی اولاد نہ ہو۔

دفعہ ۹۵ - ۱/۸ (آٹھواں) حصہ زوجہ کا ہوگا جب کہ شوہر کا بیٹا یا بیٹی موجود ہو۔

دفعہ ۹۶ - دو تہائی حصے کے مستحق چار فرد ہیں :

(۱) دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں جب کہ میت کا لڑکا نہ ہو،

(۲) پوتیاں جب کہ میت کا بیٹا اور صلبی بیٹی نہ ہو یا پوتا نہ ہو،

(۳) حقیقی ہمشیرین جب کہ میت کا باپ، صلبی بیٹا، یا بیٹی اور حقیقی بھائی موجود نہ ہو،

(۴) مادری ہمشیرین جب کہ مذکورہ حقیقی افراد موجود نہ ہوں اور پدری بھائی بھی نہ ہو۔

دفعہ ۹۷ - ۱/۳ (ایک تہائی) حصہ کے مستحق تین افراد ہین :

(۱) ماں جب کہ میت کی نہ تو صلبی اولاد کسی قسم کی ہو اور نہ دو یا دو سے زیادہ بھائی موجود ہوں،

(۲) جب کہ صرف متعدد مادری بھائی ہوں اور باپ، دادا، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، موجود نہ ہوں،

(۳) دادا جب کہ اس کے ہمراہ میت کے بھائی ہوں تو پورے ایک تہائی کا مستحق ہوگا۔

دفعہ ۹۸ - چھٹے حصہ کے مستحق سات افراد ہین :

(۱) باپ جب کہ میت کا بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی، موجود ہو،

(۲) ماں جب کہ میت کا بیٹا، پوتا، اور دو یا زائد وارث ہوں یا محجوب ہوں،

(۳) پوتی جب کہ ایک بیٹی کے ہمراہ ہو اور اس کے ہمراہ پوتا بھی موجود نہ ہو،

(۴) پدری ہمشیرہ جب کہ اس کے ہمراہ حقیقی ہمشیرہ موجود ہو اور باپ بیٹا، بیٹی اور پدری بھائی موجود نہ ہوں،

(۵) مادری بھائی بشرطے کہ تنہا ہو، اور میت کا باپ، دادا، بیٹا، پوتا، پوتی، موجود نہ ہوں،

(٦) تنہا جدہ خواہ ماں کی جانب سے ہو یا باپ کی جانب سے ہو، جب دونوں جمع ہوں تو چھٹا حصہ ہی دونوں میں تقسیم کیا جائے گا، بشرطے کہ ایک ہی درجہ کی ہوں یا مادری بعید بھی ہوں لیکن مادری جدہ قریب تر ہوئی تو چھٹے حصہ کی مستحق ہوگی، اور

(۷) جد جب کہ بیٹا، یا پوتا موجود ہو اور باپ موجود نہ ہو۔

مراکشی قانون :

دفعہ ۲۳۱ - وارثوں کی تین قسمیں ہیں : وارث بحصہ فرضی فقط، اور وارث بعصبیت اور وارث بحصۂ فرض و عصوبت۔

۲۳۲ - فرض وہ حصہ ہے جو وارث کے لئے معین کردیا گیا ہے، اور ترکہ کی تقسیم میں صاحب فرض وارث کو مقدم کیا جائے گا۔

۲۳۳ - جب کہ ذوی الفروض میں سے کوئی موجود نہ ہو، یا موجود ہو لیکن ترکہ (فرائض حصص کے بعد) باقی رہتا ہو تو کل ترکہ یا زائد بقیہ ترکہ ذوی الفروض کے بعد نسبی عصبہ کا حق ہوگا۔

۲۳۴ - اصحاب فرائض وارث چھ ہیں : ماں، جدہ، زوج، زوجہ، مادری بھائی اور مادری بہن -

۲۳۵ - وارث بالتعصیب فقط سات ہیں : بیٹا، پوتا، حقیقی و پدری بھائی، چچا، چچا کا بیٹا، اور بھائی کا بیٹا۔

۲۳٦ - جو افراد فرض اور عصوبت دونوں ذریعہ سے وارث ہوتے ہیں : دو ہیں باپ، دادا۔

۲۳۷- جن ورثاء میں فرض اور عصوبت دونوں جمع نہیں ہوتے، چار ہیں : بیٹی، پوتی، حقیقی ہمشیرہ اور پدری ہمشیرہ۔

۲۳۸- جو فرض حصے معین ہیں وہ چھ ہیں : نصف، چوتھائی، آٹھواں، دوتہائی، ایک تہائی، چھٹا۔

۲۳۹- نصف کے مستحق پانچ اشخاص ہوتے ہیں :

(۱) زوج، جب کہ زوجہ کی نرینہ یا مونث اولاد موجود نہ ہو،

(۲) بیٹی، جب کہ اس کے ساتھ میت کا بیٹا یا دوسری بیٹی موجود نہ ہو،

(۳) پوتی، جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی اور پوتا موجود نہ ہو،

(۴) حقیقی ہمشیرہ، جب کہ میت کا باپ، بیٹا یا بیٹی، اور پوتا، پوتی اور حقیقی بھائی موجود نہ ہوں، اور

(۵) پدری ہمشیرہ، جب کہ وہ لوگ موجود نہ ہوں جن کو حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ بیان کیا گیا، اور پدری بھائی اور پدری بہن بھی موجود نہ ہوں۔

۲۴۰- چوتھائی فرض کے مستحق دو فرد ہیں :

(۱) زوج جب کہ زوجہ کی کسی قسم کی اولاد موجود ہو، اور

(۲) زوجہ، جب کہ شوہر کی کسی قسم کی اولاد موجود نہ ہو۔

۲۴۱- آٹھواں فرض (حصہ) کا مستحق وارث ایک ہے : زوجہ جب کہ زوج کی کسی قسم کی اولاد موجود ہو۔

۲۴۲- دوتہائی کے مستحق چار فرد ہیں :

(۱) دو یا زائد بیٹیاں جب کہ میت کا کوئی بیٹا موجود نہ ہو،

(۲) دو یا زائد پوتیاں، جب کہ میت کا صلبی بیٹا، یا بیٹی، یا پوتا، موجود نہ ہو،

(۳) دو یا زائد حقیقی ہمشیرین، بشرطے کہ میت کا باپ، صلبی بیٹا بیٹی، حقیقی بھائی موجود نہ ہو، اور

(۴) دو یا دو سے زائد پدری ھمشیرین، بشرطے کہ ان کے ساتھ وہ لوگ موجود نہ ھوں جن کو حقیقی ھمشیروں میں بیان کیا گیا ھے اور مادری بھائی بھی موجود نہ ھو

۲۴۳ - تہائی کے مستحق تین وارث ھوتے ھیں :

(۱) میت کی ماں، بشرطے کہ میت کی کسی قسم کی اولاد اور دو یا زائد بھائی موجود نہ ھوں،

(۲) مادری بھائی، بشرطے کہ متعدد ھوں اور میت کا باپ اور نانا، صلبی کسی قسم کی اولاد اور پوتا، پوتی موجود نہ ھوں، اور

(۳) جد جب کہ میت کے بھائیوں کے ساتھ ھو تو اس کا حصہ تہائی ھوگا۔

۲۴۴ - چھٹے حصہ کے مستحق سات وارث ھوتے ھیں :

(۱) باپ ،جب کہ میت کا بیٹا، یا پوتا یا دو یا زائد بھائی بصورت وارث موجود ھوں،

(۲) ماں، جب کہ میت کی کسی قسم کی اولاد یا دو اور دو سے زائد بھائی بہنیں کسی قسم کے بھی موجود ھوں،

(۳) پوتی، جب کہ اس کے ساتھ میت کی ایک بیٹی موجود اور پوتا موجود نہ ھو،

(۴) پدری ھمشیرہ، بشرطے کہ اس کے ھمراہ میت کی حقیقی ھمشیرہ ھو، اور میت کا باپ اور کسی قسم کی اولاد، اور پدری بھائی موجود نہ ھوں،

(٥) مادری بھائی، بشرطے کہ تنہا ھو خواہ مرد ھو یا عورت اور بشرطے کہ اس کے ساتھ میت کا باپ دادا، اور کسی قسم کی اولاد موجود نہ ھو،

(٦) اور جدہ، جب کہ تنہا ھو ، خواہ دادی ھو یا نانی ، اگر دونوں موجود ھوں تو چھٹا حصہ دونوں میں تقسیم کیا جائے گا جب کہ

درجہ میں مساوی ہوں یا نانی بعیدہ ہو، لیکن اگر نانی قریب ہے اور دادی بعید ہو تو کل چھٹا نانی کا حق ہوگا، اور

(ے) دادا، جب کہ میت کا بیٹا، یا پوتا، موجود ہو اور باپ موجود نہ ہو۔

الف ۔ ذوی الفروض سببی کی میراث

شوہر کی میراث

۲٦۹ ۔ شوہر کی میراث کی دو حالتیں ہیں :۔

(۱) زوجہ متوفیہ کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو کل ترکہ کا نصف ملے گا ، اور

(۲) زوجہ متوفیہ کی اولاد موجود ہونے کی صورت میں شوہر کل ترکہ کا چوتھائی پائے گا ۔

توضیح :۔ جس اولاد کی وجہ سے شوہر (یا زوجہ) کے حصہ میں کمی واقع ہوتی ہے ، وہ بیٹا ، بیٹی ، پوتا ، پوتی یا پوتے کا بیٹا یا بیٹی یا پرپوتا یا پڑپوتی ہیں (خواہ کتنے ہی زیریں پشت میں ہوں) ۔ اس میں بیٹی کی اولاد شامل نہیں ہے ۔

تشریح

شوہر سے مراد میت کا شوہر ہے۔ زوجہ کی میراث میں حصہ پانے کے لئے شوہر کی دو حالتین ہیں :۔

۱ ۔ ایک یہ کہ جب زوجہ متوفیہ کے کوئی بیٹا (خواہ کتنی ہی زیرین پشت کا ہو) یابیٹی موجود ہو تو کل ترکہ کا چوتھائی حصہ شوہر کو ملے گا۔ البتہ اگر کوئی بیٹا (خواہ کتنے ہی زیرین درجہ کا کیوں نہ ہو) یا کوئی بیٹی نہ ہو تو شوہر کو کل ترکہ کا نصف ملے گا۔

اس کی بنیاد قرآن کریم میں سورۂ نساء (۱۱) کی آیت کا وہ حصہ ہے جس میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ ''تم (شوہروں) کے واسطے نصف ہے

---

(۱۱) ۴ : ۱۲ (النساء ۴) :

''ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد، فأن کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن''۔

اس میں جو تمہاری بیبیاں چھوڑیں اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کے کوئی اولاد ہو تو پھر جو ترکہ وہ چھوڑیں اس میں تمہارے واسطے ایک چوتھائی ہے،،۔ شوہر و زوجہ کا حق کبھی کلیۃ ساقط نہیں ہوتا، البتہ اولاد کے (ذی فرض یا عصبہ) موجود ہونے کے سبب حجب نقصان واقع ہو جاتا ہے یعنی حصہ میں کمی آ جاتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جس اولاد کی وجہ سے زوجہ یا شوہر کے حصے میں کمی آتی ہے وہ بیٹا ، بیٹی، پوتا، پوتی یا پوتے کا بیٹا یا بیٹی یعنی پرپوتا یا پر پوتی ہیں۔ لفظ ''ولد،، میں بیٹی کی اولاد (خواہ مذکر ہو یا مونث) شامل نہیں۔(۱۲) چنانچہ میت کی بیٹی کی اولاد یعنی نواسہ، نواسی یا نواسی کی اولاد (ذوی الارحام) ہوں تو اس وجہ سے زوجہ یا شوہر کی حصے میں کمی نہ آئے گی۔

زوجین میں سے کوئی کسی کو محجوب نہیں کرتا۔

میراث شوہر پر عول کا اثر :

شوہر کا مندرجہ بالا مقررہ حصہ اس صورت میں ہے جب کہ ذوی الفروض کے حصوں کے بقدر ترکہ پوری اکائی پر تقسیم ہوجائے لیکن اگر ذوی الفروض کے درمیان ترکہ پوری اکائی میں تقسیم نہ ہو سکتا ہو تو پھر ''عول،، کے ذریعہ شوہر کے حصہ میں بھی کمی واقع ہو جائے گی، مثلاً مسئلہ شریحیہ میں جس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر، ماں، دو حقیقی بہنیں، اور دو اخیافی بہنوں کو چھوڑا تو اصل مسئلہ چھ سے دس کی طرف عول کر جائے گا اور تقسیم اس طرح ہو گی کہ شوہر کو بجائے ۳/۶ کے ۳/۱۰ ملے گا۔ ماں کو ۱/۱۰ حقیقی بہنوں کو ۴/۱۰ اور اخیافی بہنوں کو ۲/۱۰ ملے گا (عول کے مسئلہ پر تفصیلی بحث علیحدہ آرہی ہے)۔

چند استثنائی صورتیں :

اگر شوہر نے بحالت مرض موت اپنی زوجہ کو طلاق دی اور دوران عدت زوجہ کا انتقال ہوگیا تو شوہر اس کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ زوال نکاح

---

(۱۲) احکام القرآن، الجصاص،ابو بکر (م ۳۷۰ھ)مطبوعہ مصر ج ۲، ص ۸۴۔

کا سبب خود شوہر تھا ۔(۱۳)

اگر شوہر نے بحالت صحت اپنی زوجہ کو بلا قید وقت تین طلاق تفویض کیں اور زوجہ نے اس حق کو اپنی حالت مرض میں استعمال کیا اور خود کو طلاق بائن دے دی جیسا کہ اس کو اختیار دیا گیا تھا، اور پھر عدت کے اندر مرض کی حالت میں مرگئی تو شوہر کو اس کی میراث ملے گی۔ لیکن اگر اس دوران میں شوہر مرگیا تو وہ اس کی وارث نہ ہو گی کیونکہ طلاق بائن کے ذریعہ سبب ارث یعنی زوجیت کو زائل کرنے کی وہ (زوجہ) خود ذمہ دار ہے ۔(۱۴)

زوجین پر رد :

زوجین کی میراث کے مسئلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اگر ترکہ ذوی الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد بچ رہے اور کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک بقیہ ترکہ صرف ذوی الفروض نسبی پر رد کیا جاتا ہے۔ زوجین پر، بجز چند استثنائی صورتوں کے، رد نہیں کیا جاتا۔ (تفصیل ''رد،، کے باب میں آرہی ہے)۔

مصری قانون :

دفعہ ۱۱ - جب کہ میت کا بیٹایا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو تو شوہر کا چوتھائی حصہ فرض ہوگا، اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں نصف ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲٦۸ - اگر میت کا بیٹا یا پوتا نیچے تک موجود نہ ہوا تو شوہر کوترکہ کانصف ملے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۰۱ — شوہر کی دو حالتیں ہیں :

(۱) ۱/۲ جب کہ میت کی اولاد بیٹا یا اولاد کی اولاد، پوتا موجود نہ ہو،

---

(۱۳) احکام المواریث فی الشریعة الاسلامیه، عمر عبدالله، محوله بالا، ص ۱۲٦ -

(۱۴) احکام المواریث فی الشریعة الاسلامیه، عمر عبدالله، محوله بالا، ص ۱۲٦ -

(۲) ۱/۴ جب کہ مذکورہ افراد موجود ہوں۔

زوجہ کی میراث

۲۷۰ - زوجہ کی میراث کی دو حالتیں ہیں :

(۱) شوہر متوفی کی اولاد در اولاد نہ ہونے کی صورت میں کل ترکہ کا چوتھائی پانے کی مستحق ہو گی ، اور

(۲) اولاد یا در اولاد ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ پانے کی مستحق ہو گی ۔

توضیح :- (۱) ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں متذکرہ بالا حصہ سب بیویوں میں برابر تقسیم ہو گا ۔

(۲) اولاد کی توضیح جو دفعہ سابق میں کی گئی ہے اس کا اطلاق دفعہ ہذا پر بھی کیا جائے گا ۔

تشریح

زوجہ سے مراد میت کی زوجہ ہے ۔ زوجہ بھی اپنے شوہر سے نکاح کے ذریعہ سببی تعلق کی بناء پر اپنے شوہر کی وارث ہوتی ہے بشرطے کہ نکاح صحیح ہو اور بوقت مرگ نکاح حقیقتاً یا حکماً(۱۵) قایم ہو خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ فاسد یا باطل نکاح کی صورت میں (باہم) توارث نہ ہوگا۔ اسی طرح اختلاف دین کے سبب زوجہ وارث نہ ہوگی مثلاً یہ کہ شوہر مسلمان ہو اور زوجہ کتابیہ -(۱۶)

زوجہ کتابیہ کے وارث نہ ہونے کا حکم زوجہ مسلمہ و زوجہ کتابیہ کے درمیان فرق مراتب پر مبنی ہے ۔ اسی فرق مراتب کے بناء پر زوجہ مسلمہ

---

(۱۵) حکماً نکاح قائم ہونے کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے طلاق رجعی دی ہو طلاق رجعی میں عدت ختم ہونے تک نکاح قائم رہتا ہے۔ (مولف) ۔

(۱۶) احکام الترکات و المواریث (فقہ عام) ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۳۲ - ۱۳۱ - احکام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ۱۲۳

مجموعہ قوانین اسلام، مولف کتاب ہذا، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۷ -

حرہ، زوجہ مسلمہ کنیزہ اور زوجہ غیر مسلمہ (کتابیہ) کے درمیان متعدد احکام میں امتیاز روا رکھا گیا ہے۔ مثلاً زوجہ حرہ مسلمہ نکاح صحیح کے بعد محصنہ ہوتی ہے جس پر زنا کی مقررہ حد جاری کی جاتی ہے جب کہ زوجہ کنیزہ کے لئے حرہ مسلمہ کے مقابلہ میں نصف حد (سزا) ہے لیکن زوجہ کتابیہ محصنہ شمار نہیں ہوتی اور اس پر حد زنا جاری نہیں ہوتی۔ پہلی صورت میں زوجہ مسلمہ حرہ اور زوجہ کنیزہ باوجود یکہ اسلام اور زوجیت میں یکساں درجہ رکھتی ہیں لیکن آزادی اور غلامی کی صفات کی تفریق سے دونوں کے حکم میں فرق کردیا گیا ہے۔ اسی طرح زوجہ مسلمہ اور زوجہ کتابیہ اگرچہ صفت زوجیت میں یکساں ہیں لیکن اختلاف دین کے سبب حکم میراث میں فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔

زوجہ کے استحقاق میراث کی حالتیں :

استحقاق میراث کے لئے شوہر کی طرح زوجہ کی بھی دو حالتیں ہیں :

۱ - ایک یہ کہ میت کے کوئی اولاد نہ موجود ہو ، اور

۲ - دوسری یہ کہ اولاد موجود ہو، خواہ وہ اولاد میت کی کسی بھی زوجہ سے ہو۔

پہلی صورت میں زوجہ چوتھائی ترکہ کی مستحق ہو گی جب کہ دوسری صورت میں آٹھویں حصے کی مستحق قرار پائے گی۔ جہاں حصوں کا تقرر صرف رشتہ کی بنیاد پر ہے اور تعداد کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے وہاں اصول یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے بعض ورثاء کو جہاں ان کی تعداد ایک سے زیادہ ہو مجموعی طور پر اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا کہ ان میں سے ایک ہی وارث کو ملتا ہے۔ چنانچہ اگر میت کی زوجات ایک سے زائد ہوں تو سب حسب تصریح چوتھائی یا آٹھویں حصے میں (جیسی بھی صورت ہو) باہم شریک ہوں گی۔(۱۷) اس اصول کا اطلاق زوجہ کے علاوہ دادی اور نانی پر بھی ہوتا ہے۔

(۱۷) مختصر الطحاوی، الطحاوی، احمد محمد سلامہ (م ۳۲۱ھ)، مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن، ۱۳۷۰ھ ص ۱۴۳۔

زوجہ کے حصہ کی بنیاد قرآن پاک کی اس آیت پر ہے کہ ''بیویوں کے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو تم چھوڑو بشرطے کہ تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ ہے''۔ (۱۸) اگر بیٹا (میت کا) قاتل ہو یا غیر مسلم ہو یا مرتد ہو جائے تو اس صورت میں شرعاً اس کا وجود عدم کے برابر متصور ہوگا اور زوجہ یا شوہر (جیسی صورت ہو) کا حصہ کم نہ ہوگا۔ (۱۹)

زوجہ کی میراث اور عول :

زوجہ کے معین حصہ کی بھی وہی صورت ہے جیسا کہ شوہر کی میراث کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ ترکہ ذوی الفروض کے درمیان پوری اکائی میں تقسیم ہو جاتا ہو۔ چنانچہ اکائی میں تقسیم نہ ہو سکے کی صورت میں عول کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر شوہر نے اپنے پیچھے بیوی، باپ، ماں اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ اصل مسئلہ ۲۴ سے ۲۷ کی طرف عول کر جائے گا اور بیوی کو ۳/۲۴ کے بجائے ۳/۲۷ باپ کو ۴/۲۷ ماں کو ۴/۲۷ اور بیٹیوں کو ۱۶/۲۷ ملے گا۔ (عول کے مسئلہ پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے)۔

زوجہ کی میراث کی شرائط :

زوجہ کی میراث کے مندرجہ بالا احکام اس صورت میں متعلق ہوں گے جب کہ شوہر کی وفات کے وقت نکاح حقیقتاً یا حکماً قایم ہو۔ البتہ اگر شوہر نے بحالت صحت اپنی زوجہ کو طلاق رجعی دی اور ابھی وہ عورت عدت ھی میں تھی کہ اس مرد کا انتقال ہوگیا تو وہ عورت اس مرد کی وارث ہوگی کیوں کہ طلاق رجعی سے نکاح ختم عدت پر منقطع ہوتا ہے لیکن اگر طلاق بائن دی تو وارث نہیں ہو گی کیونکہ طلاق بائن کے سبب نکاح فی‌الفور ختم ہوگیا تھا، اور چونکہ طلاق بحالت صحت دی گئی تھی اس لئے عدت کے دوران مرد کے وفات پا جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور زوجہ وارث نہ ہوگی۔(۲۰) یا نکاح

(۱۸) ۴ : ۱۲ (النساء ۴) :
''ولهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم''
(۱۹) الشریفیه، شرح سراجیه، سید شریف جرجانی، محوله بالا، ص ۴۹ -
(۲۰) احکام الترکات و المواریث (فقه عام)، ابو زهره ، محوله بالا، ص ۱۲۳ -

خلع، مبارات یا عدالتی تفریق کے ذریعہ (بحکم طلاق بائن) فسخ ہوگیا اور اس کے بعد شوہر کا انتقال ہوا تب بھی زوجہ وارث نہ ہو گی کیونکہ مندرجہ بالا صورتوں میں بھی رشتہ نکاح قبل از وفات زائل اور منقطع ہو چکا تھا۔ لیکن اگر شوہر نے زوجہ کو بحالت مرض موت طلاق بائن یا مغلظہ دی اور شوہر عدت کے دوران یا عدت گزرنے کے بعد مرگیا تو ان صورتوں میں میراث کے احکام میں ائمہ کےدرمیان اختلاف ہے۔ (۲۱) احناف کے نزدیک عدت کے دوران شوہر کے مر جانے کی صورت میں وارث ہوگی۔

مرض الموت کی تعریف :

مجلة الاحکام العدلیه کی دفعہ ۱۵۹۵ میں مرض الموت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ ''وہ مرض جس میں موت کا خوف غالب ہوتا ہے اور مریض جب کہ مرد ہو تو مرض کی موجودگی میں مکان سے باہر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں نکلنے سے عاجز ہو، اور اگر مریض عورت ہو تو گھر کے کام کاج سے عاجز ہو، نیز یہ کہ اسی حالت میں ایک سال گزرنے سے پہلے انتقال کر جائے، بلا امتیاز اس کے کہ وہ صاحب فراش ہو یا نہ ہو۔ اور اگر اس کا مرض طول پکڑ جائے اور بحالت مرض ایک سال گزر جائے درآں حالے کہ مرض ایک حالت پر قایم ہو تو وہ شخص تندرست کے حکم میں ہوگا اور اس کے تصرفات ایک تندرست شخص کے تصرفات کے مانند ہوں گے، جبکہ اس شخص کے مرض نے نہ تو شدت پکڑی ہو اور نہ اس کی حالت تبدیلی ہوئی ہو۔ لیکن اگر اس کا مرض شدت پکڑ جائے اور اس کی حالت بدل جائے اور بالآخر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو جائے تو حالت بدل جانے کے وقت سے انتقال تک اس کے حال کا اعتبار بطور مرض موت کے کیا جائے گا۔(۲۲)

کتب فقہ میں طلاق بحالت مرض موت کو اس حالت سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں ہلاکت کا غالب امکان یا خوف پایا جاتا ہو اور مرد عورت کو

(۲۱) مجموعہ قوانین اسلام، مولف کتاب ھذا، ج ۲، مطبوعہ راولپنڈی، ۱۹۶۷ع، ص ۳۶-۳۲۸۔

(۲۲) مجلہ میں بیان شدہ مرض الموت کی یہ تعریف مالی معاملات سے متعلق ہے اور کتب فقہ میں وراثت ہی کی بحث سے اخذ کی گئی ہے جس کے تحت اکثر مالی مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ (مؤلف)۔

طلاق دے کر عورت کے حق میں میراث سے بھاگنا چاہتا ہو۔(۲۳) اسی لئے فقہی اصطلاح میں اسے ''طلاق الفار،، سے موسوم کیا گیا ہے یعنی بھاگنے والے کی طلاق۔

فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ مرض الموت کی تعریف یہ ہے کہ مرض اور غیر مرض کے مقابلہ میں ہلاکت کا غالب امکان ہو اور بیماری نے اتنا عاجز کر رکھا ہو کہ وہ مرد اس بناء پر اپنے معاملات کے سلسلہ میں گھر سے باہر نہ جاسکتا ہو اور ضروری کاروبار انجام نہ دے سکتا ہو۔ عورت کے حق میں حد مرض یہ ہے کہ وہ گھر کا کام کاج کرنے سے معذور ہوجائے۔(۲۴)

مرض الموت کی شرائط:

۱۔ مرض میں موت کا غالب امکان موجود ہو،

۲۔ مریض کے دماغ میں اس مرض سے مرجانے کا خدشہ ہو،(۲۵)

۳۔ مرض کے سبب مرد یا عورت اپنے تمام امور کو انجام دینے کی قدرت نہ رکھتے ہوں۔(۲۶) مثلاً مرد گھر سے باہر نہ نکل سکے اور عورت گھر کے کام کاج سے معذور ہو جائے۔

مرض الموت کیا ہے؟ اس سلسلے میں ہماری پاکستانی عدالتوں نے بھی جو اظہار خیال کیا ہے وہ اکثر فقہاء کی تشریحات کے مطابق ہے۔ چنانچہ بمقدمہ شمشاد علی شاہ بنام سید حسن شاہ (۲۷) سپریم کورٹ پاکستان نے قرار دیا کہ مرض الموت کے تعین کے لئے عدالت کو یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا ہبہ(۲۸)

---

(۲۳) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۷
الحالة التي يصيربها الرجل فاراً بالطلاق . . . ما يغلب فيها الهلاک ای خوفه،،

(۲۴) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۸

(۲۵) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۸

(۲۶) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۸
فتح القدیر، ابن همام، کمال الدین (م ۶۸۱ھ)، مطبعة المصطفی البابی، مصر، ۱۳۵۶ھ، ج ۳، ص ۱۵۵

(۲۷) پی ایل ڈی، ۱۹۶۴ء، سپریم کورٹ، ۱۴۳

(۲۸) یہ مقدمہ اگرچہ ہبہ بحالت مرض موت سے متعلق ہے لیکن مرض الموت کے سلسلے میں جو بحث کی گئی ہے اس کا اطلاق بعض دیگر احکام پر بھی کیا جاسکتا ہے۔

موت کے فوری خطرے کے احساس کے دباؤ کے تحت کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس امر کو طے کرنے کے لئے کہ کیا ایک بیمار شخص کے ہبہ پر مرض الموت کے اصول کا اطلاق ہو سکتا ہے عدالت کو حسب ذیل حقایق پر غور کرنا چاہئے :۔

۱۔ کیا مرض کی حالت اور نوعیت ایسی تھی کہ جو بیمار شخص کے ذہن میں اس یقین کو تقویت پہنچانے والی تھی کہ اس مرض سے موت واقع ہو جائے گی یا موت کے خوف کو پیدا کرتی تھی ؟

۲۔ کیا واہب ہبہ کے وقت ایک ایسے مرض میں مبتلا تھا جو اس کی موت کا فوری سبب ہوا ؟

۳۔ کیا بیماری ایسی تھی جو اس کو حسب معمول مشاغل کی ادائی سے ناقابل بنانے والی تھی۔ ایک ایسی صورت حال جو بیمار کے ذہن میں موت کا خوف پیدا کر سکتی تھی۔

۴۔ کیا وہ بیماری اتنے عرصے تک جاری رہی کہ اس کے ختم ہونے یا فوری ہلاکت کے خوف کو کم کرنے والی تھی یا یہ کہ بیمار کو اس مصیبت کا خوگر بنانے والی تھی۔

جسٹس کیکاؤس نے مندرجہ بالا مقدمہ شمشاد علی شاہ بنام حسن شاہ میں اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ ''بعض شرحوں اور فیصلوں میں ہبہ بحالت مرض موت کے سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ مرض الموت کے اصول کے اطلاق کے لئے ضروری ہے کہ موت حقیقت میں مرض کے سبب سے ہوئی ہو۔ فاضل جج نے لکھا ہے کہ میں اس سے متفق نہیں ہوں، اگر ایک شخص سریع تپ دق میں (galloping tuberculosis) میں مبتلا ہو اور اس لئے جب اس نے ہبہ کیا تو موت کے خوف میں مبتلا تھا لیکن وہ شخص کسی دوسرے کے ہاتھ سے گولی سے مارا جائے یا کسی حادثہ میں مرجائے یا ہیضے یا کسی (دیگر) وبائی مرض میں ہبہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مرجائے تو میں ایسی کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ایسی صورت میں مرض الموت کے اصول کا اطلاق نہ کیا جائے۔

جناب جسٹس کیکاؤس کا یہ استدلال صحیح معلوم ہوتا ہے اگرچہ سوائے اللہ تعالی کے کسی کو علم نہیں کہ اس کی موت اسی مرض میں دوران مدت عدت یقیناً واقع ہو جاتی اس لئے اسکا کسی حادثہ میں مرنا، اس مرض الموت میں مرنے کے مترادف نہ خیال کیا جانا چاہیے کیونکہ اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ تپدق، فالج اور سل وغیرہ کے مریض تین ماہ سے زائد تک زندہ رہتے ہیں، لیکن یہاں انشاء فعل طلاق مرض الموت کی حالت میں ہونے کے سبب طلاق المریض کا حکم دیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ بوقت مرگ مرض الموت قائم تھا، اور عورت عدت میں تھی۔

مرض الموت کی مدت :

فقہاء نے مرض کی اہمیت کے اعتبار سے مرض کی مدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سل اور فالج کے امراض ترقی کرتے جائیں تو مرض کی حالت کہی جائے گی، لیکن جب مرض ٹھہر جائے یعنی ترقی نہ کرے تو فقہاء کے نزدیک اس کو حالت صحت کہا جائے گا۔(۲۹)

میراث پر مرض الموت میں طلاق رجعی کا اثر :

ائمۂ اربعہ اور فقہاء کا اس امر میں بالکلیہ اتفاق ہے کہ اگر مریض نے مرض الموت کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور جب کہ اس کی بیوی عدت میں تھی، وہ فوت ہوگیا تو وہ عورت اپنے شوہر کی وارث ہوگی کیونکہ طلاق رجعی کے سبب نکاح باقی تھا، زوجین پر نکاح کے احکام مرتب ہوں گے۔(۳۰)

بحالت مرض موت میراث پر طلاق بائن کا اثر :

البتہ طلاق بائن کی صورت میں عورت کے میراث پانے کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

---

(۲۹) رد المحتار، ابن عابدین (م ۱۲۵۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۵۶ھ، ج ۲، ص ۶۳۵۔
فتح القدیر، ابن ہمام، بحوالہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۵۔

(۳۰) فتح القدیر، ابن ہمام، بحولہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۵،۔
شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، مطبوعہ طہران، ج ۲، القسم الثالث، (کتاب الطلاق) ص ۵۸۔

حنفی مکتبۂ قانون :

حنفی فقہ کی رو سے اگر کسی مرد نے مرض الموت کی حالت میں اپنی زوجہ کو طلاق بائن دی اور پھر مرد عورت کی عدت کے دوران اس مرض کی حالت میں مرگیا تو وہ عورت ورثہ کی مستحق ہوگی، خواہ یہ طلاق‌بائن یا طلاق ثلاثہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر وہ مرد عدت ختم ہونے کے بعد مرا تو وہ عورت وارث نہ ہوگی۔(۳۱)

ابن عباس، ابن المسیب، ابن شبرمہ، اوزاعی، ثوری، ابراھیم نخعی، حماد، لیث، طاؤس اور شریح سے بھی یہی قول مروی ہے اور یہی قول حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔(۳۲)

امام محمد کا قول :

امام محمد اپنی کتاب موطا میں امام مالک سے روایت کرتے ہیں : کہ عبدالرحمن ابن عوف نے اپنی بیوی کو طلاق دی درآن حالے کہ وہ خود مریض تھے (ان کا انتقال ہوگیا تو) حضرت عثمان نے ان کی بیوی کو ان کا وارث قرار دیا جب کہ اس کی عدت ختم ہوچکی تھی۔،،(۳۳) احناف کے نزدیک اس روایت کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عثمان نے وراثت کا فیصلہ عدت گزرنے کے بعد کیا تھا۔ اس حدیث سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ موت عدت گزرنے کے بعد واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ امام محمد مندرجہ بالا روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ’’ہمارے نزدیک عورت اس وقت وارث قرار دی جائے گی، جب کہ وہ عدت میں (اور مرد مر جائے)،،۔ چنانچہ اگر مرد کی وفات سے پہلے عدت

---

(۳۱) رد المحتار، ابن عابدین، محمد امین، محولہ بالا، ج ۲، ص ۴۳۵۔
بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، مصر ۱۲۵۶ھ، ج ۲، ص ۸۲ ۔

(۳۲) موطا، امام محمد، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی، سن ندارد، صص ۵۸ - ۲۵۷ (باب طلاق المریض) ۔
بحر الرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھ، ج ۳، ص ۲۶۶ ۔

(۳۳) موطا، امام محمد، محولہ بالا، (باب طلاق المریض)، صص ۵۸ - ۲۵۷ ۔
’’اخبرنا مالک اخبرنا الزہری عن طلحۃ بن عبداللہ بن عوف ان عبدالرحمن ابن عوف طلق امرأته وھو مریض فورثھا عثمان منه بعد ما انقضت عدتھا،،۔

گذرچکی ہو تو وہ عورت وارث نہ ہوگی۔ امام محمد نے اپنے قول کے ثبوت میں حضرت عمر کا ایک واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالت مرض میں تین طلاقیں دی تھیں۔ حضرت عمر نے قاضی شریح کو لکھا کہ اگر وہ عورت عدت میں ہو تو اس کو ورثہ دو، اگر عورت کی عدت گزرچکی ہو تو اس عورت کے لئے کوئی ورثہ نہیں۔ امام محمد لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔(۳۴)

شمس الائمہ امام سرخسی اپنی مشہور کتاب ''المبسوط'' میں لکھتے ہیں کہ ''جب مریض نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں یا ایک طلاق بائن دی، پھر مرگیا جب کہ (زوجہ) عدت میں تھی تو از روئے قیاس وہ عورت ورثے کی مستحق نہ ہوگی لیکن استحساناً وارث ہوگی۔ لیکن ہم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے سبب حق وراثت کو پسند کیا (کیونکہ) قیاس اجماع صحابہ کے سبب ترک کردیا جاتا ہے۔(۳۵)

امام مالک کا قول :

امام مالک سے منقول ہے کہ ہر ایک طلاق میں جو مرض کی حالت میں واقع کی گئی ہو عورت میراث پانے کی مستحق ہوگی، بشرطے کہ شوہر اسی مرض میں مرا ہو۔(۳۶)

امام شافعی کے اقوال :

طلاق مریض اور عورت کے میراث پانے کے سلسلے میں امام شافعی کے دو قول بیان کئے جاتے ہیں :۔

۱۔ ایک یہ کہ عورت وارث ہوگی کیونکہ مرد کے فعل طلاق کا اثر حالت مرض موت میں ایک قاتل کے فعل قتل کی مانند ہے۔ بناء برین اس

---

(۳۴) موطا، امام محمد، محولہ بالا، صص ۵۸-۲۵۷-

(۳۵) المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۵۵ -

(۳۶) المدونۃ، امام سحنون، محولہ بالا، ج ۵، ص ۳۳-

''قال مالک کل طلاق واقع فی المرض فالمیراث للمرأۃ اذا مات من ذلک المرض و بسبه کان ذلک اسها''۔ بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۸۳ - ۸۲ -

کا فعل اپنے نتیجہ کے اعتبار سے بے اثر رہے گا اور عورت ورثہ سے محروم نہ ہوگی۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اگر مرد نے مرض الموت میں طلاق بائن دی اور اسی مرض میں مرگیا تو عورت وارث نہ ہوگی کیوں کہ اس وقت نکاح ختم ہوچکا تھا لہذا ورثہ پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔(۳۷)

لیکن امام شافعی کا آخری قول عدم توارث کے حق میں بیان کیا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کا نقطۂ نظر:

امام احمد بن حنبل، ابن ابی لیلی، اسحق اور ابوعبید کے نزدیک اگر شوہر اسی مرض میں مرا ہو تو عورت وارث ہوگی، خواہ عدت گزر چکی ہو، بشرطے کہ اس عورت نے دوسرے سے نکاح نہ کیا ہو۔(۳۸) لیکن امام مالک اور لیث کے نزدیک عورت باوجود نکاح ثانی وارث ہوگی۔

وجۂ اختلاف:

مندرجہ بالا مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کی دلیل یہ ہے کہ نکاح ثانی کی صورت میں عورت پہلے خاوند کی میراث حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ وہ (عورت) زوجیت کی بناء پر وارث قرار دی جا سکتی تھی اور اب نکاح ثانی کے سبب دونوں (متوفی مرد اور عورت) کے درمیان ایک اور زوجیت حائل ہوگئی۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بیک وقت دو مردوں کی زوجہ ہے۔

---

(۳۷) المہذب، ابراہیم بن علی الفیروزآبادی، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۹ھ، ج ۲، ص ۲۷۔
بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، صص ۸۳ - ۸۲۔
احکام الترکات والمواریث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۳۶۔
الترکۃ والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۱۵۶۔
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۸۔

(۳۸) احکام الترکات والمواریث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۳۷۔
فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۰۔
بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۸۲۔
المحرر فی الفقہ الحنبلی، ابو البرکات مجدالدین، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۱۱:
''وان ابانہا فی مرض موتہ المخوف منہا بقصد ہربا لہا . . . عنہ (الامام احمد) ترثہ مالم تزوج''۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ طلاق دینے والا عورت کی وراثت سے بھاگنا چاھتا تھا، لہذا اس کی بیوی خواہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے تب بھی پہلے شوھر کی وارث ھوگی، کیونکہ شوھر اسے ورثہ سے محروم کرنا چاھتا تھا۔ اس کا یہ ارادہ موجب گناہ ہے لہذا اس کی مخالفت کی جائے گی، اور اس عورت کو نکاح ثانی کرلینے کے باوجود پہلے شوھر کا وارث قرار دیا جائے گا۔

شیعہ فرقہ کا مسلک :

شیعہ علماء کے نزدیک اگر شوھر تاریخ طلاق سے ایک سال کے اندر مرجائے تو عورت وارث ھوگی، خواہ طلاق رجعی ھو یا بائن بشرطیکہ اس دوران میں عورت نے دوسرا نکاح نہ کرلیا ھو۔ اگر اس ایک سال کے عرصے میں اس عورت نے نکاح کرلیا تو پہلے شوھر سے اس کا حق وراثت ختم ھوجائے گا۔(۳۹)

لیکن اگر شوھر اس مرض سے تندرست ھوجائے جس مرض کی حالت میں اس نے عورت کو طلاق دی مگر پھر بیمار پڑ جائے اور مرجائے تو ایسی صورت میں عورت اسی وقت ورثہ کی حقدار ھوگی جب کہ مرض سے تندرستی، پھر بیماری اور وفات سب امور طلاق رجعی کی عدت یعنی تین ماہ میں وقوع پذیر ھوجائیں۔(۴۰) اور زوجہ حاملہ ھونے کی صورت مین وضع حمل تک۔

ظاھری مسلک :

فقہاء ظاھریہ چونکہ تعلیل نصوص کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ غایات و مقاصد کی بناء پر نصوص کی تعیین کے قائل ھیں اس لئے وہ مرض الموت میں

---

(۳۹) محمڈن لاء، سید امیر علی، مطبوعہ لاھور، ۱۹۶۵ء، چھٹا ایڈیشن، ص ۴۴-۳۵۳۔
ڈائجسٹ آف محمڈن لاء، بیلی، مطبوعہ لاھور، ۱۹۶۰ء، جلد ۲، ص ۴۴-۳۴۳۔
السرائر، شیخ محمد ادریس، مطبوعہ ایران، ص ۳۳۷ :
''اذا طلق الرجل امرأته و ھو مریض فانہا یتوارثان مادامت فی العدة فاذا انقضت عدتہا ورثتہ ما بینہما و بین سنة مالم تتزوج فان تزوجت فلا میراث لہا۔ واذ ازاد علی السنة یوم واحد لم یکن لہا میراث ولا فرق فی جمیع ھذہ الاحکام بین ان یکون التطلیقة ھی الاولی او الثانیة او الثالثة وسواء کان لہ علیہا الرجعة او لم یکن فان الوراثة ثابتة بینہما''۔

(۴۰) محمڈن لاء، سید امیر علی، محولہ بالا، ص ۵۵-۳۵۴۔
ڈائجسٹ آف محمڈن لاء، بیلی، محولہ بالا، ص ۴۴-۳۴۳۔

مبتلا شخص کے تصرفات کو بحالت صحت تصرفات کی طرح درست قرار دیتے ہیں، بشرطیکہ وہ شخص عاقل اور صحیح الحواس ہو۔ ان کے نزدیک بحالت مرض موت طلاق بائن کی صورت میں عورت میراث کی مستحق نہیں، خواہ طلاق دینے والا عورت کی عدت ہی کے دوران اس مرض کی حالت میں فوت ہوگیا ہو۔

چنانچہ فقہ ظاہریہ کے زبردست و پرجوش مبلغ امام ابن حزم اپنی مشہور کتاب المحلی میں لکھتے ہیں کہ ''مریض کی طلاق تندرست آدمی کی طرح ہوتی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ مریض اگر تین طلاقیں دے یا (دو طلاق دینے کے بعد) تین میں سے آخری طلاق دے تو ان تمام صورتوں میں عورت وارث نہ ہوگی۔''(م۱)

امام ابن حزم آگے لکھتے ہیں کہ ''صحیح بات یہ ہے کہ جس عورت کو دوران مرض طلاق بتہ (بائنہ) دی گئی ہو یا وہ غیر مدخولہ ہو اور اس کو مرض میں طلاق دے دی جائے ان دونوں عورتوں کو ورثہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح وہ عورت جسے مریض مرض موت نے طلاق رجعی دی ہو اور وہ رجوع سے قبل فوت ہوگیا تو اس عورت کو بھی ورثہ نہیں ملے گا۔ خواہ مریض علانیہ کہتا ہو کہ اس نے عورت کو ورثہ سے محروم کرنے کے لئے طلاق دی تھی۔ اس میں مریض پر کوئی گناہ نہیں، کیونکہ طلاق خدا کے نزدیک ایک مباح فعل ہے۔ اس سے وراثت منقطع ہوجاتی ہے اور حقوق زوجیت باقی نہیں رہتے (م۲)

امام ابن حزم اسی اصول کی متابعت میں لکھتے ہیں کہ: ''اگر کسی شخص کو قتل کرنے یا سنگ سار کرنے کے لئے جائز یا ناجائز طور پر کھڑا کیا گیا ہو اور وہ اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی بیوی

(م۱) المحلی، ابن حزم (م ۴۵۶ھ)، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، ج ۱۰، ص ۲۱۸:
''و طلاق المریض الطلاق الصحیح، ولافرق مات من ذالک المرض اوام یمت منہ، فان کان طلاق المریض ثلاثا او آخر ثلاث او قبل ان یطاھا فمات اوماتت قبل تمام العدۃ او بعدھا، او کان طلاقا رجعیا فلم یرتجعھا حتی مات او ماتت بعد تمام العدۃ فلا ترثہ فی شی من ذلک کلہ ولا یرثھا اصلا''۔

(م۲) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۱۰، ص ۲۲۹۔

بھی وارث نہ ہوگی، کیونکہ کسی نص سے ایسے شخص اور دوسرے اشخاص کی طلاق کے مابین فرق و امتیاز واضح نہیں ہوتا۔(۴۳)

تجزیہ:

ائمہ اربعہ، فرقہ شیعہ اور ظاہریہ مسلک کی آراء کا تجزیہ کرتے ہوئے راقم الحروف اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ فقہاء ظاہریہ اس مسئلے میں صحابہ کے فتاوی کو نظر انداز کرتے ہیں اور دیگر فقہاء کی یہ دلیل بھی درخور اعتنا نہیں سمجھتے کہ طلاق دراصل عورت کو ورثہ سے محروم کرنے کی بناء پر دی گئی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک فقہاء کی یہ رائے باطل بنیاد پر ''تحکم فی الدین،، ہے۔ اس مسئلے میں ظاہریہ مسلک کی بنیاد یہ ہے کہ چونکہ مریض کی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس لئے اس کے جملہ اثرات و نتائج خود بخود مرتب ہوجائیں گے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر طلاق کے جملہ اثرات و نتائج کو نافذ قرار دینے کے لئے صاحب عقل ہونا ھی ضروری اور کافی ہے تو وہ شخص جس کو سنگ سار کرنے یا قتل کرنے کے لئے لے جایا جارہا ہے باوجود عقل رکھنے کے یہ سمجھتا ہو کہ وہ چند لمحوں کا سہمان ہے تو اس عالم میں طلاق دینے کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ طلاق دے کر اپنی زوجہ کو ورثہ سے محروم کرنا چاہتا ہے!

احناف اور دیگر ائمہ اور فقہاء جو طلاق مریض کی صورت میں عورت کی میراث کے قائل ھیں ان کے نقطۂ نظر کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ ایسی حالت میں جس میں ھلاکت کا ظن غالب ھو خواہ بیماری سے، خواہ کسی اور بناء پر، شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دے کر دراصل اسےاس کے حق وراثت سے محروم کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس کے مال کی وارث نہ ہوسکے۔ اس بناء پر فقہی اصطلاح میں ایسی طلاق کو ''طلاق الفار،، سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ایسے شخص کی طلاق جو عورت کی وراثت سے بھاگنا چاہتا ہے اور اسی بناء پر ان کے نزدیک وراثت کے احکام میں عدت کے دوران ایسی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۴۳) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۱۰، ص ۲۲۹۔

چنانچہ جب یہ ثابت ہوجائے کہ کسی شخص نے مرض الموت میں عورت کی رضامندی کے بغیر اسے طلاق دی اور وہ طلاق کے وقت سے لے کر شوہر کی وفات تک وارث تھی تو یہ عورت اس کی موت کے بعد عدت کے دوران اس کی وارث ہوگی۔

فقہاء کی یہ رائے اول تو حضرت عثمان، حضرت علی، اور حضرت زید بن ثابت کے اقوال کے مطابق ہے۔ دوسرے اس طرح اس غلط وسیلہ کا سدباب بھی ہوجاتا ہے کہ مرد اپنی زوجہ کو وراثت سے محروم کرسکے اور لوگ اس طرح طلاق کو حکم خداوندی (میراث زوجہ) سے بھاگنے کا ذریعہ بنالیں، خصوصا جب کہ اس سلسلہ میں حضرت عثمان و علی و عمر رضی اللہ عنہم جیسے مجتہدین صحابہ کے آثار موجود ہیں، جن کو سنن بیہقی میں امام بیہقی نے باب ''ماجاء فی توریث المبتوتہ فی مرض الموت،، میں روایت کیا ہے۔(۴۴) چنانچہ یہ مذہب اقرب الی القبول ہے کہ ایسی طلاق کو عدت کے دوران باغراض میراث غیر موثر قرار دیا جائے۔

خاص نکتہ :

تاہم حالت مرض میں طلاق اور وراثت کے احکام کے بارے میں یہ خاص نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ زوال نکاح مرد کی جانب سے ہو یعنی فرقت مرد کی طرف سے ہو اور دوسرے یہ کہ وہ مرض جس میں طلاق دی گئی ہو مرض الموت ہو نیز یہ کہ اہلیت وراثت طلاق سے موت تک باقی رہنی چاہئے۔ چنانچہ اگر عورت نے خود طلاق کی خواہش کی یا خود تفریق حاصل کی تو ایسی صورت میں وہ مرد کی وارث نہ ہوگی اور اس کا حق ساقط متصور ہوگا۔ مثال کے طور پر عورت نے اپنی خواہش سے مرد سے خلع حاصل کیا یا طلاق تفویض کی صورت میں اپنے نفس کو اختیار کرلیا یعنی خود پر طلاق واقع کی تو ایسی صورت میں وہ عورت اس مرد کی وارث نہ ہوگی۔ خواہ شوہر مرض الموت میں مبتلا ہو اور دوران عدت اس مرض الموت میں انتقال کرجائے۔(۴۵)

---

(۴۴) السنن الکبری، بیہقی، مطبوعہ دکن، جلد ۷، ص ۳۶۲ -

(۴۵) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۲۹ -
فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۲ -
احکام الترکات و المواریث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۳۷ -
الترکۃ والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۵۵-۱۵۴ -

ہلاکت کی دوسری اغلب صورتیں :

اسی اصول کی بنیاد پر طلاق مریض کی طرح ایسی طلاق بھی عورت کے حق وراثت کو متاثر نہ کرسکے گی جو ایسی حالت میں دی جائے جس میں ہلاکت کا امکان اغلب موجود ہو مثلاً شیر سے مقابلہ کے وقت، دوران جنگ(۴۶) چاند کے سفر پر روانہ ہوتے وقت۔

مرتد ہو جانے کی صورت میں :

اگرچہ یہ عام اصول ہے کہ اگر کوئی شوہر مرتد ہوجائے تو اس کی زوجہ کی اپنے شوہر سے فرقت واقع ہو جاتی ہے (جو طلاق بائن کے حکم میں ہوتی ہے) ایسی صورت میں زوجہ اپنے شوہر کے ترکہ کی وارث نہیں ہوتی، کیونکہ میراث کی منجملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وارث اور مورث ہم مذہب ہوں لیکن فقہاء نے مرتد کو بھی مریض مرض موت کے حکم میں داخل کیا ہے، چنانچہ ایسی صورت میں بھی شوہر کو ''فار،، یعنی میراث زوجہ سے بھاگنے والا قرار دیا جائے گا اور عورت شوہر کے انتقال کی صورت میں میراث کی مستحق ہوگی۔(۴۷) بشرطیکہ زوجہ شوہر کی وفات کے وقت عدت میں ہو۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''مرتد کی میراث،،)

اسلامی ممالک میں مرض موت میں طلاق کا اثر :

عراق اور شام میں بھی مرض الموت اور ایسی حالت میں جس میں ہلاکت کا غالب امکان موجود ہو دی جانے والی طلاق کو باغراض وراثت غیر موثر قرار دیا گیا ہے۔(۴۸) مگر عراق کے قانون میں کسی مدت کا تعین نہیں کیا

---

(۴۶) اسی قسم کی چند اور صورتیں مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۹ھ، ج ۱، ص ۴۲۸ میں بھی بیان کی گئی ہیں۔

(۴۷) فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۵۷ و ص ۳۵۲
مجمع الانہر، داماد آفندی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۹ع، ج ۱، ص ۴۲۹

(۴۸) قانون الاحوال الشخصیۃ عراق، نمبر ۱۸۸، مجریہ ۱۹۵۹ع، دفعہ ۳۵ :
'لا یقع طلاق . . . المریض فی مرض الموت او فی حالۃ یغلب فی مثلھا الھلاک اذا مات فی ذلک المرض اوتلک الحالۃ و ترثہ زوجتہ،،۔
قانون الاحوال الشخصیۃ، شام، دفعہ ۱۱۶
'' . . . من باشر سببا من اسباب البینونۃ فی مرض موتہ او فی حالۃ یغلب فی مثلھا الھلاک طائعاًبلا رضی زوجۃ و مات فی ذالک المرض او فی تلک الحالۃ والمراۃ فی العدۃ فھھنا ترث بشرط ان تستمر اھلیتھا للارث من وقت الابانۃ الی الموت،،۔

گیا اور نہ وہ کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ البتہ شام کے قانون میں یہ صراحت کردی گئی ہے کہ عورت شوہر کی وفات کے وقت عدت میں ہو اور اس کی اہلیت وراثت باقی ہو جو حنفی مذہب کے مطابق ہے۔ اس ضمن میں حنفی مسلک قرین صواب ہے اور عراق کے مقابلہ میں شامی قانون کی دفعہ بہتر ہے۔

چند دیگر صورتیں:

۱۔ طلاق بائن عام مرض کی حالت میں دی گئی لیکن دوران عدت وہ مرض ترقی کرکے مرض الموت کی صورت اختیار کرگیا اور اسی مرض الموت کی حالت میں شوہر نے وفات پائی تو زوجہ اس کی وارث ہوگی کیونکہ وہ مرض ابتداء سے حکماً مرض الموت مانا جائے گا۔

۲۔ طلاق بائن مرض الموت کی حالت میں دی گئی لیکن دوران عدت وہ شخص قتل کردیا گیا یا اس نے خود کشی کرلی تب بھی عورت وارث ہوگی کیونکہ انشاء فعل طلاق مرض موت کی حالت میں ہوا تھا۔

۳۔ شوہر نے طلاق بائن مرض الموت کی حالت میں دی۔ دوران عدت اس مرض سے تندرست ہوگیا، کچھ دن بعد کسی دوسرے مرض الموت میں مبتلاء ہوا اور دوران عدت مرگیا تو زوجہ وارث نہ ہوگی, کیونکہ جس مرض الموت کی حالت میں انشاء فعل ہوا تھا وہ مرض موت ثابت نہ ہوا۔

۴۔ شوہر نے طلاق بائن مرض الموت کی حالت میں دی، مگر دوران عدت تندرست ہوگیا، کچھ دن بعد اسی مرض کا دوسرا حملہ ہوا یا اس سابق مرض کے اثرات کے تحت دوسرا مرض لاحق ہوگیا جو مرض الموت ثابت ہوا اور وہ مرگیا تو ایسی صورت میں زوجہ وارث ہوگی، کیونکہ مرض ثانی پہلے مرض کا نتیجہ کہلائے گا۔

۵۔ زوجہ بوقت طلاق شوہر کے مرض کی حالت میں غیر مسلمہ تھی، بعد طلاق ایمان لے آئی، مگر شوہر کی میراث کی مستحق نہ ہوگی اور شوہر کو میراث زوجہ سے بھاگنے والا خاولد تصور نہ کیا جائے گا، کیونکہ ابتداء

جس وقت طلاق دی گئی تھی وہ میراث کی مستحق ہی نہ تھی ۔(۴۹)

۶ ۔ ایک زوجہ مسلمان تھی ۔ شوہر نے بحالت مرض موت طلاق بائن دی ۔ زوجہ مرتد ہوگئی، پھر ایمان لے آئی ۔ اس کو شوہر کی میراث نہیں ملے گی کیونکہ ارتداد کے سبب اس کا حق میراث ساقط ہوگیا اور ساقط نہیں لوٹا کرتا ۔(۵۰)

زوجین کی میراث پر مبنی چند مثالیں (حنفی مسلک کے مطابق) :

(الف) زوجہ نے اپنے انتقال پر —

(۱) شوہر اور اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑا تو شوہر کو نصف اور حقیقی بھائی کو نصف مل جائے گا ۔

(۲) شوہر اور بیٹی کو چھوڑا، شوہر کو چوتھائی اور باقی بیٹی کو بحیثیت ذی فرض و بذریعہ رد ملے گا ۔

(۳) شوہر اور نواسے، نواسی کو چھوڑا شوہر کو نصف اور باقی نواسے، نواسی کو بحیثیت ذوی الارحام ملے گا ۔

(۴) شوہر، بیٹا، (جو اس کا قاتل ہے) اور علاتی بھائی کو چھوڑا، شوہر کے لئے نصف (کیونکہ بیٹے کے قاتل ہونے کے سبب شرعاً اس کا وجود اور عدم برابر ہے) اور باقی علاتی بھائی کو بحیثیت عصبہ ملے گا ۔ اگر بیٹا قاتل نہ ہوتا تو شوہر کو چوتھائی اور باقی بیٹے کو ملتا، اور علاتی بھائی محروم ہوجاتا ۔

(ب) شوہر نے اپنے انتقال پر ——

(۱) اپنی زوجہ، بیٹا، یا پوتا چھوڑا، زوجہ کو آٹھواں اور باقی بیٹے یا پوتے کو بحیثیت عصبہ ملے گا ۔

(۲) زوجہ، بیٹی (یا پوتی) کو چھوڑا، زوجہ کو آٹھواں اور باقی بیٹی یا پوتی کو بحیثیت ذی فرض و بذریعہ رد ملے گا ۔

---

(۴۹) احکام الترکات و المواریث، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۳۶ - ۱۳۵ ۔
احکام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۲۸ - ۱۲۴ ۔
الترکۃ والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۳۷ - ۲۳۳ ۔

(۵۰) احکام الترکات و المواریث، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۳۶ ۔

(۳) دو بیویاں اور ایک نواسہ نواسی کو چھوڑا، بیویوں کے لئے چوتھائی (جو آپس میں برابر تقسیم کرلیں گی) اور باقی نوا سے نواسی کو بحیثیت ذوی الارحام ملے گا۔

(۴) بیوی اور حقیقی چچا کو چھوڑا، بیوی کو چوتھائی اور باقی چچا کو بحیثیت عصبہ ملے گا۔

مصری قانون :

دفعہ ۱۱ (۲) ۔ اور زوجہ بائنہ کو اگرچہ وہ مطلقہ بائنہ مرض موت کی ہو، زوجہ کے حکم میں اس حالت میں ہوگی، جب کہ زوجہ نے خود طلاق کا مطالبہ نہ کیا ہو اور عدت میں ہو،

جب کہ میت کا بیٹا یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو تو زوجہ کا ۱/۸ حصہ فرض ہوگا اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں ۱/۴ ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۸ (۲) میت کی مطلقہ رجعی زوجہ کو جب کہ وہ عدت میں ہو اور میت کا بیٹا یا پوتا نیچے تک موجود نہ ہو تو ۱/۴ ملے گا، اور بیٹے پوتے کے موجود ہونے کی صورت میں ۱/۸ دیا جائے گا مگر طلاق مریض کی صورت میں دفعہ ۱۱۶ کے احکام کی رعایت ملحوظ رکھنا ہوگی۔

(۳) جس صورت میں کہ زوجہ متعدد ہوں تو مذکورہ فریضہ میں کل شریک ہوں گی ۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۰۲ ۔ ایک زوجہ یا متعدد کی دو حالتیں ہیں :

(۱) ۱/۴ جب کہ میت کا بیٹا، یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود نہ ہو،

(۲) ۱/۸ جب کہ مذکورہ صدر میں سے کوئی موجود ہو۔

مراکش کا قانون:

دفعہ ۲۳۰۔ چوتھائی فرض کے مستحق دو فرد ھیں:

(۱) زوج جب کہ زوجہ کی کسی قسم کی اولاد موجود ھو، اور

(۲) زوجہ، جب کہ شوھر کی کسی قسم کی اولاد موجود نہ ھو۔

دفعہ ۲۳۱۔ آٹھویں حصہ کا مستحق وارث ایک ھے:

(۱) زوجہ جب کہ زوج کی کسی قسم کی اولاد موجود ھو۔

عدالتی فیصلے:

جہاں تک زوجہ کے حق میراث کا تعلق ھے اھل سنت والجماعت کے تمام فرقوں کی فقہ میں ایسی کوئی تخصیص روا نہیں رکھی گئی جس کی رو سے زوجہ اولاد ھونے یا نہ ھونے کی صورت میں منقولہ یا غیر منقولہ جائداد میں اس کے حق وراثت پر کسی قسم کا کوئی اثر پڑتا ھو، لیکن شیعہ امامیہ فقہ کی رو سے زوجہ کے استحقاق میراث میں منقولہ اور غیر منقولہ کے درمیان امتیاز برتا گیا ھے چنانچہ بمقدمہ حسین خان بنام امیری بی‌بی قرار دیا گیا کہ ایک شیعہ عورت اپنے شوھر کی زمین کی اسی وقت وارث ھو سکتی ھے جب کہ اس شوھر سے اس کا کوئی بچہ شوھر کی وفات کے وقت زندہ ھو۔(۵۱)

بمقدمہ مسماۃ لوتن جان بنام مسماۃ سھودی بیگم قرار دیا گیا کہ ایسی عورت شوھر کی منقولہ املاک کی وارث ھوسکتی ھے۔(۵۲)

بمقدمہ مرزا علی حسین بنام ساجدہ بیگم بھی یہی قرار دیا گیا کہ ایک لاولد شیعہ عورت اپنے متوفی شوھر کی زمین میں سے کسی حصے کی مستحق نہیں۔(۵۳)

بمقدمہ آغا محمد جعفر بنام کلثوم بی‌بی قرار دیا گیا کہ ایک لاولد مسلمان شیعہ مرد کی بیوی اس کی زمین کے علاوہ اس کی املاک میں ایک چوتھائی

---

(۵۱) AWN 1889 192

(۵۲) 3 Agra 13

(۵۳) 21 Mad 27

حصے کی مستحق ہوگی چنانچہ وہ متوفی کی زمینوں اور عمارتوں یا ان کی مالیت کے کسی حصے کی مستحق نہ ہوگی۔(۵۴)

بمقدمہ مظفر علی خان بنام پاروتی، شیعہ امامیہ قانون کے بموجب ایک بیوہ جس کا کوئی بچہ اس کے شوہر کی وفات کے وقت زندہ نہ ہو اپنے متوفی شوہر کی کسی غیر منقولہ جائداد میں وارث نہیں ہوتی۔(۵۵)

بمقدمہ سید مرتضی حسین بنام مسماۃ الحان بی بی قرار دیا گیا کہ ایک شیعہ بیوہ جس کا اپنے متوفی شوہر سے بچہ موجود ہو، شیعہ قانون کے بموجب منقولہ اور غیر منقولہ دونوں قسم کی جائدادوں کی وارث ہوگی۔(۵۶)

بمقدمہ دولت خاتون بنام امینہ بی بی قرار دیا گیا کہ لاولد بیوہ شیعہ قانون کے تحت اپنے مرحوم شوہر کی صحرائی جائداد میں وارث نہیں ہوتی۔(۵۷)

نتیجۂ فکر :

شیعہ امامیہ میں زوجہ کی میراث سے متعلق اس کے لاولد ہونے کی صورت میں غیر منقولہ جائداد میں حصہ دار نہ ہونا، سماجی عوامل کی بنا پر ہے مگر قرآن پاک اس قسم کی کسی تخصیص و امتیازی سلوک کو گوارا نہیں کرتا۔ لہذا راقم الحروف کی رائے میں شیعہ قانون میراث کا یہ جزو قرآن پاک کے خلاف ہے۔

باپ کی میراث

۲۷۱۔ میت کے باپ کی میراث کی تین حالتیں ہیں :۔

(۱) فرض مطلق ، تعصیب سے خالی ۱/۶ پائے گا جب کہ بیٹا (زیریں درجہ تک) موجود ہو۔

(۲) فرض مع التعصیب جب کہ بیٹی یا پوتی زیریں درجہ تک موجود ہو۔

(۳) خالص عصبہ جب کہ میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو۔

---

(۵۴) 7 MLJ 115 (P. C.)
(۵۵) 4 ALJ 521 AWN 1907, 221
(۵۶) 2 I.C. 671
(۵۷) PLD 1958 W.P.(Rev.) 67
ILR i898, Vol. 25 Cal. Series 9 (P.C.)

تشریح

باپ سے میت کا اصلی باپ مراد ہے جس کے نطفہ سے میت ہو۔ چنانچہ سوتیلا باپ ذی فرض نہیں ہے بلکہ وہ ماں کا شوہر کہلائے گا اور میت کا باپ نہ ہونے کے سبب اس کے ورثہ کا مستحق نہ ہوگا۔

باپ کی میراث کا ذکر اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ اگر میت کوئی اولاد چھوڑے تو باپ اور ماں دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔(۵۸) ''اور اگر میت کے کوئی اولاد (موجود) نہ ہو تو اس کے والدین کو (کل) میراث اس طرح ملے گی کہ (۵۹) ماں کو ایک تہائی دینے کے بعد باقی باپ کو ملے گا۔،،

باپ کی میراث کی تین حالتیں :

فقہاء نے باپ کے اپنی اولاد سے میراث پانے کی تین حالتیں بیان کی ہیں : ''(۱) صرف ذی فرض ہونا (۲) ذی فرض و عصبہ ہونا، اور (۳) صرف عصبہ ہونا۔،،

۱۔ ذی فرض ہونا :

پہلی حالت صرف ذی فرض کی حیثیت سے میراث پانے کی ہے۔ چنانچہ علماء اہل سنت کے نزدیک جب متوفی کے لڑکا یا پوتا ہو، خواہ کتنی ہی زیریں پشت میں ہو تو باپ کو بحیثیت ذی‌فرض ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا، جو از روئے قرآن مقرر ہے، جیسا کہ قرآن خود فرماتا ہے کہ اگر ''میت نے اولاد چھوڑی ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا،، (۶۰) یہی مسلک شیعہ

---

(۵۸) ۴ : ۱۱ (النساء ۴)
''ولا بویه لکل واحد منهما السدس مماترک ان کان له ولد،، -

(۵۹) ۴ : ۱۱ (النساء ۴)
''فان لم یکن له ولد و ورثه ابوله،، -

(۶۰) ۴ : ۱۱ (النساء ۴)
''ولابویه لکل واحد منهما السدس مماترک ان کان له ولد،، -

اساسیہ کا بھی ہے۔(۶۱) مثلاً ایک شخص مرگیا اس نے باپ اور بیٹے کو چھوڑا باپ کو چھٹا حصہ اور باقی بیٹے کو بحیثیت عصبہ ملے گا۔

۲۔ ذی فرض و عصبہ ہونا :

دوسری حالت یہ ہے کہ ذی‌فرض اور عصبہ دونوں حیثیت سے باپ کو میراث ملے۔ چنانچہ اگر متوفی نے باپ کے علاوہ ایسے وارث چھوڑے جو (صرف) ذوی الفروض ہیں تو منجملہ باپ کے تمام ذوی الفروض کے حصے دے کر باقی ترکہ باپ کو بحیثیت عصبہ مل جائے گا بشرطیکہ کوئی ایسا وارث موجود نہ ہو جس کے سبب باپ کے حصہ میں کمی آجاتی ہو، مثلاً بیٹا یا پوتا موجود نہ ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ میت نے باپ، بیٹی یا پوتی کو چھوڑا تو اس صورت میں باپ کو چھٹا حصہ بحیثیت ذی فرض ملے گا اور بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ بحیثیت ذی فرض دے کر بقیہ چھٹا حصہ بھی باپ کو بطور عصبہ مل جائے گا۔(۶۲) یہ مسلک اہل سنت والجماعت کے مذاہب اربعہ کا ہے۔ شیعہ اساسیہ کے نزدیک باپ کو چھٹا اور بیٹی کو نصف حصہ ملے گا اور باقی ان دونوں پر بقدر حصص رد کیا جائے گا۔(۶۳) لیکن پاکستان کے عائلی قانون کے تحت باپ کو ۱/۶ ، باقی کا بیٹی کو ۱/۳ اور پوتی کو ۲/۳ ملے گا جو اس کے مرحوم باپ کو ملتا۔ (یتیم پوتے پوتیوں کی میراث کے سلسلہ میں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ۳۷ حجب و حرمان)۔

اہل سنت و الجماعت کی دلیل حضور اکرم کی یہ مشہور حدیث ہے کہ "پہلے اصحاب فرائض کو ان کے معین حصے دو، پھر جو بچ رہے وہ اولی مذکر کے لئے ہے۔"(۶۴) شیعہ حضرات اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتے اور ذوی

---

(۶۱) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، مطبوعہ بیروت، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۹

(۶۲) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۸
الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۸۷

(۶۳) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۹

(۶۴) صحیح بخاری، امام بخاری، محولہ بالا، ج ۲، ص ۹۹۷ :
"الحقو الفرائض باھلھا فما ابقتہ فلاولی رجل ذکر"
صحیح مسلم، امام مسلم مع شرح نووی، محولہ بالا، ج ۱۱، ص ۵۲
نیل الاوطار، علامہ شوکانی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۵۹
عمدۃ القاری، بدرالدین عینی، محولہ بالا، جلد ۲۳ ص ۲۳۶، ۲۳۹ اور ۲۴۱

الفروض کی موجودگی میں عصبات کو غیر مستحق قرار دیتے ہیں -

۳ - صرف عصبہ ہونا :

تیسری حالت یہ ہے کہ باپ صرف عصبہ کی حیثیت سے میراث کا مستحق ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ متوفی نے سوائے باپ کے کوئی اور وارث نہ چھوڑا ہو تو ایسی صورت میں باپ بحیثیت عصبہ کل ترکہ کا حق‌دار ہوگا۔ اس کی دلیل قرآن پاک کی آیت کہ جب میت کے کوئی اولاد موجود نہ ہو تو اس کے والدین کو (کل) میراث ملے گی۔ جس میں ثلث ماں کا باقی تمام باپ کا ہوگا۔(۶۵) ''فان لم یکن لہ ولد و ورثہ ابواہ،، میں لفظ ''والد،، بیٹا، بیٹی دونوں شامل ہیں کیونکہ ''ولد،، کے معنی مولود کے ہیں خواہ بیٹا ہو یا بیٹی۔ باپ کبھی مطلق محجوب نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کو محجوب کرتا ہے - یہی مسلک شیعہ امامیہ کا بھی ہے -(۶۶)

مصری قانون :

دفعہ ۹ - دفعہ ۲۱ کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے، جب کہ میت کا بیٹا یا پوتا (نیچے تک کا) موجود ہو تو باپ کا ۱/۶ حصہ فرض ہوگا۔

دفعہ ۲۱ - جب کہ میت کا باپ یا دادا بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں تو ۱/۶ فرض کا مستحق ہوگا، اور باقی بطریقۂ عصوبت پائے گا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۶ - دفعہ ۲۸۱ کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے باپ اور جد عصبی کو جب کہ میت کا بیٹا یا پوتا موجود ہو، ۱/۶ بطور فرضیت دیا جائے گا۔

تیونس کا قانون :

دفعہ ۹۹ - باپ کی تین حالتیں ہیں:

(۱) حصۂ فرضی عصوبت سے خالی ۱/۶ ہے جب کہ میت کا بیٹا

(۶۵) احکام الترکات والمواریث (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۴۰ -

(۶۶) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۶ -

یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو۔

(۲) حصہ فرض و حصہ عصوبت جب کہ میت کی بیٹی اور نیچے تک کی کوئی پوتی موجود ہو۔

(۳) محض عصوبت جب کہ میت کا نہ بیٹا موجود ہو نہ بیٹی اور نہ نیچے تک کا کوئی پوتا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۵۰۔ جب کہ میت کا باپ یا دادا ایک بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں تو اپنے فرض کے حصہ کے بعد بقیہ ترکہ بطور عصبہ حاصل کرلے گا۔

ماں کی میراث

۲۴۲۔ میت کی ماں کی میراث کی تین حالتیں ھیں۔

(۱) اگر میت کی اولاد یا اولاد کی اولاد (نیچے تک) موجود ہو یا دو یا دو سے زائد بھائی بہن کسی جہت میں موجود ہوں تو ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲) اگر میت کے ورثاء میں زوجین میں سے کوئی ایک (شوہر یا زوجہ، جیسی صورت ہو) موجود ہو تو شوہر یا زوجہ کا حصہ دے کر ماں کو بقیہ ترکہ کا تہائی ملے گا، جب کہ —

(الف) اگر میت کا شوہر اور والدین ہوں، یا

(ب) میت کی زوجہ اور والدین ہوں۔

(۳) اگر صورت مذکورہ میں باپ کی بجائے دادا موجود ہو تو ماں کو کل ترکہ کا تہائی دیا جائے گا۔

تشریح

ماں سے مراد میت کی حقیقی ماں ہے۔ میت کی سوتیلی ماں میت کی میراث کی مستحق نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے درمیان (وارث اور مورث میں) نہ تعلق نسبی ہوتا ہے اور نہ تعلق سببی۔ سوتیلی ماں میت کے باپ کی بیوی ہے جس کا میت کے ترکہ میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

ماں کی میراث کی تین حالتیں ہیں:

بیٹے یا بیٹی کی میراث پانے کے حق کے سلسلے میں ماں کی تین حالتیں ہیں :

۱ - جب کہ میت کی لڑکی یا لڑکا یا پسری اولادیا کسی قسم کے دو بھائی بہنیں موجود ہوں تو ماں کے واسطے چھٹا حصہ ہے ،

۲ - جب کہ مذکورہ بالا افراد میں سے کوئی نہ ہو تو ماں کل ترکہ کے تہائی کی مستحق ہوگی۔

۳ - جب کہ میت کی زوجہ یا شوہر (جیسی بھی صورت ہو) موجود ہو تو اس کا حصہ نکال کر باقی ترکہ میں ماں کا تہائی حصہ ہوگا۔

حضرت ابن عباس کا مسلک نمبر ۱ میں مذکور مسلک کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک دو بھائی بہن ہونے کی صورت میں ماں تہائی ترکہ کی مستحق ہوگی، البتہ تین بھائی یا بہنوں کی موجودگی میں ماں تہائی حصے سے محجوب ہوکر چھٹے حصے کی مستحق قرار پائے گی۔

حضرت ابن عباس اپنے نقطہ نظر کی تائید میں آیت قرآنی ''فان کان له اخوة فلامه السدس،، (۶۷) پیش کرتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ ''اخوة،، بھائیوں کے لئے خاص ہے لیکن بطریق تغلیب بھائی بہن دونوں کے لئے بولا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے ''و ان کانوا اخوة رجالا و نساءً فللذکر مثل حظ الانثیین،،(۶۸) اس آیت کریمہ میں ''اخوة،، ذکور اور اناث دونوں کے لئے آیا ہے نہ کہ صرف ذکور (بھائیوں) کے لئے یعنی جب میت کے بھائی (جمع کا صیغہ) ہوں تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ حضرت ابن عباس مذکورہ بالا آیت قرآنی ''فان کان له اخوة فلامه السدس،،(۶۹) پیش کرتے ہوئے یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں بہن بھائی کی

---

(۶۷) ۴ : ۱۱۔ (النساء ۴) -
(۶۸) ۴ : ۱۷۶ (النساء ۴) -
(۶۹) ۴ : ۱۱ (النساء ۴) -

موجودگی میں ماں کو چھٹا حصہ ملنے کی جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں بھائیوں کی تعداد کے سلسلہ میں ''اخوۃ،، کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ''اخوۃ،، ''اخ،، کی جمع ہے جو دو سے زائد کے لئے آتی ہے۔اس لئے صرف دو بھائی بہنوں کی موجودگی ماں کے تہائی حصے کو کم کرنے کا موجب نہیں بن سکتی۔ البتہ دو سے زائد بھائی بہنوں کی موجودگی میں ماں کا حصہ تہائی سے گھٹ کر چھٹا رہ جاتا ہے۔

حضرت علی کا قول بھی عبداللہ ابن عباس کے موافق ہے۔ چنانچہ وہ بھی مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''نص قرآنی سے ماں کے لئے تہائی واجب ہے البتہ جب میت کا بیٹا یا بیٹی موجود ہو یا اس کے تین یا تین سے زائد بھائی موجود ہوں تو اس کا حصہ تہائی سے گھٹ کر چھٹا رہ جاتا ہے۔

اس ضمن میں احناف کی دلیل یہ ہے کہ میراث کے باب میں تثنیہ (دو) اور جمع کا ایک حکم ہوگا۔ لغت کے اعتبار سے بھی دو جمع کے حکم میں داخل ہیں۔ چنانچہ ایک کے بعد فرضیت کا حکم بدل جانے کی صورت میں دو یا دو سے زائد کے لئے یکساں حکم ہوگا، جیسا کہ بنتین (دو بیٹیوں) کی میراث تین کے مانند ہے اور اختین (دو بہنوں) کی میراث تین کی طرح ہے اور دو مادری بھائیوں کی میراث کا حکم تین کا حکم ہے۔ اس لئے جس طرح ماں تین بھائی بہن کی موجودگی میں محجوب ہوکر چھٹے حصے کی مستحق ہوتی ہے اسی طرح دو کی موجودگی میں بھی چھٹے حصے کی مستحق ہوگی۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ دو اور دو سے زائد کے لئے جماعت کا حکم ہے(۷۰) ''اخوان،، (دو بھائی) کے لئے ''اخوۃ،، بولا جاتا ہے۔(۷۱)

شیعہ امامیہ مسلک :

شیعہ امامیہ مسلک کے مطابق جب کہ اولاد ذکور میں کوئی ہو یا

---

(۷۰) الشریفیہ، شرح سراجیۃ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۹ :
''الاثنان فما فوقہما جماعۃ،،

(۷۱) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۹ :
''الاخوان یقع علیہما اسم اخوۃ،،۔

یا دو یا دو سے زائد حقیقی یا علاتی بہنین یا ایک حقیقی یا علاتی اور دو ایسی بہنین یا چار ایسی بہنین باپ کے ساتھ ہوں تو ان کو چھٹا حصہ ملے گا۔(۷۲)

ظاہریہ مسلک :

امام ابو محمد ابن حزم نے اس مسئلے میں ابن عباس کا مسلک اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی مشہور کتاب ''المحلی،، میں لکھتے ہیں کہ ''اگر میت کا ایک بھائی یا دو بھائی یا دو بہنین یا ایک بہن یا ایک بھائی اور ایک بہن ہو اور میت کی اولاد اور اولاد کی اولاد ذکور نہ ہو تو ماں کو ایک تہائی ملے گا لیکن اگر تین بھائی یا بہنین یا مخلوط تین ہوں تو اس وقت ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔(۷۳)

ڈاکٹر یوسف موسی نے بھی اپنی کتاب ''الترکۃ و المیراث فی الاسلام،، میں حضرت ابن عباس، حضرات شیعہ امامیہ اور ظاہریہ کی آراء کی جانب اپنا میلان ظاہر کیا ہے۔(۷۴)

زیدیہ مسلک :

زیدیہ فرقہ کا اس باب میں یہ مسلک بیان کیا جاتا ہے کہ اگر اخیافی بھائی بہن ہوں تو ماں کا حصہ تہائی سے کم ہو کر چھٹا نہیں ہوگا جب کہ غیر اخیافی یعنی علاتی یا حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں ماں کا حصہ تہائی سے کم ہو کر چھٹا رہ جائے گا۔ لیکن جمہور فقہاء زیدیہ کا مسلک یہ ہے کہ بھائی بہن کسی طرح کے ہوں یعنی علاتی یا اخیافی تو جب ان میں سے دو موجود ہوں خواہ بہن یا بھائی یا بہن و بھائی خواہ ایک حقیقی دوسرا علاتی، یا ایک حقیقی دوسرا اخیافی غرض کسی طرح کے ہوں تو ماں کا حصہ تہائی سے گھٹ کر چھٹا رہ جائے گا۔(۷۵)

---

(۷۲) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، جلد ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۳ -

(۷۳) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۳۱۴ -

(۷۴) الترکۃ والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۲۲۵ -

(۷۵) شریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۳۰ -

زوجہ یا شوہر کے انتقال کی صورت میں :

جمہور مسلک کے مطابق اگر زوجہ کا انتقال ہوا اور اس نے شوہر، باپ اور ماں کو چھوڑا، تو شوہر کو اس کا نصف حصہ دے کر باقی کا تہائی ماں کو اور بقیہ باپ کو ملے گا۔ دوسری صورت میں جب کہ شوہر کا انتقال ہو اور اس نے اپنی زوجہ اور والدین کو چھوڑا ہو تو زوجہ کا چوتھائی حصہ نکال کر باقی کا تہائی ماں کو اور بقیہ باپ کو ملے گا۔ لیکن اگر باپ کے بجائے دادا ہو تو ماں کو کل کا تہائی ملے گا اور باقی دادا کو۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک دادا کی موجودگی میں بھی زوجہ یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد ماں بقیہ ترکہ میں تہائی کی مستحق ہوگی۔(۷۶)

حجب و حرمان :

ماں کبھی محجوب نہیں ہوتی البتہ کبھی اپنا فرض حصہ ۶/۱ اور کبھی ۳/۱ کی مستحق قرار پاتی ہے، الا یہ کہ کوئی امر مانع ارث موجود ہو، بالفاظ دیگر اولاد یا متعدد بھائی، بہنوں کی موجودگی میں حجب نقصان کے ذریعہ چھٹے حصے کی مستحق ہوتی ہے ورنہ تہائی کی مستحق ہوتی ہے۔ (جس کی تفصیل سطور بالا میں بیان کی جاچکی ہے)۔ البتہ دادی، (خواہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے) ماں کی موجودگی میں محجوب ہوتی ہے۔(۷۷)

مصری قانون :

دفعہ ۱۴۔ ماں کا فرض حصہ ۱/۶ ہے جب کہ بیٹا یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو، یا دو سے زائد بھائی بہن موجود ہوں، ان حالات کے برعکس صورت میں ۱/۳ حصہ ہوگا، البتہ جب کہ یہ شوہر، یا زوجہ یا باپ کے ساتھ (فقط) جمع ہوں تو فرائض حصص کے بعد بقیہ ترکے کا ایک تہائی ماں کا حصہ فرض ہوگا۔

---

(۷۶) شریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۳۰
احکام الترکات و المواریث (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۷۱-۱۷۵

(۷۷) الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۸۹

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۱ (۱)۔ میت کے بیٹے یا پوتے نیچے تک کے موجود ہوتے ہوئے یا دو یا زیادہ بھائی بہنوں کے موجود ہوتے ہوئے ماں کو ۱/۶ ملے گا۔

(۲) مذکورہ حالات کے ماسوا حالات میں، ۱/۳ دیا جائے گا الا یہ کہ جب شوہر یا زوجہ یا باپ میں سے کوئی فرد موجود ہو تو اب بقیہ ترکہ کا ۱/۳ ماں کو دیا جائے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۰۷۔ ماں کی تین حالتیں ہیں :۔

(۱) ۱/۶ جب کہ میت کا بیٹا یا نیچے تک کا کوئی پوتا یا دو بھائی یا زائد، خواہ کسی جہت کے ہوں حقیقی، پدری، مادری، کوئی ہوں۔

(۲) مذکورہ افراد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو کل مال کا ۱/۳ ملے گا۔

(۳) اور ماں کو شوہر یا زوجہ کا فرض حصہ دینے کے بعد بقیہ ترکہ کا ایک تہائی ملے گا اور اس کی دو صورتیں ہیں : اول یہ کہ میت کے بعد ماں کے ساتھ میت کے باپ، دادا، اور شوہر بھی موجود ہوں۔ دوم یہ کہ زوجہ، اور باپ، دادا، موجود ہوں۔ اور جس صورت میں کہ باپ کی جگہ دادا موجود ہوگا تو زوجہ کا فرض حصہ دینے کے بعد جو باقی رہے گا اس کا ایک تہائی ماں کو ملے گی۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۴۳۔ تہائی کے مستحق تین وارث ہوتے ہیں :

(۱) میت کی ماں، بشرطے کہ میت کی کسی قسم کی اولاد اور دو یا زائد بھائی موجود نہ ہوں۔

دفعہ ۲۴۴۔ چھٹے حصہ کے مستحق تین وارث ہوتے ہیں :

(۲) ماں، جب کہ میت کی کسی قسم کی اولاد، یا دو اور دو سے زائد بھائی بہنیں کسی قسم کی بھی موجود ہوں۔

بیٹی (دختر) کی میراث

۲۷۳- بیٹی کی میراث کی تین حالتیں ہیں:-

(۱) ایک ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا،

(۲) دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ترکہ کا دوتہائی ملے گا، اور

(۳) اگر میت کے بیٹا بھی موجود ہو تو 'للذکر مثل حظ الانثیین' کے اصول پر بیٹے کے مقابلے میں نصف ملے گا۔

توضیح:- میت کے اگر صرف بیٹی یا بیٹیاں ہوں تو بحیثیت ذوی الفروض حصہ پاتی ہیں لیکن اگر میت کے کوئی بیٹا بھی ہو تو پھر بیٹی عصبہ ہو جائے گی۔

تشریح

بیٹی بھی ذوی الفروض میں سے ہے۔ بیٹی سے مراد وہ بیٹی ہے جو میت کے نطفہ یا بطن سے ہو۔ میت اگر مرد ہو اور اس کی بیٹی اس کی کسی جائز بیوی سے ہو تو وہ اس کی صلبی بیٹی کہلائے گی۔ اسی طرح میت اگر عورت ہے تو اس کی بیٹی جو اس کے بطن سے ہو اس کی اپنی حقیقی بیٹی ہے۔ چنانچہ یہاں بیٹی سے مراد صلبی یا حقیقی بیٹی ہے۔ اس کا حصہ بھی قرآن پاک میں مقرر ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ''بیٹی اگر ایک ہو تو اس کے لئے نصف ترکہ ہے اور اگر بیٹیاں دو سے زائد ہوں تو ان کے واسطے مال متروکہ میں سے دو تہائی ہے''۔(۷۸)

(۷۸) ۴ : ۱۱ (النساء ۴)

''فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترک و ان کانت واحدۃ فلھا النصف'' یہاں یہ گمان ہوسکتا ہے کہ نساء کے معنی بیٹیوں کے کیوں کر ہوئے لیکن سیاق و سباق عبارت پر غور کرنے سے یہ شک رفع ہوجاتا ہے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالی نے ذکر کے مقابلے میں انثی کا ذکر فرمایا ہے اس لیے نساء سے انثی کا ذکر مراد لیا جائے گا جو بیٹیوں پر دلالت کرتا ہے (مؤلف)

بیٹی کی میراث اور مختلف مذاہب فقہ :

میت کے نطفہ سے جو بیٹیاں ہوں (خواہ میت باپ ہو یا ماں) ان کے ورثہ پانے کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے مسلک کے بموجب حسب ذیل تین حالتیں ہیں :-

(۱) اگر بیٹی ایک ہو تو اس کے لئے نصف ترکہ ہے۔

ظاہریہ کا مسلک بھی یہی ہے۔(۷۹) لیکن فقہ شیعہ جعفریہ اس مسئلہ میں مختلف ہے۔ چنانچہ اگر ورثاء میں ایک بیٹی اور ایک حقیقی بھائی ہو تو جب کہ ائمہ اربعہ و ظاہریہ مسلک کے بموجب بیٹی کو بحیثیت ذی فرض نصف اور بھائی کو بحیثیت عصبہ نصف ملے گا، شیعہ مسلک کے بموجب بیٹی کل ترکہ کی مستحق ہوگی۔(۸۰) سنی مسلک قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔(۸۱)

(۲) ائمہ اربعہ کے نزدیک دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو دو تہائی ترکہ ملے گا، اگر کوئی بیٹا موجود نہ ہو۔

عام صحابہ کے قول کے بموجب اگر بیٹیاں دو ہوں اور کوئی بیٹا نہ ہو تو ان بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا لیکن حضرت ابن عباس کے قول کے بموجب ان دو بیٹیوں کے واسطے بھی نصف ہے، جس طرح کہ ایک بیٹی کے لئے نصف ہے۔ وہ اپنے دعوے کی دلیل میں آیت قرآنی ''و ان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترك'' پیش کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالی نے دو تہائی ترکہ کے حکم کو دو سے زیادہ بیٹیاں ہونے پر معلق کیا ہے اور معلق بالشرط وجود شرط سے پہلے معدوم ہوتا ہے۔ لہذا ان دو بیٹیوں کے لئے جب تک دو سے زائد نہ ہوں دو تہائی ترکہ کا استحقاق پیدا نہ ہوگا، بلکہ دو بیٹیوں کی صورت میں ان کو نصف ترکہ ہی دیا جائے گا۔ لیکن جمہور صحابہ اور ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ بیٹیاں دو ہوں یا دو سے زائد، ان کے لئے دو تہائی حصہ ہے، جب کہ کوئی

---

(۷۹) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۳۳۰

(۸۰) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع ص ۱۸۰ اور ۸۲-۱۸۳

(۸۱) ۴ : ۱۱ (النساء ۴)
''فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک، و ان کانت واحدۃ فلھا النصف''
(حدیث : عن ابن عباس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''الحقوا الفرائض باھلھا فما ابقتہ فلاولی رجل ذکر''، امام مسلم، صحیح، کتاب الفرائض -

بیٹا موجود نہ ہو۔ ان کی دلیل رسول اللہ کی یہ حدیث ہے کہ ''جابر بن عبداللہ نے کہا : ہم رسول اللہ کے ساتھ (باہر) بازار کی طرف نکلے اس اثناء میں ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ! یہ دونوں بیٹیاں سعد بن ربیع (قبیلہ خزرج کے جلیل القدر صحابی) کی ہیں جو جنگ احد میں آپ کے حق میں (جنگ کرتے ہوئے کفار کے ہاتھوں) شہید ہوگئے اور ان بیٹیوں کے چچا نے ان کے مال پر قبضہ کرلیا اور ان (بیٹیوں) کے لئے کچھ بھی رہنے نہ دیا ۔ اے رسول اللہ ! کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مرد (عزت مندانہ طور پر) اس وقت تک نکاح نہیں کرتے، جب تک لڑکیوں کے پاس مال و دولت نہ ہو۔ رسول اللہ نے اس عورت سے فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالی اس کا فیصلہ فرما دے گا۔ کچھ دنوں تک صبر کرنے کے بعد سعد بن ربیع کی زوجہ روتی ہوئی آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئیں ۔ ان کا رونا رحمت خداوندی کے لئے بہانہ بن گیا اور میراث کا قطعی اور آخری حکم (جو ''یوصیکم اللہ فی اولاد کم'' سے شروع ہوتا ہے) نازل ہوا جس میں زوجہ اور بیٹیوں کا حصہ مقرر فرمادیا گیا ۔ رسول کریم ص نے سعد کے بھائی کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے بھائی کے مال متروکہ میں سے دو تہائی مال ان دو بیٹیوں کو اور آٹھواں حصہ زوجہ کو دے دو اور جو کچھ باقی رہے وہ تمہارا ہے'' ۔ رسول کریم ص کے اس فرمان کے بموجب اس تقسیم میراث سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالی کے قول ''ان کن نساء فوق اثنتین'' سے مراد ''اثنتین فما فوقھا'' یعنی دو اور دو سے زائد ہے ۔ (۸۲)

مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ رسول اللہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ایک بیٹی اور ایک پوتی کی موجودگی میں بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ دلوایا تاکہ دو تہائی مکمل ہو جائے ۔ اس صورت میں صرف ایک بیٹی

---

(۸۲) مشکوۃ المصابیح، بغوی، حسین بن مسعود الفراء (م ۵۱۶ھ)، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی، ص ۲۶۳ :

''عن جابر قال جاءت امرأۃ سعد بن الربیع بابنتیھا من سعد بن الربیع الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ھاتان ابنتا سعد بن الربیع قتل ابو ھما معک یوم احد شھیداً و ان عمھما اخذ ما لھما ولم یدع لھما مالا ولا تنکحان الا و لھما مال قال : یقضی اللہ فی ذلک فنزلت آیۃ المیراث فبعث رسول اللہ الی عمھما فقال اعط لا بنتی سعد الثلثین واعط امھما الثمن و ما بقی فھولک ۔''

کی موجودگی میں پوتی کو بیٹی کے مانند قرار دے کر دو بیٹیوں کی میراث کے حکم قرآنی کو بیٹی اور پوتی پر منطبق کردیا جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دو بیٹیوں کو دو تہائی ترکہ ملے گا جب کہ کوئی بیٹا موجود نہ ہو۔

اس مسئلے میں از روئے قیاس ایک دلیل یہ بھی دی جا سکتی ہے کہ جب قرآن پاک دو بہنوں کے لئے دو تہائی حصہ قرار دیتا ہے تو پھر دو بیٹیوں کے لئے بھی دو تہائی ہی واجب ہوگا، کیونکہ بہنوں کے مقابلہ میں بیٹیاں بدرجہ اولی حق دار ہیں -

ابن عباس کی یہ دلیل کہ حکم معلق بالشرط وجود شرط کے بغیر معدوم ہوتا ہے، قابل غور ہے، اس لئے کہ تعلیق الحکم بالشرط، عدم شرط کی صورت میں صرف اثبات کے حکم کو منع کرتی ہے، نفی حکم کو واجب نہیں کرتی۔ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ حکم کسی اور دلیل سے ثابت کر دیا جائے۔ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس کی یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالی نے بیٹیوں کے دو تہائی کے استحقاق کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ تعداد میں دو سے زائد ہوں اور جو حکم کسی شرط پر معلق ہوتا ہے اس کا وجوب اس وقت ہوتا ہے جب کہ شرط وجود میں آجائے اور شرط کے معدوم ہونے کی صورت میں حکم بھی معدوم رہے گا۔ لہذا جب بیٹیاں دو سے زائد ہوں گی تب کتاب اللہ کی شرط کا وجود ہوگا اور اس کے بعد دو تہائی کا حکم وجود میں آئے گا، اس سے قبل نہ آئےگا۔ لہذا جب دو بیٹیوں کی صورت میں شرط کا وجود نہیں (یعنی دو سے زیادہ ہونا موجود نہیں) تو دوتہائی کا حکم بھی نہیں موجود ہو سکتا ہے، اور نصف کا حکم بدستور باقی رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی کتاب اللہ کی اشارة النص اور حدیث نبوی کی عبارت النص سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں اللہ تعالی کے ارشاد ''فللذکر مثل حظ الانثیین،، کے تحت مراتب اختلاط میں ادنی درجہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا اختلاط ہے، جس میں بالاتفاق بیٹےکو دوتہائی اور بیٹی کو ایک تہائی ترکہ ملے گا۔ اس سے اشارتاً معلوم ہوا کہ ایک بیٹا بمنزلہ دو بیٹیوں کے ہے لہذا دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ، جب کہ ان کے ساتھ کوئی

بیٹا نہ ہو، ثابت ہوجاتا ہے۔ اس لئے ''اثنتین،، کے دو تہائی ثابت کرنے کے لئے کسی صریح نص قرآن کی ضرورت نہیں رہتی، البتہ دو بیٹیوں کی تعداد سے زائد کے لئے صراحت کی اس لئے ضرورت تھی کہ یہاں یہ وہم ہو سکتا تھا کہ جب ایک بیٹی کے لئے نصف ترکہ ہے اور دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی تو (گویا) ایک بیٹی کے بڑھ جانے سے چھٹا حصہ بڑھا، اس لئے ہر بیٹی کے اضافہ سے چھٹا حصہ بڑھے گا۔ اللہ تعالی نے اس گمان کو رفع کرنے کی غرض سے فرمادیا کہ ''دو سے زیادہ بیٹیوں کی صورت میں دو تہائی ترکہ ہے،، (۸۳) جو وہ آپس میں برابر تقسیم کرلیں گی (بشرطے کہ کوئی بیٹا نہ ہو)۔ بالفاظ دیگر قرآن پاک صراحتاً دو سے زائد بیٹیوں کے حصہ کو دو تہائی کی حد ظاہر کر رہا ہے۔ اور یہی دو کا حکم اشارۃ النص سے بہ تائید حدیث نبوی ثابت ہو رہا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے قطع نظر خود ابن عباس کی روایت بھی محل نظر ہے کیونکہ ابن عبداللہ کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس کی یہ روایت ''کہ دو بیٹیوں کے لئے نصف ترکہ ہے،، منکر ہے، اور درجۂ صحت کو نہیں پہونچتی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ بھی جمہور صحابہ کی موافقت میں دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی ترکہ کے قائل تھے۔(۸۴)

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک بھی دو اور دو سے زیادہ بیٹیوں کی صورت میں بیٹیاں دو تہائی کی مستحق ہوں گی۔ (۸۵) جب کہ طبقہ اول کے دوسرے ورثاء موجود ہوں۔

---

(۸۳) ''فان کن نساءً فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک،،

(۸۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۳۹-۱۴۰
الشریفیہ، شرح سراجیہ۔ سید شریف جرجانی محولہ بالا، ص ۲۱
المغنی، ابن قدامہ مقدسی، (م ۶۲۰ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۴۸ھ ج ۷، ص ۸
الترکۃ و المیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۲۳۷-۲۳۸

(۸۵) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۶

ظاہریہ :

ظاہریہ کا بھی یہی مسلک ہے -(۸۶)

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ بیٹوں کی موجودگی میں بیٹیاں عصبہ ہوجاتی ہیں اور بیٹے کے مقابلہ میں بیٹی کو نصف ملتا ہے ۔ مثلاً ایک بیٹی اور ایک بیٹے کی موجودگی میں جب کہ اور کوئی وارث نہ ہو بیٹی کو تہائی اور بیٹے کو دو تہائی ملتا ہے -(۸۷) اس میں بالکلیہ اتفاق ہے ۔

مصری قانون :

دفعہ ۱۲ - دفعہ ۱۹ کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے ــ

(الف) حصہ فرض ایک بیٹی کا نصف ہوگا، اور دو اور ان سے زائد کی حالت میں دو تہائی ہوگا ۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۹۶ - دفعہ ۲۷۷ کے حکم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ــ

(۱) میت کی ایک بیٹی ہونے کی حالت میں نصف ترکہ کی مستحق ہوگی اور دو یا اس سے زائد ہونے کی حالت میں دو تہائی کی مستحق ہونگی ۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۰۳ - صلبی بیٹیوں کے تین حالات ہیں :

(۱) نصف جب کہ تنہا ایک ہو،

(۲) دو تہائی جب کہ دو یا دو سے زائد ہوں، اور

(۳) جب کہ ان کے ہمراہ بھائی بھی ہو تو للذکر مثل حظ الانثیین ۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۳۹ - نصف کے مستحق پانچ اشخاص ہوتے ہیں :

(۲) بیٹی، جب کہ اس کے ساتھ میت کا بیٹا یا دوسری بیٹی موجود نہ ہو ۔

---

(۸۶) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۱۰

(۸۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۲

پاکستان کا قانون :

پاکستان کے موجودہ عائلی قانون میں پوتے کو اپنے مرحوم باپ کی میراث دلانے کے سبب بیٹی کی میراث میں بنیادی فرق پیدا ہوگیا ہے اس لئے بیٹی کے حصہ کی تعیین کے وقت ائمہ اربعہ کے اصول وراثت سے قطع نظر، مرحوم بیٹے کو زندہ تصور کرتے ہوئے حصص وّراثت کی تعیین و تقسیم عمل میں لائی جاتی ہے۔ اس موضوع پر تنقیدی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو باب ۳۷ ''حجب و حرمان،،

پوتی کی میراث

۲۷۳- پوتیوں کی میراث کی چھ حالتیں ہیں :-

(۱) ایک پوتی ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا۔

(۲) دو یا دو سے زائد پوتیاں ہوں تو ان کو مجموعی طور پر ترکہ کا دوتہائی ملے گا، جب کہ بیٹی موجود نہ ہو۔

(۳) اگر میت کی ایک بیٹی موجود ہو تو بیٹی کو ترکہ کا نصف اور پوتی کو ترکہ کا ۱/۶ دے دیا جائے گا، تاکہ دوتہائی کی تکمیل ہو جائے۔

(۴) اگر میت کی دو یا دو سے زائد بیٹیاں موجود ہوں تو پوتیاں ساقط ہو جائیں گی۔

(۵) الا یہ کہ ان کے درجہ میں یا ان سے نیچے درجہ میں میت کا کوئی پوتا موجود ہو تو وہ پوتیوں کو عصبہ کر دے گا، اور باقی ماندہ ترکہ مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا ''للذکر مثل حظ الانثیین'' کے قاعدہ کے بموجب تقسیم ہو گا۔

(۶) میت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں ساقط ہو جائیں گی بخلاف بیٹی کے۔

تشریح

پوتی بیٹی کی طرح ہے۔(۸۸) وہ کوئی بیٹا نہ ہونے کی صورت میں اور

(۸۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۲ :
''بنات الابن کبنات الصلب،، . . . ''و بنات الابن کبنات الصلب فی ثبوت تلک الاحوال الثلث،،۔
المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۷
شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۴، ص ۱۸۶
''اولاد اولاد یقومون مقام آبائہم فی مقاسمۃ الابوین،،۔

ایک بیٹی ہونے کی صورت میں یا بیٹی کی عدم موجودگی میں اس کے قائم مقام ہوتی ہے۔

پوتی کی میراث کی حالتیں :

ائمہ اربعہ کے نزدیک پوتی کے لئے میراث پانے کی چھ حالتین ہیں :

(۱) جب کہ بیٹا یا بیٹی موجود نہ ہو اور ایک پوتی موجود ہو تو اس کو ترکہ میں سے نصف حصہ ملے گا۔

(۲) جب کہ بیٹا یا بیٹی موجود نہ ہو اور دو یا دو سے زائد پوتیاں موجود ہوں تو ان کو مجموعی طور پر ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ملے گا۔

(۳) جب کہ بیٹا موجود نہ ہو اور ایک بیٹی اور ایک یا ایک سے زائد پوتی موجود ہوں تو بیٹی کو ترکہ کا نصف حصہ ملے گا اور پوتی (ایک یا ایک سے زائد) کو چھٹا حصہ ملے گا۔ یعنی ایک بیٹی کی موجودگی میں ایک سے زائد پوتیاں ہونے کی صورت میں بھی ان کو مجموعی طور پر چھٹا حصہ ملے گا جو وہ آپس میں برابر تقسیم کرلیں گی۔ یہی قول حضرت ابن مسعود کا ہے۔(۸۹)

ظاہریہ :

یہی مسلک علامہ ابن حزم ظاہری کا ہے۔(۹۰)

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک بیٹے کی اولاد خواہ مذکر ہو یا مونث (لڑکا ہو یا لڑکی) بیٹے کے قائم مقام ہوکر وہی حصہ پائے گی جو اس کے باپ کا تھا۔(۹۱)

---

(۸۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۲

(۹۰) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۲۳۱

(۹۱) الاستبصار، محمد بن الحسن طوسی (م ۴۶۰ھ) ،مطبوعہ نجف، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ع ج ۲، ص ۱۶۶
شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۸۷

(۴) اگر میت کے دو بیٹیاں اور ایک یا ایک سے زائد پوتیاں موجود ہوں تو پوتی وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ قرآن پاک(۹۲) اور حدیث نبوی(۹۳) کے مطابق بیٹیوں کو ترکہ میں دو تہائی حصہ مل چکا۔

اس مسئلے میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ دو بیٹیوں کا حکم مثل ایک کے ہے اس لئے دو بیٹیوں کو نصف اور چھٹا حصہ پوتی کو ملے گا لیکن بیٹی کی میراث کے سلسلے میں سابقہ بحث کی رو سے یہ درست نہیں ہے اور ان کا قول غیر مرجح ہے۔

(۵) پوتی کے ساتھ اس کا بھائی ہو (خواہ کتنی ہی زیرین پشت کا ہو) اور میت کا کوئی بیٹا موجود نہ ہو تو یہ پوتا پوتی کو عصبہ کردے گا اور ترکہ ان کے درمیان ''للذکر مثل حظ الانثیین،، تقسیم ہوگا۔ اگر میت کی دو بیٹیاں اور ایک پوتا پوتی ہوں تو اس صورت میں میت کی بیٹیوں کو دو تہائی دینے کے بعد باقی پوتی اور پوتے میں ''للذکر مثل حظ الانثیین،، تقسیم ہوگا۔

لیکن اس مسئلے میں ابن مسعود کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک میت کی دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتا پوتی کو عصبہ نہیں کرے گا بلکہ بقیہ کل ترکہ پوتے کو ملے گا۔ اور پوتیوں کو ترکہ میں سے کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس صورت میں باقی ترکہ اگر پوتے اور پوتی کے درمیان ''للذکر مثل حظ الانثیین،، تقسیم ہو تو بنات (بشمول پوتی) کاحق دو تہائی سے زائد ہوگا جو کہ رسول اکرم کے ارشاد ''لا یزاد حق البنات علی الثلثین،، کے بموجب بیٹیاں (جس میں پوتی بھی شامل ہے) دو تہائی سے زائد کی مستحق نہیں ہیں۔ لیکن حضرت ابن مسعود کا یہ فرمانا درست نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ زیادتی ممنوعہ وہ زیادتی ہے جو بطور فرضیت کے ہو۔ صورت متذکرہ میں زیادتی متحققہ بطور عصوبت کے ہے نہ کہ بطور فرضیت کے، جو ممنوع نہیں ہے۔

(۹۲) ۴ : ۱۱ (النساء ۴) : ''وان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک،،

(۹۳) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۲ ''لایزاد حق البنات علی الثلثین،،

رسول کریم کی مندرجہ بالا حدیث دراصل ''فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترک،، کی تفسیر ہے جو ذوی الفروض کے حصوں کے تعین کے ضمن میں بیان ہوئی ہے ۔(۹۴) بالفرض میت کی صرف دو بیٹیاں ہوں اور کوئی عصبہ بھی موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں رد کے ذریعہ بقیہ ایک تہائی حصہ بھی بیٹیوں کو مل جاتا ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس سے کسی طرح قرآن پاک کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے !

ابن حزم ظاہری بھی اس حکم میں حنفیہ اور دیگر ائمہ مذاہب سے متفق ہیں ۔(۹۵)

(۶) میت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتی کا حق ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ بیٹا عصبہ ہونے کے سبب بقیہ ترکہ لے لیتا ہے ۔ اس لئے کہ ہر ایک ابعد اقرب کی موجودگی میں ساقط ہوجاتا ہے ۔ اس کے برخلاف (بیٹے کے نہ ہونے کی صورت میں) ایک بیٹی کی موجودگی میں پوتی کا حق اس لئے ساقط نہیں ہوتا کہ بیٹی ذی فرض ہونے کے سبب اپنا حصہ لیتی ہے اور دو تہائی کی تکمیل کے لئے پوتی بیٹی کے ساتھ مل کر چھٹے حصے کی مستحق قرار پاتی ہے اور اس طرح بنات کے لئے دو تہائی کی تکمیل ہوجاتی ہے کیونکہ قرآن پاک و حدیث نبوی میں بحیثیت ذوی الفروض دو بیٹیوں کا دو تہائی مقرر ہے ۔(۹۶)

مصری قانون :

دفعہ ۱۲ (ب) ۔ دفعہ ۱۹ کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے ۔

پوتیوں کے لئے مذکورہ صدر حصہ فرض ہوگا، جب کہ بیٹی یا ان سے اعلی درجہ کی پوتی موجود نہ ہو، لیکن بیٹی یا اعلی پوتی کے موجود ہوتے ہوئے ۶/۱ حصہ فرض ملے گا، خواہ دیگر پوتیاں تعداد میں ایک ہو یا زائد ہوں ۔

---

(۹۴) المبسوط، امام سرخسی محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۴۰
المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۹
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۲

(۹۵) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۱۳۰

(۹۶) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۳ :
''الا قرب یسقط حق الابعد،،

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۷ - (۲) جب کہ میت کی بیٹی یا اعلی پوتی موجود نہ ہو تو بیٹے کی بیٹیوں (پوتیوں) کو مذکورہ صدر حصہ ہی دیا جائے گا (یعنی ایک ہونے کی حالت میں ۱/۲ اور ایک سے زائد کی صورت میں ۲/۳)

(۳) اگر میت کی (ایک) بیٹی یا اعلی پوتی موجود ہو تو اس کو ۱/۲ ملے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۰۴ - پوتیوں کا حکم بیٹیوں جیسا ہے اور ان کے چھ حالات ہیں :

(۱) تنہا ایک کے لئے ۱/۲،

(۲) بیٹیاں نہ ہونے کی حالت میں دو یا زائد کے لئے دو تہائی،

(۳) ۱/۶ جب کہ ان کے ہمراہ میت کی کوئی ایک بیٹی موجود ہو ،

(۴) اگر میت کی دو یا زائد بیٹیاں موجود ہوں تو یہ وارث نہ ہوں گی الا یہ کہ ان کے ہمراہ ان کا کوئی بھائی (پوتا) بھی ان کے درجہ کا موجود ہو،

(۵) یا ان سے نیچے کا موجود ہو تو وہ ان کو عصبہ کردے گا اور ''للذکر مثل حظ الانثیین،، تقسیم ہوگی، اور

(۶) میت کا بیٹا موجود ہونے پر ساقط ہوں گی۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۴۲ - دو تہائی کے مستحق چار فرد ہیں :

(۲) دو یا زائد پوتیاں، جب کہ میت کا صلبی بیٹا، یا بیٹی ، یا پوتا موجود نہ ہو۔

دفعہ ۲۴۴ - چھٹے حصہ کے مستحق سات (۷) وارث ہوتے ہیں :

(۳) پوتی، جب کہ اس کے ساتھ میت کی ایک بیٹی موجود اور پوتا موجود نہ ہو۔

پاکستان کا قانون :

پاکستان کے عائلی قانون کے تحت پوتی کی میراث کی حالتوں میں تغیر واقع ہوچکا ہے۔ اس کو بحیثیت پوتی کے ورثہ نہیں ملتا بلکہ اس کو وہ حصہ ملتا ہے جو اس کے مرحوم باپ کو ملتا، اگر وہ زندہ ہوتا۔ اس موضوع پر تنقیدی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو باب ''حجب و حرمان،،

حقیقی بہن کی میراث

۲۷۵۔ میت کے کوئی بیٹا (خواہ کتنے ھی زیرین درجہ میں ہو) یا باپ خواہ کتنے ھی بالائی درجہ میں ہو) نہ ہونے کی صورت میں :

(۱) اگر ایک بہن موجود ہو تو اس کو ترکہ کا نصف حصہ ملے گا؛

(۲) دو یا دو سے زیادہ بہنیں موجود ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی ملے گا،

توضیح :- میت کے بیٹے یا باپ کی موجودگی میں بہن ساقط ہوجاتی ہے۔ بھائی کی موجودگی میں بہن عصبہ ہوجائے گی اور ''مرد کو عورت کے مقابلہ میں دو گنا'' کے قاعدہ کے مطابق حصہ پائے گی۔

(۴) بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں ان کے حصے دے کر ما بقی بہن کو ملے گا؛ اور

(۵) میت کے بیٹے، یا باپ کی موجودگی میں بہن ساقط ہو جائے گی۔

تشریح

حقیقی بہن اس بہن کو کہتے ھیں جس کے ماں باپ اور میت کے ماں باپ ایک ہوں۔

حقیقی بہن کی میراث کی حالتیں :

حقیقی بہن کے واسطے استحقاق میراث کی چار حالتیں ہیں :

(۱) اگر میت کے کوئی بیٹا، (خواہ کتنے ھی زیریں درجہ میں ہو)

یا باپ (خواہ کتنے ھی بالا درجہ میں ھو) موجود نہ ھو اور ورثاء میں ایک بہن ھو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا جیسا کہ قرآن پاک ''ان امرؤ ھلك لیس له ولد وله اخت فلها نصف ماترك،،(۹۷) عبارت النص سے ثابت ھے۔ یہاں بہن سے حقیقی اور علاتی دونوں مراد ھیں کیونکہ میت مرد ھے۔ البتہ مادری (اخیافی) بہن کا حکم علیحدہ ھے، جیسا کہ قرآن سے ثابت ھے (اخیافی بہن کا بیان آگے آرھا ھے)۔

(۲) اگر میت کا کوئی بیٹا (خواہ کتنے ھی زیرین درجہ میں ھو) یا باپ (خواہ کتنے ھی بالا درجہ میں ھو) موجود نہ ھو اور اس کے ورثاء میں دو بہنیں موجود ھوں تو دونوں کو ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ھے، ''ان امرؤ ھلك لیس له ولد وله اخت . . . فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مما ترك،،(۹۸) دو سے زائد بہنوں کا بھی یہی حکم ھے جو دلالت نص سے ثابت ھے۔

بیٹے یا پوتے کی موجودگی میں خواہ وہ کتنے ھی زیرین درجہ میں ھوں بہن محروم ھوجاتی ھے۔ اسی طرح باپ کی موجودگی میں بھی بالاتفاق محروم ھوجاتی ھے۔ اور دادا کی موجودگی میں صرف امام ابو حنیفہ کے نزدیک محروم ھوجاتی ھے۔

(۳) حقیقی بھائی کے ساتھ بہن عصبہ ھوجائے گی اور ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے طریق پر تقسیم ھوکر حصہ ملے گا۔

(۴) بیٹی یا پوتی کے ساتھ اگر حقیقی بہن ھو تو بیٹی یا پوتی (ایک یا ایک سے زائد جیسی صورت ھو) کے حصے دے کر باقی بہن کو ملے گا۔ اس بارے میں دو مختلف نظریے سامنے آتے ھیں :

---

(۹۷) ۴ : ۱۷۶ (النساء ۴) :
''ان امرؤ ھلك لیس لهٗ ولد ا ت فلها نصف ما ترک،،

(۹۸) ۴ : ۱۷۶ (النساء ۴) :
''ان امرو ھلك لیس له ولد وله اخت . . . فان کانتا اثنتین فلهما الثلثا ن مما ترک،،

(الف) پہلا نظریہ یہ ہے کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوں گی اور بیٹی یا پوتی کے بعد جو بچ رہے گا وہ بہنیں لیں گی۔

یہ قول عبداللہ ابن مسعود اور زید بن ثابت کا ہے۔ ائمہ اربعہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ معاذ بن جبل، ابو موسی اشعری اور سلمان رضی اللہ عنہم کا آخری اور صحیح قول بھی یہی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔

(ب) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بیٹی یا پوتی کے حصے دینے کے بعد باقی عصبہ مذکر (مثلاً بھائی، بھتیجہ، چچا، چچا کا بیٹا وغیرہ) کے لئے ہے۔ چنانچہ بیٹی یا (پوتی) کی موجودگی میں بہن قطعا وارث نہیں ہوتی جس طرح کہ بیٹے کی موجودگی میں حقیقی بہن کو کچھ نہیں ملتا۔ الا یہ کہ میت کا کوئی عصبہ مذکر موجود نہ ہو تو میت کی بیٹی یا پوتی کے حصے دینے کے بعد جو باقی بچے وہ حقیقی بہن کو ملے گا اور اگر حقیقی بہن نہ ہو تو علاتی بہن کو ملے گا۔ یہ قول ابن عباس، سلمان اور اسحاق ابن راھویہ کا ہے ابن الزبیر کا پہلا قول بھی یہی ہے۔

جو اصحاب بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کے عصبہ ہوجانے کے قائل ہیں وہ حضرت ابن مسعود کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ "ھذیل بن شرحبیل سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ابوموسی اشعری سے بیٹی، پوتی اور بہن کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا۔ ابو موسی اشعری نے جواب دیا کہ بیٹی کو نصف دے کر باقی بہن کو دے دو۔ جب ابن مسعود کو ابو موسی اشعری کے اس قول کی خبر دی گئی اور ان سے اس مسئلے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا "کہ اگر میں بھی یہی کہوں(جو ابو موسی نے کہا ہے) تو اس وقت گمراہ ہو جاؤں‌گا اور ھدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا، لہذا میں وہ فیصلہ کروں گا جو رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ بیٹی کے لئے نصف پوتی کے لئے چھٹا حصہ تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہوجائے اور باقی بہن کا۔(۹۹)

---

(۹۹) مشکوۃ المصابیح، بغوی، حسین بن مسعود الفراء، محولہ بالا، ص ۲۶۳ :

"عن ھذیل ابن شرحبیل قال سئل ابوموسی عن ابنۃ و بنت ابن و اخت فقال للبنت النصف وللاخت النصف وأت ابن مسعود فیتابعنی فسئل ابن مسعود و اخبر بقول ابی موسی فقال لقد ضللت اذن وما انا من المھتدین اقضی فیھا بما قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم للبنت النصف ولا بنۃ الابن السدس تکملۃ الثلثین وما بقی فللاخت فاتینا ابا موسی فاخبرنا و بقول ابن مسعود فقال لا تسئلونی مادام ھذا الحبر فیکم" رواہ البخاری۔

خدائے تعالی نے فرمایا ہے ''وان کانوا اخوۃ رجالا و نساء فللذکر مثل حظالانثیین،،(۱۰۰) . . . اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالی نے بھائیوں کی موجودگی میں بہنوں کا حصہ مقرر نہیں فرمایا اور نہ بھائیوں کا حصہ مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ بہن بھائی کے ساتھ عصبہ ہوجائے گی، کیونکہ میت سے قرابت میں دونوں برابر ہیں۔

دوسرے نظریے کے قائل اصحاب کے نزدیک بھائی کی موجودگی میں بہن کو ترکہ نہیں ملے گا کیونکہ حضور کی حدیث ہے کہ ''بقیہ حصہ عصبہ کے لئے ہے،،۔ اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بیٹی، پوتی اور پوتے کے مسئلے میں علماء کا اجماع ہے اور اجماع اس پر بھی ہے کہ اگر کسی مسئلے میں بیٹی، چچا، اور پھوپی جمع ہوں تو بیٹی کا حصہ دے کر باقی صرف چچا کو ملے گا اور پھوپی محروم رہے گی کیوں کہ وہ ذوی الارحام سے ہے لیکن اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر بھائی، بہن، بیٹی ہوں تو کیا ہوگا؟ احناف کے نزدیک بہن بھائی جب بیٹی کے ساتھ جمع ہوں تو ان کی دو صورتوں سے مشابہت قرار پاتی ہے، اول یہ کہ ان کو تشبیہہ دی جائے بہن بھائی کے ساتھ میت کے چچا اور پھوپی کی جمع ہونے سے، اور دوم یہ کہ ان کو تشبیہ دی جائے پوتے اور پوتی کے ساتھ جمع ہونے سے۔ احناف کے نزدیک دوسری صورت سے تشبیہہ دینا اولیٰ ہے۔ کیونکہ جیسے اجماع اس پر ہے کہ جب پوتا، پوتی کے ساتھ بیٹی نہ ہو تو ترکہ ان دونوں کے درمیان مرد کو عورت سے دوگنے کے حساب سے تقسیم ہوتا ہے، اسی طرح اجماع اس پر بھی ہے کہ جب بھائی اور بہن کے ساتھ بیٹی نہ ہو تب بھی ترکہ ان کے درمیان اسی طرح تقسیم ہوگا، بخلاف چچا اور پھوپی کے کہ ان دونوں کے ساتھ اگر بیٹی نہ ہو تو کل ترکہ چچا کو ملے گا۔(۱۰۱)

پہلے نظریہ کے قائل اصحاب کے نزدیک، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، بیٹیوں یا پوتیوں کی موجودگی میں (جب کہ بیٹا یا باپ نہ ہو) بہن کو باقی

---

(۱۰۰) ۴ : ۱۷۶ (النساء ۴) :
''و ان کانوا اخوۃ رجالا و نساءا فللذکر مثل حظ الانثیین،،

(۱۰۱) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۷-۲۹

ترکہ ملے گا، کیونکہ حضور اکرم کے ارشاد ''الا خوات مع البنات عصبة،، کی متابعت میں اکثر صحابہ کرام اس پر متفق ھیں کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوجاتی ھیں ۔ حضرت زید بن ثابت حضرت علی اور امام شافعی کا بھی یہی قول ھے۔ یہی مسلک جمہور علماء کا ھے لیکن حضرت ابن عباس کے نزدیک عصوبت بہنوں کے واسطے نہیں ھے ۔ چنانچہ ان کے نزدیک جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ھے اگر بیٹی اور بہن جمع ہوں تو بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو کچھ نہیں ۔ اس مسئلے میں حضرت ابن عباس سے یہ روایت بھی بیان کی جاتی ھے کہ جب حضرت ابن عباس سے یہ کہا گیا کہ حضرت عمر نے تو یہ فرمایا ھے کہ اس مسئلے میں باقی ماندہ بہن کا حصہ ھے، تو ابن عباس غصبہ ہوئے اور فرمایا کہ تم زیادہ جانتے ہو یا خدائے تعالی ۔ خدائے تعالی نے فرمایا ھے ''ان امرؤ ھلك لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ماترك،، ۔ اس طرح خدائے تعالی نے ولد کی موجودگی کو حاجب یعنی بہن کے واسطے مانع میراث قرار دیا اور لفظ ''ولد،، میں مذکر و مؤنث دونوں شامل ھیں جیسا کہ ماں کی تہائی سے چھٹے میں محجوب کرتے ہیں، شوھر کے آدھے سے چوتھائی میں اور زوجہ کے چوتھائی سے آٹھویں میں لفظ ''ولد،، میں مذکر اور مونث دونوں شامل ھیں ۔ لہذا بہن کبھی میراث نہیں لے گی جب کہ ولد موجود ہو، خواہ وہ ''ولد،، مذکر ہو یا مؤنث ۔ لیکن بھائی کی حیثیت مختلف ھے (یعنی بہن کی جگہ اگر بھائی ہو تو صورت مختلف ہوگی) اس کو میت کی بیٹی کے دینے کے بعد جو بچ رھتا ھے وہ ملتا ھے کیونکہ وہ عصبہ ھے اور چونکہ بہن کو عصوبت بہ نفسہ حاصل نہیں ھے بلکہ وہ صرف دوسرے کے ساتھ عصبہ ہوجاتی ھے، بشرطے کہ وہ دوسرا بھی عصبہ ہو، تو جب کہ بیٹی کے واسطے عصوبت نہیں یعنی (بیٹی) عصبہ نہیں ھے تو اس کے ساتھ بہن کیوں کر عصبہ ہو سکتی ھے ؟(۱۰۲)

---

(۱۰۲) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۷-۲۶ :

''فقیل لہ ان عمر کان یقول للاخت مابقی فغضب فقال أ انتم اعلم ام الہہ تعالی، یریدان اللہ تعالی قال : ان امرؤ ھلك لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک،، فقد جعل الولد حاجبا للاخت و لفظ الولد یتناول الذکر والانثی کما فی حجب الام من الثلث الی السدس و حجب الزوج من النصف الربع و حجب الزوجۃ من الربع الی الثمن فلا میراث للاخت مع الولد ذکراً کان او انثی بخلاف الاخ فانہ یاخذ ما بقی من الانثی بالعصوبۃ ولا عصوبۃ للاخت بنفسہا و انما تصیر عصبۃ بغیر اذا کان ذالك الغیر عصبۃ و لیست للبنۃ عصوبۃ فکیف تصیر الاخت معھا عصبۃ،، ۔

علماء حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دراصل مذکورہ بالا آیت میں ''ولد،، سے بالاتفاق ''بیٹا،، مراد ہے۔ جیسا کہ خدائے تعالی نے فرمایا ہے ''کہ وہ (بھائی) اس بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کا ولد یعنی بیٹا موجود نہ ہو،،۔ (۱۰۳)

بھائی اس بہن کا وارث ہوگا جس بہن کا بیٹا موجود نہ ہو، یہاں ''ولد،، سے صرف بیٹا مراد لیا جائے گا کیونکہ اگر بہن کی بیٹی موجود ہو تو اس کے ساتھ بھائی (بالاتفاق) میراث پاتا ہے، اور اس آیت میں ولد نہ ہونے پر بھائی کو میراث دی گئی ہے۔ اس صراحت سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں ولد سے مراد صرف بیٹا ہے، بیٹی نہیں، کیونکہ ولد میں بیٹی بھی شامل ہوتی تو بیٹی کی موجودگی میں بھائی کی میراث کی نفی لازم آتی، حالانکہ جو اصحاب بیٹی کی موجودگی میں بہن کی میراث کے قائل نہیں ہیں وہ بھائی کی میراث کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں بیٹی کی موجودگی میں بہن کے عصبہ ہونے پر ابن مسعودرض کی مندرجہبالا وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ھذیل بن شرحبیل سے مروی ہے۔(۱۰۴)

شیعی نقطہ' نظر :

شیعی مذہب کے بموجب اگر ورثاء میں بہن اور چچا ہیں تو کل ترکہ بہن لے گی۔ چچا کو نہ ملے گا کیونکہ وہ ورثاء کے طبقہ سوم سے تعلق رکھتا ہے اس لئے محجوب ہوگا۔ (ملاحظہ ہو دفعہ ۲۶۶ قانون ھذا)۔

امام ابن حزم کا مسلک :

امام ابن حزم کا مسلک یہ ہے کہ جب میت کا بیٹا موجود ہو یا بیٹی موجود ہو یا پوتا یا پوتی موجود ہو خواہ کتنے ہی نیچے درجے کے ہوں تو یہ میت کی ہمشیرہ حقیقی و علاتی و اخیافی سب کو محروم کردیں گے۔ اور ان کے موجود ہوتے ہوئے کوئی ہمشیرہ وارث نہ ہوگی۔ اس مذکورہ اولاد کو

---

(۱۰۳) ۴ : ۱۷۵ (النساء ۴) :
''وھو یرثھا ان لم یکن لھاولد،،

(۱۰۴) ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۹۹ باب ھذا۔

حصہ دینے کے بعد دیگر مذکر عصبات کو باقی مال دے دیا جائے گا۔ مثلاً بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد بھائی، اور آزاد کرنے والا اور اس کے دیگر عصبات۔ لیکن اگر میت کی اولاد اور اولاد کی اولاد مذکر یا مونث کے ساتھ کوئی عصبہ مذکورہ موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں حقیقی یا علاتی بہن یا بہنوں کو ماباقي دے دیا جائے گا۔

ابن حزم نے اس مسئلے میں دو قول بھی نقل کئے ہیں :

۱ - اول ائمہ اربعہ کا قول جو یہ ہے کہ میت کی بیٹیاں موجود ہوں تو میت کی بہنیں بیٹیوں کی موجودگی کے سبب عصبہ ہوجاتی ہیں لہذا میت کی بیٹیوں کو ان کا حصہ دینے کے بعد جو کچھ مال باقی رہے گا وہ بہنوں کو مل جائے گا کیونکہ بہنیں اس حالت میں عصبہ ہیں۔

۲ - دوسرا قول یہ ہے کہ میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہونے پر ہمشیرہ کو کچھ نہ ملے گا۔

ابن حزم نے اول قول کی دلیل میں حضرت ابن مسعودرض کی متذکرہ بالا حدیث پیش کی ہے۔ دوسرے قول کی دلیل میں قرآن کی آیت ''ان امرؤ ھلك،، پیش کی ہے۔ انھوں نے اس آیت میں ''ولد،، کے لفظ سے عام معنی مراد لئے ہیں۔(۱۰۵) جس میں بیٹے اور بیٹی دونوں شامل ہیں۔ نیز اس کی تائید میں قرآن کریم کی تین آیتیں مزید پیش کی ہیں جن میں ولد کے عام معنی مراد ہیں اور پہلے نظریہ کے قائلین بھی عام معنی مراد لیتے ہیں۔ اس کے بعد ابن حزم نے سوال کیا ہے کہ پھر کونسی وجہ ہے کہ ''ان امرؤ ھلك،، والی آیت میں ''ولد،، کے عام معنی مراد نہ لئے جائیں۔ اور یہاں لفظ ''ولد،، کو بیٹے کے ساتھ کیوں مخصوص کیا جائے؟ انھوں نے مزید دلیل کے طور پر حدیث ''الحقوا الفرائض باصحابھا،، بھی پیش کی ہے۔ جس کی رو سے اصحاب فرائض

---

(۱۰۵) ''فلھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد،، (۴ : ۱۲)
فلکم ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد،، (۴ : ۱۲)
''ولا بویه لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان له ولد فان لم یکن له ولد و ورثه ابواه فلامه الثلث،، (۴ : ۱۱)

کو ان کے حصے دینے کے بعد مذکر عصبات کو دینے کا حکم ہے نہ کہ عورت (عصبہ) کو، اس لئے بقیہ ترکہ مذکر عصبات مثلاً بھائی، چچا، چچازاد بھائی، وغیرہ کو ملے گا اور بہن محروم ہوگی۔

ابن حزم نے اس تقریر کے بعد قائلین قول اول پر کہ ہمشیرہ میت کی بیٹی کے سبب عصبہ قرار پا کر ما بقی ترکہ لے لیتی ہے، اعتراض کرتے ہوئے ان کے قول میں تضاد اور تناقض ظاہر کیا ہے۔ ابن حزم کے الفاظ میں یہ لوگ ہمشیرہ کو عصبہ بنا کر وراثت دلواتے ہیں۔ لیکن پھر خود ہی اس صورت میں جب کہ میت کے ورثاء میں ایک بیٹی، شوہر، ماں اور ایک ہمشیرہ حقیقی یا علاتی ایک یا ایک سے زائد ہوں تو کہتے ہیں کہ بیٹی کو نصف، شوہر کو چوتھائی، ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور ہمشیرہ یا ہمشیرگان کو چھٹے حصے کا نصف ملے گا اور اگر اسی مسئلے میں دو بیٹیاں ہوں تو ہمشیرہ یا ہمشیرگان بالکل وارث نہ ہوں گی۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ یہ ہمشیرگان عصبہ نہ رہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ قائلین قول اول کبھی کچھ کہتے ہیں اور کبھی کچھ،،۔(۱۰۶)

ابن حزم نے اپنے قول کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت بھی نقل کی ہے کہ وہ بھی اس کے قائل ہیں (جس کے ابن حزم ہیں) کہ بیٹی کے ساتھ بہن کو کچھ نہ ملے گا۔

حضرت ابن عباس کے نظریہ کے خلاف مذاہب اربعہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ امام ابن حزم نے جن تین آیتوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ ان میں ولد کے عام معنی مراد ہیں تو مذاہب اربعہ والے بھی عام معنی مراد لیتے ہیں۔ مذکورہ (تین آیات) میں ولد کے معنی صرف بیٹے یا پوتے کی تخصیص کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اس لئے عام معنی یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی ہی مراد لئے جائیں گے۔ بخلاف آیت ''ان امرؤ ھلك،، کے کہ یہ آیت مخصوص طور پر کلالہ کے مسئلے میں ایک جزئیہ کے طور پر نازل ہوئی ہے جس کی بناء پر یہاں ''ولد،، سے صرف بیٹا (اور پوتا) مراد لیا گیا ہے۔

(۱۰۶) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۱۳

ابن حزم نے جو مسئلہ بیان کرکے تناقض ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے وہ غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ مسئلہ متذکرہ میں جب ذوی الفروض ہی پر ترکہ پورا پورا تقسیم ہوجائے یا ان ہی پر تقسیم کے لئے ترکہ کافی نہ ہو تو عصبہ کو ملنے کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ متذکرہ بالا پہلے مسئلے میں بیٹی، شوہر اور ماں کو بالترتیب ۱/۲، ۱/۴، اور ۱/۶ دے کر ۱/۱۲ حصہ باقی بچتا ہے، جو ظاہر ہے کہ بہن خواہ ایک ہو یا زائد بحیثیت عصبہ اس بقیہ ترکہ کی مستحق ہوگی۔ مسئلہ کی دوسری صورت میں بیٹیاں شوہر اور ماں بالترتیب ۲/۳، ۱/۴ اور ۱/۶ کی مستحق ہیں مگر ترکہ خود ان کے لئے ہی کافی نہیں ہے۔ وہ اکائی سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے بہنوں یا کسی دوسرے عصبہ کے لئے استحقاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو اس مسئلے میں خود ابن حزم کے قول میں تناقض پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی کے صفحہ ۳۳۰ (مسئلہ نمبر ۱۷۲۵) میں لکھا ہے کہ میت کی نرینہ اولاد کی موجودگی میں محض بیٹیاں، باپ، ماں، دادا، دادی، بیوی، شوہر جیسی صورت ہو) وارث ہو سکیں گے۔ ان کے ماسوا کوئی دوسرا فرد وارث نہ ہوگا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ میت کے بیٹے کی موجودگی میں میت کا بھائی وغیرہ وارث نہ ہوگا۔ ابن حزم نے محولہ بالا کتاب، مسئلہ ۱۷۲۷ میں فرمایا ہے کہ ''اگر کوئی میت بیٹیاں اور پوتیاں چھوڑے اور ان کے ساتھ چچا یا چچا کا بیٹا یا بھائی یا بھائی کا بیٹا بھی چھوڑے تو بیٹیوں کو دو تہائی دینے کے بعد بقیہ ترکہ چچا کے بیٹے یا بھائی یا بھائی کے بیٹے (جیسی صورت ہو) کو ملے گا۔ اس مسئلہ میں ابن حزم میت کی بیٹیوں کی موجودگی میں بھائی کو وارث قرار دے رہے ہیں جس سے ظاہر ہوا کہ میت کے بیٹے کی موجودگی میں بھائی محروم ہوگا اور بیٹی کی موجودگی میں محروم نہ ہوگا بلکہ ترکہ پائے گا۔ چنانچہ ابن حزم کے خود اپنے قول میں تناقض پیدا ہوگیا۔ کیونکہ جب آیت ''ویرثها ان لم یکن لها ولد'' میں ولد سے عام معنی بیٹا اور بیٹی مراد لئے جاتے ہیں تو پھر ابن حزم کا یہ مسئلہ کہ میت کی بیٹی ہونے کی صورت میں اس کا حصہ نصف یا دو تہائی دینے کے بعد بقیہ بھائی کو دیا جائے گا، تضاد کا شکار ہوجاتا ہے اس لئے کہ جس طرح

وہ بیٹے کی صورت میں بھائی کو محروم قرار دیتے ہیں اسی طرح بہن کی موجودگی میں بھی بھائی کو محروم قرار نہیں دیتے، چنانچہ خود ان کے استدلال سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں ان کے مذہب کے مطابق بھی ''ولد،، سے صرف بیٹا مراد ہے۔ اس کے برخلاف جمہور ائمہ کے مسلک میں تناقض موجود نہیں۔ اور اگر ابن حزم کی طرف سے یہ کہا جائے کہ بیٹیوں کے ساتھ بھائی کو حضرت ابن عباس والی حدیث (فما ابقته الفرائض فلاولی رجل ذکر) کی بناء پر عصبہ قرار دے کر وارث تسلیم کیا گیا ہے تو جمہور ائمہ کی جانب سے اس کے جواب میں حدیث نبوی ''اجعلوا الا خوات مع البنات عصبة،، اور ھذیل بن شرجبیل کی مذکورہ بالا حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس میں ابن مسعودرض سے، بیٹیوں کو بہنوں کے ساتھ عصبہ قرار دے کر وارث مانا گیا ہے۔

امت مسلمہ میں (علاوہ حضرات شیعہ کے جو کل ترکہ بیٹی کو دلواتے ہیں) ائمہ اربعہ کا اجماعی نقطہ نظر معمول یہ رہا ہے چنانچہ بیٹی کے ساتھ بہن کو وارث قرار دیا جاتا ہے بشرطے کہ میت کلالہ ہو یعنی اس کے کوئی بیٹا یا باپ موجود نہ ہو۔

حجب :

اگر میت کا بیٹا یا پوتا خواہ کتنے ھی زیرین درجہ کا ہو موجود ہو تو بہن محجوب ہوجاتی ہے۔ اسی طرح میت کا باپ موجود ہو تو حقیقی بہن محجوب ہوجاتی ہے خواہ بیٹا ہو یا بیٹی اس کے ساتھ موجود ہو یا نہ ہو۔ البتہ دادا کی موجودگی میں بہن کے محجوب ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک فریق کے نزدیک وہ باپ کی طرح دادا کی موجودگی میں بھی محجوب ہوگی، جب کہ دوسرے فریق کے نزدیک دادا کی موجودگی میں محجوب نہ ہوگی۔ مصر کے رائج الوقت قانون میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ وہ دادا کی موجودگی میں میراث لے گی۔(۱۰۷)

مصری قانون :

دفعہ ۱۳۔ دفعات ۱۹ اور ۲۰ کی رعایت کرتے ہوئے

(الف) ایک حقیقی ہمشیرہ کے لئے نصف اور دو یا زائد کے لئے دو

(۱۰۷) احکام المواریث فی الشریعة الا سلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۷۵

تہائی حصہ فرض ہے۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۰۔ دفعات ۲۷۷ اور ۲۸۰ کے احکام کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے :

(۱) ایک حقیقی ہمشیرہ کو فرض کا نصف دیا جائے گا اور دو یا زیادہ کو دو تہائی دیا جائے گا۔

(۲) جب کہ میت کی حقیقی ہمشیرہ موجود نہ ہو تو پدری ہمشیرہ‌گان کا یہی مذکورہ حصہ فرض ہوگا۔

(۳) ایک حقیقی ہمشیرہ کے موجود ہوتے ہوئے پدری ہمشیرگان کو ۱/۶ دیا جائے گا۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۰۵ ۔ حقیقی ہمشیرگان کی پانچ حالتیں ہیں :

(۱) نصف جب کہ تنہا ایک ہمشیرہ ہو،

(۲) دو یا زائد کے لئے دو تہائی،

(۳) حقیقی بھائی اور جد کے ساتھ عصبہ ہوں گی۔ تقسیم ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے طریقہ پر ہوگی ۔

(۴) اور ان کے عصبہ ہونے کی صورت میں جب کہ میت کی بیٹیاں یا پوتیاں موجود ہوں تو ان کے حصص کے بعد بقیہ ترکہ بحیثیت عصبہ ان کو ملے گا۔

(۵) جب کہ میت کا باپ، بیٹا، یا پوتا موجود ہو تو یہ ساقط ہوجائیں گی۔

مراکش کا قانون:

دفعہ ۲۳۹ ۔ نصف کے مستحق پانچ اشخاص ہوتے ہیں :

....

(۴) حقیقی ھمشیرہ، جب کہ میت کا باپ، بیٹا یا بیٹی، اور پوتا پوتی اور حقیقی بھائی موجود نہ ھوں۔

دفعہ ۲۳۲ - دو تہائی کے مستحق چار (۴) فرد ھیں :

(۳) دو یا زائد حقیقی ھمشیریں، بشرطے کہ میت کا باپ، صلبی بیٹا، بیٹی، حقیقی بھائی موجود نہ ھوں۔

علاتی بہن کی میراث

۲۷۶ - علاتی بہن کی میراث کی چھ حالتیں ہیں : -

(۱) ایک ھو تو ترکہ کا نصف ، اور

(۲) دو یا دو سے زائد ھوں تو دو تہائی ملے گا جبکہ حقیقی بہنیں موجود نہ ھوں -

(۳) اگر ایک حقیقی بہن ھو اور ایک علاتی بہن ھو تو حقیقی بہن کو آدھا اور علاتی بہن کو چھٹا مل کر دو تہائی کی تکمیل کی جائے گی -

(۴) اگر دو حقیقی بہنیں موجود ھوں تو علاتی بہنیں وارث نہ ھوں گی -

(۵) الا یہ کہ کوئی علاتی بھائی موجود ھو جو ان (علاتی بہنوں) کو عصبہ کر دے -

(۶) علاتی بہنیں صلبی (حقیقی) بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ عصبہ ھو جاتی ہیں -

توضیح :- بھائی یا بہن خواہ حقیقی ھوں یا علاتی، میت کے بیٹے پوتے اور (خواہ کتنے ھی زیرین درجہ کے ھوں) میت کے باپ کی موجودگی میں ساقط ھوجاتے ہیں،

تشریح

علاتی بہن اس بہن کو کہتے ھیں جس کا رشتہ باپ کی طرف سے ھو اور ماں کی طرف سے نہ ھو۔ علاتی بہن بھائی کو ''اولادالاب'' بھی کہا جاتا ھے۔ میت کی علاتی بہنوں کا حکم بھی آیت قرآنی ''ان امرو ھلك لیس له ولد وله اخت فلها نصف ماترك و ھو یرثها ان لم یکن لها ولد ، فان

کانتا اثنتین فلھما الثلثان مماترک، وان کانوا اخوۃ رجالا و نساءً فللذکر مثل حظ الانثیین،، آیت کے تحت ہے چنانچہ جس طرح اس کا انطباق میت کی حقیقی بہنوں کے لئے ہوتا ہے اسی طرح میت کی علاتی بہنوں کے لئے بھی ہوگا، البتہ ورثہ کے استحقاق میں علاتی بہنوں کے مقابلے میں حقیقی بہنوں کو تقدم حاصل ہوتا ہے کیونکہ حقیقی بہن علاتی بہن کے مقابلے میں اقرب ہوتی ہے۔ اور ''الاقرب یسقط الابعد،، کے اصول کے تحت حقیقی بہن علاتی بہن کو محجوب کرکے خود مستحق میراث قرار پاتی ہے (۱۰۸)

علاتی بہن کی میراث کی حالتیں :

علاتی (پدری) بہن کی میراث کی سات حالتیں ہیں۔ پانچ حالتیں تو وہی ہیں جو حقیقی بہن کے متعلق بیان کی گئی ہیں لیکن دو حالتیں ان کے علاوہ ہیں۔ یہ کل سات حالتین حسب ذیل ہیں :-

(۱) اگر میت کی صرف ایک پدری بہن ہو تو اس کو نصف ملے گا۔

(۲) اگر میت کی کوئی حقیقی بہن موجود نہ ہو اور دو یا اس سے زائد علاتی (پدری) بہنیں ہوں تو دو تہائی دیاجائے گا۔ اس دو تہائی کو تمام پدری بہنیں تقسیم کرلیں گی۔ یہ حکم قرآن حکیم کی اسی نص کے تحت ہے جو حقیقی بہنوں کے سلسلے میں بیان کی جا چکی ہے۔

(۳) ایک حقیقی بہن کے ہوتے ہوئے علاتی بہن کو چھٹا حصہ دیا جائے گا تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے، چوں کہ ایسی چند بہنوں کا حق دو تہائی ہوتا ہے اور حقیقی بہن نصف ترکہ لے چکی جس کے بعد چھٹا حصہ باقی رہا جو علاتی بہنوں کو دیا جائے گا تاکہ دو تہائی بہنوں کا حق پورا ہو جائے۔

(۴) دو حقیقی بہنوں کے ساتھ پدری بہن وارث نہ ہوگی، چوں کہ حقیقی بہنیں پورا دو تہائی جو بہنوں کا حق ہے لے لیں گی، جس کے بعد علاتی

---

(۱۰۸) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۵۴-۱۵۳

بہن کا کوئی حصہ باقی نہ رہے گا۔

(۵) لیکن اگر علاتی بہنوں کے ساتھ پدری بھائی بھی موجود ہو تو بھائی ان بہنوں کو عصبہ بنادے گا اور حقیقی بہنوں کے دو تہائی لینے کے بعد جو ترکہ باقی رہے گا وہ پدری بھائی بہن آپس میں ''للذکر مثل حظ الانثیین'' کے طریقہ پر تقسیم کر لیں گے۔

(۶) میت کی بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں پدری بہنیں عصبہ ہو جائیں گی لہذا بیٹی یا پوتی کے حصہ لینے کے بعد جو ترکہ باقی رہے گا وہ علاتی بہنیں بحیثیت عصبہ ہونے کے لےلیں گی۔ جمہور صحابہ کا بھی مذہب ہے۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیٹی یا پوتی کے ساتھ بہنوں کو عصبہ قرار نہیں دیتے، جیسا کہ سطور ما قبل میں حقیقی بہن کی میراث کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

(۷) علاتی بہنیں حقیقی بہنوں کی مانند، میت کے بیٹے یا پوتے یا باپ کی موجودگی میں وراثت سے محروم ہو جائیں گی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حکم اس وقت بھی ہوگا جب کہ (باپ کے بجائے) میت کا دادا موجود ہو، جس کی علت ''مقاسمۃ الجد'' کی بحث میں آگے بیان کی جارہی ہے۔ نیز علاتی بہنیں میت کے حقیقی بھائی کی موجودگی میں بھی ساقط ہو جاتی ہیں۔(۱۰۹)۔

مصری قانون:

دفعہ ۱۳ (ب)۔ دفعات ۱۹ اور ۲۰ کی رعایت کرتے ہوئے:

علاتی بہن کے لیے مذکورہ صدر حصہ ہوگا جب کہ ان کے مقابل حقیقی بہن موجود نہ ہو اور حقیقی بہن کے موجود ہونے پر ۱/۶ ملے گا، خواہ علاتی بہن تعداد میں ایک ہو یا زائد۔

(۱۰۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۸-۲۷

مراکش کا قانون:

دفعہ ۲۳۹ - نصف کے مستحق پانچ اشخاص ہوتے ہیں:

(۵) علاتی بہن، جب کہ وہ لوگ موجود نہ ہوں جن کو حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور علاتی بھائی اور پدری بہن بھی موجود نہ ہوں۔

دفعہ ۲۴۲ - دو تہائی کے مستحق چار (۴) فرد ہیں:

(۴) دو یا دو سے زائد علاتی ہمشیریں، بشرطیکہ ان کے ساتھ وہ لوگ موجود نہ ہوں جن کو حقیقی ہمشیروں میں بیان کیا گیا اور اخیافی (مادری) بھائی بھی موجود نہ ہو۔

مادری یا اخیافی بھائی بہن کی میراث

۲۷۷ - اخیافی بھائی بہن (ماں کی اولاد) کی میراث کی دو حالتیں ہیں:
جب کہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد نہ ہو نہ باپ ہو نہ دادا۔

(۱) - ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو چھٹا حصہ ملے گا، اور

(۲) - دو یا دو سے زائد کےلئے ایک تہائی ہو گا جو مرد و عورت میں مساوی طور پر تقسیم ہو جائے گا۔

تشریح

اخیافی بھائی یا بہن وہ بھائی بہن ہوتے ہیں جن کا رشتہ ماں کی طرف سے ہو اور باپ کی طرف سے نہ ہو۔ ان کو عام اصطلاح میں ''اولادالام،، بھی کہا جاتا ہے۔ (۱۱۰)

اخیافی بھائی بہن بھی ذوی الفروض میں شامل ہیں، کیونکہ ان کے حصے بھی اللہ تعالی نے قرآن مجید میں مقرر فرما دیئے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ''اگر مرد یا عورت ہو اور (ورثا میں محض) اس کا اخیافی بھائی یا بہن موجود ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ (۱۱۱)

(۱۱۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۸ - ۲۷
فتاوی عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، جلد ۳، ص ۳۰۵

(۱۱۱) ۴ : ۱۲ (النساء):
''وان کان یورث کلالۃ اوامراۃ ولہ اخ اواخت لکل واحد منہما السدس،،

''مادری (اخیافی) بہنوں کی میراث کے سلسلہ میں فتاوی عالمگیری میں منقول ہے کہ ایک اخیافی بہن کے لئے چھٹا حصہ ہوگا، اور دو اور دو سے زائد کے لئے ایک تہائی (بحوالہ الاختیار) اور ساقط ہوجاتے ہیں، بھائی اور بہنیں ، بیٹے اور پوتے سے ، خواہ کتنے ہی نیچے سلسلہ سے ہوں اور باپ کی موجودگی میں بھی - اس میں تینوں ائمہ احناف کا اتفاق ہے۔ اور دادا کی موجودگی میں ساقط ہونے کے قائل امام (ابو حنیفہ) ہیں، اور باپ کی اولاد (یعنی علاتی بھائی بہن) بھی انہیں لوگوں کے ذریعے ساقط ہو جاتی ہے اور حقیقی بھائی کے ذریعہ بھی - اور ماں کی اولاد یعنی اخیافی ، ولد کے موجود ہونے سے خواہ وہ بیٹا ہو یا بیٹی اور پوتے اور باپ اور دادا کے ذریعہ سے ، بالاتفاق ساقط ہو جاتی ہے (بحوالہ کافی) -

یعنی جب کسی میت کا بیٹا یا پوتا خواہ کتنے ہی نیچے درجہ کا ہو یا باپ موجود ہو تو ہر سہ ائمہ احناف کے نزدیک میت کے حقیقی بھائی بہنیں میراث سے محروم ہو جائیں گے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دادا بھی باپ کے مثل محروم کردیتا ہے میت کے علاتی (پدری) بھائی بہنوں کو بھی یہ افراد اور حقیقی بھائی میراث سے محروم کر دیتے ہیں اور میت کے مادری (اخیافی) بھائی بہن بھی ان کے ذریعہ اور بیٹی کے موجود ہونے پر میراث سے محروم ہوجاتے ہیں -

اخیافی بھائی بہن کی میراث کی حالتیں :

اخیافی بھائی یا بہن کی میراث کی حسب ذیل چار حالتیں ہیں :-

(۱) یہ کہ ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو اس کا حصہ چھٹا ہے، جب کہ میت کی اولاد (بیٹا بیٹی) یا بیٹے کی اولاد نہ ہو، نہ باپ ہو اور نہ دادا -

(۲) اگر ایک اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن موجود ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا- (یہ دونوں ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے) -

(۳) اسی طرح دو یا دو سے زائد اخیافی بھائی یا بہنیں موجود ہوں تو ان سب کے لئے ترکہ کا کل تہائی حصہ ہے جس کو وہ بحصہ مساوی تقسیم کر لیں گے۔

(۴) اسی طرح اگر اخیافی بھائیوں کے ساتھ اخیافی بہنیں بھی ہوں تو سب اسی تہائی میں مساوی حقدار ہوں گے - مرد و عورت کے حصے میں کوئی فرق نہ کیا جائے گا، جیسا کہ قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے کہ ''اگر وہ (اخیافی بھائی بہنیں) ایک سے زائد ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہیں'' -(۱۱۲)

بشرطے کہ میت کا بیٹا، بیٹی، بیٹے کی اولاد یا باپ، دادا کوئی نہ ہو۔

حجب حرمان :

چون کہ اخیافی بھائی بہن قسم کلالہ سے ہین اس لئے ان کی توریث میں بالاجماع یہ شرط رکھی گئی ہے کہ میت کے بیٹا، بیٹی یا بیٹے کی اولاد یا باپ، دادا کوئی موجود نہ ہو، اس لئے اخیافی بھائی بہن حسب ذیل دو صورتوں میں بالاجماع محجوب (محروم) یعنی ساقط الارث ہوجاتے ہیں : -

(۱) جب کہ متوفی کا بیٹا، بیٹی یا بیٹے کی اولاد خواہ وہ کتنی ہی زیرین پشت کی کیوں نہ ہو، موجود ہو۔

(۲) جب کہ متوفی کا باپ یا دادا موجود ہو، خواہ کتنے ہی اوپر کا کیوں نہ ہو-(۱۱۳)

اس مسئلے میں بشمول ظاهریہ (۱۱۴) اور شیعہ امامیہ (۱۱۵) علماء امت کا اتفاق ہے -

---

(۱۱۲) ۴ : ۱۲ (النساء ۴) :
''و ان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث''

(۱۱۳) فتاوی عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، جلد ۴، ص ۴۰۵ -
(۱۱۴) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۱۰
(۱۱۵) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۷

مصری قانون:

دفعہ ۱۰ - اخیافی ایک اولاد کے لئے ۱/۶ فرض ہے، اور دو یا زیادہ کے لئے ایک تہائی، ان کے مرد و عورت تقسیم میں مساوی حصہ دار ہوں گے، اور دوسری حالت میں، جب کہ ترکہ اصحاب فروض میں مستغرق ہو تو اخیافی اولاد کے ساتھ حقیقی ایک یا چند بھائی یا جب کہ ان کے ہمراہ بہن بھی ہو یا متعدد بہنیں ہوں، شریک ہوں گے اور ایک تہائی ان کے درمیان مساوی طریقے پر تقسیم کیا جائے گا۔

شام کا قانون:

دفعہ ۲٦۷ - مادری اولاد کے لئے اگر ایک ہو حصہ فرض ۱/۶ ہوگا، اور دو یا اس سے زائد کی صورت میں ۱/۳ ہوگا، تقسیم میں مرد و عورت برابر کے مستحق ہوں گے۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۰۰ - مادری بھائیوں کی تین حالتیں ہیں :-

(۱) ایک فرد کے لئے ۱/۶،

(۲) دو اور زائد کے لئے ۱/۳ مرد اور عورت تقسیم میں مساوی ہوں گے،

(۳) ساقط ہو جانا جب کہ میت کا بیٹا، پوتا، نیچے تک کا، بیٹی، پوتی نیچے تک کی، اور باپ یا دادا موجود ہوں۔

دفعہ ۱۰٦ - باپ شریک بہنوں کی چھ حالات ہیں :-

(۱) جب تنہا ایک ہو ۱/۲ ملے گا،

(۲) جب کہ دو یا زائد ہوں تو دو تہائی بشرطیکہ حقیقی ہمشیرہ موجود نہ ہو،

(۳) ایک حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ ۱/۶ ملے گا،

(۴) اور دو حقیقی بہنوں کے ساتھ جب کہ اس کا کوئی باپ شریک بھائی بھی اس کے ساتھ موجود ہو تو ان کو بطور عصوبت للذکر مثل حظ الانثیین،،ملے گا،

(۵) صلبی بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہوں گی، اور

(۶) ساقط ہوں گی، جب کہ میت کا باپ، بیٹا، پوتا نیچے تک کا، حقیقی بھائی ، حقیقی بہن ، جب کہ وہ بیٹیوں یا پوتیوں یا حقیقی بہنوں کے ہمراہ عصبہ قرار پاگئی ہوں بشرطیکہ ان کے ہمراہ باپ شریک بھائی نہ ہو۔

مراکشی قانون :

دفعہ ۲۴۳ - تہائی کے مستحق تین وارث ہوتے ہیں :

(۲) مادری بھائی، بشرطے کہ متعدد ہوں اور میت کا باپ اور دادا صلبی کسی قسم کی اولاد اور پوتا، پوتی موجود نہ ہوں۔

دفعہ ۲۴۴ - چھٹے حصہ کے مستحق سات (۷) وارث ہوتے ہیں :

(۵) مادری بھائی، بشرطے کہ تنہا ہو خواہ مرد ہو یا عورت، اور بشرطے کہ اس کے ساتھ میت کا باپ یا دادا، اورکسی قسم کی اولاد موجود نہ ہو۔

دادا (جد صحیح) کی میراث

۲۷۸ - دادا باپ کی غیر موجودگی میں اسکی مثل میراث کا مستحق ہوگا، بجز ذیل کی صورتوں کے :

(۱) باپ کی ماں ، باپ کی موجودگی میں محروم ہوگی دادا سے محروم نہ ہوگی۔

(۲) جب میت والدین اور زوجین میں سے کسی ایک کو چھوڑے تو ماں کو زوجین کا حصہ دینے کے بعد بقیہ کا ایک تہائی ملے گا، لیکن باپ، کی جگہ دادا کی موجودگی میں ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی ملے گا۔ اور

(۳) حقیقی یا علاتی بھائی دادا کی موجودگی میں محروم نہ ہوں گے بلکہ دادا کو بھائی کے برابر حصہ ملے گا۔

تشریح

جد سے مراد جد صحیح ، یعنی دادا ہے، جس کے اور میت کے درمیان عورت واسطہ نہ ہو بلکہ مرد واسطہ ہو، جیسے میت کے باپ کا باپ اور اس سے اوپر کا سلسلہ۔ چنانچہ ماں کا باپ (نانا) جد صحیح نہ ہوگا بلکہ جد فاسد (یا جد غیر حقیقی) کہلائے گا۔ (۱۱۶)

نانا کے لئے جب جد کا لفظ بولا جاتا ہے تو لفظ ''فاسد،، یا ''غیر حقیقی،، کی قید کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ شریفیہ میں لکھا ہے کہ ''حقیقی دادا یا جد صحیح سے مراد وہ دادا ہے جو میت کے باپ کا باپ ہو اور جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں ماں بیچ میں نہ آئے،،۔ (۱۱۷) اگر میت تک نسبت کرنے میں ماں بیچ میں آئے تو وہ دادا غیر حقیقی ہے، جیسے میت کی ماں کا باپ۔ غیر حقیقی دادا ذوی الفروض میں شامل نہیں ہے۔ (۱۱۸) دادا کی عدم موجودگی میں دادا اور اس کی عدم موجودگی میں سگڑ دادا وغیرہ اس کے قائم مقام ہوں گے یعنی باپ کے باپ، باپ یا باپ کے باپ کا باپ، علی ھذا القیاس۔

اگر دادی نے نکاح ثانی کیا ہو تو اس کا نیا شوہر دادا نہ ہوگا نہ بحیثیت ذوی الفروض کے اور نہ بلحاظ ذوی الارحام کے۔ چنانچہ اسے کسی حال میں میت کا ورثہ نہ ملے گا۔ اس کو علم المیراث کی اصطلاح میں صرف دادی کا شوہر کہا جائے گا۔

دادا کی میراث کی حالتیں :

باپ کی طرح جد (دادا) کی بھی تین حالتیں ھیں :۔

''(۱) محض ذی فرض، (۲) ذی فرض و عصبہ ہونا، (۳) محض عصبہ ہونا،،۔

---

(۱۱۶) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

(۱۱۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

(۱۱۸) فتاوی عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، جلد ۶، ص ۴۰۳

۱- محض ذی فرض ہونا :

اگر جد کے ساتھ میت کی نرینہ اولاد ہو تو وہ ترکہ کا چھٹا حصہ ذی فرض کی حیثیت سے پائے گا۔

۲- ذی فرض و عصبہ ہونا:

لیکن اگر میت کی صرف مونث اولاد ہو تو ترکہ کا چھٹا حصہ ذی فرض کی حیثیت سے اور ذی فرائض کو ان کے حصے دینے کے بعد ما بقی ترکہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے دادا کو ملے گا۔

۳- محض عصبہ ہونا :

لیکن جب میت کی مذکورہ دونوں قسم کی اولاد میں سے کوئی موجود نہ ہو یا ایسے فروع موجود ہوں جو ذی فرض یا عصبہ نہ ہونے کے سبب وارث نہیں ہوسکتے جیسا کہ نواسہ، نواسی تو اس وقت دادا محض عصبہ ہونے کی حیثیت سے کل مال کا حقدار ہوجائے گا۔

اگر ورثاء میں صرف دادا اور دادی موجود ہوں تو دادی کا چھٹا حصہ دے کر بقیہ دادا لے لے گا، لیکن ایسی صورت میں دادی کا دادا کے ہم درجہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ دادی کی موجودگی میں دادا کے اوپر کے درجہ کی دادیاں محروم ہوجاتی ہیں۔

دادا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے:

مذکورہ بالا حالتوں میں جب کہ باپ موجود نہ ہو جد (دادا) باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ جد کے باپ کے قائم مقام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد آیات میں جد کو ''اب،، (باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث نبوی میں بھی دادا کے لئے ''اب،، کا لفظ استعمال کیا گیا ہے،

بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ کتاب الہیہ میں اللہ تعالی نے جد کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ اس کے لئے ''اب'' کا لفظ ہی استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ''یبنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابو یکم من الجنۃ'' (۱۱۹) چنانچہ یہاں حضرت آدم جو تمام عالم انسانیت کے جد اعلی ہیں ان کو ''اب (باپ)'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے ''ملۃ ابیکم ابراھیم'' (۱۲۰) ایک اور آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کو نقل فرمایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے دادا کو ''اب'' کے لفظ سے تعبیر کیا ''واتبعت ملۃ اباءی ابراھیم و اسحق و یعقوب'' (۱۲۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا ''ارموا بنی اسمعیل فان ابا کم کان رامیاً'' (۱۲۲) چنانچہ دادا کے حق میں باپ کے لفظ کا استعمال اس امر کی دلیل ہے کہ میراث میں جو حکم باپ کا ہوگا، باپ موجود نہ ہونے کی صورت میں وہی حکم دادا کا ہونا چاہئے۔

لیکن قرآن پاک میں دادا کے لئے ''اب'' کا لفظ بولے جانے کی دلیل کے مقابلہ میں بہتر یہ ہے کہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں جد کے باپ کے مانند ہونے کے متعلق اجماع صحابہ کی دلیل پر مسئلہ کا مدار رکھا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ میراث میں دادا باپ کی مانند ہے۔ صحابہ کرام کے اجماع کو بطور دلیل اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں چچا کے لئے بھی ''اب'' کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا قول کتاب اللہ میں اس طرح نقل کیا گیا ہے ''قالو انعبد الھك و الہ ابائك ابراھیم و اسمعیل و اسحق'' (۱۲۳) اور یہ واضح ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام حضرت یعقوب کے چچا تھے۔ لیکن یہاں کوئی شخص اس کا قائل

---

(۱۱۹) ۷ : ۲۷ (اعراف، ک)

(۱۲۰) ۲۲ : ۷۸ (الحج، م)

(۱۲۱) ۱۲ : ۳۸ (یوسف، ک)

(۱۲۲) تیر اندازی کرو، اے بنی اسماعیل، اس لیے کہ بلا شبہ تمھارے باپ بھی تیرانداز تھے

(۱۲۳) ۲ : ۱۳۳ (البقرہ، م)
انھوں نے کہا کہ ہم تیرے اللہ اور تیرے باپ ابراھیم و اسمعیل اور اسحاق کے اللہ کی عبادت کریں گے۔

نہیں ہے کہ چچا دادا کی طرح باپ کا درجہ حاصل کرکے اسی طرح میراث پائے گا جس طرح باپ میراث پاتا ۔ لہذا قرآن پاک میں دادا کے لئے ''اب،، کا لفظ استعمال کرنا رواج عرب کی بناء پر تھا، باپ کے مانند استحقاق میراث کے لئے کوئی قطعی دلیل نہیں بن سکتا ۔ اسی لئے راقم‌الحروف نے اس مسئلے میں اجماع صحابہ کی دلیل کو اوپر نقل کیا ہے ۔

حضرت ابو بکر، حضرت ابن عباس‌رض اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا اس کی جگہ ہے ۔ صحابہ کرام میں سے کسی سے اس کی مخالفت منقول نہیں ۔(۱۲۴)

چنانچہ جب کسی میت کا باپ موجود ہوگا، دادا میراث نہ پائے گا ۔ اسی طرح ہر جد قریب جد بعید کا میراث سے حاجب ہوگا ۔ لیکن اس کے باوجود کہ دادا کی میراث میں باپ کی مثل تین حالتیں ہیں وہ چند مسائل میں باپ سے مختلف بھی ہے ۔ مثلاً

(۱) باپ کسی صورت میں میراث سے محجوب (محروم) نہیں ہوتا ۔ چنانچہ جب میراث کا کوئی امر مانع موجود نہ ہو تو کوئی دوسرا قرابت دار اس کو وراثت سے محروم نہ کر سکے گا ۔ لیکن دادا باپ کے موجود ہونے سے محجوب ہو جاتا ہے جو کہ حجب حرمان کے درجہ کا ہوتا ہے اسی طرح جد قریب جد بعید کے لئے حاجب ہوتا ہے ۔

(۲) باپ کے ساتھ باپ کی ماں وارث نہ ہوگی جس طرح ہر جد کے ساتھ ان کے باپ کی ماں وارث نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی میت کا جد (دادا) موجود ہو اور اس کے ساتھ میت کے باپ کی ماں بھی موجود ہو تو اس صورت میں وہ وارث ہوگی ۔

(۳) مسئلہ غراویہ یعنی جب کہ میت کے والدین اور شوہر یا بیوی (جیسی صورت ہو) میں سے ایک موجود ہو تو زوجین میں سے کسی ایک کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا ایک تہائی ماں کو ملے گا، کل ترکہ کا

---

(۱۲۴) صحیح بخاری، امام بخاری، محمد بن اسمعیل، محولہ بالا، ج ۲، ص ۹۹۸

تہائی نہ ملے گا۔ لیکن اگر اس مسئلے میں باپ کی جگہ دادا موجود ھو تو ماں کل ترکہ کا ایک تہائی لے گی، کیونکہ میت کی ماں جد کی نسبت سے میت سے زیادہ قریب ہوتی ھے۔(۱۲۵) البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی صورت میں بھی میت کی ماں کو باقی کا تہائی ھی دیا جائے گا۔

(۳) علماء کا اس پر اتفاق ھے کہ باپ کی موجودگی میں میت کے ھر قسم کے بھائی بہن محجوب ھو جائیں گے، لیکن اگر باپ موجود نہ ھو اور دادا موجود ھو تو اخیافی بھائی بہن محجوب ھوں گے۔ اس پر اجماع ھے۔ البتہ علاتی بھائی بہن کے وارث ھونے میں اختلاف ھے۔ صحابہ کرام کے ایک گروہ کا جن میں حضرت علی و زید و ابن مسعود رضی اللہ عنہم شامل ھیں یہ مذھب ھے کہ دادا کے ساتھ حقیقی و علاتی بھائی بھی وارث ھوتے ھیں، اگر میت کے اولاد نہ ھو۔ اسی کو امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل و ابو یوسف و محمد بن حسن الشیبانی و ابن ابی لیلی و ابن شبرمہ نے اختیار کیا ھے۔ البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک باپ کی غیر موجودگی اور دادا کی موجودگی میں تمام قسم کے بھائی بہن (بشمول علاتی بھائی بہن) ساقط ھوجائیں گے۔(۱۲۶) (اس مسئلہ پر ''مقاسمۃ الجد،، کے عنوان کے تحت تفصیلی بحث آگے آرھی ھے) ۔

میت کے حقیقی یا علاتی بھائی بہن اور دادا:

جب کہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاتی بھائی بہن یا صرف بھائی یا بہنیں موجود ھوں تو اس حالت میں دادا کی میراث کا کیاحکم ھوگا؟ اس مسئلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم کے درمیان خاصا اختلاف رھا ھے۔

شریفیہ (شرح سراجیہ) میں لکھا ھے کہ ''ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ

(۱۲۵) احکام الترکات و المواریث (فقہ عام) ابوزھرہ، محولہ بالا، ص ۸۵-۱۸۲
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

(۱۲۶) احکام الترکات و المواریث، (فقہ عام)، ابوزھرہ، محولہ بالا، ص ۱۷۶
احکام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۹۳
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا،ص ۱۹

اور صحابہ بشمول ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر، حذیفہ بن الیمان، ابو سعید خدری، ابی بن کعب، ابو موسی اشعری اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہ کا قول ہے کہ حقیقی و علاتی بھائی بہن دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتے جیسا کہ وہ باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتے بلکہ باپ کی طرح دادا کل ترکہ لے لیتا ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے نیز اکثر تابعین بشمول شریح، عطاء، عروہ بن الزبیر، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، اور ابن سیرین کا بھی یہی قول ہے ۔(۱۲۷)

اس کی تائید میں حضرت ابن عباس کا یہ قول دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''زید بن ثابت اللہ سے نہیں ڈرتا، وہ پوتے کو بیٹے کا قائم مقام قرار دیتا ہے مگر دادا کو باپ کے بجائے قرار نہیں دیتا''۔ مطلب یہ ہے کہ بھائیوں کے مقابلے میں میت سے قرب و بعد کی جو نسبت پوتے کو ہے وہی نسبت دادا کو ہے، یعنی دونوں میں وراثت کی علت مشترک ہے۔ لہذا دونوں کا حکم بھائیوں کے محجوب کرنے کے سلسلہ میں ایک ہونا چاہئے۔ چنانچہ جس طرح پوتا بجائے بیٹوں کے بھائیوں کے واسطے حاجب ہوتا ہے اسی طرح دادا بجائے باپ کے بھائیوں کے واسطے حاجب ہونا چاہئے ۔(۱۲۸)

چنانچہ شریح و عمر بن عبدالعزیز و حسن بصری و داؤد بن علی الظاہری و عطا و عروہ ابن زبیر و ابن سیرین اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ نے ان صحابہ کا قول اختیار کیا، جو فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے بھائی بہن دادا کے مقابلے میں وراثت سے محروم ہوں گے۔ (۱۲۹) امام سرخسی نے اپنی مشہور تصنیف ''المبسوط'' میں حضرت ابوبکر الصدیق، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ، ابی بن کعب، ابو موسی اشعری، عمران ابن حصین، ابو داؤد، عبداللہ بن زبیر اور معاذ بن جبل رضوان اللہ تعالی عنہم کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ

---

(۱۲۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۲

(۱۲۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۲

(۱۲۹) احکام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۹۵

الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۲

تعالی عنہ کے متعلق یہ ظاہر کیا ہے کہ آپ اس مسئلے میں آخر وقت تک کوئی رائے قایم نہ کر سکے تھے۔ (۱۳۰) اس کے برخلاف حضرت علی بن ابی طالب، زید بن ثابت اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور اکثر صحابہ کا قول ہے کہ دادا، جب کہ میت کی اولاد موجود ہو، باپ کی مثل ہے اور جب اولاد موجود نہ ہو بلکہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاتی (پدری) بھائی ہوں تو وہ باپ کی مثل ان لوگوں کا حاجب نہ ہوگا۔ علاتی بہن بھائی اس کے ساتھ وارث ہوں گے البتہ دادا اخیافی (مادری) بھائی بہنوں کا حاجب ہوگا۔ (۱۳۱) یہی مذہب سفیان ثوری اور حنفیہ میں سےامام ابو یوسف و محمد بن الحسن الشیبانی، امام مالک و شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔ اس مسئلے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے دو روایتیں ہیں، لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زید کے موافق ہیں۔

"مقاسمۃ الجد" میں طریق توریث:

علم المیراث کی اصطلاح میں دادا کی موجودگی میں بھائی کی میراث کے لیے "مقاسمہ" الجد" کی اصطلاح رائج ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دادا کےساتھ اگر میت کے بھائی بہن بھی موجود ہیں تو دادا کو بھی ایک بھائی کا حصہ دیا جائے، نہ یہ کہ دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن بالکل محروم کر دیے جائیں، جیسا کہ امام اعظم کا مذہب ہے۔ صاحبین اور کے ان متبعین مذہب کے نزدیک دادا کے ساتھ بھائی بہن موجود ہوں تو بھائی بہن بھی وارث ہوں گے اور دادا کو مثل ایک بھائی کے شریک کیا جائے اور "للذکر مثل حظ الانثیین" کے مطابق میراث تقسیم ہوگی۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دادا درجہ دوئم کا عصبہ ہے، جب کہ بھائی درجہ سوم کا عصبہ ہے۔ اس لیے "الاقرب یحرم الابعد" کی بنیاد پر دادا کی موجودگی میں بھائی کو ورثہ نہیں ملنا چاہئے۔

مقاسمہ" کا لفظ باب "مفاعلہ" سے آتا ہے جو قسمت سے ماخوذ ہے۔

---

(۱۳۰) "المبسوط" امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۹-۱۸۰
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۳
(۱۳۱) الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۲-۸۳

یہاں اس کے معنی ''ورثاء کا باہم ایک دوسرے کے مقابلے میں ترکے کو اپنے لیے تقسیم کرا لینا یا کر لینا،، مراد ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چوں کہ حضرت ابو بکر الصدیق ، ابن عباس ، ابن زبیر ، ابن عمر ، حذیفہ ابن یمان، ابو سعید خدری ، ابی ابن کعب ، معاذ بن جبل ، ابو موسی اشعری اور عائشہ رضوان اللہ تعالی علیہم کا مذہب اختیار کیا ہے، کہ میت کے دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن میراث سے محروم ہوں گے، دادا اور ان کے درمیان ترکہ کی باہمی تقسیم نہ ہو سکے گی ، لہذا اس مسئلے کو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر باب المقاسمۃ کے نام سے موسوم نہیں کیا جا سکتا اور نہ کیا گیا ہے، بلکہ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ ، کے مذہب کے مطابق چوں کہ دادا کے ساتھ میت کے بھائی بہن محروم نہیں ہوتے بلکہ ترکے کی تقسیم میں دادا کے ساتھ شریک ہوتے ہیں ، اس لیے مسئلے کا نام ''مقاسمۃ الجد،، رکھا گیا ہے ۔ اور یہی متاخرین حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قرار پایا ہے۔ صاحبین نے صحابہ میں سے ، حضرت ابن مسعود و زید ابن ثابت و حضرت علی رضی اللہ عنہم کے قول کو اختیار کیا ہے۔

حضرت علی کا مقاسمۃ الجد میں طریق توریث :

اگر چہ حضرت علی ، ابن مسعود اور زید بن ثابت نے بھائیوں کی موجودگی میں دادا کو حصہ دیئے جانے میں اتفاق کیا ہے لیکن کیفیت تقسیم میں اختلاف ہے۔

حضرت علی کے نزدیک دادا کو چھٹا یا مقاسمۃ میں جو بڑا حصہ ہو وہ ملے گا ۔ یعنی حضرت علی کی تقسیم اس طرح ہے کہ دادا بھائیوں کے ساتھ مقاسمۃ کرے گا جب تک کہ اس کا حصہ چھٹے سے کم نہ ہو اور جب مقاسمۃ میں گھٹے تو چھٹا حصہ دیا جائے گا ، کیوں کہ باپ کا حصہ چھٹے حصے سے کم نہیں ہوتا ۔

حضرت زید کے نزدیک دادا کو تہائی یا مقاسمۃ میں جو بڑا حصہ ہو وہ

ملے گا اور حضرت ابن مسعود کے نزدیک بھی یہی صورت ہے، جب کہ اور کوئی ذی فرض نہ ہو۔

اگر حقیقی بھائیوں کے ساتھ علاتی بھائی بھی ہوں تو حضرت علی کے نزدیک علاتی بھائیوں کا لحاظ نہیں کیا جائے گا چناں چہ اگر دادا کے ساتھ حقیقی اور علاتی بھائی ہوں تو میراث دادا اور حقیقی بھائی میں مقاسمة کے طریقہ پر تقسیم ہوگی۔ اسی طرح حضرت علی کے نزدیک دادا بہنوں کو (جب کہ بھائی کے ساتھ ہوں) عصبہ نہیں کرتا بلکہ بہن دادا کےساتھ ذی فرض ہو جاتی ہے۔ چناں چہ ایسی صورت میں اگر ترکہ دادا ، حقیقی بہن اور علاتی بہن میں تقسیم ہو تو حقیقی بہن کو نصف اور علاتی بہن کو چھٹا ملے گا، تاکہ دو تہائی پورا ہو جائے اور باقی دادا کو دیا جائے گا۔(۱۳۲)

ابن مسعود کا طریق توریث :

حضرت ابن مسعود کے نزدیک دادا کے لیے مقاسمة کیا جائے گا، جب تک کہ اس کا حصہ تہائی سے نہ گھٹے۔ اس میں وہ حضرت زید سے متفق ہیں اور اس میں کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کا لحاظ نہ کیا جائے گا اور یہ کہ بہن دادا کے ساتھ ذی‌فرض ہو جائے گی، حضرت علی کے ساتھ موافقت کی ہے۔ لیکن حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی‌اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔

زید بن ثابت کا طریق توریث:

حضرت زید بن ثابت کے لزدیک دادا کو حقیقی و علاتی بھائی بہنوں کے ساتھ جب کہ کوئی ذی فرض ساتھ میں نہ ہو مقاسمة یا کل مال کی تہائی ، جو زیادہ ہو، ملے گا۔

(۱۳۲) الشریفیة ، شرح سراجیہ ، سید شریف جرجانی ، محولہ بالا ، ص ۸۴

صاحبین نے علی و حضرت ابن مسعود کے طریق توریث کے مقابلہ میں حضرت زید بن ثابت کے طریق توریث کو پسند فرمایا ہے۔ اور متاخرین حنفیہ نے صاحبین ہی کے اختیار کردہ مذہب پر عمل کیا ہے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زید کے موافق ہیں۔

خلفائے ثلاثہ کا نقطہ نظر:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے موافق منقول ہے اور ایک روایت میں حضرت زید کی موافقت بھی منقول ہے۔ البتہ اکدریہ (۱۳۳) مسئلے میں حضرت زید سے اختلاف ہے۔ حضرت عثمان سے ایک روایت حضرت علی کی موافقت میں مروی ہےاور دوسری حضرت زید کی موافقت میں۔ مگر خرقا (۱۳۴) کے مسئلے میں حضرت زید سے اختلاف کرنا مروی ہے۔(۱۳۵) امام سرخسی نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابت کے

---

(۱۳۳) ''اکدر،، کے لفظی معنی ''زیادہ گدلا،، کے ہیں۔ مسئلہ اکدریہ یہ ہے کہ ایک عورت اپنے ورثاء میں شوہر، ماں، دادا، اور بہن (حقیقی یا علاتی) چھوڑ کر مرے۔ اس مسئلہ کو اکدریہ اس سبب سے کہتے ہیں کہ بنو کدر قبیلہ کی ایک عورت نے اپنی وفات کے بعد مذکورہ بالا ورثاء چھوڑے تھے اور اس کے ورثاء کے درمیان ورثہ کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تھا اس لیے مسئلہ مذکورہ اس کی طرف منسوب ہو کر ''مسئلہ اکدریہ،، کہلانے لگا۔ بعض کا قول ہے کہ اس مسئلے کو ''اکدریہ،، اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں زید ابن ثابت کا مذہب مشتبہ (زیادہ گدلا) ہو گیا کیوں کہ وہ دادا کے ساتھ بہنوں کو خواہ وہ حقیقی ہوں یا علاتی صاحب فرض تسلیم نہیں کرتے اور نہ اس مسئلہ میں عول کے قائل ہیں بلکہ ایسی صورت میں اگر کچھ باقی نہ رہے تو بہنوں کو ساقط قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مسئلہ اکدریہ میں انہوں نے بہن کو دادا سے نصف حصہ دلوایا اور مسئلہ کو انکی طرف عول بھی کیا یعنی شوہر کو ۳/۹، ماں کو ۳/۹، دادا کو ۲/۹، اور بہن کو ۱/۹ دلوایا۔ اور یہ باعتبار نتیجہ دادا نے بہن کی میراث کو مکدر کر دیا۔ اس مسئلہ کو مربعۃ الجماعۃ غراء، غالبہ یا مشترکہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

(۱۳۴) مسئلہ خرقا کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''مشکوۃ السراج،، مولوی محمد صابر، مطبوعہ مکتبہ تھانوی، کراچی، سن ندارد، ص ۲۷۰

(۱۳۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۸۰-۱۷۹
التركات و المواريث في الاسلام، الدكتور محمد يوسف موسى، محولہ بالا، ص ۲۰۷-۲۰۲

مذہب کو مکمل طریقہ پر سفیان ثوری اور ابو یوسف و امام محمد و مالک و شافعی نے اختیار کیا ہے اور اسی قول پر فتوی ہے۔(١٣٦)

امام احمد بن حنبل کا مسلک:

امام احمد بن حنبل بھی مقاسمۃ الجد کے قائل ہیں اور امام مالک و شافعی و امام محمد وغیرہم سے متفق ہیں۔(١٣٧)

ظاہریہ مسلک:

ظاہریہ کے نزدیک میت کے باپ کی عدم موجودگی میں دادا اور اس کا باپ اوپر تک (سلسلہ سے) جب کوئی موجود ہوگا تو اس کے مقابلے میں میت کے ہر قسم کے بھائی محروم ہوں گے۔ گویا ظاہریہ اس مسئلے مین صحابہ کے فریق اول کا مسلک اختیار کرتے ہیں۔ (١٣٨) اور امام ابوحنیفہ سے متفق ہیں۔

شیعہ امامیہ کا مسلک:

شیعہ امامیہ جد کے مسئلے میں امام ابو حنیفہ سے متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کے لزدیک جب میت کا باپ موجود نہ ہو اور دادا یا اس سے اوپر کا کوئی دادا موجود ہو تو بھائی اس کے ساتھ وارث ہوں گے۔ شیعہ مذہب کے مطابق دادا اور بھائی ایک طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ایک ساتھ وارث ہوں گے۔

لیکن ان کے نزدیک ایک نئی بات یہ ہے کہ جد کا لفظ دادا اور نانا دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ شیعی مسلک میں دونوں مذکورہ جد (دادا اور

---

(١٣٦) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ٢٩، ص١٨٣
(١٣٧) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ٧، ص٦٧
(١٣٨) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ٩، ص ٢٨٣

نانا) کے ساتھ بھائیوں کے جمع ہونے کی صورت میں حسب ذیل طریقہ توریث بیان کیا گیا ہے :-

(۱) میت کا نانا یا نانی موجود ہو اور ان کے ساتھ اخیافی بھائی بہن موجود ہوں تو نانا کو اخیافی بھائی کا درجہ اور نانی کو اخیافی بہن کا درجہ دیا جائے گا اور اس طرح باہم میراث تقسیم ہوگی۔

(۲) میت کے دادا یا دادی کے ساتھ اگر حقیقی یا علاتی بھائی بہن موجود ہوں تو دادا یا دادی کو حقیقی یا علاتی بھائی بہن کے درجے میں تصور کرکے میراث تقسیم ہو گی۔(۱۳۹) لیکن اگر دادا کے ساتھ اخیافی بھائی بہن موجود ہوں تو کیا ہوگا؟ اس مسئلے کے لئے کوئی صریح عبارت نہ مل سکی، تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صورتوں میں دادا اور نانا کو میراث ملے گی۔

اختلاف کی وجوہ :

دادا اور بھائیوں کی تقسیم میں علماء کے اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ جو علماء دادا کے احکام کو باپ کے احکام پر قیاس کرتے ہیں وہ مقاسمۃ الجد کے قائل نہیں ہیں اور جو حقیقی و علاتی بھائیوں کے احکام پر قیاس کرتے ہیں وہ مقاسمۃ الجد کے قائل ہیں ۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ صاحبین سے متفق ہیں اور [illegible] کے قائل ہیں ۔ حنفیہ میں ایک طویل زمانہ تک امام صاحب کے قول پر فتوی دیا جاتا رہا ہے لیکن ماضی قریب میں صاحبین کے قول کو اختیار کرلیا گیا ہے، اور مصر وغیرہ میں بھی اس کے مطابق قانون سازی کی گئی ہے ۔ ہمارے نزدیک بھی صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک مرجح ہے، اور اسی کے مطابق دفعہ ہذا مدون کی گئی ہے ۔ موجودہ زمانے میں جب کہ مال کی حرص میں ایک

(۱۳۹) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲ ص ۱۸۸

وارث دوسرے وارث کو، جس کا وارث ہونا کتاب و سنت سے مسلم ہے، محروم کرنے کی کوشش و سعی میں لگ جاتا ہے تو ان ورثاء کو جنھیں صحابہ کرام کے ایک گروہ اور اکثر مذاہب فقہ میں بعض صورتوں میں وارث تسلیم کیا گیا ہے ان صورتوں کے تحت، وارث تسلیم کرنا اور ان کو حصہ دینا، دینی مصالح کے قریب تر ہوگا۔

مصری قانون:

دفعہ ۹ - (۲) - جد صحیح اس جد کو کہتے ہیں کہ میت کی طرف نسبت کرنے میں اس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ نہ ہو۔ چنانچہ ایسے جد کو بھی فقرہ سابقہ کے مطابق ۱/۶ فرض ملے گا۔

دفعہ ۲۱ - جب کہ میت کا . . . . دادا بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہو تو ۱/۶ فرض کا مستحق ہوگا اور باقی بہ طریقہ عصوبت پائے گا۔

دفعہ ۲۲ - جب کہ جد حقیقی بھائیوں اور بہنوں یا پدری بھائی، بہنوں کے ساتھ جمع ہو تو اس کی دو حالتیں ہوں گی:

(اول) یہ کہ جد کو ایک بھائی تصور کیا جائے جب کہ اس کے ساتھ تمام بھائی ہی ہوں یا بھائی بہن ہوں یا بہنیں ہوں جو کہ میت کی مؤنث فرع کے ذریعہ عصبہ ہوگئی ہوں۔

(دوم) کہ جد اصحاب فرائض کے بعد بقیہ ترکہ بطریقہ عصوبت لےلے، یہ جب کہ میت کی بہنیں مردوں کے ہم راہ یا میت کی موانث فرع کے ذریعہ عصبہ نہ ہوئی ہوں۔

اس کے علاوہ جب کہ مقاسمت مذکورہ عصوبت کے ذریعہ واقع ہوئی ہو تو یہ (عصوبت) جد کو یا تو وراثت سے محروم کردے گی یا ۱/۶ سے کمی کی جانب مائل کر دے گی، جس کا اعتبار ۱/۶ کےصاحب فرض ہونے سےکیا جائے گا۔ اس مقاسمت میں جو پدری بھائی یا بہنیں محجوب ہوں گی ان کا کوئی

اعتبار نہ کیا جائے گا۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۰۸ - جد (دادا) جب کہ دیگر وارثوں کے ساتھ جمع ہو تو تو اس کی چار حالتیں ہوں گی:-

(۱) یہ کہ اس کے ساتھ بیٹا یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو تو کسی انتظار کے بغیر اس کو ۱/۶ دیا جائے گا۔

(۲) یہ کہ اصحاب فروض میں سے اس کے ساتھ صاحبان فرض ہوں تو اس کو ۱/۶ فرض حصہ کے بعد اصحاب فروض سے بقیہ ترکہ بصورت عصوبت دیا جائے گا۔

(۳) یہ کہ اس کے ساتھ میت کے بھائی موجود ہوں تو اس کے لئے تہائی مال سے افضل حصہ مقرر ہوگا، یا مقاسمہ کی شکل میں ایک تہائی پورا ملے گا، جب کہ بھائیوں کی تعداد دو سے زائد ہو یا بہنیں چار ہوں اور اس صورت میں مقاسمۃ متعین ہوگا۔ اور جد ایک بھائی کی مثل قرار دیا جائے گا۔ ان سب کے ساتھ شامل ہوکر ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے طریقہ پر تقسیم ہوگی، جب کہ بھائی کی تعداد ایک ہو یا تین ھمشیرگان ہوں۔

(۴) یہ کہ جد کے ساتھ بھائی اور اصحاب فروض موجود ہوں تو اس کو ترکہ کا تہائی یا مقاسمہ کے ذریعہ جو افضل ہو یا پورا ۱/۶ ملے گا، یا صاحبان فرض کو دینے کے بعد باقی کا تہائی، یا بھائیوں کے درمیان مقاسمۃ کے طریقہ پر ملے گا۔

دفعہ ۱۰۹ - جب کہ دادا کے ساتھ حقیقی بھائی اور پدری بھائی جمع ہوں تو تقسیم کے وقت جد کے ساتھ حقیقی پدری کے حساب میں شامل ہوگا، اس کے بعد پدری بھائی کے حصہ کی جانب رجوع کرے گا اور اس سے لے گا۔

دفعہ ۱۱۰- جب کہ جد کے ساتھ ایک حقیقی ہمشیرہ اور ایک پدری ہمشیرہ جمع ہوں تو حساب میں حقیقی پدری کے ساتھ تقسیم ترکہ میں شریک ہوگی، چنانچہ جد کو نصف اور ایک حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ پدری دو یا تین ہمشیرگان ہوئیں تو جد کو تمام ہمشیرگان کے مقابلہ حساب سے دیا جاکر پدری ہمشیرگان کو حقیقی ہمشیرہ کے نصف کے بعد بقیہ ترکہ دیا جائے گا۔

مراکش کا قانون:

دفعہ ۲۵۰- جب کہ میت کا باپ یا دادا ایک بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں تو اپنے فرض کے حصہ کے بعد بقیہ ترکہ بطور عصبہ حاصل کرلے گا۔

دفعہ ۲۵۱- (۱) جب کہ جد عصبی خصوصی طور پر حقیقی یا پدری بھائیوں کےساتھ جمع ہو خواہ یہ مرد ہوں یا عورتیں یا دونوں مخلوط ہوں تو جد کو تمام ترکہ کے ایک تہائی یا مقاسمہ کے ذریعہ جو حصہ افضل ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۲) اور جب کہ جد حقیقی اور پدری ہر دو قسم کے بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو کل ترکے کے ایک تہائی یا دفعہ ۲۵۷ جو آئندہ آنے والی ہے اس کے ذریعۂ مقاسمت کے مطابق جو افضل حصہ ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۳) اور جب جد ذوی الفروض اور بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو اس کو تمام مال کے چھٹے حصے کے تین حصہ یا ذوی الفروض کے حصوں کے بعد بقیہ ترکہ کا ایک تہائی یا بھائیوں کے درجہ کے حصہ کی تقسیم کے مطابق، جو افضل ہو، دیا جائے گا۔

جدات کی میراث

۲۷۹ (۱) دادی نانی کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا، خواہ ایک ہوں یا متعدد، بشرطیکہ سب صحیحہ اور ایک درجہ میں ہوں۔

(۲) ماں کی موجودگی میں تمام جدات ہر قسم کی خواہ ایک سلسلہ کی ہوں یا مخلوط ساقط ہوجائیں گی۔

(۳) پدری جدات باپ سے ساقط ہو جائیں گی، اسی طرح دادا سے بھی، البتہ باپ کی ماں (اوپر درجہ تک) ساقط نہ ہوگی بلکہ داداکے ساتھ میراث پائے گی۔

تشریح

عربی زبان میں ''جدہ،، کا لفظ ''دادی،، اور ''نانی،، دونوں کے لئے بولا جاتا ہے خواہ وہ کتنی ہی بالائی پشت میں ہوں، چنانچہ ''جدہ،، صرف باپ کی ماں ہی نہیں بلکہ دادا کی ماں اور دادی کی ماں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہ ذوی الفروض میں داخل ہیں۔

جدہ صحیحہ وہ جدہ ہے کہ جب اس کی نسبت میت کی طرف کی جائے تو اس نسبت میں ایسا کوئی مرد واسطہ نہ بنے جو دو عورتوں کے درمیان واقع ہوا ہو، مثلاً زید (میت) ہے، زید کی ماں کے باپ کی ماں زید کی جدہ صحیحہ نہ ہوگی، کیونکہ جب اس کی نسبت میت (زید) کی طرف کی جاتی ہے تو درمیان میں ایسا مرد آتا ہے جس کے دونوں جانب عورتیں ہیں۔ یعنی ایک جانب زید کی ماں عورت ہے اور دوسری طرف اس ماں کے باپ کی ماں عورت ہے۔ گویا زید کا نانا (ماں کا باپ) دونوں عورتوں (زید کی ماں اور اپنی ماں) کے درمیان زید کی طرف نسبت کرنے میں واسطہ ہوا ہے۔ چنانچہ جہاں ایسا واسطہ نہ ہو وہ جدہ صحیحہ ہوگی جیسے ماں کی یا باپ کی ماں اور اگر مذکورہ واسطے موجود ہو تو یہ جدہ فاسدہ کہلائے گی۔ (۱۳۰) جیسے میت کی ماں کے باپ کی ماں یا اس ماں کی ماں۔

چنانچہ علم الفرائض کی اصطلاح میں ''جدہ صحیحہ،، اس دادی (یا نانی) کو کہتے ہیں جس سے میت کی نسبت کے سلسلے میں ماں کا باپ نہ آئے جیسے میت کی ماں کی ماں (خواہ کتنے ہی اونچے درجہ میں ہو)۔ بالفاظ دیگر ''جدہ صحیحہ،، اس ''جدہ،، کو کہتے ہیں جو میت کی جانب کسی عصبہ کے یا کسی صاحب فرض کے ذریعہ منسوب ہو، لیکن جو ''جدہ،، میت کی طرف کسی عصبہ یا صاحب فرض کے ذریعہ منسوب نہ ہو وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ فقہاء کے اس قول کے بموجب کہ ،،ہر وہ جد جس کی میت کی طرف نسبت کرنے

(۱۳۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۳۲

میں باپ کا ذریعہ آتا ہو ماں کا نہ آتا ہو وہ ''جدہ صحیحہ،، ہوگی۔ چنانچہ ماں کا باپ (نانا) وارث نہیں ہوتا کیونکہ وہ نہ عصبہ ہے اور نہ صاحب فرض۔ اسی طرح اس کے ذریعہ جو جدہ میت کی طرف منسوب ہوگی وہ وارث نہ ہوگی۔ لہذا میت کے باپ کی ماں یا میت کی ماں کی ماں خواہ کتنے ہی اونچے درجہ میں ہوں وارث ہوں گی۔

مندرجہ بالا تصریح کی روشنی میں ''جدہ،، کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں۔ ایک صحیحہ اور دوسری فاسدہ۔ ''جدہ صحیحہ،، ذوی الفروض میں شامل ہے جب کہ ''جدہ فاسدہ،، ذوی الارحام کے درجہ دوم میں داخل ہے۔

''جدہ صحیحہ،، کے لئے چھٹا حصہ مقرر ہے جب کہ باپ موجود نہ ہو، خواہ ایک ہوں یا زائد۔ ایک سے زائد ہونے کی صورت میں سب آپس میں برابر تقسیم کرلیں گی، بشرطیکہ درجہ قرابت میں باہم مساوی ہوں اور کسی دیگر سبب سے ساقط نہ ہوں۔(۱۳۱)

اگر میت کی کوئی نانی بھی اسی درجہ (پشت) کی موجود ہو جس درجہ کی دادی ہے تو وہ نانی بھی اس دادی کے ساتھ چھٹے حصے میں شریک ہوجائے گی۔ مثلاً ایک عورت میت کی ماں، ماں کی ماں بھی ہے اور میت کے باپ کی باپ کی ماں بھی ہے اور دوسری عورت اسی میت کے باپ کی ماں کی ماں ہے لہذا ایک دادی دوہرا رشتہ رکھتی ہے اور دوسری دادی صرف ایک۔ تو پہلی دادی ترکہ کی مستحق ہوگی۔(۱۳۲)

اسی طرح اگر میت کی نانی قریب رشتہ کی زندہ ہو اور دادی درجہ بعید کی ہو تو دادی محروم رہے گی مثلاً نانی، پہلی پشت کی ہے اور دادی دوسری پشت کی ہے، تو ایسی صورت میں دادی محروم ہوجائے گی۔

اگر میت کی ماں کا باپ موجود ہو تو نانی محروم رہے گی، اسی طرح میت

---

(۱۳۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۵
(۱۳۲) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۱

کا دادا موجود ہو تب بھی دادی محروم رہتی ہے لیکن باپ کی ماں، باپ کی نانی، باپ کی ماں کی نانی اور باپ کی نانی دادا کی موجودگی میں محروم نہیں ہوتیں -

صاحب شریفیہ نے بہ عنوان ''احوال الجدہ لام کانت اولاب،، لکھا ہے کہ جدہ چھٹے حصہ کی مستحق ہوگی خواہ وہ میت کے باپ کی ماں ہو یا میت کی ماں کی ماں ہو یعنی دادی ہو یا نانی، جب کہ میت کی ماں موجود نہ ہو، خواہ وہ دادیاں یا نانیاں ایک سے زائد ہوں، البتہ ان میں درجہ قرابت کا لحاظ کیا جائے گا۔(۱۴۳)

مصری قانون :

دفعہ ۱۴ (۲) - اور جدۂ صحیحہ باپ، ماں کی ماں یا دادا کی ماں ہوا کرتی ہے، خواہ کتنے ہی اوپر کی ہو، لہذا ایک یا زائد جدہ کو ۱/۶ دیا جائے گا۔ ان کے درمیان مساوی تقسیم ہوگی۔ ایک قرابت یا دو قربتوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۲ - ایک یا متعدد جدہ ثابتہ ۱/۶ کی مستحق ہوں گی۔ تمام جدات میں مساوی تقسیم ہوگی۔ ایک قرابت یا دو قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۱۱ - جدہ کے لئے خواہ باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے ایک ہو یا زائد ہوں، یا جو باپ کی جانب سے ہے وہ اقرب ہو جیسا کہ باپ کی ماں اور ماں کی ماں اور باپ کے باپ کی ماں تو ۱/۶ کی وہ مستحق ہوگی جو ماں کی ماں ہے اور جو جدہ باپ کی جانب سے ہوگی باپ کی موجودگی میں

---

(۱۴۳) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص۳۲

وارث نہ ہوگی، اور ماں کی موجودگی میں باپ کی جانب کی یا ماں کی جانب کی کوئی جدہ مستحق نہ رہے گی۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۳۳ - چھٹے حصہ کے مستحق سات (۷) وارث ہوتے ہیں :-

(۶) اور جدہ جب کہ تنہا ہو خواہ دادی ہو یا نانی، اگر دونوں موجود ہوں تو چھٹا حصہ دونوں میں تقسیم کیا جائے گا جب کہ درجہ میں مساوی ہوں یا نانی بعید ہو، لیکن اگر نانی قریب ہے اور دادی بعید تو کل چھٹا نانی کا حق ہوگا۔

امام ابن حزم کا نقطہ نظر :

دادی کے لئے چھٹے حصہ میراث کے تعین کے بارے میں عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا مقرر کردہ ہے۔ لیکن امام ابو محمد ابن حزم نے طاؤس کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ دادی کے چھٹے حصے کا واجب ہونا حضرت ابوبکر، حضرت عمر، ابن مسعود، حضرت علی اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مرسل روایت ہے۔(۱۴۳)

دراصل ابن حزم چونکہ مرسل حدیث کو حجت قرار نہیں دیتے، اس لئے ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے جدہ کے لئے ۱/۶ کا تقرر ثابت نہیں، بلکہ آثار صحابہ سے ثابت قرار پاتا ہے، چنانچہ ابن حزم کے نزدیک جس حالت میں میت کی ماں ۱/۳ کی مستحق ہوتی تو جدہ کو ۱/۳ دلواتے ہیں اور جہاں ماں ۱/۶ کی مستحق ہوتی ہے وہاں ۱/۶ دلواتے جو ان کا اپنا قیاس ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں صحابہ کا اثر ہے جو جدہ کے لئے محض ۱/۶ تعین کرتے ہیں راقم الحروف کے نزدیک یہ اثر ابن حزم کے قیاس سے بہر حال اعلی و افضل ہے۔

---

(۱۴۳) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۳۲
الترکہ و المیراث فی الاسلام ڈاکٹر محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۲۳۰

۲ — عصبات نسبی

عصبہ نسبی کی تعریف

۲۸۰ - عصبہ نسبی شرعاً ہر اس وارث کو کہتے ہیں جو تنہا ہونے پر تمام ترکہ لے لے یا جو ترکہ ذوی‌الفروض سے باقی رہے وہ تمام سمیٹ لے -

تشریح

''عصبہ،، کے لغوی معنی ''ایک شئے کا کسی دوسری شئے کو ہر طرف سے گھیر لینا،، ھیں - اصطلاحا میت کے باپ کی جانب سے قرابت رکھنے والے کو ''عصبہ،، کہتے ھیں - یہ لفظ واحد، جمع، مذکر اور مونث سب کے لئے بولا جاتا ھے - چوں کہ مرد کا مادۂ تولید ریڑھ کی ھڈی سے کھنچ کر آتا ھے اس لئے علم المیراث کی اصطلاح میں ''عصبہ،، اس قرابت دار کو کہتے ھیں جو میت سے صلبی تعلق رکھتا ھو اور ذوی الفروض کے دینے کے بعد بقیہ ترکہ کا مستحق ھو۔ چنانچہ اگر سلسلہ قرابت کے درمیان عورت حائل ھوجائے تو پھر وہ قرابت دار ''عصبہ،، نہیں رھتا، مثلاً اخیافی بھائی - اسی طرح اخیافی بہن کی قرابت ماں کے ذریعہ ھوتی ھے نہ کہ باپ کے ذریعہ، اس لئے وہ بھی عصبات میں داخل نہیں، بلکہ ذوی الفروض میں داخل ھے - اسی طرح نواسہ یا نانا ذوی الارحام مین داخل ھے، کیونکہ میت سے ان کی نسبت فقط عورت (بیٹی یا ماں) کے واسطے سے ھوتی ھے -

عصبہ نسبی کی اقسام

۲۸۱ - عصبہ نسبی کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :-

(۱) عصبہ بنفسہ ، وہ وارث ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں کسی غیر کا محتاج نہ ھو، اور اس کے اور میت کے درمیان عورت داخل نہ ھو۔

(۲) عصبہ بغیرہ ' وہ وارث عورت ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں غیر کی محتاج ھو اور یہ غیر، عصبہ ہونے میں اس کا شریک ھو ' اور

(۳) عصبہ مع الغیر ' وہ وارث عورت جو عصبہ بننے میں غیر کی محتاج ھو اور وہ غیر عصبہ ہونے میں اس کا شریک نہ ھو -

---

(۱۳۰) قدیم کتب فقہ میں عصبات کی دو قسمیں بیان کی گئی ھیں:
(۱) عصبہ نسبی اور (۲) عصبہ سببی-

باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۴۸ پر

تشریح

الف ۔ عصبہ بنفسہ

''عصبہ بنفسہ،، یعنی بذات خود عصبہ، وہ قرابت دار کہلاتا ہے جو مرد ہو اور جس کی میت سے نسبت عورت کے واسطے کے بغیر ہو، یعنی عورت کے واسطے سے نہ ہو۔ (نیز میت اور اس قرابت دار کے رشتہ کے درمیان کوئی

صفحہ نمبر ۱۷۷۷ کا باقی فٹ نوٹ

عصبہ سببی :

عصبہ سببی اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی شرعی سبب کی بناء پر عصبہ قرار پایا ہو جیسے مولی العتاقہ ۔ چنانچہ اگر کوئی آزاد کردہ غلام مرجائے اور وہ اپنا کوئی عصبہ نسبی نہ چھوڑے تو اس کا آزاد کرنے والا مرد ہو یا عورت اس آزاد شدہ غلام (میت) کا عصبہ قرار پائے گا، اور ذوی الفروض سے بچا ہوا مال بحیثیت عصبہ سببی لے گا۔ چونکہ اس آزاد کنندہ کا میت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے وہ عصبہ سببی کہلاتا ہے۔ اس آزاد کنندہ کی عدم موجودگی میں اس کے عصبہ بنفسہ اس غلام (میت) کے عصبہ سببی ہوں گے، البتہ آزاد کرنے والے کے عصبات میں عورتوں کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

اس معتق یعنی آزاد کرنے والے کو '' مولی العتاقہ ،، کہتے ہیں۔ معتق اپنے آزاد کردہ غلام کے ترکہ کا اس وجہ سے حق دار ہوتا ہے کہ وہ اس کو آزادی دے کر گویا ایک (نئی) زندگی عطا کرتا ہے اور اس طرح حکماً باپ بیٹے کا سا تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ جب یہ آزاد کردہ غلام مر جائے اور اس کا کوئی عصبہ نسبی موجود نہ ہو تو اس کے ترکہ کا وارث اس کا معتق قرار پاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے، کہ ''ولاء، نسبی سلسلہ (نسب) کی طرح ایک نسبی شاخ ہے (البحر الرائق، ابن نجیم ج ۸ ، ص ۴۹۸ الاختیار لتعلیل المختار، عبد اللہ بن محمود بن مودود، ج ۵، ص ۱۱۰ '' الولاء لحمة کلحمة النسب ،،) احناف کے نزدیک عصبات نسبی کی غیر موجودگی میں مولی العتاقہ ان کا قائم مقام ہوتا ہے۔

مولی عتاقہ کے بارے میں صحابہ کرام میں اختلاف ہے۔ حضرت علی اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ مولی عتاقہ ذوی الارحام پر مقدم ہے اور مذکورہ عصبات کا آخری عصبہ ہے۔ یہی مسلک احناف نے اختیار کیا ہے اس کے برخلاف حضرت ابن مسعود کے نزدیک ذوی الارحام مولی عتاقہ پر مقدم ہیں۔ آپ نے اللہ تعالی کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ '' بعض صاحبان رحم بعض دیگر صاحبان رحم سے اولیٰ ہیں احناف حضرت ابن مسعود کی دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے اس حکم مولات کو منسوخ کیا گیا ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد انصار و مہاجرین کے درمیان بذریعہ مواخاۃ (موالات) باہم وراثت قائم کرائی تھی ۔ اس آیت کے ذریعہ واضح فرما دیا

عورت نہ آئے)، جیسے میت کا بیٹا، باپ وغیرہ، کیونکہ ان کی تعصیب اپنی ذاتی قرابت کے سبب ان کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

عصبہ بنفسہ میں چار درجوں کے قرابت دار شامل ہیں جس میں سے بعض کو بعض پر اولیت حاصل ہے۔ ان کی ترتیب حسب ذیل ہے :-

(اول) جو خود میت کا جزو ہیں یعنی بیٹا، پوتا، پڑپوتا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں۔

صفحہ نمبر ۱۴۷۸ کا باقی فٹ نوٹ

گیا کہ موالات کے عقد سے رحم کا رشتہ مقدم ہے۔ اس کے احناف بھی قائل ہیں عقد موالات سے ذوی الارحام مقدم ہیں لیکن مولی العتاقہ عقد موالات سے ممیز اور اس کا درجہ حسب سابق ذوی الارحام سے پہلے ہے۔ اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جو دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت حمزہ کی صاحب زادی نے ایک غلام آزاد کیا تھا یہ غلام ایک لڑکی چھوڑ کر فوت ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نصف مال اس کی لڑکی کو دے کر بقیہ مال حضرت حمزہ کی صاحب زادی کو دے دیا۔ (السنن ، دارقطنی، ج ۴ ، ص ۸۳ - ۸۴) " عن ابن عباس ان مولی الحمزة توفی نترک ابنته و ابنة حمزه فاعطی النبی صلعم ابنته النصف ولا بنة حمزة النصف،،) اس حدیث کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ " ولاء اسی کے واسطے ہے جس نے آزاد کیا ،، (بخاری، ج ۲ ، ص ۹۹۹) "عن عائشہ قالت اشتریت بریرة فقال النبی صلعم اشتریها فان الولاء لمن اعتق ،،) اسی طرح عبد الرزاق نے حسن بصری سے یہ حدیث مرسلا روایت کی ہے کہ حضور (صلعم) نے آزاد کردہ غلام کی میراث کا حکم دریافت کرنے والے کو جواب دیا کہ " اگر اس کا عصبہ نہ ہو تو اس کی میراث تیرے واسطے ہے۔ المبسوط ، سرخسی ، ج ۲۹ ، ص ۴۶-۱۴۵ ، " و ان مات ولم یدع وارثا کنت انت عصبته اور الاختیار لتعلیل المختار ، عبد اللہ بن محمود بن مودود، ج ۵، ص ۱۰) بحر الرائق میں رسول اللہ کی مذکورہ بالا روایت کے لفظ " الولاء لحمة کلحمة النسب،، آزاد کندہ کو عصبہ ثابت کرتا ہے۔ نیز آخری عصبات کے لئے حدیث نبوی "جس نے غلام آزاد کیا، اگر غلام مرجائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو آزاد کنندہ اس کا عصبہ ہوگا۔ (الاختیار لتعلیل المختار ، عبد اللہ بن محمود بن مودود، ج ۵، ص ۱۱۰) اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ مولی العتاقۃ عصبات نسبی کی غیر موجودگی میں عصبہ قرار پاتا ہے اور وراثت کا مستحق ہوتا ہے۔

دیگر مکاتیب فقہ:

مالکیہ (جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل ، الابی ، صالح عبد السمیع ، ج ۲، صص ۳۲- ۳۲۸) شافعیہ (المہذب فقہ شافعی ، ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، ج ۲ ، صص ۲۴-۲۵) حنبلیہ (المحرر فی الفقہ الحنبلی، ابو البرکات، مجدالدین، ج ۱،

باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۸۰ پر

(دوم) جن کی خود میت جزو ہے یعنی باپ، دادا،پردادا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی اونچے درجے میں ہوں۔

(سوم) جو میت کے باپ کا جزو ہیں یعنی حقیقی بھائی، علاتی بھائی، حقیقی بھائی کا بیٹا، علاتی بھائی کا بیٹا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں۔

(چہارم) جو میت کے دادا کے جزو ہیں یعنی حقیقی چچا، علاتی چچا، حقیقی چچا کا بیٹا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں۔

مندرجہ بالا ترتیب بہ اعتبار استقرار حق امام ابو حنیفہ کے نقطہ نظر کے مطابق ہے۔ صاحبین کے نزدیک مذکورہ ترتیب میں اتنا فرق ہے کہ ان کے نزدیک عصبات درجہ دوم میں جب کہ باپ کے بجائے دادا ہو تو وہ بھائیوں کو محروم نہیں کرتا بلکہ بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی میں دادا کو ایک بھائی کے برابر حصہ ملتا ہے گویا صاحبین کے نزدیک دادا کی موجودگی میں درجہ دوم و سوم کے ورثاء (ایک ساتھ وارث ہوتے ہیں۔) (تفصیل ''مقاسمة الجد،، کے تحت گزر چکی ہے)۔

صفحہ نمبر ۱۷۷۹ کا باقی فٹ نوٹ

ص ۲۹۳-۲۹۷) اور ظاہریہ (المحلی ، ابن حزم ، ج ۹ ، ص ۲۷۰-۲۷۱) بھی عصبت نسبی کی غیر موجودگی میں مولی عتاقہ کی میراث کے قائل ہیں۔ اسی طرح شیعہ امامیہ بھی اس کے قائل ہیں۔

مصری قانون :

دفعہ ۳۹ ۔ عصبہ سببی میں حسب ذیل افراد شامل ہیں :

(۱) مولی العتاقہ، جس نے آزاد کیا ہو اور وہ جس کو آزاد کیا گیا ہو، یا آزاد کردہ کے آزاد کردہ،

(۲) آزاد کرنے والے کا عصبہ یا آزاد کیے گئے کا عصبہ، یا آزاد کئے گئے کے آزاد کیا گیا عصبہ،

(۳) جس کو ایسی ماں کے مورث کی ولاء کا حق حاصل ہو کہ وہ ماں اپنے باپ کے واسطے سے حرۃ اصل نہ تھی۔ خواہ یہ ولاء اس کو ماں سے حاصل ہوئی یا کسی غیر سے یا بالواسطہ جد۔

نوٹ : ۔ (عصبہ سببی کی صورت موجودہ میں ناپید ہے، اس لیے متن قانون اور اصل کتاب میں ذکر نہ کرکے اس فٹ نوٹ پر اکتفا کیا گیا تاکہ کتاب تاریخی اعتبار سے مکمل ہو)۔

ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو ترکہ بچ رہے اس میں مندرجہ بالا چار درجوں کے ورثاء، بہ استثناء مندرجہ بالا، علی الترتیب وارث ہوں گے۔ اگر ان مندرجہ بالا درجوں کے قرابت داروں میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو تو باپ کا حقیقی چچا، باپ کا علاتی چچا، باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا، باپ کے علاتی چچا کا بیٹا، یکے بعد دیگرے خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں، وارث ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو دادا کا حقیقی چچا، اور ان کی اولاد ذکور یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں، عصبات بنفسہ میں داخل ہوگی۔

اصول یہ ہے کہ جو وارث میت سے زیادہ قریب ہوگا وہ میراث میں اولی ہوگا، جیسا کہ بیٹا، پھر باپ یا دادا، اور جو وارث میت سے دو رشتے رکھتا ہو وہ ایک رشتہ رکھنے والے وارث سے اولی ہوگا، خواہ یہ دو رشتہ رکھنے والا مرد ہو یا عورت، چنانچہ حقیقی بھائی علاتی سے اور حقیقی بہن جب کہ صلبی بیٹی کے ساتھ یا پوتی کے ساتھ عصبہ ہوجائے، پدری بھائی سے اولی ہوگی اور حقیقی بھائی کا بیٹا پدری بھائی سے اولی ہوگا اور حقیقی چچا پدری چچا سے اولی ہوگا۔ یہ حکم باپ کے چچا اور دادا کے چچا میں بھی جاری ہوگا۔(۱۳۶)

اگر ذوی الفروض میں ترکہ تقسیم ہوکر کچھ باقی نہ بچے تو عصبات میں تقسیم کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ مثلاً ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر حقیقی بہن اور علاتی بھائی کو چھوڑا۔ اس صورت میں نصف شوہر اور نصف بہن کو ملے گا اور علاتی بھائی کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔

ب ۔ عصبہ بالغیر

عصبہ بالغیر یا بغیرہ وہ قرابت دار ہے جو دوسرے قرابت دار کی وجہ سے عصبہ ہوجائے۔ علم المیراث کی اصطلاح میں عصبہ بالغیر وہ عورت ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں غیر کی محتاج ہو اور یہ غیر عصوبت میں اس کا شریک ہو،

---

(۱۳۶) الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیہ ، قدری پاشا ، دفعہ ۶۱۰ (صفحہ رواں کا فٹ نوٹ)

گویا وہ عورت اپنے مقابل مذکر کی وجہ سے عصبہ ہوجاتی۔ چنانچہ وہ عورتیں جو دوسرے مذکروں کے سبب عصبہ ہو جاتی ہیں، چار ہیں :۔

(۱) بیٹی، (۲) پوتی، (۳) بہن اور (۴) علاتی بہن۔

یہ چاروں اپنے اپنے بھائی کی موجودگی میں عصبہ ہوجاتی ہیں اور ان کے ساتھ ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے مطابق میراث میں حصہ کی مستحق ہوتی ہیں۔ اور اگر ان کو عصبہ بنانے والا (مرد) موجود نہ ہو تو پھر یہ عورتیں ذوی الفروض کی حیثیت سے حصہ پاتی ہیں۔

اول الذکر دو کے عصبہ ہونے پر اللہ تعالی کا یہ قول ''یوصیکم اللہ فی اولاد کم للذکر مثل حظ الانثیین،، اور آخر الذکر دو پر اللہ تعالی کا قول ''ان کانوا اخوۃ رجالا و نساء فللذکر مثل حظ الانثیین،، دلالت کرتا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی عورت بھائی کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتی

عورت فی الاصل عصبہ نہیں ہوتی بلکہ بالتبع عصبہ ہو جاتی ہے اور جب عصبہ ہو جاتی ہے تو پھر ذوی الفروض کے حصے تقسیم ہو جانے کے بعد، ترکہ بچ رہنے کی صورت میں، اپنا حصہ پانے کی مستحق ہوتی ہے ورنہ نہیں مثلاً ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر، والدین، بیٹی اور ایک پوتی اور ایک پوتے کو چھوڑا۔ اب پوتی پوتے (اپنے بھائی) کے موجودگی میں عصبہ بالغیر ہو گئی اور اس کا حق ذوی الفروض کے بعد ہوگا۔ چناں چہ شوہر کو چوتھائی، والدین کو تہائی اور بیٹی کو نصف دینے کے لیے ترکہ پورا نہیں ہوتا لہذا پوتی کو عصبۃ بالغیر ہونے کے سبب کچھ نہ ملے گا۔ لیکن اگر پوتا موجود نہ ہوتا تو وہ بیٹی کے ساتھ مل کر تکملۃ الثلثین کی مستحق ہوتی اور عول کے ذریعہ تقسیم عمل میں آتی جس کے نتیجہ میں وہ بھی میراث کی مستحق قرار پا کر اپنا حصہ لے لیتی یعنی صورت اول میں شوہر کو ۳/۱۳، ماں کو ۳/۱۳، باپ کو ۳/۱۳، اور بیٹی کو ۶/۱۳ ملے گا جب کہ صورت دوم میں مسئلہ ۱۳ سے ۱۰ کی طرف عول ہو کر شوہر کو ۳/۱۰، ماں کو ۳/۱۰، باپ کو ۳/۱۰، بیٹی کو ۶/۱۰ اور پوتی کو ۲/۱۰ ملے گا۔

ایک اور مثال :- ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر، حقیقی بہن، علاتی بہن اور علاتی بھائی کو چھوڑا۔ اس صورت میں شوہر کو نصف اور حقیقی بہن کو نصف ترکہ ملے گا۔ علاتی بہن، علاتی بھائی کی موجودگی کے سبب عصبہ بالغیر ہو کر ترکہ نہ بچنے کی وجہ سے محروم ہوگئی۔ لیکن اگر علاتی بھائی نہ ہوتا تو وہ حقیقی بہن کے ساتھ ذی فرض کی حثییت سے شامل ہوکر تکملة الثلثین کی مستحق ہوتی اور مسئلہ سات کی طرف عول کر کے شوہر کو ۳/۷ اور حقیقی بہن کو ۳/۷ اور علاتی بہن کو ۱/۷ ملتا۔

وہ عصبات جو خود میراث لیتے ہیں اور اپنی بہنوں کو شریک نہیں کرتے، چار ہیں :-

(۱) چچا، (۲) چچا کا بیٹا، (۳) بھائی کا بیٹا، اور (۴) معتق (آزاد کرنے والے) کا بیٹا۔

ج۔ عصبہ مع الغیر :

عصبہ مع الغیر وہ قرابت دار عورت ہے جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہے۔ چناں چہ میت کی عینی یا علاتی بہن اگر میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ جمع ہو جائیں تو یہ عصبہ ہو جاتی ہیں، خواہ ایک ہوں یا زیادہ۔ (۱۳۷) مثال کے طور پر میت نے ایک بیٹی، ایک بہن، ایک یا ایک سے زیادہ علاتی بھائی چھوڑے تو دختر کے ساتھ عینی بہن عصبہ ہو گئی اور نصف ترکہ دختر کو اور بقیہ نصف عینی بہن کو ملے گا۔ علاتی بھائی محروم رہے گا۔ اس کی بنیاد حضور علیہ السلام کا ارشاد ''الاخوات مع البنات عصبة،، ہے (۱۳۸) کہ بہنیں، بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں۔

عصبہ مع الغیر اور عصبہ بغیرہ میں یہ فرق ہے کہ عصبہ بغیرہ میں یہ غیر خود عصبہ بنفسہ ہوتا ہے، اس وجہ سے عصوبت عورت میں سرایت کر جاتی

(۱۳۷) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۵۸-۱۵۱

(۱۳۸) مذکورہ حدیث میں اخوات سے حقیقی یا علاتی بہنیں مراد ہیں اخیافی بہنیں مراد نہیں ہیں۔

ہے اور عصبہ مع غیرہ میں بہ غیر، عصبہ بنفسہ نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کے ہمراہ ہونے سے عصوبت پیدا ہوتی ہے۔(۱۴۹)۔

عصبات کی توریث کے عام قواعد

۲۸۲ - عصبات کی توریث میں حسب ذیل ضابطوں پر عمل کیا جائے گا:-

(۱) قریب کو بعید پر ترجیح ہوگی،

(۲) ہم درجہ عصبات کی صورت میں اقوی قرابت کا اعتبار کیا جائے گا،

(۳) چند قسم کے عصبہ جمع ہو جانے کی صورت میں میت سے قریب تر کو ترجیح دی جائے گی، اور

(۴) عصبات میں تقسیم بہ اعتبار فی کس ہوگی۔

تشریح

ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو ترکہ بچ رہے وہ عصبات کا حق ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "ذوی الفروض کو دینے کے بعد ترکہ میں سے جو بچ رہے وہ اقرب مذکر کے لیے ہے"۔ (۱۵۰)

قریب کو بعید پر ترجیح ہے:

عصبات میں میت سے بہ اعتبار قرابت جو سب سے قریب ہوگا وہ توریث میں سب سے مقدم ہوگا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل چار درجات میں سب سے مقدم میت کا جزو ہے جیسے (۱) اس کا بیٹا اور پھر اس کے بیٹے کا بیٹا، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو۔ اس کے بعد میت کی اصل کا درجہ ہے جیسے باپ جو بیٹی کی موجودگی (اور بیٹے کی عدم موجودگی) میں عصبہ بھی ہے اور ذی فرض بھی۔ باپ کے بعد امام ابو حنیفہ کے نزدیک حقیقی دادا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ پھر باپ کا جزو یعنی حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی حقیقی بھائی کا بیٹا اور پھر علاتی بھائی کا بیٹا خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو۔

بھائیوں کو دادا پر موخر کرنا امام ابو حنیفہ کے مسلک کے بموجب ہے جبکہ صاحبین دادا کو بھائی بہنوں کے ساتھ شریک کرکے ایک بھائی کے بقدر حصہ دیتے ہیں امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے آخری درجہ بہ اعتبار ترتیب

(۱۴۹) الا حکام الشرعیة فی الا حوال الشخصیة، قدری پاشا دفعہ ۳۱۹، ص ۱۱۳ -

(۱۵۰) "روی عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الحقوا الفرائض فلاولی رجل ذکر"، (مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض) -

توریث بر بنائے عصوبت میت کے دادا کے جزو کا ہے جیسے حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر حقیقی چچا کا بیٹا، پھر علاتی چچا کا بیٹا، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو۔ پھر باپ کا چچا، پھر اس کا بیٹا، پھر دادا کا چچا پھر اس کا بیٹا علی ھذا القیاس۔ (۱۰۱)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، عصوبت کی بناء پر استحقاق وراثت میں بیٹا، باپ پر مقدم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹا میت کی فرع ہے اور باپ میت کی اصل۔ فرع کا تعلق میت سے اصل کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے کیوں کہ فرع اصل کے تابع ہوتی ہے۔ چناں چہ اصل کے ذکر میں فرع بھی آجاتی ہے مگر فرع کے ذکر میں اصل نہیں آتی۔ بیٹے کی اولاد باپ پر مقدم ہے کیوں کہ ان کے استحقاق کا سبب بھی وہی بیٹے کا باپ پر مقدم ہونا ہے۔ اسی طرح باپ کا دادا کے مقابلے میں میت سے درجے میں قریب تر ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ بیٹے کا پوتے پر مقدم ہونا۔

چناں چہ مذکورہ بالا درجات میں درجہ اول کے عصبات میں کوئی بھی موجود ہو، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو، اس کے مقابلے میں درجہ دوم کے کسی عصبہ کو ورثہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر درجہ دوم میں کوئی بھی عصبہ ہو، خواہ درجے میں کتنا ہی اونچا ہو درجہ سوم کے تمام عصبات کو محروم کر دے گا۔

ترتیب بر بنائے عصوبت ہے:

یہاں یہ امر ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ ترتیب بربنائے عصوبت ہے۔ درجہ بندی میں جو ورثاء مذکور ہیں اگر ان میں سے کوئی صاحب فرض بھی ہے مثلاً میت کا باپ تو اس کا حق بحیثیت ذی فرض کے اس سے اولی، علیحدہ اور ممیز ہے۔ البتہ جب وہ عصبہ کی حثیت سے میراث پانے کا مستحق ہوگا تو اس کا استحقاق اسی درجہ بندی کے لحاظ سے متحقق ہوگا۔ صاحبین کے مسلک کے بموجب درجہ سوم میں مذکور ورثاء درجہ دوم میں دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔ (ان کی تفصیل دادا کی میراث میں بیان کی جاچکی ہے)۔

---

(۱۰۱) الدرالمختار برحاشیہ رد المحتار، علاءالدین حصکفی، (۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۲۰۹ھ، ج ۵، ص ۵۳۶

۲- ہم درجہ عصبات کی صورت مین قوی قرابت کا اعتبار جائے گا :

جو عصبات ایک درجہ مین واقع ہوں تو جس کی قرابت زیادہ قوی ہوگی وہ میراث کا مستحق ہوگا اور باقی محروم رہین گے - مثال کے طور پر حقیقی اور علاتی بھائی اگرچہ درجے مین برابر ہین مگر حقیقی بھائی دو قرابت والا ہے اس لئے وہ علاتی بھائی پر مقدم ہے - اسی طرح علاتی بھائی حقیقی بھائی کے بیٹے پر مقدم ہے کیونکہ علاتی بھائی حقیقی بھائی کے بیٹے کے مقابلے مین میت سے قریب تر ہے یا حقیقی بھائی کا بیٹا علاتی بھائی کے بیٹے سے اولی ہے کیونکہ وہ دو قرابت والا ہے، حالانکہ درجہ مین دونوں مساوی ہین - اسی طرح میت کا حقیقی چچا، علاتی چچا پر فوقیت رکھتا ہے -

۳- چند قسم کے عصبہ جمع ہوجانے کی صورت مین میت سے قریب تر کو ترجیح دی جائے گی :

اگر چند قسم کے عصبات جمع ہو جائین مثلاً بعض بنفسہ ہوں اور بعض عصبہ بغیرہ ہوں اور بعض عصبہ مع الغیر، تو ترجیح اس عصبہ کو دی جائے گی جو میت سے زیادہ قریب ہوگا- مثلاً ایک شخص فوت ہوگیا اس نے ایک بیٹی ایک حقیقی بہن اور ایک علاتی بھائی کا بیٹا چھوڑا تو نصف ترکہ بیٹی کو ملے گا اور نصف بہن کو- علاتی بھائی کے بیٹے کو کچھ نہ ملے گا ، کیونکہ بہن میت کی بیٹی کے ساتھ عصبہ ہو گئی- اس کی بنیاد رسول اکرم کی حدیث ''اجعلوا الاخوات مع البنات عصبہ،، پر ہے اور وہ علاتی بھائی کے بیٹے کی بہ نسبت میت سے زیادہ قریب ہے - اسی طرح اگر بھائی کا بیٹا ہو اور چچا ہو تو کل ترکہ بھائی کے بیٹے کے کو ملے گا اور چچا محروم رہے گا- (۱۰۲)

۴- عصبات میں تقسیم بہ اعتبار فی کس ہوگی :

اگر عصبات مین سے ایک جماعت ایک ہی درجے کی حامل ہو تو ان کو ترکہ بحساب فی کس ملے گا- اصول کا اعتبار نہ کیا جائے گا- مثال کے طور پر

---

(۱۰۲) فتاوی عالمگیری، شیخ نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، ج ۴، ص ۵۰۴
الشریفیہ ، شرح السراجیہ، سید شریف جرجانی محولہ بالا ص ۳۹-۳۸

ایک شخص فوت ہوگیا۔ اس نے ایک بھائی کی اولاد میں ایک بیٹا اور دوسرے بھائی کی اولاد میں دس بیٹے چھوڑے تو ترکہ کے گیارہ حصے کئے جائیں گے اور سب حقداروں میں ہر حصہ مساوی تقسیم کیا جائے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ (نمائندگی کے اصول پر) دو حصہ کرکے ایک نصف ایک بھائی کے بیٹے کو اور دوسرا نصف دوسرے بھائی کے دس بیٹوں پر تقسیم کیا جائے۔(۱۰۳)

یہ مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے۔ شیعی فقہ کے بموجب اصول کا اعتبار کیا جائے گا، مثال کے طور پر ایک حقیقی بھائی کا ایک بیٹا اور دوسرے حقیقی بھائی کے دس بیٹے ہوں تو ترکہ دو مساوی حصوں میں تقسیم ہوکر نصف ایک بھائی کے ایک بیٹے اور نصف دوسرے بھائی کے دس بیٹوں میں تقسیم ہوگا (۱۰۴) یعنی فروع وہی حصہ پائیں گے جو ان کے اصل کو (بشرط حیات) ملتا۔ یتیم پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں کی میراث کے مسئلے میں پاکستان میں رائج الوقت قانون (دفعہ ۴ عائلی قوانین آرڈی نینس مجریہ، ۱۹۶۱ع) کے تحت نمائندگی کے مذکورہ بالا اصول کو بلا امتیاز اختیار کر لیا گیا ہے۔ (اس موضوع پر تفصیلی بحث باب (۷) حجب و حرمان کے تحت آرہی ہے۔)

مصری قانون :

دفعہ ۱۶ - جب کہ اصحاب فروض میں سے کوئی موجود نہ ہوا، یا موجود ہوا اور ان کے فریضہ حصص دینے کے بعد ترکہ باقی رہا تو اب ترکہ یا اس کا بقیہ بعد از فرائض عصبہ نسبی کو ملے گا۔

عصبہ نسبی کی تین اقسام ہیں :

(۱) عصبہ بالنسب، (۲) عصبہ بالنفس، اور (۳) عصبہ مع الغیر

دفعہ ۱۷ - عصبہ بالنفس کی چار جہتیں ہیں جن میں بعض کو بعض

---

(۱۰۳) فتاوی عالمگیری، شیخ نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، ج ۴، ص ۴۰۰

(۱۰۴) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۹

پر وراثت میں تقدم حاصل ہوگا۔ ترتیب حسب ذیل ہے :۔

(۱) بنوت۔ (بیٹا ہونا) یہ لفظ بیٹوں اور نیچے تک کے تمام پوتوں کو شامل ہے۔

(۲) ابوۃ۔ (باپ ہونا) یہ لفظ باپ اور اوپر تک کے تمام جد صحیح کو شامل ہے۔

(۳) اخوۃ۔ (بھائی ہونا) یہ لفظ حقیقی، پدری، بھائیوں اور ان کی اولاد در اولاد کو شامل ہے۔

(۴) عمومۃ۔ (چچا ہونا) یہ لفظ میت کے چچوں اس کے باپ اور جد صحیح کے اوپر تک کے چچوں کو شامل ہے، خواہ یہ حقیقی ہوں، یا پدری ہوں۔ اور ان کی اولاد در اولاد بھی اس میں شامل ہے۔

دفعہ ۱۸۔ جب کہ عصبہ بالنفس جہت میں متحد ہوں تو وراثت کا مستحق وہ عصبہ ہوگا جو میت سے درجہ میں زائد قریب ہوگا۔ لیکن اگر جہت و درجہ دونوں میں متحد ہوں تو اب قرابت کی قوت ملحوظ ہوگی، لہذا جو میت سے دو قرابت رکھتا ہوگا وہ ایک قرابت دار سے وراثت میں مقدم ہوگا۔ اور جب جہت، قرابت، درجہ ہرسہ امور میں اتحاد ہو تو اب ترکہ ان میں مساوی طریقہ پر تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۱۹۔ عصبہ بالغیر —

(۱) یہ لڑکیاں ہیں جب کہ لڑکوں کے ساتھ ہوں،

(۲) پوتیاں نیچے تک کی جب کہ نیچے تک کے پوتوں کے ساتھ ہوں، جب کہ یہ سب ایک درجہ میں ہوں یا یہ کسی نیچے کے درجہ میں متحد ہوں، بشرطے کہ اس جہت کے علاوہ کسی دیگر جہت سے وارث نہ ہوئی ہوں۔

(۳) ہمشیرگان حقیقی، حقیقی بھائیوں کے ساتھ ہوں، یا پدری ہمشیرگان پدری بھائیوں کے ساتھ ہوں۔

اور ان حالات میں ان کے درمیان ترکہ بقاعدہ ''للذکر مثل حظالانثیین،، تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۲۰۔ عصبہ مع الغیر۔ حقیقی یا پدری ہمشیرگان جب کہ ان کے ساتھ میت کی بیٹیاں یا نیچے تک کی پوتیاں موجود ہوں۔ ان کو اصحاب فرائض کے حصص دینے کے بعد بقیہ ترکہ دیا جائے گا۔ اور اس حالت میں یہ حقیقی یا پدری بھائیوں کی مثل متصور ہوں گی، اور تقدیم میں ان کے درمیان مذکورہ جہت و قوت و درجہ کے قرب کا اعتبار کیا جائے گا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۴۔ (۱) جس صورت میں صاحبان فروض میں سے کوئی موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن ترکہ سب کے فرائض حصص کے بعد باقی رہتا ہو تو یہ بقیہ ترکہ عصبہ نسبی کو ملے گا۔

(۲) نسبی عصبہ تین قسم پر ہے :

(الف) عصبہ نفس، (ب) عصبہ بالغیر، اور (ج) عصبہ مع الغیر۔

دفعہ ۲۷۵۔ عصبہ بالنفس کے چار درجات ہیں، جن میں سے بعض بعض پر وراثت میں مقدم ہیں، ترتیب حسب ذیل ہے :۔

(۱) بنوۃ (بیٹا ہونا) اس میں اولاد اور پھر اس کی اولاد زیرین درجہ تک سب داخل ہے۔

(۲) ابوۃ (باپ ہونا) اس میں دادا اور اس کے اوپر کے دادوں کا تمام سلسلہ داخل ہے،

(۳) اخوۃ (بھائی ہونا) اس میں حقیقی بھائی، پدری بھائی اور ان کی اولاد در اولاد نیچے تک داخل ہے۔

(۴) عمومۃ (چچا ہونا) اس میں میت کے حقیقی چچا، پدری چچا،

میت کے باپ کے چچے خواہ حقیقی ہوں یا پدری ہوں اور دادا کے چچے اوپر تک اور ان سب کی اولاد نیچے تک داخل ہیں۔

دفعہ ۲۷۶۔ جب کہ عصبہ بالنفس عصوبت کی جہت میں متحد ہوں تو اس صورت میں جو عصبہ میت سے درجہ میں زیادہ قریب ہوگا وہ بقیہ ترکہ کا مستحق ہو گا۔

اور جس صورت میں کہ عصوبت کی جہت میں بھی برابر ہوں اور درجہ قرابت میں بھی، تو اب قرابت کی قوت کا لحاظ کیا جائے گا، چنانچہ حقیقی کی قرابت پدری کی قرابت کی نسبت سے قوی ہوگی، اور جب جہت قرابت و درجہ و قوت مین بھی متحد ہوں گے تو اب تقسیم وراثت مساوی طور پر ہوگی۔

دفعہ ۲۷۷ - (۱) عصبہ بالغیر:

(الف) میت کی لڑکیاں جب کہ لڑکوں کے ساتھ ہوں،

(ب) پوتیاں نیچے تک کی جب کہ ان کے ساتھ پوتے بھی موجود ہوں خواہ اسی درجہ کے ہوں یا پوتیوں سے نیچے درجہ کے ہوں بشرطے کہ اس جہت کے علاوہ ان کو وراثت نہ پہونچے،

(ج) حقیقی ہمشیر گان حقیقی بھائیوں کے ساتھ اور پدری ہمشیرگان پدری بھائیوں کے ساتھ۔

(۲) مذکورہ حالات میں تقسیم ''للذکر مثل حظ الانثیین'' ہوگی، (مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا)۔

دفعہ ۲۷۸۔ (۱) عصبہ مع الغیر۔ حقیقی ہمشیر گان یا پدری ہمشیرگان جب کہ ان کے ہمراہ میت کی بیٹیاں یا پوتے موجود ہوں خواہ کتنے ہی نیچے درجہ کے ہوں، صاحبان فرض کے بعد بقیہ ترکہ ان کو ملے گا۔

(۲) مذکورہ بالا حالات میں حقیقی ہمشیرگان حقیقی بھائیوں کی مثل متصور ہوں گی، اور پدری ہمشیرگان پدری بھائیوں کی مثل، ان کے درمیان جہت و درجہ و قوت کے اعتبار سے عصبات مذکورہ کے احکام مرتب ہوں گے۔

دفعہ ۲۷۹- (۱) جب کہ عصبی دادا اور حقیقی بھائی، بہنیں یا علاتی بھائی بہنیں جمع ہوں تو دادا تقسیم ترکہ میں ایک بھائی کی مثل حصہ پائے گا بشرطے کہ اس کے ساتھ فقط بھائی ہوں، یا بھائی بہنیں عصبہ ہوگئے ہوں، کسی وارث کی اولاد کے ذریعہ۔

(۲) جب کہ دادا کے ساتھ ایسی بہنیں ہوں جو بھائیوں کی بنا پر عصبہ نہیں ہو سکے ہوں اور نہ کسی وارث کی مونث اولاد کے ذریعہ، تو دادا صاحبان فرض کے بعد عصبہ ہونے کی بنا پر بقیہ ترکہ پائے گا۔

(۳) — — — — — — — — —

(۴) مقاسمہ میں محجوب علاتی بھائی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

دفعہ ۲۸۰- جب کہ باپ یا دادا، بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں ۱/۶ کا بحیثیت فرض کے اور بقیہ ترکہ کا بحیثیت عصبہ کے مستحق ہوگا۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۱۳- عصبات تین قسم پر ہیں:-

(۱) عصبہ بالنفس، (۲) عصبہ بالغیر، اور (۳) عصبہ مع الغیر۔

دفعہ ۱۱۴- عصبہ بنفسہ تنہا ہونے کی صورت میں میت کے کل ترکہ کا وارث ہوگا اور صاحبان فروض کے موجود ہونے کی صورت میں ان سے بقیہ ترکے کا، اور جب کہ کچھ باقی نہ رہے تو محروم ہوگا۔

یہ عصبہ باپ، جد صحیح اوپر تک کا، بیٹا، اور پوتا نیچے تک کا، اور حقیقی یاپدری بھائی، حقیقی یا پدری بھائی کا بیٹا، حقیقی یا پدری چچا، چچوں کا

بیٹا، خواہ اوپر کے چچے ہوں یا نیچے کے جیسا کہ باپ کے چچے اور دادا کے چچے، اور پھر خزانہ عامرہ۔

دفعہ ۱۱۵ - عصبہ بنفسہ کے متعدد مراتب ہیں۔ اور ہر مرتبہ دوسرے سے مقدم ہے۔ جو یہ ہیں :-

(۱) بنوۃ (بیٹا ہونا)، (۲) ابوۃ (باپ ہونا)، اور (۳) دادے اور بھائی، یہ سب ایک درجہ کے ہیں، (۴) پھر بھائیوں کی ذکور اولاد، (۵) پھر پھوپیاں اور ان کے بیٹے، یہ بھی سب ایک درجہ کے ہیں البتہ قرب کا اعتبار ہوگا، اور (۶) پھر خزانہ عامرہ۔

دفعہ ۱۱۶ - جو مرتبہ میں مقدم ہے وہ وراثت پانے میں مقدم ہوگا۔

دفعہ ۱۱۷ - جب کہ یہ مرتبہ میں متحد ہوں اور درجہ میں مختلف تو قریب تر درجہ کو بعید پر مقدم کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۱۸ - جب کہ مرتبہ اور درجہ دونوں میں متحد ہوں اور قرابت کی قوت میں مختلف تو قوی کو ضعیف پر مقدم کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۱۹ - ہر وہ عورت جس کو مرد اپنے ساتھ کی وجہ سے عصبہ کردے وہ عصبہ بغیرہ کہلاتی ہے ، یہ چار عورتیں ہیں :-

(۱) بیٹی، (۲) پوتی، (۳) حقیقی ہمشیرہ، اور (۴) پدری ہمشیرہ۔ بیٹی کو بیٹا عصبہ کردے گا یعنی اس کا بھائی، اور اس کے چچا کا بیٹا جب کہ وہ درجہ میں بیٹی کے مساوی ہو بغیر کسی شرط کے، نیز جب کہ نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو بشرطے کہ اس کو دو تہائی میں کوئی دخل نہ ہو، اور حقیقی یا پدری ہمشیرگان کو ان کے بھائی عصبہ کر دیں گے۔ اگر جد موجود ہوا تو وہ ان کے ایک بھائی کے مثل ہوگا۔

دفعہ ۱۲۰ - جس عورت کا فرض حصہ نہ ہو اور اس کا بھائی عصبہ ہو یہ اپنے اس بھائی کے ساتھ عصبہ نہ ہوسکے گی جیسا کہ پھوپی کے ساتھ

چچا موجود ہو یا چچا کی بیٹی کے ساتھ چچا کا بیٹا موجود ہو یا بھائی کی بیٹی کے ساتھ بھائی کا بیٹا موجود ہو، چنانچہ ترکہ کا مال محض عصبہ کا ہوگا همشیرہ کو کچھ نہ ملے گا۔

دفعہ ۱۲۱ - ہر وہ عورت جو کسی عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہوجائے عصبہ مع الغیر کہلاتی ہے ، یہ دو عورتیں ہیں :-

(۱) حقیقی همشیرہ بیٹی یا چند بیٹیوں تک کے ساتھ، یا پوتی و چند پوتیوں کے ساتھ، اور

(۲) مادری همشیرہ بیٹی یا چند بیٹیوں کے ساتھ، پوتی اور چند پوتیوں کے ساتھ۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۳۵ - عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں :

(۱) عصبہ بالنفس، (۲) عصبہ بالغیر، اور (۳) عصبہ مع الغیر۔

دفعہ ۲۳۶ - عصبہ بالنفس کے استحقاق کی چار جہتیں ہیں، جن میں سے بعض، بعض پر مقدم ہیں - ترتیب حسب ذیل ہے :-

(۱) بنوۃ، (اولاد ہونا) جس میں بیٹا، پوتا نیچے تک کا سلسلہ شامل ہے -

(۲) ابوۃ (باپ ہونا) اس میں میت کا باپ، عصبی دادا، اوپر تک کا سلسلہ شامل ہے -

(۳) اخوت (بھائی ہونا) اس میں حقیقی اور پدری بھائی اور ان کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ شامل ہے -

(۴) عموۃ (چچا ہونا) اس میں میت کے چچے حقیقی یا پدری اور میت کے باپ کے چچے اسی طرح کے اور عصبی جد کے چچے اوپر تک کا سلسلہ اور ان سب کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ شامل ہے -

دفعہ ۲۴۷ - (۱) جب کہ عصبہ بالنفس جہت میں متحد ہوں تو ان میں جو میت سے درجے میں قریب تر ہوگا وراثت میں مقدم ہوگا۔

(۲) جب کہ جہت اور درجہ دونوں میں متحد ہوں تو تقدیم قوت کی بنیاد پر ہوگی۔ لہذا جس کی قرابت ماں باپ دونوں جانب سے ہوگی وہ اس پر مقدم ہوگا جس کی قرابت محض باپ کے ذریعہ ہوگی۔

(۳) اور جب کہ جہت، درجہ، قوت قرابت تمام میں متحد ہوں تو اب وراثت کا مال تمام میں مساوی تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۲۴۸ - عصبہ بالغیر حسب ذیل ہیں :

(۱) بیٹوں کے ساتھ بیٹیاں،

(۲) پوتیاں نیچے تک کا سلسلہ پوتوں کے ساتھ ایک درجہ میں ہوں یا پوتے نیچے کے سلسلے کے جب کہ یہ اس کے لئے وراثت کا سبب ہوتے ہوں۔ ان کے بغیر وراثت نہ ملتی ہو۔

(۳) حقیقی ہمشیریں حقیقی بھائیوں کے ساتھ، پدری ہمشیریں، پدری بھائیوں کے ساتھ اور اس وقت تقسیم ترکہ ان کے درمیان ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے قاعدہ پر ہوگی۔

دفعہ ۲۴۹ - عصبہ مع الغیر، حسب ذیل ہیں :۔

(۱) حقیقی ہمشیریں یا پدری ہمشیریں جب کہ میت کی بیٹیوں یا نیچے تک کی پوتیوں میں سے کسی کے ہمراہ ہو۔ اب ان کو فرض حصہ کے بعد بقیہ ترکہ ملے گا۔

(۲) اس حالت میں حقیقی ہمشیریں، حقیقی بھائیوں کے مثل اور پدری ہمشیریں پدری بھائیوں کے مثل ہوں گی اور ان تمام کا حکم باقی عصبات کی نسبت سے تقدیم کے سلسلہ میں جہت، درجہ، اور قوت قرابت کے لحاظ سے ہوگی۔

دفعہ ۲۸۰۔ جب کہ میت کا باپ یا دادا ایک بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں تو اپنے فرض حصہ کے بعد بقیہ ترکہ بطور عصبہ حاصل کرلے گا۔

دفعہ ۲۸۱۔ (۱) جب کہ جد عصبی خصوصی طور پر حقیقی یا پدری بھائیوں کے ساتھ جمع ہو خواہ یہ مرد ہوں یا عورتیں یا دونوں مخلوط تو جد کو تمام ترکہ کے ایک تہائی یا مقاسمہ کے ذریعہ جو حصہ افضل ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۲) اور جب کہ حقیقی اور پدری ہر دو قسم کے بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو کل ترکے کا ایک تہائی یا دفعہ ۲۸۲ جو آئندہ آنے والی ہے اس کے طریقہ مقاسمت کے مطابق جو افضل حصہ ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۳) اور جب جد ذوی الفروض اور بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو اس کو تمام مال کے چھٹے یا ذوی الفروض کے حصوں کے بعد بقیہ ترکہ کا ایک تہائی یا بھائیوں کے درجہ کے حصہ کی تقسیم کے مطابق سے جو افضل ہو دیا جائے گا۔

رد علی ذوی الفروض

رد علی ذوی الفروض

۲۸۳۔ ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد کوئی عصبہ موجود نہ ہونے کی صورت میں، باقی ماندہ ترکہ زوجین کو چھوڑ کر دیگر ذوی الفروض میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کرلینے کا عمل ''رد علی ذوی الفروض،، کہلاتا ہے۔ مگر لازم ہوگا کہ زوجین کو صرف اسی صورت میں اس قاعدہ سے خارج کیا جائے جب کہ بیت المال منتظم ہو۔

تشریح

ترتیب استحقاق کے لحاظ سے حنفی مسلک کے بموجب ذوی الفرض اور عصبات (نسبی و سببی) کی میراث کے بعد رد علی ذوی الفروض کا نمبر آتا ہے۔ رد کے لفظی معنی ''لوٹانے،، کے ہیں۔ میراث مین یہ عول کی ضد ہے۔ عول

کے ذریعہ ، ذوی الفروض کے حصے کم ہوجاتے ہیں۔ جب کہ رد کے ذریعہ حصے بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ ذوی‌الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد اگر کچھ ترکہ بچ رہے اور کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو بقیہ ترکہ ذوی الفروض پر ان کے حصص کے لحاظ سے تقسیم کردیا جاتا ہے۔ اس تقسیم کے عمل کو علم میراث کی اصطلاح مین ''رد،، کہتے ہیں۔

رد کا اصول :

رد کا اصول قرآن پاک یا حدیث صریح پر مبنی نہین ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد فقہاء صحابہ کے اجتہاد پر ہے۔ ائمہ احناف کے نزدیک عصبات نسبی کی عدم موجودگی اور ترکہ باقی رہنے کی صورت میں اگر ذوی الفروض ہوں تو ان کا حصہ دینے کے بعد تناسب کے لحاظ سے وہ باقی ترکہ بھی انہیں پھر تقسیم کر دیا جائے گا اگر ذی فروض صرف شوہر یا زوجہ ہو تو بچا ہوا مال اسی کو ملے گا بشرطے کہ عصبات نسبی (یا سببی) یا ذوی الارحام مین سے کوئی موجود نہ ہو، ورنہ ایسی صورت میں جب کہ ذوی الفرض و عصبات موجود نہ ہوں تو ترکہ ذوی الارحام کو ملے گا ۔ کیونکہ احناف کے نزدیک رد صرف ذوی الفروض نسبی پر کیا جاتا ہے۔ ذوی الفروض سببی (زوجین) پر رد نہیں ہوتا، کیونکہ مقررہ حصے لینے کے بعد حصہ لینے کے واسطے ان کی قرابت باقی نہیں رہتی، الا یہ کہ ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ (۱۰۰)

جمہور صحابہ کا یہی مسلک بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت علی کا بھی یہی مسلک ہے ، البتہ حضرت زید بن ثابت کے نزدیک ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد بقیہ ترکہ ان پر رد نہین کیا جائے گا بلکہ وہ بیت المال کی ملکیت ہوگا۔ عروہ، امام زہری، امام مالک، اور امام ۔شافعی بھی زید بن ثابت کے قول کے اتباع میں رد کے قائل نہیں ہیں شافعی مسلک کے اکثر اصحاب کے نزدیک اگر بیت المال منتظم نہ ہو تو فاضل ترکہ

(۱۰۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۶۷
الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۹۹

ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق رد کیا جائے گا، ورنہ بیت المال کا حق ہوگا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ زوجین اور دادی پر رد نہیں کیا جائے گا لیکن حضرت عثمان کے نزدیک زوجین پر بھی رد کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک اس کی بنیاد ''ان الغنم بالغرم،، (زیادتی کے ساتھ کمی ہے) پر ہے یعنی جس طرح عول کے ذریعہ زوجین کے حصہ میں بھی کمی ہوجاتی ہے اسی طرح وہ زیادتی کے بھی مستحق ہیں۔

مخالفین رد کے دلائل :

جو اصحاب رد کے مخالف ہیں وہ اپنے دعوے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ذوی الفروض کے حصے صریح طور پر مقرر فرما دئے ہیں۔ لہذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کے حصوں میں اضافہ کرے۔ ان کے معین حصے دینے کے بعد جو مال بچ رہے وہ اس کے مستحق قرار نہیں دئے جا سکتے اور بقیہ ترکہ بیت المال کا حق ہوگا۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ کوئی شخص مر جائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو اس کا کل ترکہ بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے۔ جزو کا اعتبار کل پر کیا جائے گا یعنی جو حکم کل کا ہے وہی حکم جزو کا بھی ہوگا۔

قائلین رد (احناف) کے دلائل :

جو اصحاب رد کے قائل ہیں وہ آیت قرآنی اور حدیث نبوی دونوں سے استدلال کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالی فرماتا ہے : ''اولوالارحام بعضہم اولی ببعض،، یعنی بعض اولوالارحام بسبب رحم کے دوسرے اولوالارحام پر حق میں اولی ہیں۔ چنانچہ یہ آیت اولوالارحام کے بسبب رحم ان کے کل میراث لینے کے استحقاق پر دلالت کرتی ہے۔ نیز آیت مواریث ان میں سے ہر ایک کے واسطے ترکہ میں سے ایک معین حصے کو بطور استحقاق ثابت کرتی ہے۔ لہذا دونوں آیتوں پر حتی الامکان عمل کیا جائے گا۔ اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ پہلے آیت مواریث کے مطابق ان کے معین حصے دے دئے جائیں اور

کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت مین ''بسبب رحم،، ان کو اس آیت کی بناء پر بقیہ ترکہ کا مستحق قرار دیا جائے اور اسی بناء پر زوجین پر رد نہین کیا جاتا، کیونکہ ان کے درمیان حقیقی رحم کا تعلق نہین ہوتا۔

اس کے علاوہ رد کے قائلین عمرو ابن شعیب کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہین کہ ایک عورت نے جس کے شوہر نے اس سے لعان کیا تھا، بچہ جنا۔ جس کا نسب ماں سے ثابت ہوا۔ جب اس کا بیٹا مرا تو اس نے اپنی ملاعنہ ماں کے سوا کسی وارث کو نہ چھوڑا۔ حضور (صلعم) نے اس بیٹے کے کل ترکہ کا وارث ماں کو قرار دیا۔ (۱۰٦) حضور (صلعم) کے ملاعنہ عورت کے حق مین کل ترکہ دئے جانے کا حکم رد کے اصول پر دلالت کرتا ہے۔کیونکہ ماں کا حصہ ایسی صورت مین از روئے قرآن ایک تہائی مقرر ہے۔ اس لئے ماسوائے رد کے وہ کل ترکہ کی مالک کس طرح قرار پاسکتی تھی ! (۱۰۷)

اس کے علاوہ واثلة ابن اسقع '' کی حدیث مین آیا ہے کہ حضور (صلعم) نے فرمایا کہ عورت اپنے ''لقیط،، (وہ بچہ جو راستے مین پڑا مل جائے اور عورت اس کو پال لے) اور ''عتیق،، (وہ غلام جس کو عورت آزاد کیا ہو) اور ایسے بیٹے کی جس کے نسب سے بذریعہ لعان باپ نے انکار کیا ہو کل ترکہ کی وارث ہوگی۔(۱۰۸)

امام سرخسی نے اس مسئلے پر خاصی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ ''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ جب ترکہ کا مال اصحاب فرائض مین ان کے مقررہ حصص تقسیم

---

(۱۰٦) سنن ابو داؤد، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۰۳ :
''قال جعل رسول اللہ صلعم میراث ابن الملاعنہ لامہ ولورثتہا من بعدھا،،

(۱۰۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۵۷-۳۷،
المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۹۲

(۱۰۸) سنن ابو داؤد، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۰۳ :
''عن واثلة بن الاسقع عن النبی صلعم قال المراة تحوز ثلث مواریث عتیقہا و لقیطہا و ولد ھا الذی لاعنت علیہ،،

کرنے کے بعد باقی رہے اور میت کا کسی طرح کا کوئی عصبہ موجود نہ ہو، تو شوہر اور زوجہ کو چھوڑ کر باقی مال اصحاب فروض پر ان کے حصوں کے بقدر لوٹا دیا جائے گا۔ ہمارے (حنفی) علماء نے یہی مذہب پسند فرمایا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ شوہر اور زوجہ پر بھی دیگر اصحاب فرائض کے مانند رد کرنے کے قائل ہیں، چنانچہ انھوں نے فرمایا ہے کہ جس طرح دیگر اہل فرائض کو بطور رد دیا جاتا ہے ان کو بھی اسی طرح دیا جائے گا۔ یہی قول حضرت جابر بن یزید رضی اللہ عنہ کا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہے کہ چھ نفر کے ماسوا دیگر صاحبان فرائض پر رد کیا جائےگا اور یہ چھ نفر حسب ذیل ہیں:-

"(۱) شوہر، (۲) زوجہ، (۳) میت کی بیٹی کے ساتھ جب پوتی ہو، (۴) حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ جب پدری (علاتی) ہمشیرہ ہو، (۵) ماں کے ساتھ جب اس کی اولاد بھی ہو، اور (۶) دادی جب کسی حصے دار کے ساتھ ہو۔"

امام احمد بن حنبل کا مذہب بھی یہی ہے۔

حضرت زید بن ثابت کا قول یہ ہے کہ اصحاب فرائض جب اپنا پورا پورا حصہ لے لیں تو ان سے بچا ہوا مال کسی کی طرف رد نہ کیا جائے بلکہ وہ بیت المال کا حق ہو گا اور اس میں داخل کردیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق منقول ہے اور اسی کو حضرت امام شافعی نے اختیار کیا ہے لیکن حضرت ابن عباس کا اصل قول یہ ہے کہ شوہر، زوجہ اور دادی کے ماسوا دوسرے اصحاب فرائض پر رد کیا جائے گا۔ (۱۰۹)

رد کی بنیاد:

جیسا کہ مندرجہ بالا مباحث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ احناف اس

(۱۰۹) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۱۹۳ - ۱۹۲
الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۹۹

مسئلہ کو ذوی الارحام کے مسئلے کی بنیاد پر قیاس کرتے ہیں اور چوں کہ رد رحم کے اعتبار سے ہوتا ہے اس لئے جن لوگوں کا میت سے رحمی تعلق نہیں ہے ان پر رد نہیں کیا جاتا۔ اسی بناء پر شوہر اور زوجہ پر رد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ ذی رحم (حقیقی) نہیں ہوتے۔

میراث کا استحقاق رحم سے قائم ہوتا ہے اور چونکہ احناف کے نزدیک مستحقین وراثت میں ذوی الارحام بیت المال پر مقدم ہوتے ہیں اسی طرح ذوی الفروض (علاوہ زوجین) بقیہ ترکہ میں رحم کے سبب بیت المال پر مقدم ہوں گے۔

مالکیہ :

مالکی مذہب میں رد جائز نہیں۔ چنانچہ عصبہ نہ ہونے کی صورت میں بقیہ ترکہ بیت المال کی ملکیت ہوگا، خواہ بیت المال منتظم ہو یا غیر منتظم۔ ذوی الارحام کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔ لیکن متاخرین فقہاء مالکیہ کے نقطۂ نظر کے مطابق بیت المال کے منتظم نہ ہونے کی صورت میں ذوی الفروض پر رد جائز ہوگا۔(۱۹۰)

شافعیہ :

امام شافعی کے نزدیک ذوی الارحام کسی ترکہ کے مستحق نہیں ہوتے۔ بقیہ ترکہ بیت المال میں دے دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک جس طرح ذوی الفروض اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ترکہ بیت المال کی ملکیت قرار پاتا ہےاسی طرح عصبات کی غیر موجودگی میں ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد بقیہ ترکہ بیت المال کی ملکیت قرار پائے گا، گویا کہ کوئی ایسا صاحب فرض موجود نہیں جس کو مقررہ حصہ نہ مل چکا ہو۔ چنانچہ علماء شافعیہ کے نزدیک ذوی الفروض کو دینے کے بعد اگر کچھ ترکہ باقی رہے، دراں حالے کہ عصبات موجود نہ ہوں تو باقی ترکہ بیت المال کی

(۱۹۰) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل' صالح عبد السمیع الآبی محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۳۲
شرح الکبیر مع حاشیہ دسوقی، مطبوعہ مصر، ۱۹۱۱ع' ج ۴، ص ۴۸۱
بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۵۲

ملکیت ہوگا، بشرطیکہ امام عادل کے قبضہ مین ہو لیکن اگر ایسا نہ ہو تو بقول صاحب مہذب شافعیہ اہل تنزیل (۱۶۱) کے وہ ترکہ ذوی الفروض نسبی پر ساسوائے زوجین کے ان کے حصوں کے تناسب سے رد کیا جائے گا، اگر ذوی الفروض نسبی نہ ہوں تو (بشرط عدم انتظام بیت المال) ذوی الارحام میں تقسیم کیا جائے گا۔ لیکن شافعیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ ذوی الفروض پر رد نہیں کیا جاسکتا بقیہ ترکہ بیت المال کا حق ہوگا (جو عام مسلمین کی بہبود پر صرف کیا جائے گا)۔ اگر بیت المال منتظم نہ ہو تب بھی ذوی الفروض پر رد نہ کیا جائے گا کیونکہ مسلمین کبھی معدوم نہیں ہوتے بلکہ جس وارث کے قبضہ میں مال ہوگا وہ خود مصالح عامہ پر صرف کرے گا۔ (۱۶۲)

محاکمہ :

منجملہ امام مالک و امام شافعی، جو اصحاب رد کے قائل نہیں ہیں ان کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ذوی الفروض کے حصے قرآن پاک میں مقرر فرمادئے ہیں اور چونکہ ان کے حصے صریح نص کے ذریعہ مقرر ہیں اس لئے ان پر زیادتی ممنوع ہوگی، کیونکہ ان میں زیادتی کرنا حد شرعی سے تجاوز کرنا متصور ہوگا اور اللہ تعالی کی مقرر کردہ حد شرعی میں تجاوز کرنے والے کے حق میں سخت وعید آئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے خود آیت مواریث کے آخر میں فرمایا ہے '' ومن یعص اللہ و رسولہ و یتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداً فیھا، ولہ عذاب مھین،،۔(۱۶۳) ''کہ وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی (مقرر کردہ) حدود سے تجاوز کرے گا اس کو اللہ تعالی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ میں داخل کرے گا اور اس کے واسطے ذلت آمیز عذاب ہے۔،، چنانچہ رد کا طریقہ اختیار کرنے میں حد سے

---

(۱۶۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ مین دو گروہ تھے جن مین سے ایک گروہ باوجود شافعی ہونے کے ''اہل تنزیل،، کہلاتاتھا جس کو دوسرے لفظوں مین ''اہل قرآن،، کہا جا سکتا ہے۔ (مؤلف)

(۱۶۲) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل ، صالح عبد السمیع الآبی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۳۲
احکام الترکات و المواریث، (فقہ عام)، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۲۰۰
المہذب (فقہ شافعی)، ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروزآبادی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۲

(۱۶۳) کتاب الام، امام شافعی، مطبوعہ مصر، ۱۹۶۱ء، ج ۴، ص ۷۶
۴ : ۱۴ (النساء) م

تجاوز کرنا لازم آجاتا ہے ، جس کو اللہ تعالی نے تجاوز کہہ کر نافرمانی کرنے والے کو وعید (عذاب) کا مستحق ٹھرایا ہے۔

مخالفین رد کی جانب سے رد کے ابطال میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ رد کی بنیاد تین امور پر ھوسکتی ہے۔ ایک فرضیت، دوسرے عصوبت اور تیسرے رحم۔ رد کے ذریعہ ذوی الفروض کو بقیہ ترکہ دینا بہ اعتبار فرضیت کے نہیں ہو سکتا، کیونکہ رد کے قائلین زوجین پر رد نہیں کرتے، حالانکہ اگر رد کے ذریعہ ورثہ پانے کی بنیاد فرضیت پر قائم ھوتی تو شوھر اور زوجہ جو ذوی الفروض ھیں ان کو محروم نہ کیا جاتا۔ دوسرے یہ کہ ھر ذی فرض کو اس کا حصہ جو قرآن میں مقرر ہے مل چکا ہے۔ اس لیے فرضیت کے سبب بقیہ ترکہ دینا رد کی بنیاد نہیں ھو سکتا۔

اسی طرح، عصوبت بھی رد کی بنیاد نہیں ھوسکتی۔ کیونکہ اس بنیاد پر ''الاقرب فالاقرب،، کا اصول اختیار کرنا پڑے گا اور رد میں یہ اصول اختیار نہیں کیا جاتا۔ یعنی عصوبت کے اعتبار سے جو وارث رشتے میں زیادہ قریب ھوتا ہے وہ دور کا رشتہ رکھنے والے کے مقابلے میں وراثت کا زیادہ مستحق ھوتا ہے۔ لیکن رد میں اقرب کو مقدم نہیں کیا جاتا، بلکہ بقیہ ترکہ صرف نسبی ذوی الفروض میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے اور ظاھر ہے کہ ذوی الفروض کی بنیاد عصوبت پر نہیں ہے۔

اسی طرح ورثے میں رحم کے ذریعہ جو استحقاق ھوتا ہے وہ بھی حقیقت میں عصوبت کے سبب ھوتا ہے اور اسی بناء پر اس میں اقرب مقدم ھوتا ہے۔ جس کا لحاظ رد میں نہیں کیا جاتا۔ لہذا مخالفین رد کے نزدیک رد کی مذکورہ بالا تینوں بنیادیں غیر صحیح قرار پائیں۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ھیں کہ رحمی رشتہ کے اعتبار سے رد کرنا اور مستحق ھونا ایسا ھی ہے جیسے کہ عصوبت کے اعتبار سے ھو۔ لہذا اس رشتہ سے استحقاق در حقیقت عصوبت کی بناء پر متصور ھوگا۔ اسی بناء پر زوج اور زوجہ پر رد نہ ھو سکےگا (کیونکہ یہ باھم عصبہ نہیں ھیں)۔ عصوبت

قرابت یا اس کے مشابہ تعلق سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ولاء قرابت کے مشابہ ہے اور زوجیت میں یہ صفت موجود نہیں ہوتی، اس لئے اگر زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو زوجیت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، بخلاف عصوبت کے کہ وہ بدستور قائم رہتی ہے۔ چونکہ ان کا صاحب فرض ہونا قرآنی نص سے ثابت ہے اس لیے اس کے مطابق عمل کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ لیکن نص قرآنی کے ماسوا دیگر محل میں ذوی الفروض کا استحقاق ثابت نہ ہوگا، کیونکہ استحقاق کا سبب دوسرے محل پر موجود نہیں ہوتا۔ اسی طرح میت کی بیٹی کے موجود ہوتے ہوئے نواسی پر رد نہ کیا جائے گا، کیونکہ یہ رد کے موقعہ پر ایسی ہوں گی جیسے کہ بیٹے کے ساتھ پوتا موجود ہو، چنانچہ اقرب کو ابعد پر مقدم کیا جائے گا۔ اسی طرح حقیقی ہمشیرہ کے ہوتے ہوئے پدری (علاتی) ہمشیرہ پر رد نہ ہوگا، کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے حقیقی بھائی کے ساتھ پدری (علاتی) بھائی موجود ہو نیز ماں کے ساتھ اگر اس کی اولاد موجود ہو تو اولاد پر رد نہ ہوگا۔ الغرض رد کے ذریعہ اصحاب فروض کو بقیہ ترکہ دینا حضرت ابن مسعود کے نزدیک باطل قرار پایا۔

امام سرخسی نے مخالفین رد کے مندرجہ بالا دلائل بیان کرنے کے کے بعد لکھا ہے کہ علمائے احناف اللہ تعالی کے قول ''واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض،، سے استدلال کرتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں کہ بعض (قرابت دار) دوسروں کے مقابلہ میں بسبب رحم کے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ یہ آیت رحم کے سبب ان میں سے ہر ایک کے لیے کل میراث کا استحقاق ثابت کرتی ہے۔ اور آیت مواریث جس میں اللہ تعالی نے ذوی الفروض کے حصے مقرر فرمائے ہیں۔ اس کے ذریعہ ہر ایک کے واسطے مال میں سے ایک معلوم حصے کا استحقاق ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان کے حصوں کا قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے اس لئے علماء احناف عصبہ نہ ہونے کی صورت میں دونوں آیتوں پر اس طرح عمل کرتے ہیں کہ پہلے صاحب فرض کو اس کا مقررہ حصہ دے دیتے ہیں۔ پھر جو بچتا ہے اس کو ذوی الفروض میں رحمی تعلق کے سبب سے تقسیم کردیا جاتا ہے۔

یہ کہنا کہ ذوی الفروض پر رد کے ذریعہ بقیہ ترکہ دینا حد شرعی سے تجاوز کرنا ہے، غلط ہوگا۔ کیونکہ جس طرح عول کے ذریعہ مقررہ حصوں میں کمی کی جاتی ہے جو اجماع سے ثابت ہے، اسی طرح مقررہ حصوں میں زیادتی بھی ہو سکتی ہے۔

حنبلی مسلک :

حنبلی مسلک اصح قول کے بموجب حنفی مسلک کے مطابق ہے۔ (۱۶۳)

زوجین پر رد نہ کرنے کا حکم اور اس کی بنیاد :

جہاں تک زوجین پر رد نہ کرنے کے مسئلے کا تعلق ہے اس کی صورت یہ ہے کہ متقدمین حنفیہ کے قول کے مطابق زوجین محض اپنے معین حصہ ہی کے مستحق ہیں، بیت المال منتظم ہو یا غیر منتظم۔ لیکن متاخرین حنفیہ کا فتوی اس پر ہے کہ زوجین پر رد نہ ہونا اس صورت میں ہے کہ بیت المال کے انتظام میں کسی طرح کا فتور اور خلل نہ ہو اور اس کے مصارف شرعی طور پر معین ہوں۔ اگر بیت المال منتظم نہیں تو دیگر ورثاء بشمول ذوی الارحام نہ ہونے کی صورت میں بقیہ مال زوجین میں سے جو موجود ہو اس پر رد کیا جائے گا۔

زوجین پر رد نہ کرنے کی بنیاد یہ ہے کہ رد کا سبب ایسی قرابت ہے جو رحم کے سبب قائم ہو۔ شوہر یا بیوی (جیسی بھی صورت ہو) میں موت کی وجہ سے ان کی باہم قرابت باقی نہیں رہتی اور نہ ان کے درمیان قرابت بذریعہ رحم قائم ہوتی ہے بلکہ جو قرابت ان کے درمیان قائم ہوتی ہے وہ نکاح کے سبب سے ہوتی ہے جو موت کے ذریعہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے مقررہ حصہ دینے کے بعد کوئی ایسی وجہ بر بناء قرابت باقی نہیں رہتی جو رد کے ذریعہ بقیہ ترکہ میں زائد حصہ دئے جانے کا شرعی سبب بن سکے، البتہ اگر ان کے

---

(۱۶۳) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۲۰۱
المقنع، عبداللہ ابن احمد المقدسی، مطبعۃ السلفیہ، ج ۲، ص ۳۲۳

درمیان زوجیت کے علاوہ کسی دیگر سبب سے نسبی قرابت پائی جاتی ہو تو اس قرابت کی وجہ سے ان پر رد کیا جاسکے گا۔

متاخرین حنفیہ کا فتوی :

علامہ ابن نجیم نے اپنی کتاب الاشباہ و النظائر میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں زوجین میں سے کسی ایک کا مقررہ حصہ دے کر جو ترکہ بچ رہے، وہ اسی پر رد کر دیا جائے گا (جب کہ کوئی دوسرا ذی فرض یا عصبہ موجود نہ ہو) ۔(۱۶۵)

صاحب رد المحتار نے امام غزالی کی تصنیف ''المستصفی'' سے نقل کیا ہے کہ اس زمانہ میں فتوی اس پر ہے کہ مستحقین میراث نہ ہونے کی صورت میں زوجین پر رد جائز ہے۔ نیز محقق احمد بن یحیی بن سعد تفتازانی سے نقل کیا ہے کہ بہت سے متاخرین مشائخ نے زوجین پر رد کرنے کا فتوی دیا ہے، جب کہ ان کے علاوہ میت کا کوئی وارث موجود نہ ہو، کیوں کہ اولی الامر میں دینی فساد پیدا ہو گیا ہے اور حاکم ظالم ہو چلے ہیں ۔ (یہی معنی بیت المال کے غیر منتظم ہونے کے ہیں) ۔ اس کو متاخرین شافعیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ صاحب رد المحتار نے درالمنتقی کی عبارت اس کے خلاف نقل کرتے ہوئے بذات خود اس کی تردید کی ہے اور امام غزالی کے قول کو پسند کیا ہے کہ اقرباء اصلا موجود نہ ہونے کی صورت میں زوجین پر رد کرنا جائز ہے۔(۱۶۶)

چناں چہ متقدمین حنفیہ کا قول ''کہ زوجین اپنے معین حصے ہی کے مستحق ہیں، خواہ بیت المال منتظم ہو یا غیر منتظم''، دور حاضر میں مفتی بہ نہ رہا بلکہ متاخرین کے نزدیک فتوی اس پر ہے کہ زوجین پر رد نہ ہونا اس شرط پر ہے کہ بیت المال کے انتظام میں کسی طرح کا فتور اور خلل نہ ہو، یعنی اس کے مصارف شرعی طور پر متعین ہوں چناں چہ اگر بیت المال منتظم نہیں تو دیگر ورثاء (بشمول ذوی الارحام) کے نہ ہونے کی صورت میں بقیہ ترکہ زوجین پر رد کیا جائے گا ۔

---

(۱۶۵) الاشباہ، ابن نجیم، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۶۸ء، ص ۲۹۷

(۱۶۶) رد المحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۳ھ، ج ۵، ص ۵۰۶

متاخرین کے فتوے کے بموجب ایسے ممالک میں جہاں سرے سے شرعی بیت المال کا کوئی نظام ھی نہیں یا شرعی بیت المال منتظم نہیں وھاں زوجین پر رد کیا جانا انسب اور اصح معلوم ھوتا ھے اور اسی پر عمل کیا جانا چاھئے۔

شیعی مسلک :

شیعہ زیدیہ و امامیہ فقہاء بھی رد کے قائل ھیں ، لیکن زوجین میں سے بیوی پر تو کسی حال میں بھی رد کے قائل نہیں اور شوھر پر رد کے صرف اس صورت میں قائل ھیں جب کوئی اور ذی فرض وارث موجود نہ ھو۔ چناںچہ اگر تنہا شوھر وارث ھو تو اس کو اس کا مقررہ حصہ (نصف) دے کر سابقی نصف رد علی ذوی الفروض کے قاعدے سے ملے گا۔ لیکن بہ موجودگی دیگر ورثاء شوھر یا زوجہ کسی بھی حالت میں رد سے مستفید نہیں ھو سکتے۔ البتہ اگر میت کے شوھر کے سوا اور کوئی وارث نہ ھو تو وہ شوھر اپنا حصہ میراث کے علاوہ ما بقی اصول رد کے ذریعہ حاصل کرے گا لیکن میت کی وارث اگر صرف زوجہ ھو تو ان کا اجماعی نقطۂ نظر یہ ھے کہ وہ صرف اپنا چوتھائی حصہ حاصل کریگی ما بقی امام یا حکومت کو ملے گا ، زوجہ کی طرف کبھی رد نہ ھوگا۔ (۱٦۷)

محقق الحلی نے لکھا ھے کہ زوجہ کے حق میں رد کے سلسلہ میں تین قول ھیں ایک یہ کہ اس پر رد کیا جائے گا ، دوسرا یہ کہ رد نہیں کیا جائےگا اور تیسرا یہ کہ اس کے حق میں عدم امام کی صورت میں ردکر دیا جائے گا ، علامہ الحلی کے نزدیک حق یہ ھے کہ زوجہ پر رد نہ کیا جائے۔ (۱٦۸)

جسٹس امیر علی نے اپنی کتاب محمڈن لاء میں لکھا ھے کہ عہد حاضر میں امام کا قائم مقام کوئی نہیں ھے جو بقیہ ترکہ حاصل کر سکے اس لیے

---

(۱٦۷) مفتاح الکرامة شرح قواعد العلامہ، جواد بن محمد بن حسین العاملی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲٦ھ، ج ۸، ص ۱۱۳
التركة والميراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۳۱۹

(۱٦۸) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، القسم الرابع، المجلد الثانی، ص ۱۸۳

شرائع اسلام میں جو قاعدہ لکھا ہے وہ ختم ہو چکا ہے۔ آج کل جدید ماہرین قانون بقیہ حصہ بھی زوجہ کو بذریعہ رد دینے کے حق میں ہیں۔(۱۶۹) ایران کے موجودہ قانون کے تحت بھی یہی صورت ہے۔ چنانچہ اگر صرف زوجہ موجود ہو اور کوئی ذی فرض یا عصبہ وارث نہ ہو تو زوجہ کل ترکہ کی مستحق ہوگی۔(۱۷۰)

شیعی مسلک کے مطابق میت کے ورثاء میں باپ اور بیٹی کے علاوہ دو یا زائد حقیقی یا علاتی بھائی یا ایک ایسا بھائی اور دو ایسی بہنیں یاچار ایسی بہنیں ہوں تو بھائی بہن اگرچہ طبقہ دوہم کے وارث ہونے کی وجہ سے خود محروم ہوں، لیکن ماں کو بھی رد کے استفادہ سے محروم کردیتے ہیں، چنانچہ ایسی صورت میں حسب تناسب صرف باپ اور بیٹی کو ملے گا۔ ماں ہمیشہ ذی فرض ہی رہتی ہے اس پر ما بقی رد نہیں کیا جاتا۔

راقم الحروف کے نزدیک یہ مسئلہ شیعہ فرقہ میں رد سے متعلق ہی نہیں ہے اور ماں کے استحقاق یا عدم استحقاق یا رد کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مسئلہ مذکورہ میں بیٹی بحیثیت ذوی الفروض لے کر بقیہ باپ بحیثیت عصبہ لےلے گا اور رد کے لئے کچھ نہ بچے گا۔

اسی طرح شیعی فقہ میں اخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ جب حقیقی بہنیں بھی موجود ہوں تو انہیں بھی رد میں کوئی حصہ نہیں ملتا بلکہ کل بقیہ اخیافی بہنوں کی طرف رد ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ صاحب شرائع الاسلام کے نزدیک اخیافی بہن رد سے کلیتاً محروم ہے لیکن صاحب کافی کے نزدیک رد کا حصہ انہیں بھی پہنچتا ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک اس مسئلہ میں بھی رد کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اگر حقیقی بہنیں اور اخیافی بہنیں موجود ہیں پھر یہ مسئلہ کلالہ

---

(۱۶۹) محمڈن لاء، امیر علی، سید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۵ع، ج ۲، ص ۱۲۳

(۱۷۰) قانون الایرانی راجع المیراث عند الجعفریۃ، ابوزہرہ، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۵۹ع، دفعہ ۹۵۰، صص ۸۱ - ۸۰

کے سبب اخیافی بہنوں کو ایک تہائی اور حقیقی بھائی بہنوں کو دو تہائی ترکہ دیکر ختم ہو جاتا ہے۔

ظاہریہ مسلک :

امام ابن حزم الظاہری نے اپنی کتاب ''المحلی،، میں لکھا ہے کہ جب ترکہ ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد بچ رہے اور کوئی دیگر مستحق موجود نہ ہو تو وہ مسلمانوں کی مصالح پر صرف کیا جا سکے گا (کیونکہ ایسا کرنا) قرآن و سنت اور اجماع کے تحت واجب نہیں ہے البتہ دیگر ذوی الارحام محتاج و تنگ دست ہوں تو ان کو ان کی ضرورت کے مطابق دے کر باقی مصالح مسلمین میں صرف کیا جائے گا۔ امام ابن حزم کے دلائل بھی امام شافعی کے قریب قریب ہیں -(۱۷۱)

نتیجہ فکر :

ہمارے نزدیک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے خلاف، ذی‌فرض سے ترکہ بچ رہنے اور کسی عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں، رد کیا جانا کسی وعید کا موجب نہیں ہوسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالی نے آیت مواریث کے بعد اس کی خلاف ورزی اور نافرمانی کرنے والوں کو عذاب کا مستحق ٹھہرایا ہے، لیکن اس سے اللہ تعالی کا منشاء یہ ہے کہ جن قرابت داروں کے حق میں جو حصے قرآن کے ذریعہ مقرر کردیے گئے ہیں ان حصوں سے ان قرابت داروں کو ہر گز محروم نہ کیا جائے۔ لہذا اصحاب فرائض کو ان کے حصے دے کر اگر عصبہ نہ ہوں تو بقیہ انہیں پر رد کردینا منشاء قرآنی کے خلاف نہیں ہے اور نہ اسے حد شرعی سے تجاوز کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ عصبہ کی غیر موجودگی میں اصحاب فرائض میت کے ذی رحم اقرب قرابت دار ہونے کی حیثیت سے بمقابلہ ذوی الارحام بیت المال کے زیادہ مستحق ہیں اور اس طرح آیت قرآن ''اولو الارحام بعضہم اولی ببعض،، اور میراث کے اصول ''الاقرب

(۱۷۱) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، جلد ۹، ص ۳۸۰

فا الاقرب،، پر عمل ہوجاتا ہے ۔ تقریباً یہی بات امام سرخسی نے بھی کہی ہے۔(۱۷۲)

عرب ممالک میں رد کا قانون :

مصر مین از روئے دفعہ ۳۰ قانون المواریث نمبر ۷۷، ۱۹۴۳ء قرار دیا گیا ہے کہ جب ترکہ ذوی الفروض کے مقررہ حصہ دینے کے بعد بچ رہے اور کوئی عصبہ نسبی موجود نہ ہو تو زوجین کو چھوڑ کر ذوی الفروض پر ان کے مقررہ حصوں کی نسبت سے رد کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی عصبہ نسبی یا ذی فرض نسبی یا ذوی الارحام مین سے کوئی موجود نہ ہو تو زوجین مین سے ایک پر (جو زندہ ہو) رد کیا جائے گا۔(۱۷۳) ملک شام کا قانون بھی مصر کے مطابق ہے(۱۷۴) البتہ تیونس کے قانون التشریع مین اس کی کوئی صراحت نہین پائی جاتی۔ مراکش کے قانون مین بھی اس سے متعلق کچھ نہ مل سکا۔ چونکہ مراکش مین مالکی مذہب معمول بہ ہے اور مالکی فقہ کی رو سے جائز نہین، اس لیے مراکش مین رد کا قانون نہین ہے۔ متعلقہ دفعات قانون حسب ذیل ہین :۔

مصری قانون :

دفعہ ۳۰۔ جب کہ ترکہ اصحاب فروض مین مستغرق نہ ہو اور کوئی عصبہ نسبی بھی موجود نہ ہو تو باقی ترکہ زوجین کے علاوہ دیگر اصحاب فروض پر ان کے مقررہ حصوں کے مطابق رد کردیا جائے گا اور جس حالت مین کہ صاحبان فرض اور عصبہ نسبی کوئی بھی موجود نہ ہو اور نہ ذوی الارحام ہوں تو اب زوجین پر رد کیا جائے گا۔

---

(۱۷۲) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۱۹۴ - ۱۹۳

(۱۷۳) قانون الاحوال الشخصیہ، مصر، نمبر ۷۷، ۱۹۴۳ء، دفعہ، ۳۰ :
”اذالم تستغرق الفروض الترکة ولم یوجد عصبة من النسب رد الباقی علی غیر الزوجین اذالم یوجد عصبة من النسب رد احد اصحاب الفروض النسبیة او احد ذوی الارحام۔،،

(۱۷۴) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، ۱۹۵۳ء، دفعہ ۲۸۸

شام کا قانون :

دفعہ ۲۸۸۔ (۱) جب کہ ترکہ صاحبان فرض کے حصص سے باقی رہا ہو، اور کوئی نسبی عصبہ موجود نہ ہو، تو زوجین کے علاوہ دیگر صاحبان فرض پر ان کے حصص کے مطابق بقیہ ترکہ رد کر دیا جائے گا۔

(۲) جب کہ میت کا کوئی عصبہ نسبی یا کوئی صاحب فرض نسبی یا ذوی الارحام سے کوئی وارث موجود نہ ہو، تو اب بقیہ ترکہ زوجین پر رد کر دیا جائے گا۔

ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطۂ نظر :

ہند و پاکستان کی عدالتوں نے رد کے مسئلے مین حنفی مسلک کی متابعت میں اپنے فیصلے دئے ہیں البتہ جب سوائے شوہر یا زوجہ کے کوئی وارث موجود نہ ہو تو رد کے ذریعہ ترکہ کا مستحق زوجہ یا شوہر (جو موجود ہو) کو قرار دیا ہے، کیونکہ بیت المال کا کوئی وجود نہ تھا۔ بمقدمہ گوجا دھر پرشاد بنام شیخ عبداللہ قرار دیا گیا کہ جب ذوی الفروض موجود ہوں مگر کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو بقیہ ترکہ ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے بموجب ما سوائے زوجین کے رد کیا جائے گا نیز یہ کہ کسی ایسے شخص کی موجودگی، جو ذوی الارحام مین سے ہو، ذوی الفروض کے حق میں رد کی مانع نہ ہوگی۔(۱۷۵)

بمقدمہ محمد ارشد چودھری بنام ساجدہ بانو قرار دیا گیا کہ ذوی الفروض اور ذوی‌الارحام کی غیر موجودگی میں بیوہ کو بقیہ ترکہ رد کیا جائے گا۔(۱۷۶)

بمقدمہ کولاری بی‌بی بنام ولیم بی‌بی قرار دیا گیا کہ فی الاصل ایک بیوہ رد کے ذریعہ کسی حصے کی مستحق نہیں ہوتی لیکن اس کے حق میں خزانہ عامرہ کے خلاف یہ استثناء کیا گیا ہے کہ اگر ذوی الارحام بھی موجود

WR, 220 (۱۷۵)
3-C, 702 (۱۷۶)

نہ ہوں تو وہ بقیہ ترکہ اس پر رد کیا جائے گا۔(۱۷۷)

ایک اور مقدمہ بفاتن بنام قائم میں قرار دیا گیا کہ دوسرے نسبی ذوی الفروض اور ذوی الارحام کے نہ ہونے کی صورت میں وہ جائداد کسی مرد یا عورت نے چھوڑی ہو بیوی یا اس کے خاوند کو رد کے ذریعہ مل جاتی ہے۔(۱۷۸)

۴۔ ذوی الارحام

ذوی الارحام کی تعریف

۲۸۴۔ میت کے وہ قرابت دار جو نہ ذوی الفروض ہیں اور نہ عصبات ، ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔

تشریح

''ذوی،، لفظ ''ذی،، کی جمع اور لفظ ''ارحام،، لفظ ''رحم،، کی جمع ہے۔ دونوں مل کر ''ذوی الارحام،، الفاظ ''ذی رحم،، کی جمع ہیں۔ جس کے لغوی معنی قرابت دار کے ہین۔ علم المیراث کی اصطلاح میں ہر وہ قرابت دار ذی رحم کی تعریف میں شامل ہے جو نہ صاحب فرض ہو (جس کا حصہ قرآن پاک، سنت رسول یا اجماع امت سے مقرر شدہ ہے) اور نہ عصبہ ہو۔ (۱۷۹)

ذوی الارحام کی میراث

۲۸۵۔ ذوی الفرض، عصبات اور رد علی ذوی الفروض کے بعد میراث کے مستحق ذوی الارحام ہوتے ہیں۔

تشریح

احناف کے مسلک کے بموجب ذوی الفروض، عصبات اور رد علی ذوی الفروض کے بعد ذوی الارحام میراث پانے کے مستحق ہیں۔(۱۸۰)

میت کے قرابت داروں کو تین درجوں مین تقسیم کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ذوی الفروض کا درجہ ہے جن کے حصے مقرر ہیں۔ اس کے بعد عصبات

---

(۱۷۷) 11-C, 14

(۱۷۸) 30-C, 683

(۱۷۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵

(۱۸۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۷۵-۷۴

آتے ھیں جو ذوی الفروض کو دینے کے بعد بقیہ ترکہ کے مستحق ھوتے ھیں اور اگر کوئی ذی فرض نہ ھو تو کل ترکہ پانے کے مستحق ھوتے ھیں۔ ذوی الفروض اور عصبات کے بعد تیسرا درجہ ذوی الارحام کا ھے۔ ''ذوی الارحام،، وہ اقارب ھیں جو نہ ذوی الفروض ھیں اور نہ عصبات۔

یہی نقطہ نظر ھند و پاکستان کی عدالتوں کا ھے۔ چنانچہ بمقدمہ عمر دین بنام محمد بخش قرار دیا گیا کہ اسلامی قانون میں ذوی الارحام کی اصطلاح میں وہ تمام خونی رشتے دار شامل ھیں، خواہ قریبی ھوں یا دور کے جو نہ ذوی الفروض ھوں اور نہ عصبات۔ (۱۸۱)

چنانچہ ذوی الارحام میں وہ ورثاء شامل ھیں جو ذوی الفروض اور عصبات کے علاوہ ھوں۔ احناف کے نزدیک اگر ذوی الفروض موجود نہ ھوں اور نہ عصبات نسبی یا سببی تو ترکہ کے مستحق ذوی الارحام ھوں گے۔ شوھر یا زوجہ موجود ھوں تو ان کے حصص دینے کے بعد باقی ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم ھوگا۔ شافعیہ کے نزدیک ذوی الارحام پر بیت المال مقدم ھے، بشرطے کہ منتظم ھو۔(۱۸۲) چنانچہ ان کے نزدیک اگر بیت المال منتظم نہ ھو اور ذی الفروض یا عصبات موجود نہ ھوں تو ذوی الارحام مستحق ھوں گے۔ یہی مسلک مالکیہ کا بھی ھے لیکن حنبلیہ کے نزدیک بیت المال کا کوئی حق نہیں ۔(۱۸۳)

احناف کے نزدیک ذوی الفروض اور عصبات کے بعد ذوی الارحام کو مستحق قرار دینے کی بناء یہ ھے کہ وہ بہرحال میت کے قرابت دار ھیں ۔(۱۸۴) اس لیے ان کے نزدیک بیت المال کا درجہ سب سے آخر میں ھے اور راقم الحروف کے نزدیک یہی نقطہ نظر انسب ھے۔

---

(۱۸۱) 77 PLR 1904 27RP 1940

(۱۸۲) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵
المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۱۹۲ - ۹۳

(۱۸۳) المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۸۴

(۱۸۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵

بہر کیف مختلف صحابہ و تابعین و ائمہ مذاہب کے درمیان ذوی الارحام کی میراث کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے -(۱۸۵) جس کی تفصیل حسب ذیل ہے -

حنفی مسلک :

جمہور صحابہ مثلاً حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود، ابو عبیدہ ابن الجراح، معاذ بن جبل، ابو الدرداء، ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ ذوی الارحام کی توریث کے قائل ہیں - تابعین میں علقمہ، ابراہیم نخعی، شریح، حسن بن زیاد، ابن سیرین، عطا اور مجاہد بھی اس کے قائل ہیں - امام ابو حنیفہ صاحبین، امام زفر اور دیگر حنفی ائمہ نے بھی مذکورہ صحابہ و تابعین کا مسلک اختیار کیا ہے -(۱۸۶)

حنبلیہ :

حنبلیہ ذوی الارحام کی میراث کے قائل ہیں -(۱۸۷)

مالکیہ و شافعیہ :

زید بن ثابت اور ایک شاذ روایت کے بموجب ابن عباس ذوی الارحام کی میراث کے قائل نہیں ہیں - چنانچہ ان کے نزدیک اصحاب فرائض اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا - تابعین میں حسن، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں - امام مالک اور امام شافعی بھی ذوی الارحام کی عدم توریث کے قائل ہیں -(۱۸۸)

---

(۱۸۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۲
المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا ج ۷، ص ۲۲۹
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵
رد المحتار، محمد امین ابن عابدین، (۱۲۵۶ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۳ھ، ج ۵، ص ۵۵۶

(۱۸۶) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۶

(۱۸۷) المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۸۳ - ۸۲

(۱۸۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۶

مخالفین میراث ذوی الارحام کے دلائل :

جو ائمہ فقہاء ذوی الارحام کی توریث کے قائل نہین ہین وہ اپنے نقطہ نظر کی تائید مین دو دلیلین پیش کرتے ہین :-

''۱ - ایک یہ کہ اللہ تعالی نے آیات مواریث مین ذوی الفروض اور اور عصبات کے حصوں کا ذکر کیا ہے، ذوی الارحام کا کوئی ذکر نہین - اگر ذوی الارحام کا کوئی حصہ ہوتا تو اللہ تعالی اس کو ضرور بیان فرماتا -

۲ - دوسری دلیل حدیث رسول (صلعم) پر مبنی ہے وہ یہ کہ حضور (صلعم) سے پھوپی اور خالہ کی میراث کے بارے مین دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ ان دونوں کے لیے کوئی حصہ نہین -''(۱۸۹)

قائلین میراث ذوی‌الارحام کے دلائل :

ذوی الارحام کی توریث کے قائل حضرات اپنے دعوے کے ثبوت مین اللہ تعالی کا فرمان ''و اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض'' پیش کرتے ہین - یعنی میراث لینے مین بعض قرابت داروں کو بعض پر ترجیح ہے - چنانچہ اس آیت سے ان کا یہ استدلال ہے کہ اس آیت کے لزول سے قبل وراثت، ''سواخات'' کے ذریعہ قائم ہوتی تھی - جس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا - چنانچہ جو حقوق اس زمانے مین سواخات کے سبب حاصل تھے وہ ذوی الارحام کو سل گئے - ذوی الارحام مین لغت کے اعتبار سے ہر قرابت دار شامل ہے خواہ ذی فرض ہو یا عصبہ - اللہ تعالی نے ان مین سے بعض کے حصے مقرر فرمادیے اور بعض عصبہ کی حیثیت سے میراث کے مستحق قرار پائے لہذا اس آیت سے ان مذکورہ دو قسموں کے ماسوا دیگر ذوی الارحام کی میراث ثابت ہوگئی -

(۱۸۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۶

استحقاق میراث وصف عام سے ہوتا ہے یعنی ذو رحم (قرابت دار) ہونا۔ اور یہ ممکن ہے کہ ایک ہی شخص میں وصف عام اور خاص دونوں پائے جائیں۔ دونوں وصفوں کا ایک وقت میں موجود ہونا آپس میں ایک دوسرے کے منافی نہیں ہے۔ لہذا جس کسی شخص کے حق میں وصف خاص نہ ہو تو استحقاق وصف عام سے ثابت ہوسکتا ہے۔ لہذا ذوی الارحام کو مستحق میراث ٹھیرانے کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب اللہ پر اضافہ ہے۔

قائلین میراث ذوی الارحام (احناف) اپنے نقطہ' نظر کی تائید میں مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ چند احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں :-

۱ - ایک شخص نے سہیل بن حنیف کی طرف تیر پھینکا جو تیر لگنے سے مرگئے۔ ان کا سوائے ان کے ماموں کے کوئی وارث نہ تھا۔ ابو عبیدہ بن جراح نے حضرت عمر سے دریافت کیا کہ ماموں وارث ہوتا ہے یا نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے ''کہ اللہ اور رسول وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہیں، اور ماموں وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہیں۔(۱۹۰)

۲ - ثابت بن دحداح مرگئے تو نبی (صلعم) نے قیس بن عاصم سے دریافت فرمایا ''کہ تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ اس متوفی کا کوئی رشتہ دار ہے۔،، انھوں نے عرض کیا کہ وہ تو ہم میں ایک مسافر تھا، ہم اس کے کسی وارث کو نہیں جانتے۔ مگر یہ کہ اس کی بہن کا ایک بیٹا ہے جس کا نام غالباً ابو لباب ابن عبداللہ بن منذر ہے، آپ نے اس متوفی کی میراث ابو لباب کو دے دی۔ (۱۹۱)

(۱۹۰) ترمذی، امام ترمذی، مطبوعہ کراچی، ص ۳۰۶
''عن ابی امامة بن ابی سہل بن حنیف قال کتب معی عمر بن الخطاب الی ابی عبیدة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : اللہ و رسولہ مولی من لا مولی لہ والخال وارث من لاوارث لہ۔،،

(۱۹۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳
المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۸۵

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ بھی ذوی الارحام کی میراث کے قائل ہیں ۔(۱۹۲)

ظاہریہ :

ظاہریہ ذوی الارحام کی میراث کے قائل نہیں ہیں ۔ ان کے نزدیک ذوی الفروض و عصبات و مولی عتاقہ اور اس کے عصبات و مقرلہ بالنسب نہ ہونے کی صورت میں میت کا ترکہ بیت المال میں داخل ہوگا ۔(۱۹۳)

ذوی‌الارحام کی ترتیب توریث

۲۸۶۔ ذوی الارحام کی ترتیب توریث حسب ذیل ہے :-

(۱) وہ جو میت کی طرف منسوب ہوں مثلاً میت کی بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد ،

(۲) جن کی طرف میت منسوب ہو مثلاً نانا، نانا کا باپ، نانا کی ماں، یا نانا کی نانی وغیرہ ۔

(۳) جو میت کے ماں باپ سے منسوب ہوں مثلاً بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں، اخیافی بھائی، بہنوں کی اولاد وغیرہ ، اور

(۴) وہ جو میت کے دوجد یا دو جدہ کی طرف منسوب ہوں، یعنی دادا، نانا، دادی، نانی کی طرف مثلاً عینی، علاتی، یا اخیافی پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں وغیرہ ۔

تشریح

دفعہ ہذا میں مذکور ذوی الارحام کی ترتیب توریث میں حسب ذیل قواعد کا لحاظ ضروری ہوگا ۔

(۱) ذوی الفروض اور عصبات میں سے اگر کوئی موجود نہ ہو تو ذوی الارحام وارث ہوں گے اور اگر ذوی الفروض میں سے صرف خاوند یا بیوی ہوں

(۱۹۲) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، صص ۱۹۰ - ۱۸۹

(۱۹۳) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۳۸۰

تب بھی ان کے ساتھ ذوی الارحام وارث ہوں گے۔ مثلاً اگر خاوند اور نانا ہوں تو خاوند کا حصہ دے کر باقی نانا کو ملے گا۔

(۲) اگر ذوی الارحام میں صرف اکیلا ہی شخص ہو تو اس کو کل ترکہ (مثل عصبہ کے) مل جائے گا۔

(۳) جب تک درجہ اول کے ذوی الارحام مین کوئی بھی موجود ہو گو درجہ میں کتنے ہی نیچے ہو، درجہ دوم کے کسی ذی رحم کو ورثہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح درجہ دوم میں کوئی بھی ذی رحم ہو گو درجہ میں کتنے ہی نیچے ہو درجہ سوم کے کسی ذی رحم کو ورثہ نہیں ملے گا، علی ھذا القیاس، باقی درجوں میں بھی یہی ترتیب ہوگی۔

(۴) قریب کے درجہ والوں کے مقابلے میں بعید کے درجہ والے محروم ہوں گے۔ گو قریب کے درجے میں عورت ہی ہو، نیز ان میں قوی قرابت والا ضعیف قرابت والے کو محروم کر دے گا۔

(۵) جب ذوی الارحام ایک درجہ میں ہوں تو جس کی قرابت زیادہ قوی ہوگی وہ میراث پائے گا۔ باقی محروم ہوں گے، (اقوی مذکر ہو یا مونث)۔

(۶) اگر کسی ذی رحم کا دو طرف سے رشتہ ہو تو اس کو دو طرف سے حصہ ملے گا، سوائے دادی کے۔ وہ امام ابو یوسف کے نزدیک صرف ایک ہی طرف سے ورثہ لے سکتی ہے۔

(۷) اگر ایک درجہ میں ذوی الفروض و عصبات و ذوی الارحام کی اولادیں جمع ہو جائیں تو میراث عصبات کی اولاد کو ملے گی۔ ان کی عدم موجودگی میں ذوی الفروض کی اولاد کو اور پھر ذوی الارحام کی اولاد کو۔

(۸) اگر اصول متفق ہوں تو ذوی الارحام میں تقسیم بطریق ابدان ہوگی، اگر اصول مختلف ہوں گے تو میراث بطریق اصول ملے گی۔ مگر ذوی الارحام درجہ دوم و چہارم میں اگر حق دار باپ اور ماں کی طرف کے ہوں مگر ایک

درجہ میں ہوں تو پہلے باپ کی طرف والوں کو دو تہائی اور ماں کی طرف والوں کو ایک تہائی دیا جائے گا۔ اگر باپ یا ماں ایک ہی طرف کے ہوں تو کل ترکہ ایک ہی طرف تقسیم ہو گا۔(۱۹۴)

عرب ممالک رائج الوقت قانون

مصر میں از روئے قانون المواریث مجریہ، ۱۹۴۳ ذوی الفروض نسبی اور عصبات نسبی کی غیر موجودگی میں ذوی الارحام کو مستحق میراث قرار دیا گیا ہے۔(۱۹۵) ملک شام میں بھی اسی طرز پر قانون سازی کی گئی ہے۔(۱۹۶) عراق کا قانون میراث کل ۲ دفعات پر مشتمل ہے اس میں ذوی الارحام کو مستحقین ترکہ میں شامل نہیں کیا گیا۔(۱۹۷) تیونس کے قانون میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔(۱۹۸) متعلقہ قوانین کی دفعات حسب ذیل ہیں:

مصری قانون

دفعہ ۳۱۔ جب کہ میت کا نہ کوئی عصبہ ہو اور نہ ذوی الفروض نسبی میں سے کوئی موجود ہو تو ترکہ یا بقیہ ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم ہو گا۔

ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں۔ بعض، بعض پر وراثت میں حسب ترتیب ذیل مقدم ہوں گی:

قسم اول۔ میت کی لڑکیوں کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ۔ اسی طرح پوتیوں کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ۔

دوسری قسم۔ اوپر تک کا جد غیر صحیح اور جدہ غیر صحیحہ۔

تیسری قسم۔ مادری بھائیوں کی اولاد در اولاد، اور حقیقی یا پدری

(۱۹۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۹۸-۹۷
(۱۹۵) قانون المواریث مصر، مجریہ، ۱۹۴۳ء دفعہ ۳۱
(۱۹۶) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعات ۹۷-۲۸۹
(۱۹۷) قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، ۱۹۵۹ء
(۱۹۸) مجلۃ الاحوال الشخصیۃ، تیونس، ۱۹۵۶ء

یا مادری بہنوں کی اولاد در اولاد، اور حقیقی یا پدری بھائیوں کے بیٹوں کی لڑکیاں اور ان کی اولاد در اولاد۔

چوتھی قسم۔ مذکورہ چھ فریق وراثت میں بعض، بعض سے حسب ترتیب ذیل شامل ہوں گے :-

(اول) میت کے مادری چچے، اور پھوپھیاں اور ماموں، اور حقیقی یا پدری یا مادری خالائیں،

(دوم) مذکورہ افراد کی اولاد در اولاد، اور میت کے حقیقی یا پدری چچاؤں کی لڑکیاں اور ان کے لڑکوں کی لڑکیاں نیچے تک اور ان لڑکیوں کی اولاد در اولاد،

(سوم) میت کے باپ کے مادری چچے، اور پھوپھیاں اور ماموں اور ہر قسم کی خالائیں، اور میت کی ماں کے چچے، پھوپیاں، ماموں اور ہر قسم کی خالائیں،

(چہارم) مذکورہ صدر لوگوں کی اولاد در اولاد، اور میت کے باپ کے حقیقی یا پدری چچوں کی بیٹیاں، اور ان کے بیٹوں کے بیٹیاں نیچے تک اور ان سب کی اولاد در اولاد،

(پنجم) میت کے دادا کے مادری چچے، اور میت کی ماں کے باپ کے چچے، اور ان دونوں کی پھوپیاں، ماموں، ہر قسم کی خالائیں، اور میت کی نانی کے چچے، اور میت کے باپ کی ماں کے چچے اور پھوپیاں، ماموں، ہر قسم کی خالائیں۔ اور

(ششم) مذکورہ صدر لوگوں کی اولاد در اولاد، اور میت کے دادا کے کے حقیقی یا پدری چچوں کی لڑکیاں، اور ان کے بیٹوں کی لڑکیاں نیچے تک اور ان سب کی اولاد در اولاد۔

دفعہ ۳۲۔ قسم اول کے ذوی الارحام درجہ مین قریب ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے میراث کے زیادہ مستحق ہون گے، اگرچہ درجہ قرابت مین متحد ہون تو صاحب فرض وارث کی اولاد، ذی رحم وارث کی اولاد سے افضل ہوگی، اور اگر سب درجہ مین برابر ہون اور صاحب فرض کی اولاد مین سے کوئی موجود نہ ہو، یا سب صاحب فرض سے منسوب ہون تو وراثت مین تمام مشترک ہون گے۔

دفعہ ۳۳۔ دوسری قسم کے ذوی الارحام مین وہ اولی ہوگا جو میت سے درجہ مین زیادہ قریب ہوگا، اگر درجہ مین تمام مساوی ہوئے تو جو صاحب فرض سے منسوب ہوگا، وہ اولی ہوگا، اور اگر درجہ مین تمام مساوی ہوئے اور ان مین کوئی صاحب فرض سے منسوب نہ ہوا، یا تمام صاحب فرض سے منسوب ہوئے۔ پس اگر وہ محل قرابت مین متحد ہین تو وراثت مین مشترک ہون گے، اور اگر محل قرابت مین مختلف ہین تو پدری قرابت دارون کی دو تہائی اور مادری قرابت دارون کو ایک تہائی تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۳۴۔ تیسری قسم کے ذوی الارحام مین وراثت مین وہ اولی ہوگا جو میت سے درجہ مین قریب تر ہوگا، اگر تمام درجہ مین برابر ہون تو عصبہ کی اولاد اولی ہوگی، بمقابلہ ذی رحم کی اولاد کے، اور ان مین مقدم وہ ہوگا جو قرابت مین میت سے قوی تر ہوگا۔ چنانچہ جس کی اصل حقیقی رشتہ رکھتی ہوگی وہ پدری رشتہ کی اصل سے اولی ہوگا، اور جس کی اصل پدری رشتہ رکھتی ہوگی وہ مادری الاصل سے اولی ہوگا، اب اگر درجہ و قوت قرابت مین بھی متحد ہون تو وراثت مین تمام مشترک ہون گے۔

دفعہ ۳۵۔ چوتھی قسم کے ذوی الارحام کا فریق اول جو دفعہ ۳۱ مین بیان کیا گیا جب کہ پدری فریق تنہا ہو اور یہ میت کے مادری چچے، پھوپیاں ہین، یا مادری فریق جو کہ ماموں اور خالائین ہین موجود ہوں تو ان مین جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا، لہذا حقیقی پدری سے اور پدری مادری سے مقدم ہوگا، اگر تمام قرابت مین مساوی ہوئے تو میراث مین مشترک ہون گے۔ جب کہ دونوں فریق مجتمع ہون دو تہائی پدری قرابت دارون کو

ایک تہائی مادری قرابت داروں میں تقسیم ہوگا، اور ہر فریق پر بطریقہ مذکورہ بالا تقسیم کی جائے گی۔ اور دونوں سابقہ فقروں کے احکام تیسرے اور پانچویں پر جاری ہوں گے۔

دفعہ ۳۶۔ دوسرے فریق سے وہ افراد مقدم ہوں گے جو درجہ میں میت سے قریب ہوں خواہ وہ بعید سے قرابت کے محل میں مختلف ہی کیوں نہ ہوں، لیکن اگر درجہ اور قرابت کے محل میں متحد ہوئے تو جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا جب کہ وہ عصبہ کی اولاد سے ہو یا ذوی الارحام کی اولاد سے ہو، اگر مختلف ہوئے تو عصبہ کی اولاد، ذوی الارحام کی اولاد پر مقدم ہوگی،

اور جب قرابت کے محل میں اختلاف ہو تو پدری سلسلہ دو تہائی کا اور مادری سلسلہ ایک تہائی کا مستحق ہوگا۔ اب جو ترکہ جس فریق کےحصہ میں پہونچے گا وہ مذکورہ بالا طریق پر ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔

دفعہ ۳۷۔ ذوی الارحام ورثاء میں قرابت کی جہتوں کے تعدد کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ الا یہ کہ محل قرابت مختلف ہو۔

دفعہ ۳۸۔ ذوی الارحام کی تقسیم وراثت ''للذکر مثل حظ الانثیین'' کے اصول پر ہوگی۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۸۹۔ (۱) جب کہ کوئی وارث ذوی الفروض اور عصبات نسبی سے نہ پایا جائے، تو اب میراث کا استحقاق ذوی الارحام کو ہوگا۔

(۲) صاحبان فروض اور عصبات نسبیہ کے ماسوا جو لوگ ہوں وہ ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔

دفعہ ۲۹۰۔ ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض دوسری بعض پر وراثت میں مقدم ہوتی ہیں جن کی ترتیب حسب ذیل ہے :

قسم اول۔ میت کی بیٹیوں کی اولاد اور پوتیوں کی اولاد نیچے تک کا سلسلہ،

قسم دوم۔ میت کے رحمی دادا (نانا) اور غیر ثابتہ دادیاں،

قسم سوم۔ میت کے والدین کی اولاد یعنی میت کی ہمشیرگان، خواہ کوئی بھی ہوں، کی اولاد اور مادری بھائیوں کی اولاد، اور حقیقی بھائیوں کی بیٹیاں یا پدری بھائی کی بیٹیاں اور ان کی اولاد در اولاد، اور

قسم چہارم۔ جو لوگ میت کے اجداد یا جدات کی اولاد ہوں ان کے نیچے تک کا سلسلہ۔

یہ چوتھی قسم کے لوگ کبھی تو ان کے درجات اعلی ہونے کے اعتبار سے منقسم و مرتب ہوتے ہیں اور کبھی نیچے کے سلسلے کے اعتبار سے۔

(الف) چوتھی قسم کی اولاد کی اولاد کا سلسلہ خواہ یہ سلسلہ کتنے ہی نیچے تک جاتا ہو۔

(پہلا مرتبہ) میت کے قریب جد کی اولاد (یعنی باپ کے باپ کی اولاد اور ماں کے باپ کی و باپ کی ماں کی اولاد، اور ماں کی ماں کی اولاد۔)

(دوسرا مرتبہ) میت دادوں کے دادے، اور اسی طرح،

(تیسرا مرتبہ) نمبر ۲ کی اولاد کا سلسلہ

اس تیسرے درجہ کی فروع کا ہر درجہ ایک ہی مرتبہ میں ہوگا مثلاً مادری چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں، خالاؤں کی اولاد، یہ مرتبہ اول کا اول مرتبہ ہے، ۔ اور حقیقی چچاؤں کی بیٹیاں یا پدری کی بیٹیاں ان کا دوسرا مرتبہ ہے، علی ہذا القیاس۔

دفعہ ۲۹۱۔ (۱) ذوی الا رحام کی پہلی قسم میں جو میت سے درجہ میں قریب تر ہوگا وہ میراث میں اولی ہوگا۔

(۲) اگر یہ سب درجے میں برابر ہوں تو صاحب فرض وارث کی اولاد ذی رحم وارث کی اولاد سے مقدم ہوگی۔

(۳) اگر تمام سلسلہ صاحب فرض سے منسوب ہوتا ہے یا بالکل منسوب نہیں ہوتا، تو سب وراثت میں مشترک ہوں گے۔

دفعہ ۲۹۲ - (۱) ذوی الارحام کی دوسری قسم میں سے بھی جو میت سے زیادہ قریب ہوگا وہ میراث پانے میں اولی ہوگا۔

(۲) اگر یہ سب درجہ میں مساوی ہوں اور منسوب تو ہوں غور کرنا ہوگا:

(الف) اگر تمام باپ یا ماں کی جانب منسوب نہیں میراث میں مشترک ہوں گے۔

(ب) اگر نسبت میں مختلف ہیں تو باپ کی جانب نسبت والے دوتہائی ترکے کے اور ماں کی جانب والے ایک تہائی ترکے کے مستحق ہوں گے۔

دفعہ ۲۹۳ - (۱) ذوی الارحام کی تیسری قسم کی بھی یہی صورت ہے کہ جو میت سے زیادہ قربت رکھتا ہوگا وراثت پانے میں مقدم ہوگا۔

(۲) اگر تمام درجہ میں مساوی ہوں تو ذی عصبہ کی اولاد ذی رحم کی اولاد سے مقدم ہوگی۔

(۳) اگر تمام عصبات کی اولاد ہیں۔ یا ذوی الارحام کی تو جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا چنانچہ حقیقی اس سے مقدم ہوگا جو محض پدری ہو یا مادری ہو اور حقیقی پدری، مادری کا حاجب ہوگا۔

(۴) اگر تمام قوت میں مساوی ہوں تو اب میراث میں تمام شریک ہوں گے۔

دفعہ ۲۹۴ -(۱) چوتھی قسم کے ذوی الارحام کے مراتب میں سے ہر

مرتبہ اپنے تمام طبقات کے ساتھ اپنے قوت قرابت کے اعتبار سے ایک دوسرے پر مقدم ہونے کا حق رکھے گا۔

(۲) ہر اعلی قوی طبقہ ادنی درجہ کا حاجب ہوگا۔

دفعہ ۲۹۵ - چوتھی قسم کے ذوی الارحام کے مراتب میں سے ہر درجہ میں جب کہ متعدد لوگ موجود ہوں اور تمام باپ کی جانب سے ہوں، جیسا کہ پھوپیاں، یا تمام ماں کی جانب سے ہوں، جیسا کہ ماموں تو قرابت میں قوی کو مقدم کیا جائے گا۔ چنانچہ حقیقی پھوپی یا پدری پھوپی، مادری چچا کی حاجب ہوگی، اسی طرح حقیقی خالہ، پدری ماموں کی حاجب ہوگی۔

اگر یہ سب قرابت کی قوت میں مساوی ہوں وراثت میں تمام مشترک ہوں گے۔

(۲) جب کہ بعض باپ کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں، تو باپ کی جانب کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے جانب کے فریق کو ایک تہائی ترکہ ملے گا۔ اس کے بعد ہر فریق کا مال مذکورہ سابقہ فقرے کے مطابق قوت قرابت کے اعتبار سے ان میں تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۲۹۶ - چوتھی قسم کے ذوی الارحام کے نچلے طبقات سے جو درجہ میں زیادہ قریب ہوگا وہ بعید سے مقدم ہوگا، اگرچہ ان میں کوئی باپ کی جانب سے ہو اور کوئی ماں کی جانب سے۔

(۲) جب کہ تمام درجہ میں برابر ہوں اور ایک جانب سے ہی ہوں، تو عصبہ کی اولاد، ذی‌رحم کی اولاد پر مقدم ہوگی، چنانچہ عصبی چچا کی بیٹی مادری چچا کے بیٹے کی حاجب ہوگی۔

اور جس صورت میں کہ یہ تمام عصبات کی اولاد ہوں، یا ذوی الارحام کی اولاد ہوں تو جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا، چنانچہ حقیقی پھوپی کا بیٹا مادری پھوپی کے بیٹے کا حاجب ہوگا۔

(۳) درجہ کی مساوات کی حالت میں جب بعض افراد پدری ہوں اور بعض مادری تو دو تہائی پدری سلسلہ کو اور ایک تہائی مادری سلسلہ کو دیا جائے گا۔ اور ہر فریق کے حصہ کو ان کے مابین سابقہ فقرے کے پیش نظر تقسیم میں عصبہ کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ اس کے بعد قرابت کی قوت ملحوظ ہوگی۔

دفعہ ۲۹۷ - (۱) ذوی الارحام کی میراث میں مطلقا ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کا طریقہ جاری رہے گا۔

(۲) جس صورت میں ان میں سے کوئی ایک ہی موجود ہو تو کل میراث کا مستحق ہوگا۔

(۳) ان میں قرابت کی جہتوں کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، الا یہ کہ ان کی جانب مختلف ہو کہ ایک شخص پدری ہو اور دوسرا پدری و مادری دونوں ہو۔

پاکستان میں :

برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتین حنفیہ و شیعہ مسلکوں کے بموجب ذوی الا رحام کی میراث کے حق میں فیصلے دیتی رہی ہیں، جب کہ کوئی ذی فرض یا عصبہ موجود نہ ہو۔

۷- مولی الموالات

مولی الموالات

۲۸۷ - سابق میں مذکور ورثاء — ذوی‌الفروض یا عصبات یا ذوی‌الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہونے کی صورت میں ترکہ کا مستحق وہ مولی الموالات قرار پاتا ہے، جس کے ساتھ ترکہ لینے کے واسطے بطریق جائز آپس میں معاہدہ موالات کر لیا گیا۔

تشریح

مولی الموالات وہ شخص ہے جس سے کسی مجہول النسب شخص نے خواہ مرد ہو یا عورت، یہ معاہدہ کیا ہو کہ تم میرے مولی ہو اور اگر میں تمہاری حیات میں مرجاؤں تو تم ہی میرے ترکہ کے مستحق ہوگے اور اگر

مجھ سے کوئی جرم سرزد ہو جس سے تاوان لازم آئے تو تم ہی میرا تاوان ادا کروگے۔ تو ایسا دوسرا شخص اس مجہول النسب کا مولی الموالات کہلاتا ہے۔ چنانچہ اس مجہول النسب کی وفات پر اس کا ترکہ مولی الموالات کو ملتا ہے اگر ہر دو اشخاص مجہول النسب ہوں اور باہم اس طریقہ پر معاہدہ کریں تو وہ ایک دوسرے کے مولی الموالات ہوں گے اور یہ معاہدہ ''عقد موالات،، کہلائے گا۔ (۱۹۹)۔

البتہ اگر شخص مجہول النسب کے زوجین میں سے کسی ایک کے موجود ہونے کی صورت میں اس شوہر یا زوجہ کو دے کر جو کچھ باقی رہے وہ مولی الموالات کو ملتا ہے۔(۲۰۰) یہ صورت حنفیوں کے نزدیک ہے۔ شافعیہ کے نزدیک مولی الموالات کے لئے کوئی میراث نہیں۔(۲۰۱) دیگر مذاہب فقہ میں بھی ''مولی الموالات،، کی میراث ثابت نہیں۔ حنفی علماء ''مولی الموالات،، کی میراث کے سلسلے میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ''تمیم داری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت (صلعم) سے عرض کیا ''اگر ایک شخص میرے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور مجھ سے موالات کرلے تو،، آپ نے فرمایا،، وہ تیرا بھائی ہے اور تیرا مولی ہوگا۔ موت و زندگی میں تو اس کا حق دار ہوگا۔ (۲۰۲)

شیعہ مسلک:

شیعہ علماء کے نزدیک مولی الموالات کو ''موالات ضمان بالجریرہ،، کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک ذوی الارحام کے بعد مولی عتق اور اس کے بعد مولی ضمان بالجریرہ وارث ہوگا۔ ان کے نہ ہونے کی صورت میں وراثت امام کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ (۲۰۳)

---

(۱۹۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹
(۲۰۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹
(۲۰۱) کتاب الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۴، ص ۸۷
(۲۰۲) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۴۴ :
''وفی حدیث تمیم الداری انہ سال رسول اللہ صلعم فقال ان الرجل لیا تینی فیسلم علی یدی ویوالینی فقال علیہ السلام ہواخوک فانت احق بہ محیاہ و مماتہ،،۔
(۲۰۳) الاستبصار، ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی، مطبوعہ نجف، ۱۹۵۷ ع، ج ۴، الجزء الثالث القسم الثالث ص ۱۹۹

دور حاضر میں مولی الموالات کی میراث کی صورت ناپید ہے نیز موجودہ زمانہ میں فتوے کے بموجب شوہر یا زوجہ کی موجودگی میں مولی الموالات کو کچھ ترکہ نہ ملے گا کیونکہ شوہر یا زوجہ (جیسی صورت ہو) کو ان کا مقررہ حصہ دے کر بقایا ان پر رد کیا جائے گا۔

مقرلہ یا نسب علی الغیر

۲۸۸ - جب کہ متوفی نے کسی شخص کے لئے نسب کا اقرار کیا ہو تو مقرلہ ترکہ کا مستحق ہوگا، بشرطیکہ وہ مقرلہ مجہول النسب ہو اور کسی دوسرے شخص سے ثابت النسب نہ ہو اور مقر نے اپنے اقرار سے تا دم زیست رجوع نہ کیا ہو اور کوئی امر مانع میراث موجود نہ ہو۔

تشریح

مقرلہ بالنسب علی الغیر وہ شخص ہے جس کے حق میں نسب کا اس طرح اقرار کیا گیا ہو کہ اولاً مقرلہ کے نسب کا غیر سے اقرار ہوتا ہو اور پھر مقر کی جانب منسوب ہو جاتا ہو۔ یعنی پہلے مقر لہ کا نسب مقر کے کسی قرابت دار سے منسوب ہو اور پھر اس مقر سے۔ فقہی اصطلاح میں مقر لہ بالنسب علی الغیر وہ شخص کہلاتا ہے جس شخص کے حق میں میت نے اپنے نسب کا اس طرح اقرار کیا ہو کہ اس اقرار سے اولاً غیر سے (مقر کے کسی رشتہ دار سے) نسب منسوب ہوتا ہو اور پھر اس رشتہ دار کے ذریعہ مقرلہ کا نسب اس شخص مقر کے ساتھ منسوب ہو اور مقر تادم زیست اپنے اس اقرار پر قائم رہا ہو اور اس غیر نے اس اقرار کو تسلیم نہ کیا ہو، مثلاً کسی کو اپنا بھائی یا بہن کہا ہو۔ لیکن اس اقرار سے مقرلہ کا نسب مورث کے دوسرے قرابت داروں کے ساتھ قائم نہیں ہوتا، مقرلہ محض مقر کے اپنے ترکہ کا حق دار ہوگا۔

جس کے حق میں نسب کا اقرار کیا جائے اس کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) یہ کہ اقرار کرنے والا "بلا واسطہ اولاً"، اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے اور بعدہ اس کے واسطے سے مقرلہ، مقر کے دوسرے اقرباء کی طرف منسوب ہو جائے۔ مثلاً کسی شخص کے متعلق یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بیٹا یا بیٹی ہے۔ اس صورت میں اولاً بلا واسطہ مقرلہ کا نسب مقر سے ثابت ہوگا

اور بعدہ مقر کے باپ سے ثابت ہوگا۔ چنانچہ مقر اولاً باپ قرار پائے گا، اور بعدہ مقر کا باپ دادا ہوگا۔

(۲) یہ کہ مقر اس طرح نسب کا اقرار کرے کہ اولاً مقرلہ کا نسب غیر سے ثابت ہو اور اس کے بعد اس غیر کے واسطے سے مقر سے ثابت ہو، مثلاً کسی شخص کے حق میں یہ اقرار کرے کہ یہ مقر کا بھائی یا بہن یا چچا ہے : اس صورت میں اولاً نسب باپ یا دادا سے منسوب ہوگا اور ان کے واسطے سے مقر کے اقرار سے ثابت ہوکر مقر کا بھائی یا بہن یا چچا قرار پائے گا۔

مندرجہ بالا دو قسموں میں سے اول قسم کا مقرلہ وارث ہوتا ہے جب کہ دوسری قسم کے مقرلہ کے لیے احکام مختلف ہیں۔ اس موقع پر دوسری قسم کا مقرلہ مراد ہے۔

مقر لہ بالنسب علی الغیر کی حسب ذیل شرائط ہیں :۔

(۱) میت نے نسب کا جو اقرار کیا ہو وہ شرعاً معتبر ہو مثلاً میت نے اگر ایک معروف النسب یا ایسے مجہول النسب کو جو باعتبار عمر اس کے باپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا اپنا بھائی کہا تو ایسے مقرلہ کو ترکہ کا کوئی حصہ نہ ملے گا۔

(۲) جس نسب کا میت نے اقرار کیا ہو وہ نسب غیر پر محض اس کے اپنے اقرار سے اثر انداز ہوتا ہو۔ اس نسب کے متعلق اس غیر کا اقرار یا شہادت یا فراش ہونا موجود نہ ہو۔

(۳) مقر مرتے دم تک اس اقرار پر قائم ہو اور اس نے اپنے اقرار سے رجوع نہ کیا ہو۔ مقرلہ کا مجہول النسب ہونا ضروری ہے چونکہ اسلام میں تبنیت ناجائز ہے ، اس لئے معروف النسب کے متعلق اقرار اصلاً صحیح نہ ہوگا۔(۲۰۴)

---

(۲۰۴) التبنی فی الشرع الاسلامی، صبحی محمصانی، النشرۃ القضائیہ لبنان، ۱۹۴۵ع، ص ۶
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۰
رد المحتار، محمد امین ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۴ھ، ج ۵، ص ۵۴۰
احکام الترکات و المواریث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۹۸

کیونکہ اقرار باستحقاق مال وارث کے خلاف ہے۔ احناف کے نزدیک مقرلہ بالنسب علی الغیر ما سبق مذکورہ ورثاء کی عدم موجودگی میں وارث ہوتا ہے۔ (۲۰۵) لیکن مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب میں مقرلہ بالنسب علی الغیر کسی صورت میں وارث نہیں ہوسکتا۔(۲۰۶)

ظاہریہ حضرات کے نزدیک بھی مقرلہ بالنسب علی الغیر کا وراثت میں کوئی درجہ نہیں معلوم ہوتا۔(۲۰۷)۔

مقرلہ بالنسب علی الغیر نسباً وارث ہوئے بغیر میراث کا مستحق ہوتا ہے، جیسا کہ مستحقین میراث کی ترتیب میں شامل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد اقرار پر ہے۔(۲۰۸)

مقرلہ بالنسب ''علی الغیر،، کا ''بحیثیت وارث،، ترکہ میں استحقاق قائم نہیں ہوتا بلکہ بحیثیت مقرلہ ہوتا ہے جس کا اعتبار صرف مالی استحقاق میں کیا گیا ہے۔ لیکن مقرلہ بالنسب (علاوہ غیر کے) صفت ارث کے سبب وارث ہوگا۔ چنانچہ ''کسی شخص کا کسی دوسرے کے متعلق یہ اقرار کرنا کہ وہ میرا بھائی یا بہن ہے دو امر کے ثبوت کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے، اولاً مقر کے باپ سے نسب کا ثبوت، دوم مال کا استحقاق۔ چنانچہ غیر کے ذمہ

(۲۰۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۷۱
البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۳۰
(۲۰۶) المیزان الکبری، عبدالوہاب شعرانی (م ۱۰۰۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۹۳۰ع، ص ۱۰۵
(۲۰۷) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، جزء ۹، ص ۳۸۰
(۲۰۸) الترکہ و المیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، صص ۶۲-۳۶۱:
''المادۃ ۳۔ اولاً والمقرلہ بالنسب غیر وارث، لان الارث یعتمد ثبوت النسب و هو غیر ثابت بالاقرار وحدۃ،،۔

مصری قانون کی اس دفعہ میں مقولہ بالنسب اور مقرلہ بالنسب علی الغیر دونوں شامل معلوم ہوتے ہیں حالانکہ مقرلہ بالنسب وارث ہوتا ہے کیونکہ اس کا نسب وارث سے ثابت شدہ ہے، خواہ وہ خود اس کے اقرار ہی کی بناء پر کیوں نہ ہو۔ البتہ غیر سے نسب کا اقرار ثبوت نسب کے لیے کافی نہیں، کسی حد تک نسب کا شبہ ضرور پیدا ہو سکتا ہے جس کی بناء پر حنفیہ مستحق نسبی ورثا کی عدم موجودگی میں شبہ نسب والے شخص کو باعتبار وارث میراث دینے کے قائل ہیں۔

نسب کا اقرار نامقبول ہو گا، کیونکہ وہ یاتو دعوی متصور ہو گا، یا شہادت (اور یہ دونوں غیر صحیح ہیں) البتہ مالی استحقاق کا اقرار، چونکہ اپنی ذات سے متعلق ہے اس لیے قابل قبول ہوگا اور اسی بناء پر غیر کےحق میں نسب کے اقرار کا اثر خود مقر کی ذات تک محدود رکھا گیا ہے اور اس کا اعتبار صرف اس کے اپنے ورثہ کے معاملہ میں معتبر قرار دیا گیا ہے البتہ اپنے ہی واسطہ سے نسب کا اقرار کرنا یعنی مقرلہ کے حق میں اپنا بیٹا یا بیٹی ہونے کا اقرار کرنا صفت ارث کا حامل ہوگا اور وہ صفت ارث کے سبب وارث ہوگا جیسا کہ عام ورثاء ہوتے ہیں۔

نسب کی شہادت :

خلاصۃ الفتاوی، کتاب الفرائض میں لکھا ہے کہ اگر دو عادل گواہ یہ شہادت دیں کہ فلاں شخص فلاں کا وارث ہے اور اس فلاں شخص کے کسی وارث کا علم نہ ہو اور نہ ذکر کیا جاتا ہو، تو اس کو اس شخص متوفی سے منسوب کیا جائے گا اور وہ اس کا وارث ہوگا۔(۲۰۹)

مصری قانون :

قانون المواریث المصری کے تحت مقرلہ بالنسب علی الغیر بلاصفت ارث ترکہ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ متعلقہ دفعہ حسب ذیل ہے :-

دفعہ ۴۱۔ جب کہ میت نے کسی شخص کے لئے نسب کا اقرار کیا تو مقرلہ اس حالت میں ترکہ کا مستحق ہوگا جب کہ وہ مجہول النسب ہو اور کسی دوسرے سے ثابت النسب نہ ہو، اور مقر نے اپنے اقرار سے رجوع بھی نہ کیا ہو، اور اس حالت میں یہ شرط ہوگی کہ مقرلہٗ مقر کی وفات کے وقت زندہ موجود ہو خواہ موت حقیقی ہو یا حکمی، اور یہ کہ میراث کے موانع میں سے کوئی امر مانع موجود نہ ہو۔

---

(۲۰۹) خلاصۃ الفتاوی، مطبع فاروقی دھلی ، ۱۳۱۸ھ ، ج ۴، ص ۳۱۱

شام کا قانون:

دفعہ ۲۹۸- جب کسی شخص نے کسی مجہول النسب شخص کے حق میں اپنے کسی رشتہ کا اقرار کیا ہو تو مقرلہ حسب ذیل شرطوں کے ساتھ ترکہ کا مستحق ہو سکے گا۔

(۱) یہ کہ مقرلہ کا نسب مقر علیہ سے ثابت نہ ہو،
(۲) یہ کہ اقرار کنندہ نے اپنے اقرار سے رجوع نہ کرلیا ہو، اور
(۳) یہ کہ وراثت کے موانع میں سے کوئی مانع موجود نہ ہو۔

مقر لہ کو مقر کی موت کے وقت زندہ ہونا چاہئے، یا جس وقت حاکم نے مقر کی موت کا حکم دیا ہے اس وقت مقرلہ، زندہ موجود ہو۔

موصی لہ بجمیع المال

۲۸۹ - مورث کا کوئی وارث یا مقرلہ بالنسب علی الغیر موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت موصی لہ بجمیع المال کے حق میں نافذ العمل ہو گی۔

تشریح

موصی لہ بجمیع المال وہ شخص ہے جس کو میت نے کل ترکہ دینے کی وصیت کی ہو۔ چنانچہ جب مذکورہ سابق اشخاص میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ترکہ کا مستحق وہ شخص ہوگا جس کے حق میں میت نے کل مال کی وصیت کی ہو - بذریعہ وصیت ایک تہائی سے زائد نہ دینے کی پابندی ورثاء کی موجودگی کے سبب تھی کیونکہ اس طرح کی پابندی نہ لگانے سے ان ورثاء کی حق تلفی ہوتی تھی۔ اب چونکہ حق تلفی کا کوئی امکان موجود نہیں اس لئے سب ترکہ موصی لہ کو دے دیا جائے گا۔(۲۱۰) حنفیہ کا یہی مسلک ہے ۔

شافعیہ مسلک:

علماء شافعیہ کے نزدیک موصی لہ کو ایک تہائی سے زائد ترکہ نہ دیا جائے گا، اور کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں بقیہ ترکہ بیت المال کے

---

(۲۱۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۱

حوالے کیا جائے گا۔(۲۱۱)

مالکیہ اور حنبلیہ مسلک:

یہی مسلک مالکیہ اور حنبلیہ کا ہے۔ (۲۱۲)

عرب ممالک میں قانون:

مصری قانون کے تحت ذوی الفروض، عصبات یا ذوی الارحام یا مقرلہ بالنسب علی الغیر نہ ہونے کی صورت میں موصی لہ بجمیع المال کو ترکہ دیا جائے گا۔ (۲۱۳)

موصی لہ بجمیع المال کو چونکہ وارث کی حیثیت سے ترکہ نہیں دیا جارہا اس لیے اتحاد دین کی شرط لازم نہ ہوگی بلکہ وصیت کے عام احکام کا اطلاق کیا جائے گا۔ (۲۱۴)

بیت المال

۲۹۰۔ جس میت کے ترکہ کا دفعات سابقہ میں مذکور کوئی مستحق موجود نہ ہو، اسکا ترکہ بیت المال (خزانہ عامرہ) کی ملکیت ہوگا۔

تشریح

حکومت کے خزانہ عامرہ کو بیت المال کہا جاتا ہے۔ خلفاء راشدین و مابعد کے چند خلفاء کے عہد میں بیت المال میں جمع شدہ مال کی چار مدات مقرر کی گئی تھیں، اور ہر مد کا مصرف علیحدہ علیحدہ مقرر کیا گیا تھا، نیز ان مدات پر صرف کرنے کا یہ اصول مقرر کیا گیا تھا کہ اگر بیت المال کی

(۲۱۱) المہذب (فقہ شافعی)، ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۵۷ (کتاب الوصایا)
"واما اذا زاد اوصی بما زاد علی الثلث فان لم یکن لہ وارث بطلت الوصیۃ فیما زاد علی الثلث لان مالہ میراث للمسلمین ولا مجیز لہ"

(۲۱۲) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۱۸

(۲۱۳) قانون المواریث مصر، مجریہ ۱۹۴۳ء، دفعہ ۴
"(ثانیاً) ما اوصی بہ فیما زاد علی الحد الذی تنفذ فیہ الوصیۃ"۔

(۲۱۴) مجموعہ قوانین اسلام، جلد چہارم ڈاکٹر تنزیل الرحمن، (مؤلف کتاب ہذا) مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۷۳ء باب ۳۱ احکام وصیت۔

کسی مد میں رقم موجود نہ ہو تو دوسری مد سے لیا جاسکتا ہے ، لیکن بعض مدات سے بطور قرض لیا جائے گا اور آمدنی ہونے پر اس قرض کو ادا کیا جائے گا، اور بعض مدات سے بغیر قرض کی صورت کے بھی لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس میں بہتر یہ ہوگا کہ جس مد کے لئے لیا گیا ہو اگر اس میں کافی آمدنی ہو جائے تو لی ہوئی مد کی وہ رقم اس کے حساب میں داخل کردی جائے گی، بصورت دیگر داخل کرنا ضروری نہ ہوگا۔

چنانچہ بیت المال (خزانہ عامرہ) میں حسب ذیل چار مدات مقرر تھیں :

(۱) اول زکواۃ و صدقات ہر قسم، و عشر ، اور مسلمان تاجروں سے چنگی کی آمدنی۔

(۲) غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس)، کانوں سے حاصل شدہ دولت اور زمین کا دفینہ۔

(۳) خراج، جزیہ، مال صلح، کفار پر جرمانے، اور غیر مسلم تاجر سے ٹیکس کی آمدنی خواہ وہ مملکت کے شہری ہوں یا دارالکفر سے بغرض تجارت اجازت لے کر دارالاسلام میں آئے ہوں۔

(۴) راستے وغیرہ میں گرے پڑے اموال اور لاوارث میت کے ترکے۔
اول کا مصرف حسب ذیل امور ہیں :۔

(۱) فقراء و مساکین اور جو لوگ حکومت کی طرف سے ان کی وصولی پر مقرر ہوں، (عامل)،

(۲) غلام کی آزادی میں اس کی امداد (جو موجودہ زمانے میں مفقود ہے)،

(۳) مدیون (مقروض) دین (قرضہ) کی ادائی جب کہ وہ ادا کرنے سے معذور و مجبور ہو، اور

(۴) وہ حاجی جس کا مال کسی حادثہ سے حج کے سفر میں ضائع ہوگیا ہو۔

یہ امام محمد کا مسلک ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک وہ مجاھد بھی جو اپنے اور اپنی عیال کے اخراجات کی کفالت سے معذور ھو۔ امام ابو یوسف کا قول مفتی بہ ہے۔

(۵) وہ مسافر جس کا مال سفر کی حالت میں ضائع ھوگیا ھو اور آئندہ جاری رکھنے کے لئے اس کے پاس کوئی ذریعہ نہ ھو۔

اس مد میں سے اھل ذمہ (مملکت اسلامیہ کے غیر مسلم شہری) کو دینا جائز نہیں ۔ اسی طرح دارالکفر کے کسی غیر مسلم کو بھی دینا جائز نہیں ۔ البتہ نفلی صدقہ سے حسب ضرورت دیا جا سکتا ہے۔

دوسری مد کا مصرف ، یتامیٰ و مساکین (بیوائیں وغیرہ) اور مذکورہ بالامسافرین ھین ۔

تیسری مد کا مصرف، حسب ذیل امور ھیں :-

(۱) جنگی سپاہ،

(۲) سرحد بندی،

(۳) قلعہ بندی،

(۴) فوجی چوکیاں قائم کرنا (یاراستوں کی حفاظتی چوکیاں قائم کرنا) ، تاکہ ڈاکہ زنی وغیرہ سے حفاظت ھو سکے۔

(۵) چھوٹے بڑے پل بنانا،

(۶) نہروں کی کھدائی،

(۷) مسافر خانے اور مساجد کی تعمیر،

(۸) نہروں پر بند باندھنا، جہاں بند کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ھو ان مقامات کی اصلاح، حکام اور ان کے عملے کی تنخواھیں ۔

(۹) مفتی، قاضی (حاکم، جج، مجسٹریٹ وغیرہ) اور عدالتی عملہ کے مشاھرے،

(۱۰) پولیس کے محکمے کی تنخواہیں،

(۱۱) مدارس (اسکول) کے اساتذہ کے مشاہرے اور طلبہ کے وظائف

(۱۲) وہ تمام لوگ جن کو امور مسلمین کی اصلاح اور محافظت کے لیے حکومت کی طرف سے نگراں مقرر کیا گیا ہو۔

چوتھی مد نادار مریضوں کی تیمارداری ادویات (شفاخانے کی تعمیر)، لاوارث میت کی تجہیز و تکفین، راستے سے اٹھائے ہوئے بچوں کی پرورش، اپاھجوں اور ایسے محتاجوں پر صرف کرنا جو کسب سے عاجز ہو چکے ہوں اور ان پر صرف کرنے والا کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس پر ان کا نفقہ شرعاً واجب ہوتا۔

ھمارے خیال میں وہ آمدنی جو مسلمانوں سے جرمانے یا ٹیکس لگانے یا اسی قسم کے دوسرے امور سے ہوتی ہے وہ اپنی مشابہ مد میں داخل ہوگی۔ نیز موجودہ زمانے میں جو آمدنی مذکورہ بالا آمدنیوں سے زیادہ مشابہت رکھتی ہو وہ اسی مشابہ مد میں داخل ہونا چاہئے اور اس کا مصرف بھی وہی ہونا چاہئے۔ (۲۱۵)

امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''حاکم اعلیٰ پر فرض ہے کہ وہ بیت المال (خزانہ عامرہ) کی دولت کو صرف کرنے میں خدا کا خوف اپنے قلب میں قائم رکھ کر بیت المال کی ہر مد کی آمدنی کو اس کے مصرف پر صرف کرے۔ کوئی فقیر (محتاج) ایسا نہ ہو کہ اس کو اس کا حق بیت المال سے پورا نہ دیا گیا ہو جو خود اس کو اور اس کے عیال کو کفایت کرے، اگر ایسا موقعہ پیش آ جائے کہ بیت المال میں صدقات کی مد میں کچھ موجود نہ ہو اور ضرورت مند افراد موجود ہوں تو ایسی صورت میں حاکم اعلی کو یہ حق حاصل ہے کہ خراج و جزیہ کی مد سے لے کر ان لوگوں کی حاجت پوری کر دے، اور یہ رقم صدقات کی مد پر قرضہ تصور نہ ہوگی، کیوں کہ خراج یا

(۲۱۵) فتاوی عالمگیری نظام الدین، مطبوعہ دیوبند، ج ۱، ص ۹۸ (کتاب الزکاۃ)
المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳، صص ۱۸-۱۷

جو آمدنی اس کے ہم معنی ہے مسلمانوں کی ضروریات ہی میں صرف کرنے کے لئے ہے، بخلاف اس صورت کے جب کہ حاکم اعلیٰ کو سپاہ پر (یا اس کے مشابہ مذکورہ بالا امور پر) صرف کرنا ہو اور خراج (و جزیہ وغیرہ) کی مد میں رقم نہ ہو تو وہ صدقہ کی مد سے لے سکتا ہے، لیکن یہ لینا قرض کے طور پر ہوگا، خراج کی مد میں آمدنی ہونے پر قابل واپسی ہوگا۔ (۲۱۶)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ امام پر واجب ہے کہ وہ بیت المال میں تمام مذکورہ چار مدات قائم کرے ۔ ہر مد کی آمدنی علیحدہ علیحدہ مقامات (یا بنکوں جو صورت بھی ہو) میں جمع ہو۔ اگر ہر مد کے لیے اس کے مصرف میں کوئی رقم موجود نہ رہے ، تو پھر حاکم اعلیٰ کے لیے یہ جائز ہوگا کہ دوسری مد سے قرض لے کر صرف کردے۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ اگر صدقات کی مد سے لیا گیا ہو اور خراجی مصارف پر صرف کیا گیا ہو تو پھر خراجی مد کی آمدنی ہونے پر اس قرض کو ادا کر دیا جائے ، البتہ جس صورت میں کہ ملک کی ایسی جنگجو سپاہ پر خرچ کیا گیا ہو جو فقراء کے درجہ میں ہیں، چوں کہ یہ صدقہ کا مصرف بھی ہوں گے لہذا اس مقدار کی ادائیگی قرضہ تصور نہ کی جائے گی کیوں کہ وہ اپنے مصرف پر صرف شدہ تصور ہوگا ، قرض متصور نہ ہوگا ۔ اور اگر خراجی مد سے لے کر صدقات کی مد فقراء و مساکین پر صرف کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں یہ مقدار قرض متصور نہ ہوگی کیوں کہ خراجی مد پر فقراء و مساکین کا حق بھی ہے، کیوں کہ خراج کا حکم مال غنیمت اور فئی کا حکم ہے، جس میں فقراء و مساکین کا حق ثابت ہوتا ہے۔ اور حکام پر یہ بھی واجب ہے کہ مستحقین کو ان کے پورے پورے حقوق پہنچائیں کسی کا حق ضائع نہ ہونے پائے۔ حاکم وقت اور اس کے مقرر کردہ حکام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اور اپنے عیال کی ضرورت سے زیادہ بیت المال سے لیں ۔ یہ بھی جائز نہیں کہ وہ بیت المال سے لے کر ضرورت پوری کرنے کے بعد ما بقی رقم اپنے پاس جمع کرنے کی کوشش کریں (یعنی بنک بیلنس بڑھائیں) باقی تمام اموال بیت المال کے مسلمانوں کا حق ہوں گے ۔ اگر حکام اس امر میں

(۲۱۶) المبسوط ، امام سرخسی ، محولہ بالا ، ج ۳ ، ص ۱۸

کوتاھی کریں گے تو یہ ان کے لیے سخت مواخذہ کا باعث ھوگا ، نیز حکام اور دیگر عملے کے لیے یہ افضل ھے کہ صرف ایک ماہ کی تنخواہ لیا کریں ، یہ جائز نہیں کہ دو یا تین ماہ کی تنخواہ پیشگی وصول کر لیں ، اھل ذمہ کا بیت المال پر کوئی حق نہیں ھوا کرتا الا یہ کہ ان زندگی کو بھوک و انسانی ضرورت نہ پورا ھونے سے خطرہ لاحق ھو ، (تو ایسی صورت میں) حاکم اعلی ضرورت کے مطابق ان کو دے سکتا ھے، کیوں کہ یہ لوگ بھی دارالاسلام میں مسلمانوں کی ذمہ داری پر اپنی ضروریات زندگی کے فراھمی کا حق رکھتے ھیں - (۲۱۷)

باغراض میراث بیت المال کا یہ حکم ھے کہ مذکورہ بالا ورثاء میں سے کوئی موجود نہ ھو تو ترکہ لاوارث خیال کیا جائے گا اور سب مسلمان وارث متصور ھوں گے - اور ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا تاکہ ضرورت مند مسلمانوں کے کام آئے -

رد المحتار میں لکھا ھے کہ بیت المال میں سپردگی مال غنیمت کے طور ھوگی نہ کہ میراث کے طور پر - (۲۱۸)

اسی بنیاد پر حنبلیہ مکتب فکر کے نزدیک بیت المال مستحقین میراث کے زمرہ میں شامل نہیں ھے- اگر چہ شافعی علماء کے نزدیک بیت المال بطریق ارث ترکہ کا مستحق ھوتا ھے مگر متاخرین نے اس نقطہٗ نظر سے اختلاف کیا ھے-

علماء شافعی کے نزدیک اگر بیت المال منتظم ھے تو بیت المال کا استحقاق ذوی الارحام پر بلکہ رد علی ذوی الفروض پر بھی مقدم ھے اور اگر غیر منتظم ھےاور عصبہ موجود نہیں تو ذوی الفروض نسبی پر رد کیا جائے گا ، ذوی الفروض نسبی یا عصبہ موجود نہ ھونے کی صورت میں ذوی الارحام کو دیا جائے گا ورنہ زوجین پر رد کیا جائے گا-(۲۱۹)

---

(۲۱۷) فتاوی عالمگیری، شیخ نظام الدین ، محولہ بالا ، ج ۱ ، ص ۹۸

(۲۱۸) رد المحتار، محمد امین ابن عابدین ، مطبوعہ ۱۲۹۳ھ ، ج ۵ ، ص ۵۳۱

(۲۱۹) الشریفیہ ، شرح سراجیہ ، سید شریف جرجانی ، محولہ بالا ، ص ۱۱

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا جو خزانہ عامرہ (بیت المال) ہے وہ منتظم ہے یا غیر منتظم ۔ بطور مثال پاکستان میں بعض حلقوں کی یہ رائے ہے کہ بیت المال غیر منتظم ہے ۔ اگرچہ بیت المال (خزانہ عامرہ) میں آمدنی کی مدات علیحدہ علیحدہ قائم ہیں لیکن ان کے صرف کی نوعیت وہ نہیں جو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ہونی چاہئے، بلکہ اس میں آزادانہ اور غیر محل پر تصوف کیا جاتا ہے، نیز زکوۃ و جزیہ وغیرہ کی آمدنی سے چونکہ حکومت نے دست برداری اختیار کر رکھی ہے اس لیے یہ مدات خزانے میں سرے سے قائم ہی نہیں ہیں حالانکہ شرعی نقطہ نظر سے ان مدوں کا قائم ہونا صرف نہ اسلامی حکومت کے فریضے میں شامل ہے بلکہ واجبات کے درجہ میں ہے ۔ بیت المال کے غیر منتظم ہونے کی ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حاکم غیر عادل ہے اور مستحقین کو حسب قاعدہ حق نہیں پہونچتا، اس لیے بیت المال غیر منتظم ہے ۔ لیکن راقم الحروف کے نزدیک موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا جو خزانہ عامرہ ہے اس کو بیت المال منتظم تسلیم کرنا ہوگا ۔ جو حضرات اس بیت المال کو منتظم قرار دینے کو تیار نہیں ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ زکواۃ اور جزیہ جو فقہ میں منتظم بیت المال کی اولین مدوں میں شامل ہیں، موجودہ بیت المال میں مفقود ہیں ۔ جہاں تک زکواۃ کی عدم موجودگی کا تعلق ہے اس کی ذمہ‌داری حکومت پر ہی نہیں بلکہ قوم پر بھی ہے ۔ چونکہ وہ حکومت کو زکوۃ ادا نہیں کرتے جو ان کا دینی فریضہ ہے ۔ اگرچہ زکوۃ کے انتظام کا اسلامی حکومت کے فریضہ میں شامل ہونا واجبات کے درجہ میں ہے لیکن موجودہ حالات میں اس کا مداوا حکومت سے زیادہ عوام پر ہے ۔ باقی رہا جزیہ کا سوال تو اگر مسلم حکومت کے غیر مسلم باشندے جزیہ دینے پر تیار ہوں تو فبہا ، ورنہ ان سے بھی زکوۃ وصول کی جانی چاہئے جیسا کہ حضرت عمر نے شام کے چند عیسائی قبائل کے ساتھ روا رکھا، بلکہ چونکہ غیر مسلم اب مسلم حکومت کی دفاعی خدمات میں شامل ہیں اور مسلمانوں کے دوش بدوش ملک کی حفاظت میں شریک ہیں لہذا وہ اہل ذمہ نہ رہے اور اس لیے ان سے جزیہ کا مطالبہ صحیح نہیں ہوگا ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ موجودہ بیت‌المال کے منتظم قرار دینے

میں کافی وزنی دلائل ہیں - عہد حاضر میں میزانیہ کی تیاری، عوام کی منتخب کردہ اسمبلیوں کے ذریعہ اس کی منظوری، علیحدہ علیحدہ حسابات کی ترتیب اور حکومت کی جواب دہی، پبلک اکاؤنٹس کمیٹیوں کے ذریعہ اس کی تنقیح، ایسے امور ہیں کہ عہد گذشتہ میں ناپید تھے - جہاں تک بیت المال منتظم کی اس شرط کا تعلق ہے کہ حاکم اعلیٰ اس میں آزادانہ بے جا تصرف نہ کرے بلکہ خزانے کے مصارف کی ان شرائط کو مانے جو اسلامی فقہ میں مقرر ہیں ، تو یہ موجودہ دور میں بدرجۂ اتم موجود ہے - جس وقت اہل فقہ نے یہ شرائط مقرر کیں، مسلمانوں کی حکومت کا نظم و نسق باضابطہ کسی مدون و رسمی دستور یا آئین مملکت کے تحت نہ چلایا جاتا تھا، لیکن موجودہ دور میں ایک مدون اور منظم آئین کے تحت حکومت کا سارا کام سرانجام پاتا ہے - آمد و صرف کے مدات معین ہیں اور باقاعدہ میزانیہ مرتب و منظور کیا جاتا ہے رہی یہ بات کہ عملی طور پر خزانہ کے اموال کو کہیں کہیں بے جا طور پر صرف کیا جاتا ہو تو یہ بات اگرچہ حاکم کے لیے ایک جرم کی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ امر سرے سے بیت المال کو غیر منتظم قرار دینے کے لیے کافی نہیں -

بیت المال کے غیر منتظم قرار دینے کی ایک اور دلیل جو قدیم کتب فقہ میں ملتی ہے، امام کا غیر عادل ہونا ہے - اس سے قطع نظر کہ امام کا غیر عادل، فاسق یا ظالم ہونا بیت المال کو غیر منتظم قرار دینے کے لیے کس حد تک وجہ جواز بن سکتا ہے، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے جس زمانہ اور جن حالات میں بیت المال کے منتظم قرار دینے کے لیے امام عادل ہونے کی شرط لگائی تھی، اس زمانہ میں امام کو ملک کے خزانہ عامرہ پر کلی اختیارات حاصل ہوتے تھے- وہ اس میں جا و بے جا تصرف کر سکتا تھا اور کوئی باضابطہ مشینری یا ادارہ ایسا نہ تھا جو اس کے تصرفات (ناجائز) میں مانع ہو سکتا - بنابریں فقہاء نے بیت المال کے منتظم قرار دینے کے لیے امام کے عادل ہونے کی شرط عائد کی - لیکن عہد حاضر میں صدر مملکت بھی خزانہ عامرہ (بیت المال) میں آزادانہ تصرف کا مجاز نہیں - خود اس کی تنخواہ

اور الاؤنس وغیرہ کی منظوری ملک کی پارلیمان دیتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دیگر ذرائع مثلاً رشوت ستانی یا صنعتی و تجارتی مراعات و اجازت نامہ (لائیسنس) وغیرہ کے ذریعہ ناجائز طور پر کچھ منفعت حاصل کر لے مگر وہ بیت‌المال میں ایک مقررہ حد سے زیادہ کسی طرح تصرف کا مجاز نہیں۔ اندریں صورت پاکستان کے خزانہ عامرہ (بیت المال) کو منتظم قرار دینا ہوگا۔ از روئے فقہ اسلامی وراثت کے باب میں بیت‌المال کو جو استحقاق حاصل ہے اسے اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ بالآخر بیت‌المال کا قیام عامة المسلمین کی فلاح و بہبود اور ریاست کی مالی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہوتا ہے، جس سے بہر حال تمام شہری مستفید ہوتے ہیں۔

بہرکیف یہ بات ایک محدود دائرہ میں سیاست شرعی کے طور پر کہی گئی ہے کیونکہ لاوارث مال یا لقیطہ (وہ مال جو راستہ میں پڑا ہوا مل جائے جس کا کوئی مدعی نہ ہو) کی حقدار اسٹیٹ ہی ہوا کرتی ہے، جس کی صراحت خود دستور پاکستان میں موجود ہے۔

تاہم ایک اسلامی حکومت کے خزانہ عامرہ کو شرعی بیت المال قرار دینے کیلئے حسب ذیل امور کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ آمد و خرچ کی علحدہ علیحدہ مدات قائم ہوں۔

۲۔ آمدنی کی کوئی مد غیر شرعی نہ ہو۔

۳۔ آمدنی کے صرف کی تمام تر نوعیت اسلامی ہو، غیر شروع، آزادانہ اور غیرشرعی محل پر صرف نہ کیا جائے۔

۴۔ حکومت نے زکواۃ، عشر، جزیہ کی آمدنی سے بلا جواز شرعی دست برداری اختیار نہ کر رکھی ہو۔

۵۔ حاکم وقت غیر عادل ہو۔

۶۔ مستحقین کو شرع کے مطابق خزانہ عامرہ سے ان کے مالی حقوق دیے جاتے ہوں۔

واضح رہے کہ کسی مسلم مملکت کے موجودہ خزانہ عامرہ پر شرع اسلام کا کوئی جزء منطبق ہو جاتا ہو تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ وہ خزانہ ''شرعی بیت المال'' قرار پا گیا۔

چونتیسواں باب

عول

عول

۲۹۱ - جب کسی میت کے ترکہ میں ذوی الفروض کے سہام کی تعداد زیادہ ہو اور ترکہ کی اکائی ان سہام کی تعداد کو ان کے حق کے مطابق پورا نہ کرسکتی ہو تو سہام میں کمی کر کے تمام ورثاء کے حق میں تقسیم کے لیے حسابی زیادتی پیدا کرنے کا ''نام عول'' ہے

تشریح

جب مخرج ایسا کم واقع ہو کہ کل مستحق ورثاء کے حصوں پر پورا پورا تقسیم نہ ہوسکے تو اس مخرج کے اجزاء میں کسی جزو کو بڑھا کر کمی پوری کر دی جاتی ہے۔ اس عمل کو ''عول'' کہا جاتا ہے اور جس مسئلے میں عول واقع ہو اس کو ''مسئلہ عولیہ'' کہتے ہیں۔ سراجیہ میں لکھا ہے کہ ''عول یہ ہے کہ زیادہ کیا جائے مخرج پر کچھ اس کے اجزاء سے جب کہ مخرج ادائے فرض سے کم رہے۔''(۱)

''عول'' کے لغوی معنی ''ظلم کی طرف مائل ہونا'' ہیں''۔ اس کے علاوہ ''جور و زیادتی'' کے معنی بھی آتے ہیں۔ علم المیراث کی اصطلاح میں جب ذوی الفروض کے حصوں کی مجموعی تعداد ترکہ کی اکائی سے بڑھ جائے تو ترکہ کو اصل عدد کی طرف مرتفع اور اس کے مخرج سے زیادہ کر دینا (تاکہ وارثوں

---

(۱) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۴۵
الدرالمختار بر حاشیہ رد المحتار، حصکفی، علاءالدین (۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷، ج ۵، ص ۵۵۵ (''العول ان یزاد علی المخرج شی من اجزاء اذا ضاق عن فرض'')

کے حصوں میں کمی ہوجائے) ''عول،، کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر میت نے شوہر، دو حقیقی بہنیں اور ماں چھوڑی۔ از روئے قرآن شوہر کو نصف، حقیقی بہنوں کو دو تہائی اور ماں کو چھٹا حصہ ملنا چاہئے۔ لیکن ان تمام حصص کا مجموعہ ترکہ کی اکائی سے بڑھ جاتا ہے اس لئے مسئلہ چھ سے بڑھ کر آٹھ کی طرف ''عول،، کر جائے گا۔ بالفاظ دیگر شوہر کو ۳/۸، حقیقی بہنوں کو ۴/۸ اور ماں کو ۱/۸ ملے گا۔

عول کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حصوں کی کسر جمع کر کے نسب نما کو شمار کنندہ کے مجموعہ کے برابر کر دیا جائے۔ مذکورہ بالا مثال میں نسب نما ٦ ہے جب کہ شمار کنندہ کا مجموعہ ۸ ہوتا ہے۔ لہذا نسب نما کو بھی بڑھا کر ۸ کر دیا جائے گا اور اس طرح حصص شمار کنندہ کے اعتبار سے تقسیم ہو جائیں گے۔

طریقہ عول کا آغاز:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے عول کا حکم فرمایا۔ ان کے زمانے میں ایسی صورت واقع ہوئی کہ اصحاب فرائض کے سہام ترکہ کی اکائی سے زیادہ تھے۔ آپ نے صحابہ کبار سے مشورہ فرمایا۔ حضرت عباس بن مطلب نے عول کا مشورہ دیا، جس سے تمام صحابہ نے اتفاق فرمایا۔ ان میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود جیسے صحابہ مجتہدین شامل تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ ان صحابہ سے اختلاف کرتے ہوئے عول کے مسئلہ کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے اس قول میں محمد بن علی ابن ابی طالب، علی بن الحسن اور زین العابدین اور عطاء ابن ابی رباح رحمہم اللہ تعالی نے ان کی موافقت کی ہے۔ عباس بن احمد الحسنی الیمنی الصنعانی نے تتمۃ ''الروض النضیر،، میں لکھا ہے کہ امت محمدیہ کے اکثر علماء، صحابہ و تابعین عول کے قائل ہیں اور اکثر اہل بیت وغیرہم نے بھی عول کی صحت میں ان مذکورہ

حضرات کی موافقت کی ہے۔ اگر حضرت ابن عباس کی مخالفت مشہور نہ ہو جاتی تو عول کے مسئلہ پر اجماع قطعی کا حکم لگا دینا یقینی ہو جاتا ۔(۲)

عول کی ضرورت :

عول کی ضرورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں اس لیے پیدا ہوئی کہ آپ نے فرمایا ''مجھے قرآن سے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ ذوی الفروض میں سے کون قابل تقدیم ہے اور کون قابل تاخیر۔ تاکہ مقدم کو مقدم کردوں اور موخر کو موخر۔،،(۳) اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب اصحاب فرائض کے درمیان یکسانیت پیدا کرنے کے لئے عول کا طریقہ جاری فرمایا۔

حضرت ابن عباس کا مسلک :

حضرت ابن عباس، جنھوں نے حضرت عمر کی وفات کے بعد عول کے مسئلے میں اختلاف رائے کیا، اپنے نقطہ نظر کی دلیل میں یہ موقف اختیار کرتے ھیں کہ جس صاحب فرض کو اللہ تعالی نے فرض کے ایک مقررہ حصے سے کم کرکے دوسرا مقررہ حصہ دیئے جانے کا حکم دیا ہے وہ صاحب فرض قوی اور مقدم ہے اس کو اللہ تعالی نے مقدم رکھا ہے اور جس صاحب فرض کو فرض کے مقررہ حصے کے بعد کسی دوسرے غیر مقررہ حصے کی طرف پھیر دیا ہے وہ صاحب فرض ضعیف اور موخر ہے مثلاً زوجین میں زوج یا زوجہ اولاد ہونے کی صورت میں نصف و ربع سے منتقل ہوکر چوتھائی اور آٹھویں حصے کے مستحق ہوتے ھیں، لیکن بالکل محروم نہیں ہوتے۔ اس کے برخلاف بھائی اور بہنیں بعض حالتوں میں اپنے مقررہ حصوں سے بالکل محروم ہوجاتے ھیں لہذا یہ اول کے مقابلے میں موخر ہوں گے۔ چنانچہ ابن عباس کے قول کے مطابق وہ ذوی الفروض جن کے حصے کسی دوسرے وارث کی موجودگی میں ایک مقررہ

---

(۲) الترکۃ والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۳۲۰
(۳) الترکۃ والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۳۲۰ المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۱

حصے سے دوسرے مقررہ حصے کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں ان کو اولیت دی جائے گی، جیسے شوہر، زوجہ، باپ، ماں اور جن ذوی الفروض کے حصے کسی بناء پر مقررہ حصے سے غیر مقررہ کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں یا جو بالکل محجوب ہوجاتے ہیں ان کے حصوں میں کمی کی جائے گی۔ مثلاً بیٹیاں، بہنیں وغیرہ، کیونکہ وہ ایک طریق پر صاحب فرض ہیں اور دوسرے طریق پر عصبات۔ اس لیے پہلے قسم کے ذوی الفروض کو ان کا مقررہ حصہ دیا جائے گا اور دوسری قسم کے ذوی الفروض کے حصوں میں کمی کی جائے گی کیونکہ ذوی الفروض کا حق عصبات سے پہلے دیا جاتا ہے۔

احناف کا جواب :

لیکن احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ تمام ذوی الفروض جو کسی درجہ میں جمع ہوں از روئے استحقاق (بحیثیت فرضیت) برابر ہیں اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ چونکہ ان سب کا استحقاق بذریعہ نص قرآن قائم ہوا ہے لہذا سب کا استحقاق برابر ہوگا اور ہر شخص اپنا پورا حصہ لے گا، اگر مل سکے اور اگر ترکہ حسب حصص موجود نہ ہو تو سب کے حصوں میں برابر کمی کی جائے گی۔

ذوی الفروض و عصبات کے درمیان ابن عباس کی مندرجہ بالا تفریق کے عدم جواز پر حنفیہ کی جانب سے یہ دلیل بھی دی گئی ہے کہ عصوبت قوی ترین سبب ارث ہے، اس لیے اس بنا پر نقصان دینا یا محروم کر دینا، جب کہ وہ صاحب فرض بھی ہو، درست نہیں ہو سکتا، بلکہ عول کے ذریعہ سے جو مخرج بڑھایا جاتا ہے اس کی وجہ سے جو نقصان عائد ہو وہ تمام مستحقین پر بقدر تناسب پھیلا دیا جائے۔ یہی اصح ہے اور اسی پر امت کا عمل ہے۔

عول کے مسئلے میں ہمیشہ ذوی الفروض ہی ہوتے ہیں۔ عصبہ کوئی نہیں ہوتا کیونکہ عصبہ کو ذوی الفروض کے دینے کے بعد ملا کرتا ہے۔ یہاں عول کی ضرورت ہی اس وجہ سے ہے کہ ذوی الفروض کے لیے ہی ترکہ

پورا نہیں، لہذا عصبہ کو دینے کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شیعہ امامیہ مسلک :

فقہاء شیعہ جعفریہ ایک حد تک ابن عباس کے مسلک کی موافقت کرتے ہیں، چنانچہ ان کے ہاں جملہ حصص کی میزان اگر اکائی سے متجاوز ہو جائے تو اس اضافہ کو بیٹی، بیٹیوں، حقیقی یا علاتی بہنوں کے حصص سے منہا کر دیتے ہیں مثلا میت نے شوہر، بیٹی، باپ اور ماں کو چھوڑا تو شوہر کو بارہ حصوں میں سے تین حصے یعنی چوتھائی، بیٹی کو ۱۲ حصوں میں سے ۶ حصے یعنی نصف، باپ کو ۱۲ حصوں میں سے ۲ یعنی چھٹا حصہ اور ماں کو بھی ۱۲ حصوں میں سے دو حصے یعنے چھٹا حصہ ملنا چاھئے۔ لیکن چونکہ حصوں کی میزان بجائے بارہ کے تیرہ ہوگئی ہے اس لیے بیٹی کا ایک حصہ منہا کرکے بجائے چھ کے پانچ کر دیے جائیں گے، چنانچہ ترکہ کے بارہ سہام میں تقسیم کر کے شوہر کو تین، باپ کو دو، ماں کو دو اور بیٹی کو پانچ سہام ملیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ میت نے شوہر، دو بیٹیاں، باپ اور ماں کو چھوڑا تو شوہر کو بارہ سہام میں سے تین یعنی چوتھائی (۱/۴)، دو بیٹیوں کو بارہ سہام میں سے آٹھ یعنی دو تہائی (۲/۳)، باپ کو بارہ سہام میں سے دو یعنی چھٹا حصہ (۱/۶) اور ماں کو بارہ سہام میں سے دو یعنی چھٹا حصہ (۱/۶) ملنا چاھئے، مگر حصص کی میزان پندرہ ہوگئی جو سہام کی تعداد یعنی بارہ سے تین زیادہ ہے لہذا بیٹیوں کے حصص میں سے تین سہام گھٹا کر ان کے پانچ سہام کر دئے جائیں گے اور اس طرح کل ترکہ بارہ حصوں میں تقسیم ہوکر شوہر کو تین، باپ کو دو، ماں کو دو، اور بیٹیوں کو پانچ سہام ملیں گے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ میت نے اپنے پیچھے شوہر، دو حقیقی یا علاتی بہنیں چھوڑیں تو شوہر کو جملہ چھ سہام میں سے تین یعنی نصف اور دو حقیقی یا علاتی بہنوں کو جملہ چھ سہام میں سے چار یعنی ۲/۳ ملنا چاھئے۔ لیکن اکائی میں ایک کا اضافہ ہوگیا، لہذا دو حقیقی یا علاتی بہنوں کے حصے میں سے ایک گھٹا کر اس کو چار سہام میں سے تین سہام کردیا جائے گا اور

تقسیم ٦ سہام میں ہوکر تین شوہر کو اور تین دونوں حقیقی یاعلاتی بہنوں کو ملیں گے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ میت نے اپنے پیچھے شوہر، اخیافی بہن اور حقیقی یا علاتی بہن کو چھوڑا تو شوہر کو جملہ چھ سہام میں سے تین سہام یعنی نصف، اخیافی بہن کو جملہ سہام میں سے ایک یعنی ۱/٦ اور حقیقی یا علاتی بہن کو جملہ چھ سہام میں سے تین سہام یعنی ۱/۲ ملے گا۔ لیکن اکائی میں ایک کا اضافہ ہو جانے کی وجہ سے حقیقی یا علاتی بہن کےحصہ میں سے ایک سہام منہا کر دیا جائے گا اور اس طرح اس کا حصہ بجائے ۳/٦ کے ۲/٦ رہ جائے گا اور چھ سہام تقسیم ہوکر تین شوہر کو، ایک اخیافی بہن کو اور دو حقیقی یا علاتی بہن کو ملیں گے۔(۴) یہ سب صورتیں شیعہ امامیہ مسلک کے بموجب ہیں۔

شیعہ امامیہ اس قاعدے کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ حقیقی بہن جب اخیافی بہن کے ساتھ وارث ہوتی ہے تو رد کا پورا پورا استفادہ وہی حاصل کرتی ہے۔ لہذا انصافاً نقصان بھی اسی کو برداشت کرنا چاہئے یعنی اضافہ شدہ کسر کی منہائی حقیقی بہن کے حصے میں سے ہی ہونی چاہئے، لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ اخیافی بہن کے ساتھ جب علاتی بہن وارث ہو تو وہ کیوں کمی برداشت کرے اس کو پورا ترکہ بذریعہ رد نہیں ملتا ؟

ظاہریہ مسلک :

علامہ ابن حزم نے چونکہ حضرت ابن عباس کا مسلک اختیار کیا ہے اس لیے اپنی مشہور کتاب ''المحلی،، میں عول کی تردید میں بڑی شد و مد کے ساتھ بحث کی ہے۔ حضرت ابن عباس کی جو روایت اوپر بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالی نے کن ذوی الفروض کو مقدم کیا ہے اور کون وہ ہیں جن کو موخر کیا ہے، ابن حزم نے اس راویت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ''جو فریضہ

(۴) المیراث، تولیر مرزا رزلی، مطبوعہ کراچی، ۱۹٦۱ء، صص ۸۲-۷۹
شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۲۰۱

(مقررہ حصہ) ایسا ہے کہ اس کو اللہ تعالی نے اس سے نیچے لاکر کم حصہ مقرر کیا ہے تو یہ وہ فریضہ ہوگا جس کو مقدم سمجھا جائے گا، اور جو فریضہ (مقررہ حصہ) ایسا ہو گا جب اس کو زائل کیا گیا اور پھر اس کے بعد کوئی حصہ (فریضہ) مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس کو موخر سمجھا جائے گا۔ چنانچہ شوہر کا مقررہ حصہ جب نصف سے نیچے آتا ہے تو چوتھائی مقرر ہوجاتا ہے۔ اس حصے سے کبھی محروم نہیں ہوتا اور زوجہ چوتھائی سے نیچے آتی ہے تو آٹھوین کی مستحق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ماں ایک تہائی سے چھٹے حصہ کی جانب آجاتی ہے،بالکل ساقط نہین ہوتی۔ لہذا یہی وہ صاحبان فرض ہیں جن کو اللہ تعالی نے مقدم کیا ہے اور ہمشیرہ اور بیٹیاں نصف کی حق دار بنائی گئی ہیں یا دو تہائی کی لیکن جب ان کا یہ فرض حصہ زائل ہو جاتا ہے تو پھر ان کے لیے کوئی حصہ اللہ تعالی نے مقرر نہیں فرمایا، لہذا یہ وہ اصحاب فرائض ہین جن کو اللہ تعالی نے موخر کر دیا ہے۔ چنانچہ ان اصحاب فرائض میں سے جب ان کا باہم اجتماع ہو جائے تو جس کو مقدم کیا ہے ان کے فریضے (مقررہ حصے) دینے کے بعد جو بچے وہ موخر اصحاب فرائض کو دیا جائے گا اور اگر نہ بچے تو کچھ نہ دیا جائے گا۔

چنانچہ جس مقام پر میت کا شوہر اور بہن اور ماں جمع ہوں تو ان کے نزدیک شوہر کو نصف اور ماں کو تہائی دے کر باقی چھٹا رہتا ہے وہ بہن کو دیا جائے گا اور اگر کچھ نہ رہتا تو کچھ نہ دیا جاتا۔(۵)

جمہو فقہاء کا مسلک:

جمہور فقہاء، صحابہ اور تابعین ائمہ اربعہ و شیعہ زیدیہ کے فقہاء عول کے قائل ہیں۔ امام سرخسی نے عول کی تائیدی دلیل میں فرمایا ہے کہ یہ تمام ورثاء (ذوی الفروض) استحقاقی حیثیت مین برابر درجہ رکھتے ہیں، لہذا ان کے درمیان مساوات اختیار کرنا لازمی ہے۔ اس لیے اگر ترکہ ان سب کے حقوق پورا کر دیتا ہے تو سب کو ان کے حقوق پہونچا دئے جائیں گے۔

(۵) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۳۲۰

اور اگر محل تقسیم (ترکہ) تمام ورثاء کے حصوں کے پورا پورا دینے سے قاصر ہوگا تو پھر ان میں طریقہ عول اختیار کیا جائے گا۔ اور سب کے حصوں میں ان کے حصوں کے بقدر کمی کی جائے گی اور کسی کو بالکل محروم نہ کیا جائے گا۔(۹)

نتیجہ فکر:

حضرت ابن عباس کی رائے اگرچہ فقہی نقطہ نظر سے بظاہر قابل توجہ ہے کیونکہ وہ صاحبان فرض میں سے قوی اور ضعیف کی معرفت کے ساتھ ان کو مقدم و موخر کرنے کے قائل ہیں، جس کے لیے انہوں نے یہ فقہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ کون صاحب فرض ساقط نہیں ہوتا اور کون کس وقت ساقط ہو جاتا ہے، لہذا جو کبھی ساقط نہین ہوتا وہ قوی ہے اور جو کبھی ساقط ہو جاتا ہے وہ ضعیف ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک قوی کو دینے کے بعد اگر کچھ باقی رہے تو ضعیف کو اتنا باقی دے دیا جائے گا اور باقی نہ رہے تو محروم کردیا جائے گا۔

لیکن راقم الحروف کے خیال مین اصحاب فرائض مین سے قوی اور ضعیف معلوم کرنے کی جو وجہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے یا امام ابن حزم نے اپنی کتاب ''المحلی،، میں بیان کی ہے اس کے لیے کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ کیونکہ تمام فقہاء صحابہ و فقہاء ما بعد کا اتفاق ہے کہ سنت نبوی سے اصحاب فرائض کی قوت اور ضعف کی علت کا اس طرح متعین ہونا ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن بھی اس علت کی بناء پر قوت و ضعف کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے اصحاب فرائض میں سے ہر صاحب فرض کے مقررہ حصے کو کسی قوت و ضعف کی طرف اشارہ کئے بغیر بیان فرمایا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ سیدنا امیرالمومنین عمر الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ''میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالی نے کس صاحب فرض کو مقدم کیا ہے کہ مین اسے مقدم کردوں اور کس صاحب فرض کو موخر کیا ہے کہ مین اسے موخر کردوں۔(۷)

---

(۹) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۱۶۳-۱۶۱

(۷) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۱

''لاادری من قدمہ اللہ فاقدمہ ولا من اخرہ اللہ فاخرہ،،

اس کے علاوہ دوسری وجہ عول کی صحت اور جواز کی یہ ہے کہ عول کا طریقہ اختیار کرنے سے تمام اصحاب فرائض کے درمیان ایک عادلانہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ کسی ایک فرد یا جماعت کے حصے میں کمی کردی جائے یا اس کو بالکل محروم کر دیا جائے۔ اس طرح تمام اصحاب فرائض کے حصوں میں ان کے حصوں کی نسبت سے یکساں طور پر کمی واقع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ عول کا اس طرح عمل صلہ رحمی کے نقطہ نظر سے بھی اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میت پر اگر چند شخصوں کا قرضہ (بحالت صحت) واجب الادا ہو اور ترکہ تمام قرض خواہوں کے قرض کی ادائی کے لیے کافی نہ ہو تو تمام قرض خواہوں کے حق میں قرض کے تناسب سے کمی کر کے تمام قرض خواہوں کو دیا جائے گا، نہ کہ بعض کو محروم کر دیا جائے یا بعض کو پورا اور بعض کو کم کر کے دیا جائے۔ لہذا جب تک قرآن سے عبارتاً یا دلالۃً یا اقتضاءً یا اشارۃً اصحاب فرائض کے درمیان قوت و ضعف پر کوئی محکم دلیل نہ پائی جائے اس وقت تک ان سب کے حقوق میں مساوات اختیار کرنا انسب ہوگا اور یہ عول ہی کے ذریعہ ممکن ہو سکتا ہے۔
اس مسئلہ میں آخری دلیل یہ بھی دی جا سکتی ہے کہ عول کا مسئلہ وہ مسئلہ ہے جس کو حضرت امیرالمومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام فقہاء صحابہ نے متفقہ طور پر قبول کیا ہے جس سے صحابہ کا اجماع قائم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نیز ان حضرات کے بعد فقہاء تابعین میں سے جمہور فقہاء، مشہور مذاہب اربعہ کے ائمہ اور امت کے سواد اعظم نے اس کو قبول کیا ہے نیز استدلالی حیثیت سے بھی یہ مذہب قوی نظر آتا ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس اور ان کے اتباع میں ابن حزم کے مذہب پر عمل کی صورت میں بعض اصحاب فرائض کے حصے پر کمی کا پورا بار ڈال دینا یا بالکل محروم کردینا لازم آتا ہے جو کتاب اللہ کی صریح طور پر مخالفت ہے۔ اس کے بر خلاف جمہور کے مسلک کے مطابق عول کے ذریعہ یہ صورت پیش نہیں آتی، بلکہ ہر صاحب فرض کا حصہ اس کو پہونچتا ہے اور ایک مکلف کی طاقت میں یہی ہے کہ جس طرح ممکن ہو تمام اصحاب فرائض کو بحصہ مساوی پورا پورا یا بحصہ رسدی مساوی کمی کے ساتھ ان کے حصے پہونچا

دئے جائیں ۔ اس لئے عول کے مسئلے کو اختیار کرنا ھی حق بجانب ہے ۔

عرب ممالک میں رائج الوقت قانون :

مصر کے قانون المواریث، مجریہ ۱۹۴۳ع کی دفعہ ۱۰ کے تحت یہ قانون ہے کہ جب اصحاب الفروض کے حصوں کی مجموعی تعداد ترکہ کی اکائی سے بڑھ جائے تو ان کے حصوں کے مطابق عول کرکے تقسیم عمل میں لائی جائے گی ۔(۸) یہی عبارت ملک شام کے قانون میں اختیار کی گئی ہے(۹) نیز تیونس میں بھی یہی قانون ہے ۔(۱۰) عراق کے قانون میں اگرچہ کوئی دفعہ عول کے سلسلہ میں مذکور نہیں لیکن اس میں یہ صراحت ضرور کردی گئی ہے کہ قرابت دار ورثاء کے سہام اور ان کے استحقاق میں ان احکام شریعت کا لحاظ کیا جائے گا جو قانون الاحوال الشخصیہ، ۱۹۵۹ع سے قبل ملحوظ رہے ھیں ۔(۱۱) چنانچہ عراق میں قانون الاحوال الشخصیہ کے نفاذ سے قبل فقہی مکاتیب فکر کے مطابق عمل کیا جاتا ہے تھا ۔ مراکش کے قانون میراث کی دفعات ۲۰۷، ۲۰۸، اور ۲۶۴ کے تحت عول کے مختلف مسائل بیان کیے گئے ھیں جن سے یہ ثابت ھوتا ہے کہ مراکش میں بھی عول کے طریقہ پر عمل ھوتا ہے ۔

عدالتی فیصلے :

ھند و پاکستان کی عدالتوں نے ترکہ اکائی سے بڑھ جانے کی صورت میں عول کا طریقہ اختیار کیا ہے، اور اس مسئلہ میں سنی اور شیعہ فرقوں کی فقہ کے مطابق فیصلے کیے جاتے رہے ھیں اور یہی انسب ہے ۔

---

(۸) قانون الاحوال الشخصیہ، مصر، مجریہ ۱۹۴۳ع دفعہ ۱۰
''اذا زادت انصباء اصحاب الفروض علی الترکۃ قسمت بینھم بنسبۃ انصبائھم فی الارث ۔''

(۹) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۲۷۳

(۱۰) مجلۃ الاحوال الشخصیہ، ۱۹۵۹ع، فصل ۱۱۲
''جب کہ اصحاب فروض کے حصے تعداد میں ترکہ کی مقدار سے زائد ھوں تو ان ورثاء کے حصوں کے بموجب ان کی مناسبت سے ترکہ تقسیم کیا جائے گا ۔''

(۱۱) قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، ۱۹۵۹ع، دفعہ ۹۰

پینتیسواں باب

حمل، مفقود، اسیر، ولد الزنا، ولد الملاعنہ اور خنثیٰ کی میراث

حمل کی میراث

۲۹۲ - بہ پابندی احکام متعلق نسب اولاد مندرجہ باب ۱۱ مجموعہ ھذا، متوفی کے حمل کے لئے لڑکے یا لڑکی میں سے کسی ایک فرد کا وہ حصہ روک رکھا جائیگا جس کی مقدار زیادہ ہوگی - یہ عمل اس وقت ہوگا جب کہ حمل متوفی کے وارثوں میں سے کسی وارث کے لئے حجب نقصان کا سبب ہو سکتا ہو ، لیکن اگر حمل حجب حرمان کا سبب ہوتا ہو تو کل ترکہ تقسیم سے روک دیا جائیگا، اور قبل پیدائش بصورت تقسیم ترکہ ورثاء سے ضمانت (Security) لی جائے گی -

۲ - حمل اس وقت وارث ہوسکے گا جب کہ اس کا کل یا نصف سے زیادہ حصہ زندگی کی حالت میں پیدا ہوا ہو، لیکن جس صورت میں کہ نصف سے کم حصہ زندہ پیدا ہو اور زیادہ حصہ مردہ، تو یہ کل مردہ تصور کیا جائے گا اور وارث نہ ہوگا، البتہ اگر حمل پر دست اندازی کی گئی ہو اور اس کے سبب حمل مردہ پیدا ہوا ہو تو اس صورت میں وہ حمل خود بھی وارث ہوگا اور اس کے دیگر ورثاء بھی اس کے وارث ہونگے -

۳ - جب کہ حمل پیدا ہوجائے تو جو حصہ روکا گیا ہے اگر وہ اس پورے حصہ کا وارث ہے تو اس کو وہ پورا حصہ دے دیا جائے گا اور اگر وہ اس کے جزو کا مستحق ہے تو وہ جزو دینے کے بعد جو باقی رہے گا، ورثاً میں بقدر استحقاق تقسیم کر دیا جائے گا -

تشریح

سابقہ ابواب میں ان ورثاء کی میراث کا ذکر کیا گیا ہے جن کی حیات مورث کی وفات کے وقت متحقق (ثابت اور موجود) ہو- لیکن بعض صورتوں میں

وارث کی حقیقی حیات کا یقینی ثبوت اور اس کی جنس کا قطعی تعین دشوار ہوتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں ایسی صورتوں سے متعلق میراث کو ''ارث بالتقدیر،، یعنی ''اندازہ سے میراث،، کا نام دیا گیا ہے۔ ان میں میراث حمل، میراث مفقود میراث اسیر، میراث خنثی شامل ہیں۔ چونکہ ولد الزنا اور ولد اللعان کا مسئلہ بھی نسب کے تعین میں تردد کے باعث ایک غیر یقینی صورت کا حامل ہوتا ہے، اس لیے ان سب کی میراث کے مسائل کو اس باب میں جمع کردیا گیا ہے۔

میراث حمل :

تمام فقہاء امت کے نزدیک حمل منجملہ دیگر ورثاء کے وارث ہوتا ہے بشرطے کہ وہ مورث کی وفات کے وقت بطن مادر میں موجود ہو اور زندہ پیدا ہوا ہو۔(۱) البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ مورث کی وفات کے وقت سے زائد سے زائد کتنی مدت میں زندہ پیدا ہوا ہو، نیز یہ کہ وہ حمل خود میت کی زوجہ کا ہے یا کسی دوسری عورت کا ہے جو مورث کا وارث ہے۔

حمل کی کم سے کم مدت :

حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ اس کی بنیاد قرآن پاک کی حسب ذیل دو آیتوں پر قایم ہے :-

(۱) ''وحملہ و فصالہ ثلاثون شہراً (یعنی اس کا حمل اور دودھ چھڑائی تیس ماہ ہے)۔ ۲

(۲) ''و فصالہ فی عامین،، (یعنی اس کا دودھ چھڑانا دوسال میں ہے)۳

مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے ملاکر پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بچے کے حمل اور دودھ چھڑائی کی مجموعی مدت تیس ماہ ہے اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے۔بالفاظ دیگر ۲۴ ماہ دودھ پلانے (رضاعت) کی (انتہائی) مدت ہوئی اور باقی چھ ماہ حمل کی۔

---

(۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۵۱-۵۰
(۲) ۴۶ : ۱۵ (احقاف۔ک)
(۳) ۳۱ : ۱۴ (لقمان۔ک)

ان ہر دو آیات کے مطالعہ سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی سب سے پہلے رضاعت اور حمل دونوں کی ایک ساتھ خبر دے رہا ہے، لیکن چونکہ اس میں یہ احتمال تھا کہ اگر حمل نو ماہ میں تولد ہو یا دس ماہ میں تو بقیہ ۲۱ یا ۲۰ ماہ کی آخری مدت رضاعت کے لیے ہے اس لیے اللہ تعالی نے اس احتمال کو رفع کرنے کی غرض سے رضاعت کا حکم علیحدہ بیان فرمایا جس کے لیے دوسری آیات نازل ہوئی اور رضاعت کی انتہائی مدت کا تعین ہوگیا۔

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ''جو لوگ اپنی اولاد کو پورا پورا دودھ پلانا چاہیں ان کے لیے آخری ، انتہائی میعاد یہ ہے کہ دو سال کامل تک ان بچوں کو ان کی مائیں اپنا دودھ پلاتی رہیں۔(۴)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالی نے رضاعت کی انتہائی مدت بیان فرمائی ہے کیا حمل کی بھی یہ مدت انتہائی ہے ؟ کیونکہ بظاہر کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس سے اس باقی ماندہ مدت (چھ ماہ) کو کم سے کم قرار دیا جاسکے۔ اسی بناء پر فرقہ ظاہریہ جو قرآن پاک کے ظاہری معنی پر احکام کی بنیاد رکھنے کا قائل ہے چھ ماہ کو مدت حمل قرار دیتا ہے۔ وہ اس سلسلہ میں کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ عرصہ کی تقیید کا قائل نہیں ہے۔

اگرچہ قرآن پاک سے چھ ماہ کا حمل کی ''کم سے کم،، مدت ہونا ظاہر نہیں ہوتا لیکن حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔(۵) حضرت علی نے بھی اسی طرح استدلال کیا ہے اور حضرت عثمان اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔(۶)

حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ خدائے تعالی نے حمل اور

---

(۴) ۲ : ۲۳۳ (البقرۃ ۴)
''والوالدات یرضعن اولاد ھن حولین کاملین لمن ارادان یتم الرضاعۃ،،
(۵) ابن کثیر (اردو ترجمہ)، محولہ بالا، پارہ ۲۱، ص ۴۴
(۶) ابن کثیر، (اردو ترجمہ)، محولہ بالا، پارہ ۲۶، ص ۸

رضاعت کی کل مدت ۳۰ ماہ مقرر کردی ہے، چنانچہ جب کسی عورت کے نو ماہ میں بچہ پیدا ہو تو اس کی دودھ پلائی کی مدت اکیس ماہ کافی ہے اور جب سات ماہ میں ہو تو مدت رضاعت تئیس ماہ اور جب چھ ماہ میں ہو تو مدت رضاعت دو سال کامل ہے۔(۷) (ابن عباس کی یہ تفسیر مذکورہ بالا پہلی آیت سے متعلق ہے جس میں دونوں کا حکم ایک ساتھ بیان ہوا تھا۔ بعد میں دوسری آیت میں دو سال کی تصریح کردی گئی ہے)۔

بہر کیف، ان آیات و احادیث سے اس استدلال کے ذریعہ یہ امر موثق ہو گیا کہ اللہ تعالی نے چھ ماہ اقل (کم سے کم) مدت حمل بیان فرمائی ہے۔

حنفی مسلک:

احناف کے نزدیک حمل کی انتہائی مدت دو سال ہے۔ اگر حمل میت کی زوجہ مطلقہ یا بیوہ کا ہو تو اس میں یہ شرط ہے کہ عورت نے عدت گذرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اگر عورت نے عدت گزرنے کا اقرار کرلیا ہو اور اس کے بعد بچہ پیدا ہوا ہو (خواہ پیدائش اندرون دو سال ہی کیوں نہ ہو) تو اس کا نسب متوفی (مورث) سے ثابت نہ ہوگا اور اس بچے کو میت کی میراث نہ ملے گی کیونکہ عدت گزرنے کے اقرار کے بعد وہ حمل متوفی (مورث) کا نہیں ہو سکتا۔ اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ جو چیز ساقط ہوگئی وہ لوٹا نہیں کرتی اور جو چیز گزر گئی وہ حجت نہیں ہو سکتی۔(۸)

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مکمل اتفاق رائے پایا جاتا ہے، نیز کسی حنفی امام یا فقیہہ سے بھی اس مسئلے میں کوئی اختلاف منقول نہیں۔

مالکیہ و شافعیہ مسلک:

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اصح قول کے بموجب حمل کی انتہائی مدت چار سال تک ہے۔ ابن رشد نے امام مالک سے ایک قول پانچ

(۷) ابن کثیر، محولہ بالا، پارہ ۲۶، ص ۸ (اردو ترجمہ)
(۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف الدین جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۲
البدائع الصنائع، کاسانی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۱۲
المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۵۰۰۰۱
فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۱۰

سال کا بھی نقل کیا ھے ۔ بعض فقہاء مالکیہ سات کے بھی قائل ھیں، لیکن محمد بن عبدالحکم (مالکی) صرف ایک سال تک کی آخری مدت کے قائل ھیں ۔ ابن رشد نے اپنا ذاتی نظریہ ابن عبدالحکم اور ظاھریہ کے قول کی موافقت میں قائم کیا ھے ۔ چنانچہ لکھا ھے کہ ابن عبدالحکم اور ظاھریہ کا قول عادت جاریہ سے زیادہ قریب ھے اور حکم بہر حال وہ واجب ھوتا ھے جو عادت جاریہ کے مطابق ھو نہ کہ نادر اور ممکن ھے کہ وہ محال ھو۔(۹)

حنبلیہ مسلک :

امام احمد ابن حنبل کے مشہور قول کے مطابق حمل کی زائد سے زائد مدت چار سال ھے، اگرچہ ان کا ایک قول حنفی مسلک کے موافق بھی ملتا ھے ۔

بعض دیگر اصحاب کی رائے :

مندرجہ بالا فقہی مذاھب کے علاوہ ،لیث بن سعد کے نزدیک حمل کی انتہائی مدت تین سال، عباد بن عوام کے نزدیک پانچ سال اور امام ابن شہاب زھری کے نزدیک ایک روایت کے بموجب پانچ سال اور دوسری روایت کے مطابق سات سال ھے ۔ ان اصحاب کے نزدیک مذکورہ مدت تک بچہ بطن مادر میں رہ سکتا ھے ۔(۱۰)

شیعہ امامیہ مسلک :

شیعہ فقہاء کے نزدیک حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور زائد سے زائد مدت نو ماہ اور بعض کے نزدیک دس ماہ تک اور بعض کے نزدیک یہ مدت ایک سال تک ھو سکتی ھے لیکن علامہ نجم الدین جعفر الحلی نے اپنی مشہور تصنیف شرائع الاسلام میں ایک سال کے قول کو متروک لکھا ھے ۔(۱۱)

---

(۹) بدایة المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۵۸ :
”وقول ابن عبدالحکم و الظاھرية هو اقرب الى المعتاد ، و الحكم انما يجب ان يكون بالمعتاد، لا بالنادر و لعله ان يكون مستحيلا ۔“

(۱۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۴۷۷

(۱۱) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، مطبوعہ تہران، ۱۳۷۷ھ، ص ۱۹۷

ظاہریہ مسلک :

ظاہری فقہ کے امام داؤد بن علی الظاہری نے حمل کی مدت چھ ماہ تک قرار دی ہے ۔(۱۲) وہ دراصل قرآن کی ظاہر نص پر مسئلے کی بنیاد رکھتے ہیں کہ خود قرآن نے حمل کی مدت چھ ماہ قرار دی ہے ۔ جس میں کم سے کم یا زائد سے زائد کی کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ جس طرح قرآن پاک میں رضاعت کی انتہائی مدت دو سال قرار دی گئی ہے اسی طرح حمل کے لیے چھ ماہ کی مدت کے لیے بھی انتہائی ہونے کی لیے قرینہ پایا جاتا ہے ۔ ظاہریہ چونکہ تعلیل نصوص کے قائل نہیں ہیں اس لیے وہ قرآن کے ظاہر معنی پر مسئلے کی بنیاد رکھتے ہیں لیکن اگر حمل کی انتہائی مدت کے بارے مین ان کی اس دلیل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نعوذ باللہ یہ لازم آئے گا کہ قرآن جھوٹی خبر دے رہا ہے کیونکہ بالعموم بچہ چھ ماہ کے بعد پیدا ہوتا ہے ۔

احناف کے قول کی بنیاد :

حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال ہونے کے ثبوت میں احناف اپنی دلیل میں حضرت عائشہ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ’’بچہ اپنی ماں کے بطن میں دو سال سے ایک لمحہ زیادہ نہیں رہتا،، ۔ اس حدیث کو دارقطنی اور بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے ۔(۱۳) یہاں ’’ظل مغزل ،، کا لفظی ترجمہ ’’تکلی کا سایہ،، ہے ۔ دراصل اس سے قلت وقت کی طرف کنایہ ہے ۔ احناف کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ کا مذکورہ بالا قول حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر مبنی سمجھا جائے گا اور اس کو ان کی ذاتی رائے تسلیم کیا جانا ممکن نہیں، کیونکہ ایسے احکام میں ذاتی رائے کو

---

(۱۲) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۵۸

(۱۳) دارقطنی، محولہ بالا، مطبوعہ مدینہ منورہ، جزء ۳، صص ۳۲۲ - ۳۲۱ :
’’من طریق ابن المبارک ثنا داؤد بن عبدالرحمن عن ابن جریج عن جمیلة بنت سعد عن عائشة قالت : ’’الولد لا یبقی فی بطن امه اکثر من سنتین، ولو بظل مغزل ۔ ،،
السنن الکبری، بیہقی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۴۴۳
نصب الرایه، عبداللہ بن یوسف زیلعی، (م ۷۶۲ھ)، مطبوعہ مصر، ج ۳، صص ۲۶۴-۲۶۵
(باب ثبوت النسب)

دخل نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس قسم کے تشریعی حکم میں صحابی یا صحابیہ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر مبنی سمجھا جائے گا۔(۱۴)

ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی بنیاد :

امام مالک، شافعی اور احمد ابن حنبل اپنے نقطہ نظر کے ثبوت میں چند واقعات بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ولید بن مسلم سے مروی ہے : "ولید نے کہا، کہ میں نے حضرت امام مالک کے سامنے جمیلہ بنت سعد کی اس حدیث کا ذکر کیا جس کو انھوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی عورت دو سال سے زیادہ حاملہ نہیں رہ سکتی۔ امام مالک نے فرمایا سبحان اللہ بھلا یہ کون کہہ سکتا ہے ؟ ہماری ہمسایہ عورت، محمد بن عجلان کی بیوی، چار سال تک حاملہ رہی ہے۔"(۱۵)

اس واقعہ کو امام شافعی نے بھی نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی بنو عجلان کے بارے میں کہا ہے کہ بنو عجلان کی عورتیں عموماً چار چار سال تک حاملہ رہی ہیں اور عجلان کی زوجہ کے تین بچے پیدا ہوئے اور ہر بچہ چار سال تک حمل میں رہا۔ اسی طرح محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی اپنی والدہ کے پیٹ میں چار سال تک رہے۔ ابو الخطاب نے ابراہیم بن نجیح العقیلی کے متعلق بھی یہی روایت کیا ہے۔ نیز حضرت عثمان اور حضرت علی سے بھی یہی منقول ہے۔

امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت ضحاک کے سلسلے میں منقول ہے کہ وہ دو سال کے بعد پیدا ہوئے، حتی کہ ان کے دانت بھی نکل آئے تھے اور ہنسنے لگے تھے اور

---

(۱۴) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۱۱
فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۰۱
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۷۴

(۱۵) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۷۸-۴۷۷
"قال قلت : مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ حدیث جمیلۃ بنت سعد عن عائشۃ لا تزید المرأۃ علی السنتین فی الحمل، قال مالک : سبحان اللہ من یقول ھذا ؟ جارتنا امرأۃ محمد بن عجلان تحمل اربع سنین قبل ان تلد۔"
نصب الرایہ، عبداللہ بن یوسف زیلعی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۶۵

اسی وجہ سے ان کا نام ضحاک رکھا گیا تھا۔ اسی طرح عبد العزیز ماجشونی اور ان کے خاندان میں کئی اولادیں چار چار سال کے بعد پیدا ہوئیں۔ ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرد اپنی زوجہ سے دو سال تک غائب رہا اس کے بعد آیا تو اس کی زوجہ حاملہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت پر حد جاری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگرچہ آپ کو عورت پر حد جاری کرنے کا اختیار حاصل ہے، لیکن اس کے حمل کو قتل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے حد کو موقوف رکھا، یہاں تک کہ جب اس عورت کے بچہ پیدا ہوا تو اس کے دانت نکل آئے تھے۔ اور وہ اپنے باپ کا ہم شکل تھا۔ اس شخص (باپ) نے کہا: خدا کی قسم یہ تو میرا بیٹا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے بچہ کا نسب اس شخص سے ثابت تسلیم کیا۔ حالانکہ وہ دو سال سے زیادہ میں پیدا ہوا تھا اور فرمایا کہ اگر معاذ موجود نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ (بحالت حمل حد جاری کرنے سے) ہلاک ہوجاتا۔

اسلامی ممالک میں مدت حمل کا تعین:

مدت حمل سے متعلق جن ممالک اسلامیہ میں قوانین پائے جاتے ہیں ان کے تحت مدت حمل کم از کم چھ ماہ اور زائد سے زائد ایک سال قرار دی گئی ہے گویا مالکی فقیہہ ابن عبدالحکم کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔(۱۶) ان ممالک میں اس مسئلہ کو قیاسی قرار دیتے ہوئے اس کی بنیاد طبی تجربات اور مشاہدات پر رکھی گئی ہے۔

پاکستان میں حسب دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت ۱۸۷۲ع صحیح النسبی کے متعلق قطعی قیاس کے بارے میں جائز نکاح میں رہنے کی حالت میں یا اس نکاح کے انفساخ سے ۲۸۰ یوم کے اندر پیدائش حمل کو اس امر کا قطعی

(۱۶) قانون المصری، نمبر ۲۵، بابت ۱۹۲۹ع، دفعہ ۱۵
قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، ۱۹۵۹ع، دفعہ ۵۱
مجلۃ الاحوال الشخصیہ، تونس، دفعہ ۷۱
قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۱۲۸

ثبوت قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس شخص کی اولاد ہے ۔ اس اثنا میں بچہ کی ماں کا بے زوج رہنا لازمی ہے ۔ البتہ دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت ۱۸۷۲ع میں کم سے کم مدت حمل کا تعین نہیں کیا گیا ۔

طبی نقطہ نظر :

وضع حمل کی مدت کے بارے میں متعدد اطباء نے اپنی طبی تجربات کی روشنی میں اظہار خیال کیا ہے ۔ چنانچہ شیخ بو علی سینا نے اپنی کتاب ''القانون فی الطب''(۱۷) میں لکھا ہے کہ وضع حمل عام طور پر اور اکثر ۹ ماہ کی مدت میں ہوتا ہے اور کم سے کم مدت سات ماہ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ ماہ ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہاں شیخ نے محض طبی نقطہ نظر سے طبعی وضع حمل کا ذکر کیا ہے ۔ غیر طبعی طور پر یہ مدت کہاں تک ہوسکتی ہے اس کے متعلق قدیم اطباء کی کتابوں میں باوجود تلاش کوئی تفصیل نہ مل سکی ۔

ایک انگریزی کتاب Origion of life and Process of reproduction کا مصنف Dr. Hollick بقراط، ارسطو، جالینوس اور شیخ کے حوالے سے اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۳۰۴ پر لکھتا ہے کہ ان سب کے خیال میں وضع حمل کی مدت عام طور پر نو ماہ ہے لیکن کبھی یہ مدت ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ماہ اور بعض اوقات ۱۵ ماہ تک ہوسکتی ہے ۔

طبی نقطہ نظر سے وضع حمل عموماً دس (۱۰) قمری مہینوں میں ہوتا ہے اس طرح اوسطاً وضع حمل کی مدت ۲۶۶ دن ہوتی ہے ۔ یک جماعی (Single Sexual Exposure) حمل کی صورت میں یہ مدت ۲۶۹ دن شمار کی گئی ہے ۔ تاہم مغربی مصنفین کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت وضع حمل، جس کا ریکارڈ موجود ہے، ۲۸۹ دن،(۱۸)، ۳۱۳ دن (۱۹)، گیارہ ماہ(۲۰) اور ۳۳۰

---

(۱۷) القانون فی الطب، بو علی سینا، مطبوعہ مصر، ج ۲، ص ۵۷۰

(۱۸) Ralph c. benson (hand-book of Obst. and Gyn-1964) 47-52

(۱۹) Medical Examiner, June 1946 with ref. of Origin of Life and process of reproduction P, 354-55.

(۲۰) Medical Gazette with ref. of Origin of Life and process of reproduction p. 355

دن سے ۳۴۲ دن تک ہے(۲۱)

ڈاکٹر عارف صدقی (شام) نے اپنی کتاب ''الطب الشرعی،، جلد اول صفحہ ۱۲۲ میں تحریر کیا ہے کہ اس معاملے میں کوئی یقینی مدت ایسی نہیں ہو سکتی جس کا تعین کیا جاسکے۔ ہر کیس انفرادی نوعیت رکھتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ ہر عورت کے حیض کے دور پر اس کا انحصار ہوتا ہے عام طور پر وضع حمل کی مدت دس دور یعنی ۲۸۰ دن ہوتی ہے جب کہ حیض کا ایک دور ۲۸ دن کا ہوتا ہے۔

احناف کے دلائل:

۱۔ احناف کی جانب سے ائمہ ثلاثہ کی طرف سے بیان کردہ مندرجہ بالا روایات کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ضحاک اور عبدالعزیز کی روایات میں خود ان دونوں حضرات کا اس معاملے کے متعلق اپنا کوئی علم یا اقرار نہ تھا اور محض دوسرے کا کسی امر واقعہ کی خبر دینا قابل حجت نہیں ہوتا، کیونکہ رحم کے اندر جو کچھ بھی ہو اس کا علم سوائے خدائے بزرگ و برتر کے کسی کو نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ ایسا واقعہ کسی بیماری، رحم کا منہ بند ہوجانے یا کسی دوسرے عارضہ کی بناء پر بھی ہو سکتا ہے جو نادر الوقوع اور مستثنیات میں سے ہوگا اور حکم شرعی کی بنیاد قرار نہ پائے گا۔

۲۔ احناف کی طرف سے اس غائب شخص کی روایت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس روایت میں ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں جن سے صرف یہی سمجھا جائے کہ اس عورت کا شوہر دو سال کے بعد ہی آیا تھا، بلکہ یہ معنی بھی نکل سکتے ہیں کہ دو سال گزرنے کے قریب تھے کہ وہ شخص آگیا۔ مزید برآں صورت موجودہ میں اس شخص کا اقرار بالنسب کر لینا بچے کے ثبوت نسب کا ذریعہ قرار پایا ہے۔(۲۲) نیز حضرت عمر کی یہ روایت (زائد از دوسال

(۲۱) Legal Medicine by Maj. Collis. (1902) Page 225-230.

(۲۲) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۰

مدت حمل کے ثبوت میں) فقہی نقطہ نظر سے بھی ناقابل قبول ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس عورت پر حد جاری کرنے کا ارادہ فرمانا، جب کہ نہ عورت نے زنا کا اقرار کیا تھا اور نہ زنا پر چار شخصوں کی شہادت قائم ہوئی تھی، کسی اصل شرعی کے تحت صحیح نہیں ہو سکتا ! ایک شخص کا اپنی زوجہ کے متعلق محض زنا کے شبہ کا اظہار حد قائم کرنے کی حجت قرار نہیں پا سکتا۔ حضرت عمر محض شوہر کے شبہ کے اظہار کے نتیجے میں اس عورت پر حد جاری کرنے کا کیوں کر ارادہ فرما سکتے تھے! لہذا زائد از دو سال کی مدت حمل کے مسئلے میں یہ روایت مالکیہ و شافعیہ مسلک کی تائید میں استدلال کے لائق نہیں ہے۔

۳ - مزید برآں، حنفیہ نے ایسے واقعات کے جواب میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں ان کا قول شارع علیہ السلام کی طرف منسوب تصور کیا جائے گا۔ جس میں خطا کا احتمال نہیں اور یہ حدیث مذکورہ واقعات کے مقابلے میں (بدرجہ مرفوع) حجت قرار پائے گی۔ قطع نظر اس کے، اگر ان واقعات کے بارے میں امام مالک کے بیان کو صحیح تسلیم بھی کرلیا جائے، تب بھی یہ امر قطعیت کے ساتھ ثابت قرار نہیں دیا جا سکتا کہ حمل کی انتہائی مدت چار سال ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس واقعہ (یا اس قسم کے واقعات) کو نادرالوجود کہا جا سکتا ہے۔(۲۳) جس پر قطعیت کے ساتھ اور آخری طور پر شرعی حکم کا مدار نہیں رکھا جا سکتا۔ جب کہ دو سال مدت حمل کی بنیاد صحابیہ فقیہہ کے اثر پر ہے اور صحابی یا صحابیہ کی ایسی موقوف روایت جس میں کوئی شرعی تقدیری حکم بیان کیا جائے مرفوع کے درجے میں ہوتی ہے۔ بخلاف ائمہ ثلاثہ کے مذکورہ بالا اقوال کے، کیونکہ ان کی بنیاد محض واقعات پر ہے جو اثر ضعیف کا درجہ بھی نہیں رکھتے۔ بعض کا قول طبی نقطہ نظر پر مبنی ہے۔ طبی نتائج تغیر پذیر اور متبدل ہونے کی وجہ سے شرعی قانون کی محکم بنیاد و ماخذ قرار نہیں دئے جا سکتے۔ خصوصاً جب کہ اطباء کے تجربات بھی مختلف رہے ہوں، بعض طبیبوں نے پندرہ سولہ ماہ میں بھی وضع حمل کا

(۲۳) فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۱۰
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۷۴

مشاهده کیا ہے، جو تقریباً ڈیڑھ سال کی مدت ہوتی ہے۔

اکثر ائمه حدیث و فقہه اس امر میں متفق هیں که صحابی کے قول پر حکم شرعی کی بنیاد رکھنا قیاس کے مقابلے میں واجب ہے۔ چنانچه امام ابو حنیفه کے اصول استخراج احکام شرعی کے بارے میں ابن عبدالبر نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے که ''سفیان ثوری نے بیان فرمایا ہے که میں نے ابو حنیفه کو یه کہتے ہوئے سنا ہے که میں حکم شرعی کے لیے سب سے پہلے کتاب الله کو لیتا ہوں، جب میں کتاب الله میں حکم شرعی نہیں پاتا تو سنت رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم کو اختیار کرتا ہوں اور جب میں کتاب و سنت میں حکم شرعی نہیں پاتا تو صحابه رسول کے قول کو لیتا ہوں اور اگر صحابه کے متعدد اقوال ہوں اور ان مین باهم اختلاف هو تو میں جس صحابی کے قول کو چاهتا ہوں اختیار کرتا ہوں اور جس صحابی کے قول کو چاهتا ہوں اختیار نہین کرتا۔ لیکن میں ان (صحابه) کے قول سے غیر صحابه کے قول کی طرف نہیں جاتا۔،،(۲۴) یعنی امام ابو حنیفه کتاب و سنت کے بعد قول صحابی کو حکم شرعی کی بنیاد قرار دیتے هیں۔ چنانچه اگر کسی مسئلے میں کتاب و سنت میں کوئی حکم موجود نه هو مگر صحابی کا قول موجود هو تو امام ابو حنیفه کے نزدیک وه حجت هوگا اور کسی غیر صحابی کا قول یا رائے قابل اعتبار نه هوگی۔

امام قرشی نے بھی الجواهر المضمیئه کے ذیل میں فرمایا ہے که ''جب کسی مسئلے میں حدیث صحیح وارد هوتی تو امام ابو حنیفه اس حدیث صحیح کا اتباع فرماتے (حدیث صحیحه کی غیر موجودگی میں) اگر صحابه یا تابعین کی کوئی روایت موجود هوتی تو اس کا اتباع فرماتے تھے۔ (حدیث صحیح یا قول صحابه یا تابعین نه هونے کی صورت میں) قیاس سے کام لیتے تھے۔ اور سب سے

---

(۲۴) الانتفاع، مطبوعه مصر، ص ۱۴۲:

''. . . ابن عبدالبر فی الانتقاء عن سفیان الثوری قال: سمعته (ای الامام ابی حنفیه) یقول: آخذ بکتاب الله فمالم اجد فبسنه- رسول الله صلی الله و علیه وسلم فمالم اجد فی کتاب الله ولا فی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم اخذت بقول اصحابه آخذ بقول من شئت منهم وادع من شئت منهم ولا اخرج من قولهم الی قول غیرهم۔،،

بہتر قیاس کسی صحابی کے قول سے حجت لانا ہے، جب کہ اس (مسئلہ) میں قیاس کو دخل نہ ہو۔(۲۵)

محمد بن احمد ابن سہل سرخسی نے اپنی کتاب ''اصول،، میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب متقدمین اور متاخرین میں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس معاملے میں معرفت حکم شرعی کے لیے قیاس کو دخل نہیں ہو سکتا اس میں کسی ایک صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے۔ اور یہی صورت مقادیر کے معاملے میں ہے جن کو رائے سے نہیں پہچانا جاسکتا۔ اسی سبب سے ہم نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کا قول کہ ''مہر کی کم از کم مقدار دس درهم ہے،، اختیار کرلیا۔ نیز انس کا قول کہ ''حیض کی کم سے کم مدت تین یوم اور زائد سے زائد دس یوم ہے،، اختیار کیا۔ نیز عثمان بن ابی العاص کے قول کو کہ ''نفاس کی مدت چالیس یوم ہے،، اور حمل کی زائد سے زائد مدت کے بارے میں حضرت عائشہ کا قول ''اس کی زائد سے زائد مدت دو سال ہے،، اختیار کرلیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ان (صحابہ) کے بارے میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے قول میں ہرزہ سرائی کریں گے۔ لہذا یہ امر جائز نہیں ہے کہ ان (صحابہ) کے قول کو حکم شرعی کے معاملے میں کذب پر محمول کیا جائے۔

امام موصوف نے ایک اور جگہ اسی امر کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''شریعت کا طریقہ ان نصوص کے ذریعہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ انھیں صحابہ کے ذریعہ پہنچا ہے۔ چنانچہ ان کے قول کو جھوٹ پر محمول کرنے میں ان کی ذات اور قول کا فسق کے ساتھ (ثابت ہونا) لازم آتا ہے اور یہ امر ان کی روایت کو باطل کرتا ہے۔ لہذا اب جو امر باقی رہا وہ یا تو صحابی کی رائے ہے یا اس ذات سے سماعت پر مبنی ہے جس پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اس باب میں رائے کو دخل نہیں اس لئے صحابی کے قول کا سماعت

(۲۵) ذکر القرشی فی ذیل الجواهر المضیئه : و کان الامام (وابوحنفیة) اذاوردت مسئلة فیها حدیث صحیح تبعهٔ ولوعن الصحابۃ والتابعین والا قاس۔ فاحسن القیاس الاحتجاج بقول الصحابی فیما لا مدخل فیه للقیاس۔،،

پر مبنی ہونا متعین ہوگیا چنانچہ اس صحابی کا فتوی ہر حالت میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کا درجہ پاگیا۔،، (۲٦)

علامہ بزدوی نے اپنی کتاب ''اصول،، کے باب ''متابعت الصحابہ،، میں لکھا ہے کہ بردعی نے کہا ہے ''صحابی کی تقلید واجب ہے اور اس بناء پر قیاس کو ترک کیا جائے گا،، ۔(۲۷) اور امام کرخی نے کہا ہے کہ ''صحابی کی تقلید واجب ہے مگر اس مسئلے میں جس میں قیاس کے ذریعہ حکم شرعی کا ادراک نہیں کیا جا سکتا،، ۔(۲۸) پھر علامہ بزدوی نے کہا ہے کہ ''بہر حال جس مسئلے کو قیاس کے ذریعہ متعین نہیں کیا جا سکتا اس مسئلے میں صحابہ کے قول پر عمل لازمی ہو گیا اور صحابی کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ صحابی کے لیے اس قول کی کوئی اور وجہ نہیں ہو سکتی الا یہ کہ وہ (قول) جھوٹ تصور کیا جائے اور یہ تصور کرنا باطل ہے، اس لیے اس قول پر عمل کرنا لامحالہ واجب ہو گیا ۔(۲۹)

---

(۲٦) ''اصول،، محمد ابن سہل السرخسی (م ۴۹۰ھ) مطبوعہ مصر، الکتاب العربی (۱۳۷۲ھ) ج ۲، ص ۱۱۰

''قال السرخسی فی اصولہ : ولا خلاف بین اصحابنا المتقدمین والمتاخرین ان قول الواحد من الصحابة حجة فیما لامدخل للقیاس فی معرفت الحکم فیہ و ذلک نحو المقادیر التی لا تعرف بالرای فانا اخذ نا بقول علی فی تقدیر المہر بعشرة دراہم و اخذنا بقول انس فی تقدیر اقل الحیض بثلاثة ایام و اکثرہ بعشرة ایام و بقول عثمان بن ابی العاص فی تقدیر اکثر النفاس باربعین یوما و بقول عائشة فی ان الولد لا یبقی فی البطن اکثر من سنتین ۔،،

و ہذا لان احدا لا یظن بہم المجازفة فی القول ولا یجوز ان یحمل قولہم فی حکم الشرع علی الکذب ۔،،

و ایضاً قال : فان طریق الدین من النصوص انما انتقل الینا بروایتہم و فی حمل قولہم علی الکذب و الباطل قول لفسقہم و ذلک یبطل روایتہم فلم یبق الا الرای او السماع ممن ینزل علیہ الوحی ولامدخل للرای فی ہذا الباب فتعین السماع و صار فتواہ مطلقا کروایة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔،،

(۲۷) ''اصول فقہ،، علامہ بزدوی، مطبوعہ کراچی، ص ۲۳۳

(۲۸) اصول فقہ، علامہ بزدوی، مطبوعہ کراچی، ص ۲۳۳

(۲۹) اصول الفقہ، علامہ بزدوی (م ۴۸۲ھ)، مطبوعہ کراچی، صص ۲۳۳ اور ۲۳٦ :

''و قال البزدوی : قال البردعی : تقلید الصحابی واجب یترک بہ القیاس و قال الکرخی لا یجب تقلیدہ الا فیما لا یدرک بالقیاس ۔،،

''ثم قال البزدوی (بعدما اثبت الاختلاف فیما یدرک بالقیاس) اما فیما لا یدرک بالقیاس فلا یدمن العمل بہ حملا لذلک علی التوقیف من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لا وجہ لہ غیر ہذا الا التکذیب باطل لوجب العمل بہ لا محالة ۔،،

چنانچہ یہ قاعدہ اصولِ فقہ کے اکثر ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ ایسے امور میں جن کا تعلق حکم شرعی سے ہو اور اس میں قیاس جاری نہ ہو تو صحابی کا قول اس کے اپنے اجتہاد کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر مبنی خیال کیا جائے گا۔ اگر اس اصول سے اختلاف کیا جائے تو پھر موقوفہ اور مرسلہ احادیث کے سارے ذخیرے سے دست بردار ہونا لازم آئے گا اور اس طرح وہ فقہی مسائل جو ان احادیث موقوفہ یا مرسلہ سے مستخرج ہیں، ان کی بنیاد متزلزل ہوجائے گی۔

احناف کے نزدیک حضرت عائشہ کا قول اس مسئلہ میں ایک اور دلیل کے سبب بھی حجت قرار پاسکتا ہے وہ یہ کہ خدائے تعالی قرآن حکیم میں فرماتا ہے ''پیدا کیا میں نے تم لوگوں کو بے قدرے پانی سے، پھر کردیا ہم نے اس کو ٹھہرنے کی جگہ (رحم میں)، مقررہ‌وقت تک ۔ (۳۰) قرآن پاک کی یہ آیت اس امر کے بیان میں ''مجمل،، ہے کہ کب تک بچہ رحم مادر میں رہے گا؟ اور یہ اصول تمام ائمہ کے نزدیک تسلیم شدہ ہے کہ اگر قرآن پاک کا کوئی حکم ''مجمل،، ہو تو اس کی تفسیر یا بیان ''خبر واحد کے ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے البتہ اگر حکم مطلق ہے تو احناف کے نزدیک ''خبر واحد،، کے ذریعہ اِس حکم کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ دیگر ائمہ کے نزدیک مطلق حکم کی صورت میں بھی ''خبر واحد،، کو اس کی تفسیر یا بیان قرار دے کر حکم کو مقید کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مندرجہ بالا قول خبر واحد کے درجے میں ہے اور یہ قول مذکورہ بالا آیت میں مذکور ''مجمل حکم،، کی تفسیر یا بیان ہے۔ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکم میں مرفوع کے ہے، کیونکہ مقادیر (شرعی) کا تعین قیاس سے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ موقوف علی الوحی ہوتی ہیں۔ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا محض اپنے قیاس اور رائے سے ''الی قدر معلوم،، کو دو سال سے تعبیر نہیں کر سکتی تھیں، جب تک کہ انھوں نے آنحضرت (صلعم) سے یہ قول نہ سنا ہوتا۔

---

(۳۰) ۷۷ : ۲۲-۲۰ (المرسلت)
''الم نخلقکم من ماء مھین ۔ فجعلناہ فی قرار مکین ۔ الی قدر معلوم،،

محاکمہ :

حمل کی زائد سے زائد مدت کے تعین کے مسئلے میں احناف کا یہ موقف اصولی طور پر صحیح ہے کہ وہ امور جن پر قیاس جاری نہیں ہوتا بلکہ خالص شرعی مسائل ہیں اور جن امور میں قرآن و سنت سے کوئی تصریح نہیں پائی جاتی، ان میں صحابی کا قول حجت ہوگا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدت حمل کی تعیین ایک طبعی امر ہے ، شرعی نہیں، بلکہ اس پر شرعی احکام جاری ہوں گے ۔ فقہاء کرام کا یہ استدلال جن امور پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں وہ تمام امور اگر مقداری ہیں تو ان پر قیاس جاری نہیں ہو گا بلکہ صحابی کا قول کو حجت ماننا پڑے گا، کلی طور پر صحیح نہیں ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض مقادیری امور خالص شرعی ہوتے ہیں جیسے تعداد صلوۃ و صوم و اوقات صلوۃ وغیرہ۔ ان مقادیر میں اصولی طور پر عقل کو کوئی دخل نہیں، اس لیے کہ یہ صرف شارع کی تعلیم پر منحصر ہیں ۔ لیکن بعض مقادیری امور طبعی ہوتے ہیں اگرچہ ان پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں ۔ ایسے مقادیری امور جو طبعی ہوں ان کا طریقہ علم مشاہدہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ مدت حمل ایک ایسا ہی طبعی مقدار کا مسئلہ ہے جس کا علم اصولی طور پر مشاہدہ کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے اور جب مشاہدہ کے ذریعہ مدت حمل کی مقدار کی تعیین ہوگئی تو اس پر شرعی احکام کا اطلاق کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے بحالت مرض موت ہبہ کا حکم شرعی۔ یہ ایک حکم شرعی ہے کہ مرض الموت میں واہب کے ہبہ پر احکام وصیت کا اطلاق کیا جائے گا، لیکن کون سا مرض، مرض الموت ہے، یہ علم طب کے ذریعہ معلوم ہوسکتا ہے۔ چونکہ مدت حمل کی مقدار کی تعیین ان امور سے ہے جن کا انحصار مشاہدہ طبعی پر ہے اس لیے ان میں قیاس کو دخل ہے ۔ بناء بریں اس مسئلہ میں صحابی یا صحابیہ کا قول واجب العمل نہ ہونا چاہئے ۔

نتیجہ' فکر :

دراصل اختلاف اس میں ہے کہ مدت حمل کی تعیین کا مسئلہ قیاسی ہے

یا غیر قیاسی۔ بالفاظ دیگر اس کا انحصار عقل، مشاہدہ، تجربہ و علم طب پر ہے یا نہیں۔ احناف اس کو غیر قیاسی امور میں داخل کرتے ہیں جب کہ ائمہ ثلاثہ اس کو ایسے امور میں داخل کرتے ہیں جن میں قیاس کو دخل ہے۔ احناف اس ضمن میں حضرت عائشہ کی حدیث کے سبب اس کو امر شرعی قرار دے رہے ہیں، جب کہ ائمہ ثلاثہ حضرت عائشہ کی حدیث کو محض ان کی ذاتی رائے قرار دیتے ہیں۔

اسلام اپنے بنیادی اخلاقی تصورات کے تحت بچہ کو صحیح النسب قرار دینے میں معمولی سے معمولی حجت کو بھی گوارا کرتا ہے تاکہ بچے کو اپنے والدین کی صحیح اولاد تسلیم کیا جا سکے۔ اس میں بہت سے سماجی فوائد اور تحفظات مضمر ہیں۔ اسی لیے شرع اسلام میں نکاح فاسد و وطی بالشبہ کو بھی بعض صورتوں میں ثبوت نسب کی حجت قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ''الولد للفراش و للعاهر الحجر،، ایک اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ فقہاء امت نے مسئلے کی تفصیلات مرتب کرنے میں پوری توجہ اس طرف مرکوز کی ہے کہ بچہ صحیح النسب قرار دیا جائے۔ اس پس منظر میں جب ہم زائد سے زائد مدت حمل کے مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ فقہاء نے بعید الوقوع صورتوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک حمل کی انتہائی مدت کے بارے میں حضرت عائشہ کی محولہ بالا حدیث پر اس مسئلے کا مدار رکھنا ہی انسب اور قرین صواب ہے۔ وضع حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال قرار دینے میں مصلحت یہ ہے کہ محض کسی عورت کا ایک سال سے زائد (اور یہ مدت دو سال تک ہو سکتی ہے) مدت میں بچے کو جننا بجائے خود بچے کے لیے غیر صحیح النسبی کے مترادف نہ ہوگا کیونکہ عام مدت میں بچہ کی پیدائش سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں بلکہ غیر معمولی مدت میں پیدائش ایک مسئلہ ہے جو روز مرہ کے واقعات کے خلاف ہے اس لیے اس پر شرعی حکم کی ضرورت لاحق ہو گی۔ البتہ اگر مدت حمل کے مسئلے کو مدرک بالقیاس ہی تسلیم کیا جائے تو پھر ایک سال مدت حمل قرار دینا صحیح ہوگا

لیکن ساتھ ہی یہ امر مسلمہ ہے کہ دو سال میں وضع حمل کے واقعات شاذ ہی دیکھنے میں آتے ہیں ۔ بناء بریں اس خطرے کے سدباب کے لیے کہ ولد الزنا میت کی میراث حاصل نہ کرے باغراض وراثت مدت حمل کو اس پر مشروط کر دیا گیا کہ عورت نے اپنی عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔

چنانچہ احناف کے نزدیک بالاتفاق اگر کوئی شخص اپنی وفات کے وقت اپنی زوجہ کو حاملہ چھوڑ کر وفات پاجائے تو بچے کے دو سال کے اندر پیدا ہونے کی صورت میں یہ حمل میت کا وارث ہوگا بشرطیکہ عورت نے انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو۔ اسی طرح میت کے دوسرے اقرباء بچے کے وارث ہوں گے ۔ لیکن اگر انتہائی مدت حمل سے بھی زائد مدت میں پیدا ہوا، یا عورت نے دو سال کے اندر انقضائے عدت کا اقرار کر لیا تو اب نہ بچہ وارث ہوگا اور نہ میت کی نسبت سے بچے کا کوئی دوسرا قرابت دار اس کا وارث ہوگا، کیونکہ اس صورت میں یہ امر متحقق ہو جائے گا کہ بچہ موت کے وقت حمل میں موجود نہ تھا اس لیے نہ نسب ثابت ہوگا اور نہ میراث ملے گی۔ یہ وہ صورت ہے جب کہ بچہ خود میت کی اپنی زوجہ کا ہو اور دونوں کے درمیان موت کے وقت نکاح قائم ہو۔

لیکن میت کی اپنی زوجہ کا حمل نہ ہو بلکہ میت کے ورثاء میں سے کسی کی زوجہ کا حمل ہو۔ مثلاً باپ، دادا، یا کسی دیگر وارث کی زوجہ میت کی موت کے وقت حاملہ تھی اور یہ عورت موت سے پورے چھ ماہ یا اس سے کم مدت میں بچہ جنے تو اس صورت میں یہ بچہ میت کا وارث ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ بچہ موت کے وقت بطن مادر میں موجود تھا۔ لیکن چھ ماہ سے زیادہ مدت میں اس عورت کے بچہ پیدا ہوا تو احناف کے نزدیک وارث نہ ہو گا، کیونکہ موت کے وقت حمل کا موجود ہونا یقینی نہیں رہتا ۔ (ہو سکتا ہے کہ حمل میت کی وفات کے بعد ٹھرا ہو) ۔ مزید برآں اس صورت میں بچے کو میت کی موت کے وقت حمل میں موجود تصور کر لینے کی مجبور کر دینے والی ضرورت بھی موجود نہیں، اس لئے اس کو ورثہ نہیں ملے گا ۔ بخلاف اس پہلی صورت کے، کہ وہ میت کی اپنی ذات کا معاملہ تھا اور اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ

میت سے اس کے بچے کا نسب ثابت کیا جائے اور بچے کو ولد الزنا ہونے سے محفوظ رکھا جائے۔ اس لیے انتہائی مدت حمل کا اعتبار کر کے اس کی طرف نسبت کی گئی، جب کہ دوسری صورت میں میت کے علاوہ دوسرے کا نسب خود بخود ثابت ہونا چاہئے۔(۳۱)

غیر میت کی زوجہ کا حمل:

احناف کا میت اور غیر میت کی زوجہ کے حمل کی انتہائی مدت میں بہ اغراض وراثت مندرجہ بالا تفریق اصول قیاس پر مبنی ہے۔ اگرچہ غیر میت کی زوجہ کے حمل کا نسب باغراض تعیین نسب میت کے انتقال کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے کے بعد بھی (حمل کی انتہائی مدت، دو سال کے اندر) ثابت ہے مگر باغراض وراثت غیر، احتیاط کی بناء پر اسے میراث سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ یہ حکم اس امکان کے پیش نظر ہے کہ مبادا غیر میت کی زوجہ کا حمل (میت) کی وفات کے بعد قرار پایا ہو۔

حمل کے لئے ترکہ کی مقدار:

اس مسئلہ میں کہ حمل کے لیے ترکہ کا کتنا حصہ روکا جائے، ائمہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف نہ صرف امام ابو حنیفہ اور صاحبین بلکہ ائمہ ثلاثہ کے درمیان بھی ہے۔

حنفیہ مسلک:

اس امر میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر مرے تو حمل کے لیے ترکہ کا کس قدر حصہ روکا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک چار لڑکے یا چار لڑکیوں میں سے جس کا حصہ زیادہ ہو وہ حمل کے لیے محفوظ رکھا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کو چار بچوں تک ایک حمل میں پیدا ہونے کا عملی ثبوت ملا تھا۔ امام خصاف نے امام ابو یوسف سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک بیٹے یا بیٹی کے حصے میں

(۳۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۵۴ - ۵۰۔

جس کا بھی حصہ زیادہ ہو اسی کو حمل کے لیے روک رکھا جائے۔ امام ابو یوسف کا دوسرا قول یہ ہے کہ دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کا حصہ، جونسا بھی زیادہ ہو، اٹھا رکھا جائے۔ اسی قول کو امام محمد الشیبانی سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

امام ابو یوسف کے متذکرہ بالا دو اقوال میں ایک بیٹے یا ایک بیٹی کے حصے میں سے جو حصہ زائد ہو اس کے روکے جانے والا قول اصح ہے اور اسی پر فتوی ہے، کیونکہ اکثر حمل سے ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے حاملہ بیوی چھوڑ کر وفات پائی اور اس کا ترکہ حمل کے پیدا ہونے سے پہلے تقسیم کیا جائے تو اس صورت میں حمل کو لڑکا یا لڑکی فرض کیا جائے گا جو اس کے حق میں بہتر ہو، یعنی اگر لڑکا فرض کرنے سے اس کو زیادہ حصہ ملتا ہے تو اس کو لڑکا قرار دے کر اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا اور اگر لڑکی فرض کر کے زیادہ حصہ ملتا ہو تو اس کو لڑکی قرار دے کر اس کا حصہ محفوظ رکھیں گے۔ مثال کے طور پر ایک شخص بیوی، بیٹا اور حمل چھوڑ کر مرا۔ اگر حمل کو لڑکا فرض کیا جائے تو اس صورت میں بیوی کا آٹھواں حصہ دے کر باقی سات حصوں میں دونوں بھائی شریک ہو جاتے ہیں اور اگر حمل کو لڑکی فرض کیا جائے تو بیوی کا آٹھواں حصہ نکال کر لڑکی باقی سات حصوں میں سے تہائی کی مستحق ہوگی۔ اس صورت میں چونکہ لڑکا فرض کرنے سے زیادہ حصہ ملتا ہے اس لیے حمل کو لڑکا فرض کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف ایک عورت اپنی ماں، شوہر، ایک اخیافی بہن اور ایک سوتیلی ماں کا حمل چھوڑ کر مری اس صورت میں حمل کو لڑکی یعنی علاتی بہن فرض کیا جائے تو ذوی الفروض کی حیثیت سے نصف ترکہ کی مستحق ہوگی اور مسئلہ چھ سے ہو کر آٹھ کی طرف عول کرے گا اور اگر اس کو لڑکا یعنی علاتی بھائی فرض کیا جائے تو عصبہ ہوکر اس سے کم تر حصے کا مستحق ہوگا۔ اس لیے مندرجہ بالا صورت میں حمل کو علاتی بہن فرض کر کے اس کا نصف حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔

امام شافعی کے نزدیک حمل کی صورت میں کسی وارث کو حصہ نہ

دیا جائے گا۔ البتہ کسی خاص وارث کو جس کا حصہ حمل کے لڑکے یا لڑکی یا ایک سے زائد ہونے کی صورت میں تبدیل نہ ہوتا ہو دیا جا سکتا ہے۔

دراصل حمل کی صورت میں حصہ روکنے کے لیے دیگر ورثاء کی موجودگی کا لحاظ از بس ضروری ہے کہ وہ کس درجہ کے ورثاء ہیں۔ لڑکے یا لڑکی پیدا ہونے کے سبب ان کے حصوں میں حجب حرمان یا حجب نقصان پیدا ہونے کا امکان پایا جاتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے مطابق ترکہ کی مقدار روک لینی چاہئے۔ لیکن کل ترکہ کی تقسیم کو روکے رکھنا بالعموم منفعت کے مقابلے میں ضرر کا موجب ہوتا ہے البتہ بعض ناگزیر صورتوں میں کل ترکہ بھی روکا جا سکتا ہے۔

احناف کے نزدیک حمل کے مستحق میراث ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ زندہ پیدا ہو۔ اس امر کے معلوم کرنے کا طریقہ، کہ حمل زندہ پیدا ہوا ہے، یہ ہے کہ اس کی آواز نکلے، درآں حالے کہ وہ چیختا ہوا ہو یا اس کی چھینک سنی جائے یا انفصال کے بعد اس کے بعض اعضا حرکت کرتے ہوں۔ اگر بچے کے بعض اعضا نکلے درآں حالے کہ وہ حرکت کر رہا تھا تو اگر اس کے اکثر اعضا نکلے تو کہا جائے گا کہ یہ اس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے اور اگر کم اعضا نکلے اور ان اعضا میں سے ایک عضو نے حرکت کی تو یہ اس بات کی دلیل نہ ہوگی کہ وہ زندہ تھا۔ اگر آدھے سے زائد زندہ نکلا پھر مرگیا تو وہ وارث ہوگا کیونکہ اکثر کے واسطے کل کا حکم ہوتا ہے۔ بچے کے اکثر حصے یا اقل حصے کی پہچان اس طرح ہوگی کہ بچہ سیدھا پیدا ہوا ہو یعنی پہلے بچہ کا سر برآمد ہوا تو سینہ تک برآمد ہونے پر اکثر حصہ برآمد شدہ مانا جائے گا، اور اس سے کم قلیل درجہ۔ اور اگر پاؤں کی جانب سے برآمد ہو تو ناف تک برآمد ہوجانا اکثر حصہ متصور ہوگا اگر ناف تک ظاہر نہ ہوا تو وارث نہ ہوگا۔(۳۲)

---

(۳۲) شریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۳
البحر الرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۴ھ، محولہ بالا، ج ۸، ص ۵۰۳

حمل کے مردہ پیدا ہونے کی صورت میں میراث نہ دئے جانے کا سبب یہ ہے کہ وراثت ایک خلافت ہے اور ایک معدوم شخص کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی کا خلیفہ ہوتا ہے، کیونکہ خلافت کا ادنی درجہ ''موجود ہونا،، ہے،، اور خلافت اس وقت تک متحقق نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی صفت وجود نہ پائی جائے۔ (اور صفت وجود حیات پر مبنی ہے)۔ چونکہ ایک میت دوسری میت کی خلیفہ (قائم مقام) نہیں ہوسکتی اس لیے وہ حمل جو مردہ برآمد ہوا ہو میت کا وارث نہیں ہوسکتا۔ دراصل حمل کیلئے جو ورثہ رکھا جاتا ہے اس کے لیے بہ اعتبار مآل (نتیجہ) زندگی کا حکم عطا کیا جاتا ہے۔ جب نتیجہ میں وہ مردہ برآمد ہو تو نتیجہ کا اعتبار کرتے ہوئے میت کا وارث نہ ہوگا۔

لیکن جب حمل مردہ برآمد ہو تو وہ اس وقت وارث نہ ہوگا جب کہ جنین بطن مادر سے خود جدا ہوا ہو۔ اگر حاملہ عورت کے پیٹ میں اس طرح ضرب پہنچائی گئی جس سے اس کا حمل (جنین) ساقط ہوگیا ہو اور وہ حمل (جنین) مادر سے جدا کیا گیا تو منجملہ وارثوں کے قرار دیا جائے گا، کیونکہ شرع نے اس ضرب پہنچانے والی پر تاوان واجب کیا ہے اور تاوان کا واجب ہونا اسی وقت ہوتا ہے کہ جب زندہ پر جنایت کی جائے۔ مردہ پر جنایت کا تاوان واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب اس کے زندہ ہونے کا حکم دیا گیا تو اس کو میراث ملے گی اور اس کا حصہ (بوجہ مرگ) اس کے وارثوں میں اسی طرح تقسیم کیا جائے گا جس طرح کہ اس کی جان کا بدلہ (دیت) اس کے وارثوں کے واسطے اس کی میراث قرار پاتا ہے۔(۳۳)

ائمہ ثلاثہ کا مسلک:

ہر سہ ائمہ کے نزدیک وراثت حمل میں احناف کی مانند زندہ متولد ہونا شرط ہے، لیکن ان سب حضرات کے نزدیک اس وقت زندہ تصور کیا جائے گا

(۳۳) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۴۹ - ۵۰
خلاصۃ الفتاوی، طاہر بن محمد، جلد دوم محولہ بالا، صص ۳۲۰ - ۲۱

جب کہ پورے طور پر بطریق معمول روتا اور چلاتا ہوا پیدا ہوا ہو۔ محض بعض اعضا کے ظاہر ہونے اور آواز نکلنے پر زندگی اور وراثت کا حکم نہ دیا جائے گا۔

حمل کے لیے حصہ روک لینے میں ائمہ اربعہ متفق ہیں۔ اختلاف حصہ کی مقدار میں ہے۔ امام شافعی کی اس روایت کے مطابق جو ابن ربیع سے منقول ہے چار بچوں کے حصے کی مقدار روکی جائے گی اور دوسری روایت کے مطابق اگر حمل کے ماسوا میت کا کوئی دوسرا وارث ایسا موجود ہے جو ایسے حصہ کا مستحق ہے جو ناقابل تغیر ہے تو اس کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ روک لیا جائے گا اور اگر ایسا وارث ہے جس کا حصہ مقرر نہیں ہے تو کل ترکہ حمل کے پیدا ہونے تک روک رکھا جائے گا۔(۳۴)

امام مالک امام شافعی سے متفق ہیں (۳۵) امام احمد کے نزدیک اگر لڑکوں کا حصہ ترکہ سے زیادہ مقدار میں نکلتا ہو تو دو لڑکوں کا حصہ روک لیا جائے گا اور اگر لڑکیوں کے حصے کی مقدار زیادہ ہو تو وہ روک لیا جائے گا۔(۳۶)

ظاہریہ مسلک :

ظاہریہ کے نزدیک جو بچہ مورث کی موت کے بعد پیدا ہوا اس کی حیات جس طرح سے بھی ثابت ہو وہ وارث ہوگا، خواہ اس کا زیادہ حصہ زندہ پیدا ہوا ہو یا بعض قلیل حصہ، خواہ آواز نکالی ہو یا نہ نکالی ہو۔ چھینک آئی ہو یا نہ آئی ہو، بلکہ صرف آنکھ یا ہاتھ یا جسم کے کسی عضو کی حرکت جو زندگی کا ثبوت بہم پہونچاتی ہو تمام حالات میں بچہ وارث ہوگا اور مورث بھی۔(۳۷)

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک جب کہ بچہ زندہ ہو یا کسی دست اندازی

---

(۳۴) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۱۹۴ - ۱۹۵ (ماخوذ) المہذب (فقہ شافعی)، ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۲

(۳۵) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، محولہ بالا، ص ۳۳۹

(۳۶) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۹۵

(۳۷) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۷۶

کے بغیر یا دست اندازی کی بنا پر ساقط ہوا اور پیدا ہونے کے بعد زندوں جیسی حرکت کی ہو تمام صورتوں میں وارث ہوگا، البتہ اگر نصف زندہ ہو اور نصف مردہ حالت میں تو وارث نہ ہوگا۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ بچے کے جسم میں ایسی حرکت ہوئی ہو جیسی ایک مذبوح کے جسم میں ذبح ہونے کے بعد واقع ہوتی ہے (یعنی پھڑکنا) تب بھی وارث نہ ہوگا۔(۳۸)

اسلامی ممالک کے قوانین میں ترکہ کی مقدار کا تعین :

مصر کے قانون میں اس امر کی تصریح کر دی گئی ہے کہ حمل کے لیے لڑکے یا لڑکی کا، دونوں کے حصوں میں جو زیادہ ہو وہ حصہ روکا جائے گا۔(۳۹) باغراض وراثت مصری قانون میں میت اور غیر میت کے حمل کی مدت میں فرق رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اگر حمل میت کی زوجہ کا ہے تو ولادت حمل کی آخری مدت مورث کی وفات یا تفریق سے ۳۶۵ دن مقرر کی گئی ہے جب کہ غیر میت کی زوجہ کی ولادت حمل کی مدت معتدہ ہونے کی صورت میں ۳۶۵ دن اور حالت زوجیت میں مورث کے یوم وفات سے ۲۷۰ دن مقرر کی گئی ہے (۴۰)

معمولی لفظی تغیر کے ساتھ تقریباً یہی قانون شام، تیونس اور مراکش میں بھی رائج ہے۔ شام کے قانون الاحوال الشخصیہ کے تحت میراث پانے کے لیے انھیں شرائط کا اعتبار کیا گیا ہے جو ثبوت نسب کے لیے لازمی ہیں جن کا ذکر قانون الاحوال الشخصیہ کتاب ثالث کے باب اول کی دفعات ۱۲۸

---

(۳۸) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۹۷

(۳۹) قانون المواریث، مصر، ۷۷، بابت ۱۹۴۳ء، دفعہ ۴۲
''یوقف للحمل من ترکۃ المتوفی اکثر النصیبین علی تقدیر انہ ذکر اوانثی۔''
''اذا توفی الرجل عن زوجتہ او عن معتدتہ فلا یرثہ حملها الا اذا ولد حیا لخمسۃ و ستین و ثلثمائۃ یوم علی الاکثر من تاریخ الوفاۃ اوالفرقۃ۔''

(۴۰) قانون المواریث، مصر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ء دفعہ ۴۳ : ولا میراث للحمل غیرابیہ الا فی الحالتین : اولی، ان یولد حیا لخمسۃ و ستین و ثلثمائۃ یوم علی الاکثر من تاریخ وفاۃ المورث اثناء العدۃ۔ الثانیۃ، ان یولد حیا لسبعین ومائتی یوم علی الاکثر من تاریخ وفاۃ المورث ان کان من زوجیۃ قائمۃ وقت الوفاۃ''

تا ۱۳۳ میں کیا گیا ہے جن کے تحت انتہائی مدت حمل ایک سال ہے۔(۴۱)
مذکورہ ممالک کے قوانین کی متعلقہ دفعات حسب ذیل ہیں :-

مصری قانون :

دفعہ ۴۲۔ متوفی کے ترکہ سے مرد یا عورت وارث کے حصوں میں سے جو حصہ مقدار میں زیادہ قرار پاتا ہو وہ حمل کے لیے محفوظ کرلیا جائے گا۔

دفعہ ۴۳۔ جب کوئی شخص اپنی زوجہ یا معتدہ کو چھوڑ کر فوت ہوگا تو اس کا حمل اس حالت میں وارث ہوگا جب کہ وفات یا فرقت کی تاریخ سے زائد ۳۶۵ یوم میں زندہ پیدا ہوجائے، اور حمل اپنے باپ کا حسب ذیل دو حالتوں میں وارث ہو سکے گا :

(اول) یہ کہ حمل تاریخ موت یا فرقت سے ۳۶۵ کے اندر زندہ پیدا ہو جب کہ اس کی ماں معتدۂ وفات یا معتدۂ فرقت ہو، اور معتدہ فرقت کے حمل کی صورت میں مورث عدت کے درمیان وفات پاگیا ہو۔

(دوم) یہ کہ ۲۷۰ یوم میں تاریخ وفات مورث سے منکوحہ زوجہ غیر کے پیدا ہوا ہو، جس کا نکاح بوقت وفات قائم ہو۔

دفعہ ۴۴۔ اگر وہ حصہ جو حمل کے لیے محفوظ کیا گیا تھا اس کے لئے کم ثابت ہو تو اس کے مکمل کرنے کے سلسلے میں اس وارث کی جانب رجوع کیا جائے گا جس کا حصہ دیگر ورثاء کے مقابلے میں زائد ہو۔ اور جب محفوظ کیا ہوا حصہ زائد ثابت ہو تو زائد حصہ اس وارث کو دیا جائے گا جو اس زائد کا مستحق ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۹۹ - حمل کے لیے متوفی کے ترکے سے مرد و عورت کے حصے سے جو بڑی مقدار کا حصہ ہو وہ روک لیا جائے گا۔

---

(۴۱) قانون الاحوال الشخصیہ، شام ۱۹۵۳ء، دفعات ۳۰۱-۲۹۹
تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب ''مجموعہ قوانین اسلام''، جلد سوم، ۱۹۶۹ء
صص ۶۶-۸۶۳ اور ۸۵۶

دفعہ ۳۰۰ ۔ جب کوئی شخص اپنی زوجہ چھوڑ کر یا معتدہ چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس زوجہ کا حمل اس وقت تک وارث نہ ہوگا جب تک کہ وہ قانون ھذا کے ثبوت نسب کے شرائط کے ساتھ زندہ نہ پیدا ہو جائے۔

دفعہ ۳۰۱ ۔ (۱) حمل پیدا ہونے کے بعد جب اس حصہ سے زیادہ کا مستحق ثابت ہو جو اس کے لیے روک رکھا گیا تھا تو وارثوں میں سے جس کو زیادہ مقدار کا حصہ ملا ہو، اس کے حصہ سے حمل کا حق پورا کیا جائے گا۔

(۲) اور جب روک رکھا گیا حصہ زیادہ ہو تو زائد کو مستحق وارث پر لوٹا دیا جائے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۴۷ ۔ حمل کے لیے میت کے بیٹے یا بیٹی کے حصہ میں سے جو زائد ہو وہ حصہ روک لیا جائے گا، جب کہ حمل ورثاء کے ساتھ وراثت میں شریک ہو یا ان کے لیے حاجب بہ حجب نقصان ہو، لیکن اگر حجب حرمان کا سبب ہو تو پورا ترکہ محفوظ رکھا جائے گا، تقسیم نہ کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۴۸ ۔ جب حمل وراثت میں شریک ہو یا حجب نقصان کا سبب ہو تو جس وارث کا حصہ فرض متغیر نہیں ہوتا اس کو، اس کا حصہ دے دیا جائے گا، اور جس وارث کا حصہ زائد سے کم کی جانب متغیر ہوتا ہو اس کو اس کم درجہ کا دیا جائے گا، اور حمل کی مذکورہ دو حالتوں میں جو وارث ساقط ہوتا ہو وہ محروم کر دیا جائے گا۔

دفعہ ۱۴۹ ۔ جب کہ عورت حمل کی دعویدار ہو اور ورثاء اس کی تکذیب کرتے ہوں تو اس معاملے کو اطباء ماہرین کے سپرد کردیا جائے گا۔

دفعہ ۱۵۰ ۔ جب کوئی شخص اپنے بعد زوجہ یا معتدہ چھوڑے تو اس کا حمل اس وقت وارث ہوگا جب کہ مدت معروفہ میں وضع (حمل) ہو جائے۔

اور حمل مسطورۂ ذیل دو حالتوں کے علاوہ اپنے باپ کے غیر کا وارث نہ ہوگا :

(اول) یہ کہ باپ کی موت یا فرقت کے وقت سے ۳۶۵ یوم میں زندہ پیدا ہوا ہو، بشرطیکہ اس کی ماں معتدہ موت یا معتدہ فرقت ہو اور مورث (معتدۂ فرقت کی حمل کی صورت میں) عدت کے دوران وفات پا گیا ہو۔(۳۲)

(دوم) یہ کہ مورث کی وفات کے بعد زائد سے زائد ۲۷۰ یوم میں پیدا ہو اور زوجیت کا تعلق بوقت وفات قائم ہو۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۸ - بچہ جب آواز نکالتا ہوا پیدا ہو گا وارث ہو گا، ورنہ وارث نہ ہوگا۔

مفقود کی میراث

۲۹۳ - مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جس کی موت و زیست کی کوئی اطلاع نہ ہوسکے حمل کی طرح اس کا حصہ میراث اس کے لئے روک رکھا جائیگا۔

۲ - اگر حاضر ورثاء میں سے مفقود کسی کے لئے حاجب ہوتا ہے تو کل مال تقسیم سے روک رکھا جائیگا اور اگر کسی کے لئے حجب حرمان کا سبب نہیں ہوتا تو ہر وارث کو مفقود کے حصہ کے بقدر کم کر کے تقسیم کیا جائیگا۔

۳ اگر مفقود کی حیات ثابت ہو جائے اور وہ زندہ واپس آ جائے تو اس کا حصہ اس کو دے دیا جائے گا۔

۴ جب کہ اس کی موت کا حکم دے دیا جائے تو مفقود کا وہ حصہ اس کے ان موجودہ ورثا میں تقسیم کر دیا جائے گا جو موت کے حکم کے وقت موجود ہوں گے موت کا حکم دینے سے قبل جن لوگوں کا انتقال ہو چکا ہوگا وہ وارث ہوگا۔

تشریح

وہ گم شدہ شخص جس کی زندگی اور موت کا تلاش کے باوجود کوئی پتا نہ چل سکا ہو کہ وہ زندہ ہے یا مردہ یعنی اس کا زندہ یا مردہ

(۳۲) تونس کے قانون کی متذکرہ دفعہ ۵۰ قانون مصر کے مطابق ہے ملاحظہ ہو مجلۃ الاحوال الشخصیۃ تونس ۱۹۵۶ء)۔

ہونا کچھ معلوم نہ ہو یا دشمن گرفتار کرکے لیے گیا ہو یا شکار میں نکلا اور پھر کچھ پتا نہ چل سکا ہو مفقود کی تعریف میں داخل ہے - (۴۳)

امام سرخسی نے اپنی مشہور تصنیف ''المبسوط،، مین لکھا ہے کہ مفقود کی حیثیت ایک ایسے بچے کی مانند ہے جو ابھی رحم مادر میں ہو- جس کی زندگی اور موت میں تردد ہوتا ہے کہ آیا زندہ ہے یا مردہ -(۴۴)

مفقود کی میراث کے مسئلے کی فقہی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے مال کے بارے میں زندہ تصور کیا جاتا ہے لیکن دوسرے کے مال کے حق میں اس کو مردہ تصور کیا جاتا ہے - یعنی مفقود کے مال میں اس وقت تک تصرف نہ کیا جائے گا جب تک کہ اس کی زندگی یا موت کا یقینی علم نہ ہو جائے - لیکن اگر شخص مفقود کا کوئی مورث مر جائے تو متوفی کے مال سے مفقود کا حصہ نکال کر بطور امانت رکھدیا جائے گا، جس طرح کہ حمل کا حصہ رکھ دیا جاتا ہے - کیونکہ مفقود کی حیات درجہ علم مین ہے اور جو اس علم کے درجے میں ہو اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اس کو اسی علم کی حالت پر باقی رکھا جائے - مفقود کی حیات کا حکم استصحاب حال کے قاعدے ''ابقاء ما کان علی ما کان،، پر دیا گیا ہے - یعنی جو چیز (مشاھدے اور احساسات میں) جس حالت پر تھی جب تک اس کے خلاف یقینی ثبوت نہ مل جائے اس کو سابقہ حالت ھی پر تصور کیا جائے گا- چونکہ وہ شخص مفقود ہونے کے وقت زندہ رہ کر غائب ہوا تھا اس لیے اسی حالت پر باقی رھنا تصور کیا جائے گا- استصحاب حال دفع ضرر کی حجت تو ہو سکتا ہے لیکن کسی ایسے امر کے ثابت کرنے کی حجت نہیں ہوتا، جو پہلے ثابت نہ ہو- اس لیے قاعدہ شرعی ''ابقاء ما کان علی ما کان،، کے تحت مفقود اپنے مملوکہ مال مین زندہ تصور کیا جائے گا- البتہ دوسرے کے مال مین اس کی حیات ثابت نہ ہو گی- استصحاب مستحق ہونے کے ثبوت کی دلیل نہیں ہو سکتا، بلکہ دفع ضرر کی دلیل ہوتا ہے - چونکہ مفقود کی موت

(۴۳) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۷

(۴۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۵
الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۳۸ - ۱۳۷

و حیات محتمل ہے اس وجہ سے دوسرے کے مال میں اس کا حصہ بنظر احتیاط امانت کے طور پر رکھا جائے گا اور زیر تقسیم نہ لایا جائے گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دو لڑکیاں اور ایک لڑکا مفقود چھوڑکر فوت ہو گیا اور ترکہ دونوں بیٹیوں کے قبضہ میں ہے اور اس مفقود لڑکے کی اولاد میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بھی موجود تھا نیز ان تمام ورثاء کو اس مفقود کے مفقود ہونے کا اقرار تھا، ان تمام لوگوں نے حاکم عدالت کے سامنے وراثت کا دعوی پیش کیا، حاکم عدالت کے لیے یہ امر جائز نہ ہوگا کہ میت کی بیٹیوں کے قبضہ سے لے کر اس کوتقسیم کردے بلکہ مفقود کا متروکہ نصف بیٹیوں کے قبضہ میں بطور ملکیت رہے گا اور باقی نصف مفقود کی ملکیت تصور کرتے ہوئے ان کے پاس بطور امانت رکھدیا جائے گا اگر مفقود زندہ ثابت ہو تو یہ حصہ اس کو دے دیا جائے گا اور اگر اس کی حقیقی یا حکمی موت واقع ہوگئی تو اس باقی ماندہ (نصف) میں سے ۱/۶ لے کر دو بیٹیوں کو دیا جائے گا تاکہ تکملۃالثلثین ہو بقیہ ایک تہائی مفقود کی اولاد میں ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے اصول پر تقسیم کر دیا جائے گا۔(۳۰) یہاں دو بیٹیوں کو ۱/۶ اس لیے دیا جا رہا ہے کہ مفقود کے بارے میں یوم دعوی سے سب کا اقرار ہے کہ وہ مفقود ہے۔ البتہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اس کی موت کا حکم کب دیا جائے گا۔

حنفی مسلک :

مفقود کی موت کے حکم کے سلسلہ میں احناف کی ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کی موت کا حکم اس وقت دیا جائے گا جب اس کے ہمعصر و ہم زمان لوگوں میں سے کوئی شخص زندہ نہ رہا ہو۔ ایک روایت ایک سو بیس سال گزرجانے کی ہے اور دوسری سو سال گزرجانے کی ہے لیکن صحیح و مشہور ظاہر روایت یہی ہے کہ جب اس کے ہم عصر مر جائیں تو اس کی موت کا حکم دیا جائے گا۔ چنانچہ جب مفقود کی موت کا حقیقی معنی میں علم ہو جائے یا عدالت کی جانب سے استقرار یہ حکم دے دیا جائے تو اس کی میراث

---

(۳۰) شرح المجلة، الاتاسي، خالد، مطبوعه حمص، ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ع ج ۱، ص ۲۱

کا وہ حصہ جو روک رکھا گیا تھا اس کے ان وارثوں میں تقسیم ہوگا جو بوقت تیقن یا حکم موت موجود ہوں۔ اس حقیقی علم یا حکم عدالت سے پہلے ورثاء میں سے جو لوگ مر چکے ہوں ان کا اس ترکہ سے کوئی تعلق نہ ہو گا، کیونکہ توریث میں یہ شرط ہے کہ مورث کی موت کے بعد وارث زندہ موجود ہو۔ لہذا مفقود کی موت کا جس وقت یقینی علم ہوا یا حکم دیا گیا اس وقت جو وارث زندہ ہوں گے وہ ترکہ کے مستحق ہوں گے۔ (۳۶)

مالکی و شافعی مسلک :

امام مالک و امام شافعی کا بھی اس حکم میں احناف سے اتفاق ہے کہ مفقود کا مال اس وقت تقسیم نہ کیا جائے گا جب تک اس کی یقینی یا حکمی موت ثابت نہ ہو جائے۔

حنبلی مسلک :

امام احمد ابن حنبل کے نزدیک ایسے حالات میں جن کے تحت مفقود کی ہلاکت کا غالب احتمال ہوتا ہے مثلاً جنگ کی صفوں میں شامل ہونے والا، یا ایسی جماعت میں شامل ہونے والا جس کی ہلاکت مجموعی طور پر واقع ہوگئی ہو یا جہاز ڈوب گیا ہو اور وہ اس میں سفر کر رہا ہو یا کسی ایسے جنگل یا بن میں گیا ہو جہاں لوگ بالعموم ہلاک ہوجاتے ہوں وغیرہ وغیرہ، ایسے مفقود کا چار سال تک انتظار کرنے کے بعد اس کا مال اس کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۳۷) لیکن وہ شخص اگر ایسے حالات میں مفقود ہوا ہے جن میں ہلاکت کا احتمال غالب نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں امام احمد ابن حنبل سے متعدد روایات منقول ہیں :-

(۱) یہ کہ موت کے ثبوت تک مال تقسیم نہ کیا جائے جیسا کہ دیگر ائمہ کا مذہب ہے۔

---

(۳۶) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۳ - ۵۵
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۳۸ - ۱۳۷
خلاصۃ الفتاوی، طاہر بن محمد، مطبوعہ دہلی، جلد دوم، ص ۳۲۰

(۳۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۰۵

(۲) یہ کہ ولادت کے وقت سے ۹۰ سال کی مدت تک انتظار کیا جائے گا، اور

(۳) یہ کہ موت کا تعین حاکم وقت کی صواب دید پر موقوف ہوگا۔(۴۸)

شیعہ امامیہ کا مسلک :

شیعہ امامیہ (اثناء عشریہ) کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے کہ جب تک موت کا یقینی علم نہ ہو اس وقت تک مفقود اپنے مال کا مالک ہوگا اور اس کے مال میں وصیت و دیگر تاوانوں کی ادائیگیاں جو اس کے ذمہ ہوں، کی ایک مد ہے جاتی رہیں گی۔(۴۹)

ظاہریہ مسلک :

ظاہر یہ مذہب حنفیہ، مالکیہ و شافعیہ کے موافق ہے۔(۵۰)

چند نئی صورتیں :

مفقود کے مسئلہ میں بعض ایسی صورتین بھی پیش آسکتی ھین کہ اسے خرکار پکڑ کر لے جائیں، یا وہ شخص اپنی یاد داشت کھو بیٹھے یا کسی نفسیاتی یا سماجی دباؤ کے بڑھ جانے کے سبب خود کو روپوش رکھے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں پاکستان میں قانون سازی کی جائے ۔ فی الوقت فسخ نکاح کے سلسلہ میں ۴ سال کی مدت مقرر ہے لیکن فسخ نکاح اور تقسیم ترکہ کے باب میں فرق ملحوظ رکھنا ہو گا، کیونکہ ان دونوں مسئلوں کی تہ میں جو سماجی عوامل کار فرما ہوتے ہیں وہ مختلف ھین ۔ حکومت کی بہرحال یہ ذمہ داری ہونی چاہئے کہ وہ مفقود شہری کا کھوج لگانے کے لیے سرگرمی کے ساتھ اپنے ذرائع و وسائل استعمال کرے ۔

(۴۸) المحرر فی فقه الحنبلی، ابو البرکات (م ۶۵۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۹۵۰ع، ج ۱، ص ۴۰۶
المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷ صص ۶-۲۰۵
جواھر الاکلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۳۹
(۴۹) الاستبصار، جعفر محمد بن الحسن طوسی (م ۴۶۰ھ)، مطبوعہ نجف، ج ۴، ص ۱۹۷
(۵۰) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۶۳

اسلامی ممالک میں مفقود کی میراث کا قانون :

مصر کے قانون المواریث نمبر ۷۷ بابت ۱۹۴۳ع کی دفعہ ۴۵ کے تحت مفقود کی میراث کے بارے میں قرار دیا گیا ہے کہ مفقود کے واسطے مورث کے ترکہ میں سے اس کا حصہ روکا جائے گا۔ جب وہ زندہ آ موجود ہو تو اپنا حصہ لے لےگا اور اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا ہو تو اس کا حصہ ان ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا جو اس کی موت کے وقت موجود ہوں۔ موت کے حکم کے بعد اگر وہ آ جائے تو اس کا جو حصہ ورثاء کے پاس بچ گیا ہو وہ اس کو لینے کا مستحق ہوگا۔(۵۱)

یہی قانون ملک شام میں رائج ہے (۵۲) البتہ تونس کے رائج الوقت قانون کے تحت ہر وہ شخص جس کی خبر منقطع ہوجائے اور اس کے متعلق یہ معلوم ہونا ممکن نہ ہو کہ وہ زندہ ہے، اس کے بارے میں مفقود الخبر ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔

تونس کے قانون میں مزید قرار دیا گیا کہ جب کوئی شخص بوقت جنگ یا استثنائی (غیر معمولی) حالات میں مفقود ہوجائے تو اس کے لئے غالب گمان یہ کیا جائے گا کہ وہ مرگیا۔ پس اگر حاکم کوئی مدت (اس کے لوٹ آنے کی مقرر کرے تو وہ مدت دو سال سے متجاوز نہ ہو گی۔ پھر اس کو حاکم عدالت مفقود الخبر قرار دے گا اور اگر کوئی شخص ان حالات کے علاوہ مفقود ہو جائے تو اس کی موت کا مسئلہ حاکم کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے گا جو نشر واشاعت کے تمام ذرائع اختیار کر کے تحقیق کرلے کے بعد فیصلہ کرے گا کہ وہ مفقود زندہ ہے یا مردہ۔(۵۳) متعلقہ دفعات حسب ذیل ہیں :۔

---

(۵۱) قانون المواریث مصر، نمبر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ع، دفعہ ۴۵
''یوقف للمفقود من ترکۃ مورثہ نصیبہ فیہا فان ظہر حیاً اخذہ۔ و ان حکم بموتہ رد نصیبہ الی من یستحقہ من الورثۃ وقت موت مورثہ، فان ظہر حیاً بعد الحکم بموتہ اخذ ما بقی من نصیبہ با یدی الورثۃ۔''

(۵۲) قانون الاحوال الشخصیۃ، شام، ۱۹۵۳ع، دفعہ ۳۰۳

(۵۳) مجلۃ الاحوال الشخصیۃ، تونس، فصل ۸۱
''یعتبر مفقوداً کل من انقطع خبرہ ولم یمکن الکشف عنہ حیاً
''اذا فقد الشخص فی وقت الحرب او فی حالات استثنائیۃ یغلب فیہا الموت فان الحاکم یضرب اجلاً لا یتجاوز العامین للبحث عنہ ثم یحکم بفقدانہ و اذا فقد الشخص فی غیر تلک الحالات فیفوض امرہ التی یحکم بموت المفقود بعد ھا الی الحاکم بعد التحری بکل الطرق الموصلۃ الی معرفۃ ان کان المفقود حیاً اومیتا۔'' (فصل ۸۲)

مصری قانون :

دفعہ ۴۵ - مفقود کے لیے اس کے مورث کے ترکہ سے اس کا اپنا حصہ محفوظ کر لیا جائے گا۔ اگر وہ زندہ ثابت ہوا یہ حصہ حاصل کرلے گا، اور اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا تو اس کا محفوظ شدہ حصہ اس کے ان ورثاء کے جانب لوٹا دیا جائے گا جو مورث کے موت کے وقت موجود تھے۔ اب اگر موت کے حکم کے بعد وہ زندہ ظاہر ہوا تو جتنا ترکہ ورثاء کے پاس باقی موجود ہوگا حاصل کر لے گا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۳۰۲ - (۱) مفقود الخبر کے لیے اس کے مورث کے ترکے میں سے اس کا حصہ محفوظ کر لیا جائے گا۔ اگر وہ زندہ ثابت ہوا تو اپنا محفوظ شدہ حصہ حاصل کرلے گا، لیکن اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا تو اب اس کے مورث کی موت کے وقت جو اس کے ورثاء تھے ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

(۲) اگر مفقود حکم موت کے بعد زندہ ثابت ہو گیا ، تو جتنا حصہ باقی ہوگا میت کے ورثاء سے وصول کر لیا جائے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۵۱ - مفقود کے لیے اس کے مورث کے ترکہ سے اس کا اپنا حصہ روک رکھا جائے گا، اگر زندہ ثابت ہوا تو حاصل کرلے گا، اور اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا تو اس کا محفوظ حصہ ان دیگر ورثا کی جانب رد کر دیا جائے گا جو مورث کی موت کے وقت اس کے مستحق ہوں گے۔ اب اگر حکمی موت کے بعد مفقود زندہ ظاہر ہوا تو وہ جس قدر حصہ ورثاء کے قبضہ میں باقی ہوگا حاصل کرلے گا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۰ - مفقود غیر کے حق میں زندہ متصور ہوگا لہذا اس کا مال اس وقت

تک اس کے ورثاء کے درمیان تقسیم نہ کیا جا سکے گا جب تک حاکم اس کی موت کا حکم نافذ نہ کردے، اور اپنی ذات کے حق میں مفقود مردہ متصور ہوگا، لہذا کسی دوسرے (مورث) کا وارث نہ ہوگا، اس کا حصہ اس کی حیات کے متحقق ہونے تک محفوظ رکھا جائے گا۔

اسیر کی میراث

۲۹۳ - (۱) کوئی مسلمان جو کفار کی قید میں ہو اس کی میراث کا وهی حکم ہے جو عام مسلمانوں کی میراث کا ہے - اس کے واپس آنے تک اس کا حصۂ میراث محفوظ رکھا جائے گا -

(۲) اگر زندہ واپس نہ آیا تو اس کا حصۂ محفوظ اس کے ورثاء کا ہوگا۔

(۳) اگر مرتد ہو گیا تو اس کے مال پر مرتد کے احکام مرتب ہونگے

تشریح

احناف کے نزدیک مسلمان اسیر جو کافروں کی قید میں ہو اس کی میراث کا وهی حکم ھے جو عام مسلمانوں کی میراث کا ھے جب تک کہ اس نے اپنا دین نہ چھوڑا ہو، اور اگر اس نے دین اسلام چھوڑ دیا تو اس کا حکم وهی ھے جو مرتد کی میراث کا ھے۔

اگر اس کا مرتد ہونا یا زندگی یا موت کا کوئی حال معلوم نہ ہوا ہو تو اس کا حکم مثل مفقود کے ھے۔ (۵۴)

امام مالک کے نزدیک تمام حالات میں اسیر کی موت یا ارتداد کے وقت تک مال موقوف رکھا جائے گا۔(۵۵)

امام شافعی کے نزدیک اسیر اور مفقود کا ایک حکم ھے ۔(۵۶)

(۵۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۴۲

(۵۵) مدونۃ، امام سحنون (م ۲۴۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ھ، جلد ۸، ص ۱۳۸

(۵۶) المہذب (فقہ شافعی)، ابی اسحاق الفیروزآبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۶

امام احمد بن حنبل اس حکم میں احناف سے متفق ہیں کہ مسلم اسیر دیگر وارثوں کی طرح وارث ہوگا۔(۵۷)

ولد الزنا اور ولد الملاعنہ کی میراث

۲۹۵ - ولد الزنا اور ولد اللعان اپنی ماں کے اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہونگے اور یہ عورت (ماں) اس کی اور اس کے قرابت داروں کی وارث ہوگی ۔ باپ یا اس کے قرابت داروں سے میراث کا کوئی تعلق نہ ہوگا ۔

تشریح

ولد الزنا اس اولاد کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان بلا رشتہ ازدواج ، زنا (بد فعلی) کا نتیجہ ہو۔ جب کہ ولد الملاعنہ اس اولاد کو کہتے ہیں جو مرد کے اپنے زوجہ پر تہمت لگانے اور اور عورت کے انکار کرنے کی صورت میں لعان کے بعد موجود ہو۔ شافعیہ کے نزدیک نفس لعان سے اور حنفیہ کے نزدیک لعان کے سبب قاضی کے دونوں میں تفریق کرادینے سے بچہ کا نسب شوہر سے منقطع ہوکر ماں کی طرف منسوب ہو جاتا ہے ۔ لعان کرنے والی عورت کا بچہ گویا بغیر باپ کے ہوتا ہے ۔ یہی صورت ولد الزنا کی ہے ۔ لہذا ولد الملاعنہ اور ولد الزنا کے عصبہ بھی اس کی ماں کے قرابت دار ہوتے ہیں ۔ یہ دونوں اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں سے میراث پاتے ہیں ۔ اسی بناء پر ولد الزنا اور ولد الملاعنہ کی میراث میں اس کا باپ یا اس کے باپ کے قرابت دار شریک و سہیم نہیں ہوسکتے۔(۵۸)

ولدالزنا اور ولدالملاعنہ میں فرق :

ولد الزنا اور ولد الملاعنہ میں حکماً یہ فرق کیا گیا ہے کہ ولد الزنا کا باپ جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہے شرعاً بحق میراث اس کا باپ نہ ہوگا،

(۵۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۳۱

(۵۸) خزانۃ الفقہ، ابواللیث سمرقندی وج ۱، مطبوعہ بغداد ، ج ۱ ، ص ۳۱۲
المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۲۰-۱۲۱

خواہ وہ اس کا باپ ہونے کا مدعی ہو، لیکن ولد الملاعنہ کا باپ اگر اس کا باپ ہونے کا مدعی ہو تو شرعاً نسب ثابت اور باہم میراث قائم ہو جائے گی۔

ولد الزنا اور ولد الملاعنہ میں ایک اور دقیق فرق یہ ہے کہ اگر ولد الزنا جڑواں (توام) پیدا ہوئے تو ولد الزنا اپنے توام سے اخیافی بھائی کی میراث پاتا ہے، یعنی چھٹا حصہ پائے گا اور اگر ولد الملاعنہ جڑواں (توام) پیدا ہوئے تو ولد الملاعنہ اپنے توام سے عینی بھائی کی میراث پائے گا۔(۵۹)

اس کی علت یہ ہے کہ ولد الزنا کے واسطے شرعاً باپ ہی قرار نہیں دیا گیا اس لیے اس کا جڑواں (توام) بھائی یا بہن صرف مادری ہوگا، جب کہ ولد الملاعنہ کے حق میں دنیاوی احکام میں زنا کی تہمت جائز نہیں، کیونکہ لعان کا مدار آخرت پر رکھا گیا ہے۔ (یعنی اللہ تعالی آخرت کے دن اس کا فیصلہ کرے گا) اس لیے ولد الملاعنہ کا جڑواں (توام) بھائی یا بہن ایک ہی باپ سے ہے اگر چہ باپ سے نسب کا سلسلہ منقطع کردیا گیا ہے (۶۰)۔

شیعی فقہ میں ولد الزنا کا ورثہ :

شیعی فقہ میں ولد الزنا کو ورثہ میں مطلقاً کوئی حق نہیں ہے حتی کہ وہ ماں اور ماں کے قرابت داروں تک کا بھی وارث نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا کوئی وارث ہو سکتا ہے۔(۶۱) شیعہ مسلک اصول فقہ و دنیاوی مصالح کے خلاف نظر آتا ہے۔

اسلامی ممالک میں رائج الوقت قانون :

قانون المواریث مصرنمبر ۷۷ بابت ۱۹۴۳ع کے تحت ولد الزنا اور ولد اللعان اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے، اور ماں اور اس کے قرابت

(۵۹) الاختیار لتعلیل المختار، عبد اللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۹۰
فتاوی عالمگیری، شیخ نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند،ج ۴، ص ۵۰۴

(۶۰) البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۴، ص ۱۱۹
البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۴۸

(۶۱) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۹۵

دار بھی ان کے وارث ہوں گے -(٦٢) یہی قانون شام و تونس مین رائج ہے -(٦٣) متعلقہ دفعات قانون حسب ذیل ہیں :

مصری قانون :

دفعہ ۴۷ - دفعہ ۴۳ کے آخر فقرے کے اعتبار سے جو مدت مقرر ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے، ولد زنا اور ولد لعان اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے، اور ان دونوں کے وارث ان کی ماں اور اس کے قرابت دار ہوں گے -

شام کا قانون :

دفعہ ۳۰۳ - دفعہ (۳۰۰) کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے جو مدت مقرر کی گئی ہے، ولد زنا اور ولد لعان اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے، اور اسی طرح ان کے وارث ان کی ماں اور ماں کے قرابت دار ہوں گے-

تونس کا قانون :

ولد زنا اپنی ماں اور ماں کے قرابت داروں کا وارث ہوگا اور اس کے وارث اس کی ماں اور اس کے قرابت دار ہوں گے -

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۹ - مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اور ولد لعان و ولد زنا اور اس کے والد کے درمیان وراثت کا سلسلہ جاری نہ ہوگا -

خنثیٰ کی میراث

۲۹٦ - (۱) خنثیٰ اگر مرد ہے تو اس کو مرد کا حصہٴ میراث دیا جائے گا اور اگر عورت ہے تو اسے عورت کا حصہ میراث دیا جائے گا -

(۲) اگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ وہ خنثیٰ مرد ہے یا عورت تو اگر مرد قرار دینے کی صورت میں اسے کم حصہٴ میراث ملتا ہے تو اسے مرد قرار دیا جائے گا - اور اگر عورت قرار دینے کی صورت میں اسے کم حصہ ملتا ہے تو اسے عورت قرار دیا جائے گا -

(٦٢) قانون المواریث مصر، نمبر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ء، دفعہ ۴۷

(٦٣) مجلۃ الاحوال الشخصیہ، تونس، ۱۹۵٦ء، الفصل ۱۵۲

تشریح

خنثیٰ کے لغوی معنی ''نرمی اور سڑاؤ'' کے ہیں۔ اصطلاحاً وہ شخص خنثیٰ کہلاتا ہے جو پیدائشی طور پر مرد و عورت کے آلہ تناسل رکھتا ہو یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ رکھتا ہو۔ پہلی صورت میں تمام ائمہ متفق ہیں۔ البتہ دوسری صورت میں شیعہ فقہاء کے نزدیک ایسا شخص خنثیٰ نہیں بلکہ ''قرع'' کہلائے گا۔ دونوں آلات رکھنے کی صورت میں اگر مرد کے آلہ سے پیشاب آتا ہو تو اس کی باغراض میراث و دیگر احکام شرعی مردوں میں شمار کیا جائے گا اور اگر پیشاب عورت کے آلہ سے نکلتا ہو تو اس کو عورتوں میں شمار کیا جائے گا۔

قدری پاشا نے '' الاحکام الشرعیة فی الاحوال الشخصیة '' میں لکھا ہے کہ خنثیٰ اس ذات کو کہتے ہیں جس میں مرد اور عورت دونوں کے اعضاء تناسل موجود ہوں، یا دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔ پہلی حالت میں اگر وہ مرد کے آلہ سے پیشاب کرتا ہو تو مرد ہوگا، اور اگر نسوانی مخرج سے سے پیشاب کرتا ہو تو لڑکی ہو گی، اور اگر دونوں سے برابر پیشاب آتا ہو تو جس آلے سے پہلے برآمد ہو اس کا حکم دیا جائے گا، لیکن اگر اس میں بھی یکسانیت ہو تو پھر یہ خنثیٰ مشکل کہلائے گا (یعنی جس کے مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ نہ ہوسکا)۔ یہ تفصیلات بلوغ سے قبل کے لیے ہیں۔ بالغ ہونے کے بعد اگر اس کے ڈاڑھی نکل آئے یا عورت سے ہم بستری کر سکے یا جس طرح مرد کو احتلام ہوتا ہے اس طرح احتلام ہونے لگے، تو وہ مرد ہوگا، اور اگر اس کے پستان ابھر آئیں یا دودھ اتر آئے یا حیض آنے لگے، یا حمل قرار پا جائے، یا اس کے ساتھ عورت کی طرح ہم بستری کی جا سکے تو وہ عورت ہو گی، لیکن اگر اس میں کوئی مذکورہ علامت موجود نہ ہو یا ان علامات میں تعارض پیدا ہو، تو اب یہ بھی خنثیٰ مشکل قرار پائے گا۔ اس کے لیے میراث کا اقل حصہ ہو گا، بطور مثال، اگر اس کے باپ کا انتقال ہو اور وہ اپنی وفات کے بعد ایک بیٹا چھوڑے اور دوسرا یہ خنثیٰ، تو لڑکے کو اس کے مقابلے میں دوہرا حصہ دیا جائے گا

(۹۳) الاحکام الشرعیة فی الاحوال الشخصیة، قدری پاشا، مطبوعہ مصر، ۱۸۹۵ء، دفعہ ۶۳۳

اور ایک حصہ خنثیٰ کو۔ کیونکہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے مقابلہ مین اقل ہے -(۶۴)

ابن عدی نے کامل میں ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم سے خنثیٰ کی میراث کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا ''جہاں سے پیشاب کرے گا، اسی کا اعتبار ہو گا،،۔ عبد الرزاق نے بھی اپنی کتاب ''المصنف،، میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے اسی طرح روایت کی ہے کہ ''اگر دونوں جگہ سے پیشاب کرتا ہے تو جہاں سے پہلے پیشاب نکلتا ہے اس آلہ کا اعتبار کیا جائے گا۔،، یہ متفق علیہ ہے لیکن اگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ وہ خنثیٰ مرد ہے یا عورت تو ایسی صورت میں اسے کم تر حصہ کا مستحق خیال کیا جائے گا۔ اگر مرد قرار دینے کی صورت میں حصہ کم ملتا ہے تو مرد قرار دیا جائے گا، اور اگر عورت قرار دینے سے حصہ کم ملتا ہے تو اس کو عورت قرار دیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ صاحبین کے نزدیک بھی یہی مختار (معتبر ہے) ۔ اور اکثر صحابہ سے بھی یہی منقول ہے کہ خنثیٰ مشکل کے لیے جس میں اس کا نقصان ہو وہی اس کا نصیب (حصہ) ہے، البتہ امام شعبی مرد و عورت دونوں کے حصوں کو جمع کر کے اس کا نصف دلواتے ہیں، لیکن فتوی امام ابو حنیفہ کے مذہب پر ہے -(۶۵)

مصری قانون :

مصر کے قانون المواریث کے تحت خنثیٰ مشکل کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ خنثی مشکل وہ ہے جس کے متعلق یہ نہ معلوم ہوسکا ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت، اس کے لیے مرد یا عورت دونوں کے حصہ میں جو بھی کم ہو دیا جائے گا، اور سابقی ترکہ باقی ورثاء مین تقسیم کر دیا جائے گا-(۶۶)

---

(۶۵) الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۱۲۳-۳۰

(۶۶) قانون المواریث مصر، نمبر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ع، دفعہ ۴۶
''للخنثی المشکلا، وهو الذی لا یعرف اذکر هوام انثی، اقل النصیبین،،

چھتیسواں باب

موانع میراث

موانع میراث

۲۹۷ - موانع میراث سے ایسے اسباب مراد ہیں جو کسی وارث کے ورثہ لینے میں مانع ہوں۔ جو شخص اس طرح ورثہ سے محروم ہوتا ہے اس کو ممنوع الارث یا محروم الارث کہتے ہیں۔

تشریح

موانع میراث سے ایسے اسباب مراد ھیں جو کسی وارث کے ورثہ لینے میں مانع ھوں۔ جو شخص اس طرح ورثہ سے محروم ھوتا ھے اس کو ممنوع الارث یا محروم الارث کہتے ھیں - (۱)

موانع میراث کی اقسام

۲۹۸ - موانع میراث حسب ذیل ہیں -

(الف) (۱) قتل عمد و شبہ عمد، بشرطیکہ ناحق ہو ،
(۲) اختلاف دین (مذہب)
(۳) اختلاف دار (مملکت) ،
(ب) (۱) ارتداد ،
(۲) اشتباہ وارث و مورث۔

تشریح

(الف) شرع اسلام میں موانع میراث فی نفسہ حسب ذیل چار امور ھیں :-

"(۱) غلامی، (۲) قتل ناحق، (۳) اختلاف مذاھب، (۴) اختلاف دارین -"

(۱) رد المختار، محمد امین ابن عابدین (۱۲۵۹ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۷ھ، ج ۵، ص ۵۴۳

(ب) متذکرہ بالا چار امور کے علاوہ تبعاً حسب ذیل دو امور بھی سوانع میراث کے ضمن میں آتے ھیں :-

(۱) ارتداد (۲) اشتباہ وارث و مورث۔

عام طور سے فقہاء نے (الف) میں مذکور صرف چار سوانع کو اپنی تصنیفات میں بیان کیا ھے۔ (ب) میں مذکور دو امور کو بطور مانع میراث نہیں کہا، کیونکہ ان دونوں میں شرط یا سبب کے غیر موجود ھونے کی بناء پر وراثت سے محرومی ھوجاتی ھے نہ کہ مانع اصلی موجود ھونے کی بناء پر۔(۲)

چونکہ آخر الذکر امور بھی تبعاً مانع میراث ھیں اس لیے ان کا ذکر بھی اسی باب کے تحت کیا گیا ھے۔ قدیم کتب فقہ میں موانع میراث میں سب سے پہلا مانع ''غلامی،، بیان کیا گیا ھے۔ چونکہ عہد حاضر میں ادارہ غلامی کا کوئی وجود نہیں اس لیے دفعۂ قانون میں اس سے صرف نظر کرتے ھوئے اس کا اجمالاً ذکر فٹ نوٹ میں کیا جارھا ھے۔(۳)

قتل ناحق

۲۹۹ - (۱) کوئی وارث جو مورث کے قتل عمد یا شبہ عمد کا مرتکب ھوا ھو مقتول مورث کا وارث نہ ھوگا، بشرطیکہ قتل ناحق ھو۔

استثناء (۱) اگر قتل اپنی جان کی حفاظت کے لئے کیا گیا ھو تو قاتل محروم الارث نہ ھوگا۔

(۲) اگر قاتل بچہ یا دیوانہ ھو تو محروم الارث نہ ھوگا۔

---

(۲) درالمنتقی بر حاشیہ مجمع الانہر، علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۴۹ے
رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ج ۵، ص ۵۴۳

(۳) غلامی، خواہ کامل ھو یا ناقص مانع ارث ہے اگر وارث میں کسی طرح کی مملوکیت ھو تو وہ مورث کی میراث نہیں پاسکتا، خواہ وارث ایسا شخص ھو جس کی آزادی کا سبب منعقد ھوگیا ھو مگر ابھی آزاد نہیں ھوا۔ مثلاً مکاتب، مدبر، ام ولد :

مکاتب :- وہ غلام ہے جس سے یہ معاھدہ ھو چکا ھوکہ اس قدر روپیہ ادا کردینے کے بعد وہ آزاد ھو جائے گا

''مدبر،، :- اس غلام کو کہتے ھیں جس سے مالک نے یہ کہا کہ تو میری وفات کے ساتھ آزاد ھوجائے گا۔

ام ولد :- وہ کنیز ہے جس کے بطن سے مالک کی اولاد پیدا ھوئی ہے۔ مالک کی وفات کے ساتھ ھی یہ کنیز آزاد ھوجائے گی خواہ مالک آزاد کرے یا نہ کرے۔

باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۸۹۰

تشریح

شرع اسلام میں باعتبار اثر یا حکم قتل کی دو قسمیں ہیں :-

(الف) وہ قتل جس سے قصاص یا کفارہ لازم ہوجاتا ہے، اور

صفحہ ۱۸۹۴ کا باقی فٹ نوٹ

غلام اس لئے وراثت سے محروم رہتا ہے کہ وہ مال کا قطعاً مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ تمام مال جو غلام کے پاس ہوتا ہے، اس کے مالک کی ملکیت ہوتا ہے۔ اس لیے اگر غلام کو اس کے مورث کا وارث بنا دیا جائے تو اس صورت میں ورثہ بھی بالواسطہ اس کے مالک ہی کا ہو جائیگا جو مورث سے اپنے تعلق کے اعتبار سے اجنبی ہوتا ہے اور بایں سبب ورثہ کا قطعی مستحق نہیں ہوتا۔ اس مسئلے میں تمام ائمہ متفق ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہے تو وہ میراث کا مستحق ہوگا یا نہیں!

امام ابو حنیفہ کا مسلک :- امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ غلام جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو ایک کامل غلام کی طرح میراث سے محروم رہے گا۔ ان کے نزدیک جب تک وہ کاملاً آزاد نہ ہو جائے وارث نہیں ہوسکتا۔ مثلاً مکاتب کہ جب تک اس پر کتابت کا ایک روپیہ بھی باقی ہے، آزاد متصور نہ ہوگا اور وراثت سے محروم رہے گا اور دوسرے ورثاء کے لیے میراث سے حاجب (محروم کرنے والا) بھی نہ ہوسکے گا۔

صاحبین کا نقطہ نظر :- صاحبین کے نزدیک وہ آزاد متصور ہوگا چنانچہ ان کے نزدیک ایسا غلام جس کا کچھ حصہ آزاد ہو وارث بھی ہوگا اور حاجب بھی۔

امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف کی وجہ :- اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک آزادی، قابل تجزیہ (حصے کئے جانے کے قابل) نہیں، جب کہ صاحبین اس کو "قابل تجزیہ" قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک تہائی، چوتھائی حصہ کا آزاد غلام بمنزلہ آزاد کے ہوگا اور ورثہ سے محروم نہ ہوگا۔ (شریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۱)

امام مالک کا مسلک :- امام مالک کا مسلک اس مسئلے میں امام ابو حنیفہ کے موافق ہے۔

حنبلیہ مسلک :- المغنی کے مصنف، علامہ ابن قدامہ المقدسی نے اس مسئلہ میں مختلف مذاہب کے نقطہ ہائے نظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حنبلیہ کے نزدیک مدبر اور ام ولد کامل غلام کے درجے میں ہیں۔ البتہ مکاتب کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ وہ کتابت کا مال ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور دوسری یہ کہ قدرت نہ رکھتا ہو۔ آخر الذکر صورت میں وہ وارث نہ ہوگا۔ اول صورت کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نہ وارث ہوگا اور نہ مورث۔ یہی قول امام شافعی کا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وارث بھی ہوگا اور مورث بھی۔ چنانچہ دوسری روایت کے مطابق اگر ایسا کوئی شخص فوت ہوجائے جس کا یہ (مکاتب) وارث ہو سکتا تھا تو یہ وارث ہوگا اور اگر خود مرجائے تو اس کے متروکہ مال سے کتابت کا واجب الادا حصہ مالک کو ادا کرنے کے بعد جو مال بچ رہے وہ اس (مکاتب) کے ورثاء کا ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکاتب خود وارث نہیں ہو سکتا، البتہ مورث بن سکتا ہے یعنی مرجانے کے بعد جو مال چھوڑے اس مال سے کتابت کا حصہ مالک کو ادا کرنے کے بعد باقی مکاتب کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ (المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۳۲ - ۳۱)

امام شافعی اور امام حنبل کا مسلک :- رد المحتار میں ایسا ہی قول امام شافعی کا بیان کیا

باقی صفحہ ۱۸۹۶ پر

(ب) وہ قتل جس سے قصاص یا کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

قتل مستلزم کفارہ:

جس قتل سے قصاص یا کفارہ لازم ہوجاتا ہے اس کی تین صورتیں ہیں:

"(۱) قتل عمد

(۲) قتل شبہ عمد (قتل جو عمد کے مشابہ ہو)، اور

(۳) قتل خطاء۔

قتل غیر مستلزم کفارہ:

وہ قتل جس سے قصاص(۴) یا کفارہ لازم نہیں ہوتا اس کی دو صورتیں ہیں:-

(۱) قتل قائم مقام خطاء، (۲) قتل بالتسبب۔

صفحہ ۱۸۹۰ کا باقی فٹ نوٹ

گیا ہے اور امام احمد بن حنبل کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے نزدیک جس غلام کا بعض حصہ آزاد ہوگیا ہے وہ آزاد حصہ کے مطابق وراثت پائے گا اور اسی کے مطابق دوسرے ورثاء اس کی وراثت لیں گے۔ (رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ج ۵، ص ۵۴۱)

ظاہریہ مسلک: ظاہریہ کا مسلک کامل غلام کے بارے میں دیگر ائمہ کے موافق ہے لیکن مکاتب کے متعلق ان کا نظریہ وہی ہے جو امام احمد بن حنبل کا ہے۔

(درالمنتقی بر حاشیہ مجمع الانہر، علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۷۴۸۔ المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، جزء ۹، ص ۳۹۸)

شیعہ مسلک: شیعہ مسلک بھی اسی کے مطابق ہے۔ (شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۲)

(۴) عربی زبان میں "قص" کے معنی کاٹنے" کے ہیں۔ اسی سے لفظ "قصاص" ماخوذ ہے۔ جس سے مراد ضرر رسیدہ شخص کے زخم یا قتل کے بدلے مجرم کو زخمی یا قتل کرنا ہے (لسان العرب، مطبع امیریہ، طبع اول، جلد ۸، ص ۳۴۱)

قصاص ایک مقرر سزا ہے جو ایک فرد کے حق کے طور پر واجب ہوتی ہے ضرر رسیدہ شخص یا اس کے ورثاء اگر چاہیں تو اسے معاف کر سکتے ہیں اور معافی سے سزا ختم ہوجاتی ہے

(تبیین الحقائق، شرح کنز الدقائق، زیلعی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۵ھ، طبع اول، جلد ۶، ص ۹۷)

بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۰۱

احکام السلطانیہ، الماوردی، مطبوعہ مصر، ص ۲۱۹

تشریع الجنائی الاسلامی، عبدالقادر عودہ، مطبوعہ مصر، ص ۸۷

القصاص فی الشریعۃ الاسلامیہ، الدکتور محمد ابراهیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۹۳ھ، (م ۱۹۷۳م)، ص ۳۶

قتل عمد :

قتل عمد وہ قتل ہے جس کا وقوع مار ڈالنے کے ارادے سے ہوا ہو، یعنی قاتل نے اس نیت سے حملہ کیا ہو کہ وہ مقتول کو مار ڈالے نیز یہ کہ قتل ہتیار سے کیا گیا ہو۔

امام ابو حنیفہ کی رائے :

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل عمد وہ ہوگا جس کا ارتکاب ارادہ قتل کے ساتھ اسلحہ یا اس کے مانند کسی ایسی چیز سے کیا گیا ہو جو فارق اعضائے بدن ہو یعنی وہ چیز اعضاء کو ٹکڑے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو مثلاً نوکدار پتھر، لکڑی یا اس کے مشابہ دوسری چیزیں۔ اس قسم کے اسلحہ کا کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا استعمال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل ارادہ قتل رکھتا تھا۔(۵)

صاحبین کا نقطہ نظر :

صاحبین کے نزدیک قتل کے لیے ہتھیار وغیرہ کی کوئی شرط نہیں بلکہ ایسی شئے کا ہونا معتبر ہے جس کا اغلب نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قتل عمد آلے سے بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے جن کے نتیجے میں عادۃً موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی لیے وہ ڈبونے گلا گھونٹنے، کسی اونچی جگہ مثلاً چھت وغیرہ سے گرانے اور اس قسم کے زہر کھلانے کو بھی قتل عمد قرار دیتے ہیں جو فوراً قتل کرتا ہو اور مجرم جانتا ہو کہ وہ مہلک ہوگا۔(۶)

امام طحاوی کا نقطہ نظر :

امام طحاوی کا نقطہ نظر بھی صاحبین کے موافق ہے۔(۷)

---

(۵) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۳۳
تبیین الحقائق، شرح کنز الدقائق، زیلعی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۵ھ، ج ۶، ص ۹۷

(۶) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۳۳

(۷) المختصر الطحاوی، امام طحاوی، مطبوعہ دکن، ۱۳۷۰ھ، ص ۲۳۲

مالکیہ نقطہ' نظر :

امام مالک کے نزدیک قصداً کسی ایسی شئے سے مارنا جو انسان کی موت کا باعث ہوتی ہو ''قتل عمد،، کہلاتا ہے ۔(۸)

ابو زہرہ نے اپنی کتاب ''احکام الترکات و المیراث،، میں امام مالک کا مذہب اس طرح بیان کیا ہے کہ ''امام مالک کے نزدیک جو قتل میراث سے مانع ہوتا ہے وہ قتل ہے جو ظلماً بطور قصد مکلف سے بغیر عذر ہوا ہو، خواہ کسی طریقے سے واقع ہوا ہو۔(۹)

شافعیہ مسلک :

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قاتل اگر ارادتاً تیز دھار والے آلے سے قتل کرتا ہے جو لوہے کا ہو یا ایسی چیز کا ہو جو لوہے کی طرح گوشت سے گزرتی ہو ،نیز اس طرح جو چیز اپنے بوجھ کی وجہ سے قتل کردیتی ہو مثلاً پتھر اور لکڑی یا جس کے بارے میں یہ خیال ہوتا ہو کہ اس کے استعمال سے موت واقع ہو جائےگی تو یہ تمام قتل، قتل عمد شمار ہوں گے اور قصاص واجب ہوگا۔(۱۰)

حنبلیہ مسلک :

امام احمد بن حنبل کے نزدیک کسی معصوم انسان کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ انسان ہے کسی ایسی شئے سے قصداً ہلاک کردینا جو اغلب طریقہ پر قتل کا موجب ہو جاتی ہے قتل عمد کہلاتا ہے ۔ حنبلی فقہ کی کتاب ''الاقناع،، میں قتل عمد کی چند قسمیں بھی بیان کی گئی ہیں جو آلات قتل کے اعتبار سے ہیں ۔(۱۱)

---

(۸) زرقانی، شرح موطا، محمد بن عبدالباقی بن یوسف (م ۱۱۲۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۲ع)، ج ۵، ص ۱۲۳

(۹) احکام الترکات و المیراث، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۱۲۶
ابو زہرہ نے امام مالک کا یہ مذہب طریقہ قتل کے عموم میں بیان کیا ہے۔ آلہ قتل کے اعتبار سے قتل عمد کی تعریف کی حیثیت سے نہیں کیا، جو قتل مانع میراث ہے اس میں فقہاء کے پیش نظر دو امور ہیں ایک آلہ قتل اور دوسرا طریقہ قتل، چنانچہ آلہ قتل کے اعتبار سے زرقانی نے امام مالک سے منسوب جو جو تعریف کی ہے وہ صحیح ہے۔ (مولف)

(۱۰) الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۵

(۱۱) الاقناع، (فقہ حنبلی)، شرف الدین مقدسی، (م ۹۶۸ھ)، مطبوعہ مصر، ج ۴، ۱۶۳

شیعہ امامیہ مسلک:

شیعہ امامیہ کے نزدیک قتل کی محض دو قسمیں ہیں: ''قتل عمد اور قتل خطاء'' ـ جن کو قتل بالمباشرت اور قتل بالتسبب بھی کہا جاتا ہے ـ

شیعہ فقہ میں قتل عمد کی تعریف:

''کسی عاقل و بالغ کا کسی معصوم جان کو قصداً بطور ظلم، بغیر تخصیص آلہ قتل کے ایسی شئے سے قتل کر دینا جس سے اکثر حالات میں موت واقع ہو جاتی ہو قتل عمد ہے'' ـ چنانچہ ذبح کرنا، گلا گھونٹ دینا، زہر پلادینا، تلوار سے مار دینا، چھرا بھونک دینا، کسی وزنی چیز سے مار دینا، ایسا پتھر مار دینا جو کچل دیتا ہو یا قتل کے لیے انجکشن لگا دینا یہ تمام امور قتل عمد میں داخل ہیں ـ

لیکن ایسی شئے سے قتل کردینا جس سے قتل نادر الوقوع ہے اس میں اختلاف ہے ـ صحیح روایت کے مطابق اگر کسی ایسی شئے سے ارادۃً قتل کیا جس سے موت واقع ہونا نادرالوقوع ہے اور موت واقع ہوگئی تو یہ بھی قتل عمد میں داخل ہوگا ـ

ظاہریہ مسلک:

ظاہریہ کے نزدیک قتل کی خاص طور پر دو قسمیں ہیں ـ قتل عمد و قتل خطاء ـ قتل کی مذکورہ بالا دیگر اقسام کے یہ حضرات قائل نہیں ہیں ـ ان کے نزدیک یہ بھی قتل عمد ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو قصداً کسی ایسی شئے سے قتل کرے جس سے انسان کبھی مرجاتا ہو اور کبھی بچ جاتا ہو، بشرطیکہ قاتل عاقل بالغ اور مکلف ہو ـ ان حضرات کے نزدیک قتل کی ایک ایسی قسم بھی ہے جو نہ قتل عمد ہے نہ قتل خطاء، نہ کوئی دوسرے نام کا قتل ـ مثلاً ایسی کسی شئی سے قتل کیا ہو جس سے انسان کبھی نہیں مرتا ایسے قتل میں ان کے نزدیک نہ قصاص ہے نہ دیت نہ کفارہ بلکہ صرف تادیب کا مستوجب ہوگا ـ (۱۲)

(۱۲) المحلی، ابن حزم، مولہ بالا، ج ۷، ص ۲۱۷

قتل عمد میں ارادہ کا دخل:

جہاں تک قتل عمد کے سلسلے مین ارادہ کا تعلق ہے اس کے لیے عام قصد کافی ہوگا ، یہ ضروری نہیں کہ پہلے سے تصور اور تصمیم (پختہ ارادہ) موجود ہو۔(۱۳) قتل عمد میں قصاص لازم ہوتا ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں آتا ہے ''العمد قود،، یعنی قتل عمد موجب قصاص ہے۔(۱۴)البتہ اس میں یہ استثناء ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو عمداً قتل کیا تو بوجہ احترام پدری باپ کے ذمہ سے قصاص ساقط ہوگیا، لیکن باپ اس کی میراث سے محروم ہوگا، کیونکہ اس نے اپنے مورث کو ناحق قتل کیا۔

نتیجۂ فکر :

مندرجہ بالا نقطہ ہائے نظر کی روشنی میں باسانی اس نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے کہ قتل عمد کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ قاتل نے قتل کا ارتکاب عمداً کیا ہو۔ اس کے ارادہ قتل میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور وہ اپنے فعل کا براہ راست مرتکب ہوا ہو۔ اور کسی بھی سبب سے مقتول کا خون قاتل کے لیے حلال نہ ہو۔

قتل شبہ عمد :

حنفیہ کے نزدیک قتل شبہ عمد وہ قتل ہے جو مار ڈالنے کے قصد کے ساتھ صادر ہوا ہو لیکن کسی ایسے ہتھیار یا شئے سے نہ ہوا ہو جو مفرق اعضائے بدن ہو۔ (یعنی بدن کے اجزاء کو چیرنے، ٹکڑے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، مثلاً چھوٹی سی لکڑی)۔

قتل شبہ عمد کے بارے میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ لوہے کے سوا باقی ذرائع مثلاً ڈنڈے، آگ یا ان کے مشابہ دوسری چیزوں سے جو قتل کیا جاتا ہے وہ قتل شبہ عمد ہے۔ ان کے نزدیک جو قتل ایسے آلات سے، جو جسم نہ کاٹتے ہوں یا جسم میں نہ گھولیے جاسکتے ہوں، کیا جائے وہ قتل

---

(۱۳) النظریۃ العامہ و العقود فی الشریعہ الاسلامیہ، صبحی محمصانی، مطبوعہ بیروت، صص ۴۴-۱۳۰

(۱۴) احکام القرآن، امام جصاص (م ۳۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ج ۱، صص ۳۵-۱۳۴

شبہ عمد ہوتا ہے، اگرچہ وہ آلات ایسے ہوں جن سے بالعموم موت واقع ہوجایا کرتی ہو۔ امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ قتل شبہ عمد وہ ہوتا ہے جو ایسے ذرائع سے واقع ہوا ہو جن سے بالعموم قتل واقع نہ ہوتا ہو۔ بالفاظ دیگر صاحبین کے نزدیک جب کبھی ایسا ذریعہ قتل استعمال کیا گیا ہو جس سے بالعموم ہلاکت نہ ہوتی ہو تو اس سے قتل واقع ہوجانے کی صورت میں اسے قتل شبہ عمد کہا جائے گا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قتل شبہ عمد وہ ہوتا ہے جس میں ضرب تو عمداً لگائی جائے مگر قتل خطاءً واقع ہوجائے۔ یعنی جہاں قاتل مقتول کو بالا رادہ مارپیٹ رہا ہو لیکن قاتل کا مقصد اسے مار ڈالنا نہ ہو اور مقتول کی موت اس کے قصد کے بغیر واقع ہوگئی ہو۔ چنانچہ امام شافعی کے نزدیک قتل عمد وہ ہوگا جس میں فعل اور نتیجہ فعل (قتل) دونوں کا ارادہ موجود ہو جب کہ قتل شبہ عمد میں ارادۂ قتل مفقود ہوتا ہے۔

امام احمد ابن حنبل بھی امام شافعی سے متفق نظر آتے ہیں۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک قتل شبہ عمد کی کوئی قسم قتل عمد سے ممیز نہیں ہے۔ یہی صورت ظاہریہ کے نزدیک بھی ہے۔

قتل شبہ عمد میں گناہ گاری اور دیت مغلظہ و کفارہ لازم ہوتا ہے۔ قصاص لازم نہیں آتا۔ البتہ قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا۔(۱۵)

قتل خطا:

قتل خطا وہ قتل ہے جو ایک جائز کام کے دوران مار ڈالنے کے قصد کے بغیر بلا فعل یا ارادہ یا دونوں کی غلطی سے واقع ہوا ہو۔ جیسے شکاری، شکار کی طرف تیر پھینکے اور کسی آدمی کے جا لگے، اسے ہلاک کردے یا

(۱۵) ''دیت،، وہ مالی تاوان ہے جو قاتل کے اہل خاندان (عصبات) مقتول کے ورثاء کو بمعاوضہ ہلاکت ادا کرکے بری الذمہ ہوں۔،، (مجمع البحرین، مطبوعہ مصر، ج ۲، ص ۶۳۷)
البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۵۱
خزانۃ الفقہ، ابو اللیث سمرقندی (م۳۸۳ھ)، مطبوعہ بغداد، ۱۹۶۰ع، جلد اول، صص ۵۵-۳۵۳
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا ج ۲، ص ۶۱۷
تکملہ بحر الرائق، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۴ھ، ج ۸، ص ۲۹۱

یا ایک شخص کار میں سوار ہے اور کوئی شخص اس کار کے نیچے آکر ہلاک ہوجائے۔

قتل خطاء میں ملزم اقدام ایک چیزکا کرتا ہے لیکن اس سے فعل یا ارادے میں غلطی ہو جاتی ہے اور اس طرح جرم قتل سرزد ہو جاتا ہے۔ قتل خطاء میں بہر حال فعل (قتل کے علاوہ) کا ارادہ پایا جاتا ہے لیکن اگر ملزم کے دل مین کسی فعل کا ارادہ بھی نہ ہو اور قتل کسی فعل، قصد و ارادہ کے بغیر ھی واقع ہو جائے تو یہ فعل جار مجری خطاء یعنی قتل خطا کی طرح یا اس کے قائم مقام کہلائے گا۔ پہلی صورت مین بطور مثال، شکار کے دوران گولی چل جانے سے بجائے شکار کے آدمی مرجائے جو جھاڑیوں مین چھپا ہوا تھا، اور دوسری صورت میں، مثال کے طور پر، ایک آدمی سو رہا ہے، سوتے مین کروٹ لے اور نیچے گر پڑے اور جو آدمی نیچے سو رہا تھا اس کی موت واقع ہو جائے۔

امام شافعی کے نزدیک بھی قتل خطاء وہ ہوگا جس میں دونوں ک ارادہ نہ ہو، نہ فعل کا اور نہ ان نتائج کا جو اس فعل سے مرتب ہوئے ہوں۔

امام ابن حزم کے نزدیک جو قتل اول معنی (قتل عمد) کے خلاف ہو وہ قتل خطا ہے۔ قتل خطا وہ ہے جس میں کسی کے قتل کا ارادہ نہ ہو۔(۱۶)

قتل خطا میں دیت اور کفارہ لازم ہوتا ہے اور قتل شبہ عمد کے مقابلے مین قاتل گناہ گار نہیں ہوتا۔ البتہ علاوہ امام مالک کے، دیگر آئمہ کے نزدیک مجرم مقتول کی میراث اور وصیت سے محروم ہوگا۔(۱۷)

قتل قائم مقام خطا :

قتل قائم مقام خطا وہ قتل ہے جو قاتل کے ایسے فعل سے واقع ہو جو قتل کا ذریعہ نہ تھا۔ لیکن ذریعہ بن گیا، جیسے سونے والا کروٹ لے اور دوسروں

---

(۱۶) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۷، ص ۳۱۷

(۱۷) خزانۃ الفقہ، ابوالليث سمرقندی، محولہ بالا، ج ۱، صص ۵۵ - ۳۵۴
مجمع الا نہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۶۱۷
تکملہ بحر الرائق، ج ۸، ص ۲۸۷

پر گرکر اسے ھلاک کر ڈالے - اس کا حکم وھی ھے جو قتل خطا کا ھے -(۱۸)

قتل بالتسبب :

قتل بالتسبب وہ قتل کہلاتا ھے کہ قاتل مقتول کو بذات خود قتل نہ کرے۔ قتل خطا اور قتل بالتسبب میں یہ فرق ھے کہ قتل خطا میں قتل براہ راست مجرم کے فعل کا نتیجہ ھوتا ھے، جب کہ قتل بالتسبب میں قتل مجرم کے فراھم کردہ اسباب کی بناء پر واقع ھوتا ھے۔

حنفیہ کے نزدیک قتل بالتسبب قتل خطاء سے ممیز قسم کا ھے - جب کہ شافعیہ اور حنبلیہ قتل بالتسبب کو بھی قتل خطا کی ایک صورت قرار دیتے ھیں -

شیعہ فقہاء کے نزدیک قتل بالتسبب کے چار مرتبے ھیں، جن کی تفصیل شرائع الاسلام میں بیان کی گئی ھے - (۱۹)

ظاھریہ قتل بالتسبب کو قتل ھی پر قیاس کرتے ھیں -

خلاصہ یہ کہ قتل بالتسبب میں قاتل مقتول کو مباشرتاً قتل نہیں کرتا یعنی خود فعل قتل میں شریک نہیں ھوتا مگر (اس کا فعل) بطور تجاوز سبب قتل بنتا ھے یعنی قتل بذات خود اس سے سرزد نہیں ھوتا مگر جو فعل اس سے صادر ھوا ھے وہ قتل تک پہونچانے والا ھے۔ بالفاظ دیگر قتل خطا اور قتل بالتسبب میں یہ فرق ھے کہ قتل خطا میں قتل براہ راست مجرم کے فعل کا نتیجہ ھوتا ھے جب کہ قتل بالتسبب میں قتل مجرم کے فراھم کردہ اسباب کی بناء پر واقع ھوتا ھے۔ مثلاً کسی شخص نے کنواں کھدوایا راستہ میں پتھر رکھا، دوسرا شخص غلطی سے کنویں میں جاگرا اور ھلاک ھوگیا یا پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا اور مرگیا۔ (۲۰)

---

(۱۸) خزانہ الفقہ، ابواللیث سمرقندی، محولہ بالا، ج ۱، صص ۵۵-۳۵۳
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۶۱۷
تکملہ بحر الرائق، ج ۸، ص ۲۸۷

(۱۹) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، (کتاب القصاص)، صص ۶۵-۲۶۳

(۲۰) رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ج ۵، ص ۵۴۱

اس کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ گواہان کسی کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے قتل کا ارتکاب کیا ہے اور ان کی شہادت کی بنا پر اسے قاتل گردانا جائے۔ اگر نفاذ حکم کے بعد وہ گواہان اپنی شہادت سے رجوع کرلیں اور اقرار کریں کہ وہ اس شخص کو سزائے موت دلوانا چاہتے تھے اس لیے ان لوگوں نے جان بوجھ کر اس کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی یا مثلاً جج کو یہ معلوم ہو کہ ملزم بے گناہ ہے لیکن وہ اسے قصداً سزا دے اور بعد میں اعتراف کرے کہ اس نے جان بوجھ کر اسے سزادی تھی۔(۲۱)

حنفی فقہاء کے نزدیک قتل بالتسبب مین قصاص یا کفارہ لازم نہیں ہوتا بلکہ خاندان پر اور بصورت رجوع شہادت گواہان پر دیت واجب ہوتی ہے۔(۲۲) لیکن امام مالک و امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قتل بالتسبب کے مرتکب پر قصاص واجب ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک جو احکام قتل خطا پر لاحق ہوتے ہیں وہی احکام اس سے متعلق ہوں گے۔(۲۳)

موجودہ مصری قانون کے تحت مورث کو عمداً قتل کردینا وراثت کا مانع ہوگا، خواہ قاتل فاعل اصلی ہو یا قاتل کا شریک ہو یا اس کی جھوٹی شہادت کے ذریعہ قتل عمل میں آیا ہو جب کہ قتل بغیر حق و بلا عذر شرعی ہو اور قاتل عاقل و بالغ ۱۰ سال کی عمر کا ہو۔ بالفاظ دیگر مورث کا قتل خواہ بطریقۂ مباشرت ہو یا بطریقۂ سببیت ہو، مانع ارث ہوگا۔ البتہ مصری قانون میں یہ صراحت کردی گئی ہے کہ حسب ذیل صورتوں مین یہ قتل عمد مانع ارث نہ ہوگا:-

۱۔ جب کہ قاتل سنہ شمسی کے اعتبار سے دس سال کی عمر کو نہ پہونچا ہو۔

۲۔ جب کہ اباحت کا کوئی سبب موجود ہو یا قانون تعزیرات کے کے تحت کسی (دوسری) سزا کا مستحق ہو۔

---

(۲۱) مجمع الا نہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۶۱۸
(۲۲) بحر الرائق، ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ، ج ۷، ص ۱۳۷
(۲۳) احکام الترکات و المواریث، ابو زھرہ، محولہ بالا، ص ۱۲۹

۳ - دفاع شرعی کے حق سے تجاوز نہ کیا ہو۔

۴ - زوجہ زانیہ کو فوری طور پر قتل کیا ہو۔(۲۴)

قتل کا اثر میراث پر:

احناف کے نزدیک قاتل جس نے ناحق قتل کیا ہو، مقتول کی کسی شئے کا وارث نہیں ہوتا خواہ اس کا قتل عمداً ہو یا خطاءً(۲۵) بہ الفاظ دیگر قتل عمد و قتل شبہ عمد اور قتل خطا تینوں صورتوں میں (جن میں احناف کے نزدیک قصاص یا کفارہ لازم ہوتا ہے) قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

قتل عمد (اور قتل شبہ عمد) کے نتیجہ میں قاتل کے مقتول کی میراث سے محروم ہوجانے کے سلسلہ میں شیعہ و سنی ائمہ متفق ہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ قتل کی دیگر صورتوں میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو گیا یا نہیں!

حنفیہ مکتبہ فکر:

جیسا کہ سطور ما قبل میں بیان کیا گیا، احناف قتل خطاء کی صورت میں بھی قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم قرار دیتے ہیں۔

مالکی نقطۂ نظر:

امام مالک کا اس مسئلے میں احناف سے اختلاف ہے۔ وہ قتل بلا عمد (خطاء) کی صورت میں قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم قرار نہیں دیتے۔(۲۶)

شافعی نقطۂ نظر:

امام شافعی قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کرنے کے سلسلے میں انتہا پسند نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ وہ نہ صرف خطاء کی صورت میں قاتل کو

---

(۲۴) احکام المواریث فی الشریعہ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، مطبوعہ مصر، ۱۹۶۰ء، ص ۹۴

(۲۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۴۷-۴۶

(۲۶) جواہر الاکلیل، شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، محولہ بالا، جزء دوم، ص ۳۳۸
المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۴۷-۴۶

میراث سے محروم قرار دیتے ہیں بلکہ قاتل خواہ کسی طرح قتل مورث میں شریک ہو، مقتول کے ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک قصاص لینے والا، امام و قاضی (جس نے قتل کا حکم دیا ہو) اور جلاد و شاہد وغیرہ تمام اشخاص مقتول کے ترکہ کی حد تک محروم الارث ہیں اور انہیں مقتول کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملے گا۔(۲۷)

حنبلی مکتب فکر :

حنبلی مکتب فکر کے نزدیک ہر وہ قتل میراث سے محروم کردیتا ہے جس کے نتیجے میں قاتل کسی قسم کی سزا کا مستحق قرار دیا جائے خواہ وہ سزا قصاص ہو یا دیت ہو یا کفارہ۔ چنانچہ ان کے نزدیک قتل کی تمام مذکورہ بالا صورتوں میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو جائے گا البتہ وہ قتل جس کے بعد کسی قسم کا ضمان (تاوان) عائد نہ ہوتا ہو میراث سے محرومی کا سبب نہ ہوگا جیسے قصاص میں قتل یا کسی جرم کی حد میں قتل وغیرہ۔(۲۸)۔

شیعہ مکتب فکر :

شیعہ امامیہ (جعفریہ) بھی قتل خطاء کی صورت میں قاتل کو محروم الارث قرار نہیں دیتے۔(۲۹) چنانچہ شیعہ فقہاء کے نزدیک قتل عمد میراث سے مانع ہوگا نہ کہ قتل خطاء۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قتل خطاء کی صورت میں دیت میں سے قاتل کو وراثت نہ دی جائے گی۔ یہ روایت پسندیدہ بیان کی گئی ہے۔(۳۰)

---

(۲۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۶۳
احکام الترکات و المواریث (فقہ عام)، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۱۲۴

(۲۸) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۶۲
المحرر فی الفقہ الحنبلی، مجدالدین ابو البرکات، محولہ بالا، ج ۲، ص ۴۱۲
الاقناع، شرف الدین المقدسی، مطبوعہ مصر، ج ۳، ص ۱۲۳
المختصر، عمر بن الحسین الخرقی (م۳۳۴ھ)، المکتبہ الاسلامی، دمشق، ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۴ع) ص ۱۲۶

(۲۹) الاستبصار، ابو جعفر بن الحسن طوسی، محولہ بالا، ج ۴، صص ۱۹۲-۱۹۳

(۳۰) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، القسم الرابع، ج ۲، ص ۱۸۲

ظاہریہ مکتب فکر :

ظاہر یہ قتل خطا کے نتیجہ میں میراث سے محرومی کے مسئلہ میں حنفیہ سے متفق نظر آتے ہیں کیونکہ وہ تعلیل نصوص کے قائل نہیں ہیں۔

فقہاء کے اقوال کی بنیاد :

فقہاء کے اقوال کی بنیاد رسول اللہ کی حدیث ''قاتل کے لیے کوئی میراث نہیں،،(۳۱) پر ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابن عباس سے منقول ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''جس نے کسی (اپنے) کو قتل کیا، پس قاتل مقتول کا وارث نہ ہوگا، خواہ قاتل کے سوا مقتول کا کوئی وارث موجود نہ ہو، اگرچہ قاتل باپ ہو یا بیٹا، قاتل کے لیے میراث نہیں۔،،(۳۲)

مندرجہ بالا حدیث کا تجزیہ :

امام ترمذی نے ''القاتل لا یرث،، والی حدیث کو روایت کرتے ہوئے باعتبار اسناد اس میں کلام کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا ہے کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا۔ خواہ قتل عمداً ہو یا خطاء۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جب قتل خطاء ہو تو قاتل اس کی میراث لے گا۔ یہ قول امام مالک کا ہے۔ (۳۲)

ابن ماجہ نے بھی اس متن کو اپنی سند سے روایت کیا ہے، جس کی ابتداء میں ایک راوی محمد بن ربیع ان کی اپنی سند کا جدید ہے باقی تمام وہی راوی ہیں جو ترمذی کی روایت کے ہیں، البتہ ابن ماجہ نے اس باب میں حضرت قتادہ سے حضرت عمر کے ایک واقعہ کو بیان کیا ہے کہ ابو قتادہ جو بنی مدلج کے ایک قبیلہ سے تھے انھوں نے اپنے بیٹے کو قتل کردیا تھا، حضرت عمر نے

(۳۱) ترمذی، محولہ بالا، ص ۳۰۷ :
''عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال القاتل لا یرث،،

(۳۲) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۶۱ :
''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، من قتل قتیلا فانہ لایرثہ وان لم یکن وارث غیرہ وان کان والدہ او ولدہ فلیس للقاتل شئی،،۔

ابوقتادہ سے ایک سو اونٹ دیت میں لیے جو دیت کے لیے شرعاً مقرر ھیں پھر وہ اونٹ مقتول کے بھائی کو دیتے ہوئے حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا : ''قاتل کے لیے میراث نہیں ۔''(۳۳)

علامہ شوکانی نے اپنی کتاب نیل الاوطار میں بیان کیا ھے کہ قاتل کے عدم استحقاق وراثت کے سلسلہ میں ابوداؤد نے عمرو ابن شعیب سے بواسطہ شعیب ان کے دادا کی سند سے روایت کیا ھے اور اسی سند سے نسائی نے نقل کرتے ہوئے اپنی سند کو معلول(۳۵) قرار دیا ھے ۔ نیز دارقطنی اور ابن عبدالبر نے روایت کرتے ہوئے اس سند کی تائید کی ھے ۔ اس حدیث کو امام شافعی، عبدالرزاق اور بیہقی نے بصورت انقطاع روایت کیا ھے، البتہ بیہقی نے ایک دوسری سند کے ذریعہ اس کو مرفوع نقل کیا ھے ۔ نیز یہی مضمون حضرت ابن عباس سے دارقطنی اور بیہقی نے اپنی سندوں سے روایت کیا ھے لیکن ھر دو سندوں میں کچھ نہ کچھ ضعف موجود ھے ۔ اسی طرح طبرانی نے ابو کثیر اشجعی کے قصہ میں اور خطابی نے عدی الجذامی کا ایسا ھی واقعہ نقل کیا ھے ۔ ابو داؤد نے جس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ھے اس میں محمد بن راشد دمشقی مکحولی ھیں جن کو بعض محدثین نے مجروح کہا ھے جب کہ بعض کے نزدیک وہ ثقہ ھیں ۔(۳۶)

قرآن پاک کا استدلال :

قتل ناحق کے سلسلہ میں قرآن پاک میں اللہ تعالی کی سخت وعید آئی ھے ۔ چنانچہ اللہ تعالی سورہ نساء میں ارشاد فرماتا ھے کہ ''کسی مومن کے یہ شایان

---

(۳۳) ترمذی، محولہ بالا، باب الفرائض، ص ۳۰۷
''والعمل علی ھذا عند اھل العلم ان القاتل لا یرث، سواء کان القتل خطاء او عمداً وقال بعضہم اذا کان القتل خطاء یرث و ھو قول مالک ۔''

(۳۴) سنن، ابن ماجہ، مطبوعہ کراچی، ص ۱۹۰

(۳۵) ''معلول'' یا ''معلل'' وہ حدیث ہے جس کے متعلق قرائن کے ذریعہ کسی ایسی علت کا وجود ھو جو حدیث کو ضعیف کر دیتی ھو۔ مثلاً راوی نے مرسل یا منقطع حدیث کو موصول روایت کر دیا ھو یا ایک حدیث کے متن کا کچھ حصہ دوسری کے متن سے ملاکر روایت کردیا ھو (نخبۃ الفکر، مطبوعہ کراچی، ص ۹۴)

(۳۶) نیل الاوطار، علامہ شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) مطبوعہ مصر، ۱۹۶۱ع، (۱۳۸۰ھ) ج ۷،ص ۸۰

شان نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو بغیر حق قتل کردے مگر یہ کہ خطاءً ایسا واقع ہوجائے،، ۔ اسی سلسلے میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ''اور جو شخص کسی مومن کو بالقصد قتل کرے گا اس کا بدلہ جہنم ہے ۔ جس میں وہ (قاتل) ہمیشہ رہے گا اور (اس پر) خدا کا غضب اور لعنت ہوگی اور (خدا نے) اس کے لیے درد ناک عذاب مقرر فرمایا ہے،، ۔(۳۷)

مذکورہ بالا آیت قرآنی اور احادیث نبوی سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ کی احادیث منشاء خداوندی کی تفسیر و بیان ہیں ۔ چنانچہ آنحضرت نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ قتل عمد کے مرتکب کے حق میں اللہ تعالی نے جس قسم کی وعید نازل فرمائی ہے اس قسم کی وعید اور سزا ایسے لوگوں کے حق میں مقرر فرمائی گئی ہے جو دین و دنیا میں خدا کی طرف سے اس کی نعمتوں سے محروم کر دئے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک وارث کو اپنے مورث کے قتل کی بناء پر وراثت کی نعمت سے محروم کر دیا گیا ۔ اس دلیل کی بناء پر قتل عمد کے قاتل کا محروم الارث ہونا قطعی الثبوت قرار پاتا ہے ، البتہ خطاء کی صورت میں متقدمین فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے ۔

امام مالک کے دلائل :

قتل خطاء کی صورت میں قاتل کے مورث کی وراثت سے محروم نہ کئے جانے کے سلسلے میں امام مالک یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ شخص جو کسی ایسے شخص کے ناحق قتل کا ارادہ کرتا ہے جس کا وہ وارث ہوگا تو وہ دراصل میراث جلد حاصل کرنے کی نیت و ارادہ سے اس جرم قتل کا مرتکب ہوتا ہے اس لیے بطور سزا ایسے مقتول کی وراثت سے محروم کردیا جائے گا ۔ لیکن یہ نیت و ارادہ ایک ایسے قتل میں مفقود ہے جو اگرچہ ناحق ہو مگر بلا عمد (خطاءً) سرزد ہوگیا ہو ۔ اس لیے اسے مقتول کی میراث سے محروم نہ کیا جائے گا ۔ دوسرے یہ کہ خاطی (خطا کرنے والا) معذور ہوتا ہے اور سزا کا مستوجب نہیں ہوتا ۔ خطا کرنے والے پر شرعاً رحم کیا جاتا ہے اس لیے بھی اسے میراث سے محروم نہ کیا جائے گا،

(۳۷) ۴ : ۹۲ (النساء م) :
''وما کان لمومن ان یقتل مومناً الا خطاء و من یقتل مومنا متعمداً فجزاءہ جہنم خالداً فیہا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعدلہ عذابا عظیما ۔،،

البتہ جہاں تک خون بہا (دیت) کا تعلق ہے جو قاتل کے اہل خاندان مقتول کے ورثاء کو ادا کریں گے اس میں وہ (قاتل) میراث پانے کا مستحق نہ ہوگا۔

چنانچہ موطا امام مالک کی شرح زرقانی میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ اگر ورثاء میں سے کسی ایک نے دوسرے کو خطاءً قتل کردیا تو اس صورت میں قاتل مقتول کے ذاتی مال کا وارث ہوگا لیکن دیت میں جو مال ملے گا اس کا وارث نہ ہوگا۔،، اس مضمون کی حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے لیکن اہل مدینہ کے اتفاق (تعامل) نے اس حدیث کو قوت پہونچائی ہے۔ البتہ قاتل کا اس مقتول کے مال میں وارث ہونے کے سلسلے میں اس وجہ سے اختلاف ہوا ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس مال کے قبل از وقت حاصل کرنے کی کوشش کا اتہام اس کے ذمہ لازم نہیں آتا اور یہ اتہام ہی قتل عمد کی صورت میں اس کے وراثت سے محروم ہونے کی علت تھی، اور قتل خطاء کی صورت میں یہ علت (غیر موجود) پائی گئی۔ اس سلسلے میں امام مالک فرماتے ہیں کہ ''میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ قاتل (قتل خطاء کی صورت میں) مقتول کے اپنے ذاتی مال سے وارث ہوگا لیکن دیت میں جو مال حاصل ہو گا اس میں وارث نہ ہوگا۔(۳۸)

قتل کے سبب محرومی میراث کا اصول

قتل کے سبب محروم الارث قرار دیا جانا اس اصول کے تحت ہے کہ جو ''شخص کسی شئے کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے حاصل کرنا چاہے اس کو محرومی کی سزا بھگتنی پڑے گی،، ۔(۳۹) اسی اصول کے تحت اگر موصی لہ موصی (وصیت کرنے والا) کو قتل کردے تو وصیت باطل ہوجاتی ہے، کیونکہ جو شخص کسی

---

(۳۸) زرقانی شرح موطا، محمد بن عبدالباقی بن یوسف، محولہ بالا، ج ۵، ص ۱۶۷ :
''و ان قتل صاحبه خطاء ورث من ماله ولا يرث من ديته رواه الدار قطني باسناد ضعيف لكنه اعتضد باتفاق اهل المدينة عليه، وقد اختلف في انه يرث من ماله لا يتهم على انه قتله ليرثه وليأخذ ماله الذى علة منع ارثه في قتله عمداً فاذا انتفت العلة بكون القتل خطاء۔ ورث من المال الا يرث عملا بعموم قوله صلى الله عليه وسلم ليس للقاتل شئ، فاحب القولين الى ان يرث من ماله ولا يرث من ديته، لان الحكم يدور مع العلة وجوداً و عدماً ۔،،

(۳۹) المجلة الاحكام العدليه، مطبوعه کراچی، دفعه ۹۹ :
''من استعجل بالشئ قبل اوانه عوقب بحرمانه،،
شرح المجله- الاحكام العدليه، الاتاسي، مطبوعه حمص، ۱۹۳۰ع، ص ۲۶۸

شئے سے اس کے وقت سے پہلے فائدہ اٹھانا چاہے گا اس کو یہ سزا دی جائے گی کہ اس کو فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے مورث کو جلد میراث حاصل کرنے کے لیےعمداً یا بہ شبہ عمد یا خطاءً قتل کردے تو وہ اس مورث کی میراث سے محروم کردیا جائے گا اور اس (قاتل) کو میراث نہ ملے گی، البتہ اگر وہ قتل کا سبب بنا ہے تو اس صورت میں محروم نہ ہوگا کیونکہ جو شخص قتل کا سبب ہوا کرتا ہے وہ حقیقت میں قاتل نہیں ہوا کرتا مثلاً ایک شخص دوسرے کی مملوکہ زمین میں کنواں کھودے اور اس کنویں میں کنواں کھودنے والے کا مورث گر کر مرجائے تو یہ کنواں کھودنے والا میراث سے محروم نہ ہوگا، بلکہ صرف قتل کی دیت اس پر واجب ہوگی۔ لیکن میراث سے محرومی کے اس اصول کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ قتل قصاص کے لیے نہ ہوا ہو یا کسی شرعی حق کی بناء پر واقع نہ ہوا ہو چنانچہ اگر ایک عادل شخص اپنے باغی مورث کو (بغاوت کی رو سے) قتل کر دے تو یہ قاتل اس کا وارث ہوگا کیونکہ یہاں قاتل کا قتل کرنا ''قتل بحق شرع،، تھا، یا یہ کہ جن باغیوں کو قوت حاصل ہوچکی ہو ان میں سے کوئی فرد اپنے آپ کو اپنے خیال میں حق پر تصور کرتے ہوئے اھل عدل میں سے اپنے مورث کو قتل کردے تو یہ اس مورث کا وارث ہوگا کیونکہ قاتل اپنے گمان میں خود کو حق پر تصور کئے ہوئے ہے۔

مصر کا قانون میراث نمبر ۷۸ مجریہ ۱۹۴۳ع امام مالک کے مسلک کو اپناتے ہوئے قتل خطاء میں قاتل کو میراث سے محروم نہیں کرتا۔ اسی طرح مصر کا قانون وصیت نمبر ۷۱ مجریہ ۱۹۴۶ع بھی مالکی مسلک کے اتباع میں قتل خطاء کے مجرم کے حق میں وصیت کو صحیح (قابل نفاذ) قرار دیتا ہے۔

احناف کا جواب:

احناف اپنے اس نقطۂ نظر کی تائید میں، کہ قتل عمد و خطاء دونوں صورتوں میں قاتل مورث کی میراث سے محروم ہو جائے گا، یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قتل ایک ایسا فعل ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور قاتل کا مقتول کی میراث کے حق سے محروم ہونا دراصل اس قتل کی سزا کے طور پر ہے جو ممنوع ہے، کیونکہ

خاطی کے لیے بھی قتل ممنوع ہے۔ ممنوع کی ضد مباح ہے۔ غلطی سے قتل کرنے کے سبب سے وہ فعل قتل مباح نہیں ہوجاتا اور ایسا کرنے والا قتل مباح کا مرتکب متصور نہیں ہو سکتا اس لیے جرم قتل کا بدلہ دینا ہوگا، کیونکہ جس طرح غیر فعل میں فعل کا تصور نہیں ہوسکتا اسی طرح غیر مباح میں اباحت (جواز) کاتصور نہیں کیا جا سکتا۔

احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قتل غلطی سے بھی ممنوع ہے اور اسی بناء پر اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے جو گناہ کو ڈھانپ دیتا ہے۔ اگر یہ قتل شرعاً معاف ہوتا تو اس کا کفارہ بھی مقرر نہ ہونا چاہئے تھا۔ لہذا جب کفارہ کا حکم دیا گیا ہے تو قاتل کو میراث سے محروم کرنا بھی جائز ہوگا۔ احناف کہتے ہیں کہ دراصل غلطی سے قتل کرنے میں استعجال میراث کا الزام رہتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس نے قتل خطاء کے ذریعہ استعجال میراث ہی کا قصد کیا ہو اور غلطی کا اظہار (بہانہ) کر رہا ہو۔ لہذا یہ گمان میراث سے محروم کردینے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ احناف کے نزدیک ہر ایسا قتل جس کے ارتکاب میں قاتل نے حصہ لیا ہو خواہ وہ قتل عمداً کیا گیا ہو یا غلطی سے سرزد ہوگیا ہو اس کو مقتول کی میراث سے محروم کرنے کا باعث ہوگا، البتہ ایسا قتل جو خود اس سے بذاتہ (مباشرۃً) سرزد نہ ہوا ہو بلکہ جو فعل اس سے سرزد ہوا وہ قتل تک بالسبب پہونچانے والا ہو ایسی صورت میں وہ میراث سے محروم نہ ہوگا مثلاً قاتل نے کنواں کھودا اور مورث اس میں گر کر ہلاک ہوگیا یا راستہ میں پتھر رکھا، مورث اس سے ٹھوکر کھا کر گرا اور مرگیا یا کسی شخص نے اپنے مکان کا چھجہ آگے کو نکالا جو مورث پر گر پڑا اور مورث مرگیا۔ ان تمام صورتوں میں وہ شخص میراث سے محروم نہ ہوگا کیونکہ وہ قاتل نہیں کہلا یا جا سکتا اور ایسی صورت میں اس کے ذمہ کوئی قصاص یا کفارہ بھی لازم نہ ہوگا، جس کی وجہ یہ ہوگی کہ مذکورہ امور سے قاتل کی طرف یہ شبہ قائم کرنے کی کوئی وجہ نہیں پیدا ہوتی جس کی بناء پہ کہا جا سکے کہ اس نے میراث کو عجلت سے حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا ہوگا کیونکہ مذکورہ افعال کے ارتکاب کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فاعل نے ان کے کرنے سے اپنے مورث کے قتل کا ارادہ کیا ہوگا۔ اس شخص

کو یہ کس طرح معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس کا مورث اس کنویں میں گر ہی جائے گا یا پتھر سے ضرور ٹھوکر کھائے گا اور مرجائے گا یا مکان کا چھجہ اس کے نکلتے ہی اس پر گر پڑے گا اس سے پہلے یا بعد نہ گرے گا اور اپنی جگہ قائم رہے گا۔ میراث سے محرومی کا سبب قتل ممنوع کی مباشرت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ مذکورہ طریقے پر قتل کا سبب ہونے والا مباشر (مرتکب) نہیں تھا، اس لیے میراث سے محروم نہ ہوگا۔(۴۰)

عرب ممالک میں رائج الوقت قوانین :

لبنان اور مصر کے قانون کے تحت نہ صرف اپنی ذات کے تحفظ کی خاطر حملہ آور کو قتل کر دینا موجب قصاص و حرمان میراث نہیں بلکہ دوسروں کی جان کا دفاع بھی اس استثناء میں شامل ہے۔

اسی طرح جلاد کا محکوم علیہ کے قتل کا فعل (جس کے قتل کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہو) اور بوقت ضرورت دفاع جان و مال کے لیے قتل جب کہ ما سوائے قتل کے مال کا دفاع ممکن نہ ہو استثنائی صورتوں میں شامل ہیں۔

مصر کا قانون :

دفعہ ۵۔ وراثت کے موانع، مورث کا عمداً قتل کرنا، خواہ قاتل فاعل اصلی ہو یا قتل میں شریک ہوا ہو، یا ایسی جھوٹی شہادت دی ہو جس کی بنا پر مورث کا قتل واقع ہو گیا ہو، بشرطے کہ قتل ظلماً اور بغیر عذر کے واقع ہوا ہو اور قاتل عاقل و بالغ ۱۵ سال کی عمر کا ہو، اور دفاع شرعی سے تجاوز کرنا عذر متصور نہ ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۴۔ امور ذیل وراثت کے مانع ہوں گے :

(الف) وصیت کے وہ موانع جن کو دفعہ ۲۲۳ میں بیان کیا گیا ہے۔

(ب) مسلم اور غیر مسلم وغیرہ ہونے کا اختلاف دین۔

(ج) ایک اجنبی وراثت سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے گا، الا یہ کہ

---

(۴۰) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۰-۴۷

قانون شام نے اس جیسے اجنبی شخص کے لیے کوئی قانونی دفعہ مرتب کی ہو۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۸۸ ۔ قتل عمد وراثت کا مانع ہوگا، خواہ قاتل اصلی ہو یا قاتل کا شریک ہو، یا ایسی جھوٹی شہادت دی ہو جو مقتول کے قتل کا باعث ہوگئی ہو اور حاکم نے اسی بنا پر قتل کا فیصلہ صادر کر دیا ہو۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۳۰ ۔ جو شخص ظلماً اپنے مورث کو عمداً قتل کردے گا وہ مورث کے ذاتی اور دیت کسی مال سے وارث نہ ہوگا، اور نہ کسی وارث کا حاجب ہو سکے گا۔ لیکن جس شخص سے قتل خطاء واقع ہو تو وہ مورث کی ذاتی مال سے وارث ہوگا، دیت کے مال سے نہ ہوگا۔ اور وہ دیگر وارثوں کا حاجب ہوگا۔

برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطۂ نظر :

جہاں تک قاتل کے لیے قتل (عمد) کے سبب میراث سے محرومی کے اصول کا تعلق ہے اس کا اطلاق بر صغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں میں بھی ہوتا رہا ہے چنانچہ بمقدمہ مسماۃ شاہ خانم بنام قلندر خان قرار دیا گیا کہ مصلحت عامہ کے اس اصول کے پیش نظر کہ ''کوئی مجرم اپنے جرم کے نتیجے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ ''ایسا شخص جو مقتول کے قتل میں معین ثابت ہوا ہو مقتول کے ترکہ میں وارث نہیں ہو سکتا،، ۔ (۳۱)

اسی طرح پاکستان میں جسٹس سجاد احمد جان جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان، لاہور (بینچ) (بعدہ جج سپریم کورٹ، پاکستان) نے بمقدمہ بیگوس بنام سارو قرار دیا کہ ''انصاف،، (Justice) نصفت (equity) حسن نیت (Good Conscience) کے اصولوں کے تحت ایک قاتل

(۳۱) P L R, 1900, p. 455—74 PR 1900

یا اس کی اولاد (نسل) کو اپنے جرم قتل سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، گو قاتل باپ ہو۔ اور اگر اس کی اولاد اس کے ذریعہ سے وراثت کی مدعی ہو تو اس کی اولاد کو بھی ورثہ نہیں مل سکتا، کیونکہ جس سر چشمہ کے ذریعہ وراثت جاری تھی وہ اس کے جرم کے ارتکاب کے سبب مسدود اور جڑ سے اکھڑ جاتا ہے،،۔(۴۲)

(راقم الحروف کو باوجود تلاش قتل خطا کے نتیجے میں میراث سے محرومی یا استحقاق کے سلسلے میں کوئی عدالتی فیصلہ نہ مل سکا)۔

نتیجۂ فکر:

راقم الحروف کے نزدیک قتل خطاء کے سلسلے میں دیگر ائمہ کے اقوال کی بہ نسبت امام مالک کا قول مرجح اور پسندیدہ ہے۔ ہر دو جانب سے جو احادیث پیش کی گئی ہیں ضعیف سندوں سے روایت کی گئی ہیں اور جس طرح دیگر ائمہ اجماع اہل علم کو ان احادیث کی قوت کا سبب تصور کرتے ہیں اسی طرح امام مالک اجماع اہل مدینہ کو اپنی قوت استدلال کا سبب خیال کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ''لیس للقاتل شئی،، کی حدیث کے عموم کو ''وان قتل صاحبہ خطاء ورث من مالہ ولا یرث من دیتہ،، کی حدیث سے مقید تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک آنحضرت (صلعم) کا اول فرمان اگرچہ عام ہے لیکن دوسرے فرمان نے اس میں خصوص پیدا کردیا اور جس طرح کتاب اللہ میں آیات عامہ کے لیے دوسری آیات تخصیص پیدا کر سکتی ہیں اسی طرح احادیث میں ایک حدیث دوسری کے لیے خصوص کا موجب ہو سکتی ہے۔ نیز اگر کتاب اللہ کی مذکورہ آیات پر غور کیا جائے تو ان سے بھی امام مالک کے قول کی تائید اور تقویت کا ثبوت بہم پہونچتا ہے کیونکہ قرآن حکیم نے صراحت کے ساتھ قتل عمد کے قاتل کے حق میں شدید ترین سزا کا اعلان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''من قتل مومنا متعمداً فجزاءہ جھنم،،اس آیت میں سزا کا وہ

---

(۴۲) PLD, 1964, LAH. 451
PLR, 1965. (2) West Pkistan, 114
16 DLR (West Pakistan) 1

درجہ بیان فرمایا ہے جس میں اللہ تعالی نے بندوں کو بعض دینوی اور کل اخروی نعمتوں سے محروم فرمادیا ہے۔ اس کے بعد قتل خطاء کے مرتکب کو اس سزا سے مستثنی فرماکر ارشاد فرمایا ہے ''من قتل مومنا خطاء فتحریر رقبة مومنة و دیة مسلمة الی اہلہ،، ''کہ جس شخص نے کسی مومن کو خطاء قتل کر دیا اس پر مومن غلام کا آزاد کرنا اور دیت جو مقتول کے اولیا کو دینا لازم ہے،، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے قتل عمد کے مقابلے میں قتل خطاء کی سزا میں انتہائی تخفیف فرمادی، جس کا مقتضی یہ ہوا کہ قتل خطاء کا مرتکب اس محرومی کا مستحق نہیں جو قتل عمد کے مرتکب کے لیے تجویز کی گئی ہے۔

امام مالک اپنے مسلک کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ''رفع اعن امتی الخطاء و النسیان وما استکر ہوا علیہ،، پیش کرتے ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خطا کرنے والا مرفوع القلم ہے اور اس کے فعل پر مواخذہ نہ ہوگا۔ ''اس حدیث کی روشنی میں اس کے فعل خطاء پر میراث سے محروم ہو جانا مندرجہ بالا حدیث کے خلاف عمل ہوگا۔ (یہاں یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ائمہ محدثین کے نزدیک اس حدیث کا اطلاق مواخذہ آخرت پر ہوگا۔ دیکھئے بحث ''طلاق مکرہ،، جلد دوم صفحہ ۳۶۳-۳۶۴)

احناف کا یہ استدلال کہ قتل اگرچہ خطاء واقع ہوا ہو لیکن بحیثیت قتل کے مباح نہیں ہے اور اسی وجہ سے اس پر کتاب اللہ میں دیت اور کفارے کی سزا مقرر کی گئی ہے، جو قتل خطاء کے جرم ہونے کی دلیل ہے، راقم الحروف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ میں دیت اور کفارہ کا حکم دیا جانا دو احتمال رکھتا ہے۔ پہلا احتمال وہی ہے جس کو احناف نے بیان کیا ہے کہ قتل خطاء کا فعل جرم ہے اور اس بناء پر دیت و کفارہ سزا کے طور پر رکھا گیا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ دیت اور کفارہ قتل خطاء کے جرم میں ہونے کی بناء پر نہ ہو بلکہ محض اس لیے ہو کہ ایک مسلمان کا خون جو قابل احترام شئے ہے اس کا اعزاز و اکرام باقی رہے اور لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کا خون اس درجہ گراں قدر ہے کہ اس کا ضائع ہونا کسی طرح خداوند عالم کو پسند نہیں۔

لہذا مذکورہ بالا دو احتمالوں میں سے جب تک پہلا احتمال متعین

نہ ہو اس وقت تک یہ کہنا مشکل ہوگا کہ چونکہ قتل خطاء جرم تھا اس لیے اس کی سزا میں دیت اور کفارہ لازم کیا گیا ہے۔ مزید برآں اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو امام مالک کے مسلک کی تائید خود کتاب اللہ کی آیت کے سیاق سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ کسی ایسے فعل سے جو شرعاً جرم ہو کسی دوسرے فعل کے استثناء کا اقتضاء یہ ہے کہ مستثنیٰ کو مستثنی منہ کے حکم سے خارج کر دیا جائے۔ نیز دیت اور کفارہ کی آیت کا اختتام ''توبة من الله'' پر ہوا ہے۔ توبہ جس وقت بندے کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بندہ اپنے گناہ سے رجوع کرکے معافی کا خواستگار ہوا اور جب خدا کی طرف سے منسوب ہو تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ خدا نے بندے پر مہربانی فرمائی اور عفو کے ساتھ درگزر فرمایا۔ آیت مذکورہ میں توبہ کی نسبت صراحت کے ساتھ اللہ تبارک و تعالی کی طرف فرمائی گئی ہے اور آیت کے مجموعی مضمون کے سیاق سے یہاں صحیح مطلب یہ ہوگا کہ قتل خطاء کے جرم ہونے سے در گزر کر دینا خدا کی مہربانی اور اس کی طرف سے عفو و در گذر ہے۔ اور یہ عفو و مہربانی اسی وقت کامل ہو گی جب کہ اس فعل پر سزا مرتب نہ ہو بلکہ دیت اور کفارہ کو خون مسلم کے اعزاز و اکرام کی بقاء کے لیے تصور کیا جائے۔ اس تفسیر کی روشنی میں بھی امام مالک کا نقطہ نظر کہ قتل خطاء میں محرومی میراث کا حکم نہ دیا جائے گا، اصح اور قرین صواب نظر آتا ہے۔ البتہ یہ حکم اس وقت دیا جانا چاہئے جب کہ حاکم کے نزدیک صحیح معنی میں یہ ثابت ہوجائے کہ قتل واقعی خطاءً ہوا ہے جس کا ذریعہ شواھد اور خارجی قرائن ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور حاکم کو ظاھری حالات کو پیش نظر رکھ کر ہی حتی الامکان صحیح فیصلہ کرنے کا مکلف کیا گیا ہے، جیسا کہ خود امام شافعی نے فرمایا ہے کہ قاضی کو ظاھری حالات پر اجتہاد کا مکلف بنایا گیا ہے۔(۴۳) مراد یہ ہے کہ حاکم عدالت کو شہادت اور آثار و قرائن سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہونچ جائے کہ قتل واقعی خطاء (غلطی سے) سرزد ہوا ہے تو قاتل کو میراث سے محروم نہ کیا جائے گا۔

---

(۴۳) الرسالہ، امام شافعی، مطبوعہ مصر، ۱۹۴۰ء، ص ۴۹۷:
''انه انما كلف فى الحكم الاجتهاد على الظاهر، دون المغيب''

جہاں تک قتل بالتسبب میں میراث سے محرومی کا تعلق ہے اگر واقعی طور پر وہ قتل محض اس سبب کے ذریعہ واقع ہو مگر سبب کے بانی کا کسی طرح بھی اس قتل سے تعلق ،نیت یا ارادہ ظاہر نہ ہوتا ہو تو اس میں میراث سے محرومی کا حکم نہ دیا جائے گا لیکن اگر قاتل نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ سبب اختیار کیا ہو جس سے بالواسطہ ارتکاب قتل کا ثبوت فراہم ہوتا ہو تو قاتل کو قتل شبہ عمد کے اثر و نتیجہ کے تحت میراث سے محروم قرار دیا جانا چاہئے۔ چنانچہ اگر قتل بالتسبب میں اس سبب کے اختیار کرنے ہی میں ارادہ ٔ قتل مضمر ہے یعنی ایسا ارادہ ثابت ہوجائے جو قتل کا موجب ہوا ہو تو اس پر بھی حرمان میراث کا حکم لگانا ضروری ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص بحکم شرعی اپنے مورث کو حد یا قصاص میں مار ڈالے یا اس حالت میں اسے مار ڈالنے کا مرتکب ہو کہ مورث اس پر اولاً خود حملہ آور ہوا ہو اور اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر، حق تحفظ ذات کے تحت مورث کو قتل کیا تو ایسے قتل سے نہ قصاص لازم آتا ہے نہ کفارہ اور نہ قاتل میراث سے محروم ہوتا ہے۔ یہ مسلک حنفیہ، مالکیہ اور حنبلیہ کا ہے ، لیکن امام شافعی اس سے متفق نہیں ہیں ان کے نزدیک قاتل خواہ کسی طرح مورث کے قتل میں شریک ہو مقتول کے ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ امام شافعی قتل ناحق کے سبب میراث سے محرومی کے نظریہ کو نابالغ اور پاگل تک وسعت دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک نابالغ یا پاگل بھی اگر قتل مورث کا مرتکب ہو تو اس کو میراث سے محروم کیا جائے گا، کیونکہ وہ قتل نا حق کا مرتکب پایا گیا ہے۔(۴۴) لیکن راقم الحروف کو اس مسئلے میں امام شافعی سے اختلاف ہے، کیونکہ میراث سے محروم ہونا قتل حرام کی سزا ہے۔ نابالغ اور پاگل کے افعال امر سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ فعل ممنوع وہ ہے جس کے ساتھ شرع نے خطاب کیا ہو اور یہ امر نابالغ یا پاگل میں نہیں پایا جاتا۔ علاوہ ازیں قاتل کے خلاف حرمان میراث کے حکم کی بنیاد استعجال میراث (یقینی یا ظنی) کے قاعدہ پر ہے۔ نابالغ یا پاگل کے قصد استعجال میراث کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جاسکتا، حرمان

---

(۴۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۴۸:-

''واما الصبی و المجنون اذا قتل مورثہ لم یحرم عن المیراث عندنا و عند الشافعی یحرم عن المیراث لوجود القتل بغیر حق۔''

میراث اس امر یا فعل کے بچنے سے کوتاھی کے سبب ھوتا ہے اور کوتاھی خاطی سے سرزد ھو سکتی ہے کیونکہ وہ اس امر کا اھل ہے کہ اس سے کوتاھی منسوب کی جائے اور یہ نسبت پاگل اور نابالغ میں نہیں پائی جاتی وہ اس نسبت کے شرعا اھل نہین ھین ۔ امام شافعی کا نقطہ نظر انتہائی درجہ تقوی اور احتیاط پر مبنی ہے، مگر اس سے قواعد شرعیہ کی مخالفت لازم آتی ہے اس لیے ان کا مذھب مرجوح قرار پائے گا۔

اختلاف مذاھب

۳۰۰ - کافر مسلم کا اور مسلم کافر کا وارث نہ ھوگا۔

تشریح

مسلم اور غیر مسلم مورث اور وارث کے درمیان مذھب یعنی توحید و شرک کا اختلاف بھی مانع ارث ہے۔ البتہ غیر مسلم اختلاف ملت کفر کے باوجود ایک دوسرے کے وارث ھوں گے۔ مسلمان باھم وارث ھوتے ھیں، لیکن کافر کسی مسلمان کی میراث نسبی یا سببی رشتہ سے نہیں لے سکتا۔(۴۵) اس پر است مسلمہ کا اجماع ہے۔ البتہ مسلمان کا کافر کی میراث پانے کے متعلق فی الجملہ اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء صحابہ کے نزدیک ایک مسلمان غیر مسلم کا وارث نہ ھوگا۔ یہی قول احناف اور امام شافعی کا ہے۔ لیکن صحابہ میں حضرت معاذ بن جبل اور معاویہ بن ابی سفیان اور تابعین مین سے حسن بصری، محمد بن حنفیہ، محمد بن علی بن الحسین اور مسروق تابعی کے نزدیک مسلمان غیر مسلم کا وارث ھوگا۔ جس کی دلیل آنحضرت (صلعم) کا ارشاد ”الاسلام یعلوا ولا یعلی، ہے۔ چونکہ وراثت حاصل کرنا بھی ایک قسم کی برتری ہے اس لیے اسلام کفر پر غالب ہے جو مذکورہ حدیث کی رو سے مسلمان کا حق ہے۔

ائمہ اربعہ کا مسلک :

امام سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا ہے کہ ان مذکورہ حضرات کے نزد یک استحقاق وراثت بھی ایک قسم کی ولایت ہے اور غیر مسلم کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں، البتہ مسلم کو غیر مسلم پر ولایت حاصل

---

(۴۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۰

ہوتی ہے ۔ اس لیے (ان مذکورہ حضرات کے نزدیک) مسلم غیر مسلم کا وارث ہوگا ۔ علاوہ ازیں، ارث کا استحقاق کبھی عام سبب سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی خاص سبب سے پیدا ہوتا ہے ۔ چنانچہ سبب عام کے تعلق سے مسلم غیر مسلم کا وارث ہوتا ہے جیسا کہ ذمی (اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہری) کا ترکہ اگر اس کا دار الاسلام میں کوئی وارث موجود نہ ہو تو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کردیا جاتا ہے جو مسلمانوں کا حق ہوتا ہے ۔ اس طرح گویا مسلمان اس ذمی کے مال کے وارث ہوجاتے ہیں ۔ لیکن سبب عام کے ذریعہ کوئی غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہوتا ۔ لہذا یہی حکم اس صورت سے بھی متعلق ہوگا جب کہ سبب خاص وارث کا ذریعہ بنے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک مسلم بعض خاص حالات میں مرتد کا وارث ہوتا ہے لیکن مرتد مسلم کا وارث نہیں ہوتا ۔ اور مرتد چونکہ کافر ہوتا ہے اس لیے اسی پر دیگر کفار کو قیاس کرنا چاہئے ۔ اس نظریہ کی تائید میں رسول اللہ (صلعم) کی حدیث ''الاسلام یزید ولا ینقص،، پیش کی جاتی ہے یعنی اسلام (حقوق کی) زیادتی کا ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ ان کی کمی کا ۔ چنانچہ غیر مسلم اپنے غیر مسلم قرابت دار سے وراثت پانے کا پہلے سے مستحق تھا اب مسلمان ہونے کے بعد اس کو کس طرح محروم قرار دیا جا سکے گا، کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ اسلام اس اس کے حق کی کمی کا سبب ہوجائے، اور یہ جائز نہیں ہو سکتا ۔

لیکن جمہور فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے ''ولا یتوارث اھل ملتین بشئی لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم،،(۲۹) نیز یہ حضرات قرآن سے استدلال کے طور پر اللہ تعالی کا فرمان ''والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض،، پیش کرتے ہیں کہ کفار آپس میں بعض کے ولی ہیں ۔ اس سے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان قیام ولایت کی نفی کی گئی ہے ۔ اب اگر اس ولایت سے مخصوص طور پر وراثت مراد ہو تو یہ واضح ہوجائے گا کہ دونوں فریق کے درمیان وراثت جاری نہ ہوگی اور اگر ولایت سے ولایت عام مراد ہو تو یہ واضح ہے کہ وراثت ولایت

---

(۲۹) صحیح بخاری، امام بخاری، مطبوعہ اصح المطابع کراچی، ج ۲، ص ۱۰۰۱
مسلم، بشرح نووی، امام مسلم، ج ۱۱، ص ۵۲ (کتاب الفرائض) ۔

عام کا ایک فرد خاص ہے اور وارث اپنے مورث کا بحیثیت مالک ہونے اور قابض ہونے کے تصرفات میں قائم مقام ہوتا ہے، اب دین کے مختلف ہونے سے ایک کو دوسرے پر خلیفہ ہونے کی حیثیت سے کس طرح ولایت حاصل ہوگی ؟ چنانچہ غور کیا جائے کہ جب ہجرت فرض تھی اس وقت اللہ تعالی نے حکم دیا تھا ''والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شئی حتی یھا جروا،، یعنی جن لوگوں نے ایمان لا کر ہجرت نہ اختیار کی ہو ان پر تم کو کچھ بھی ولایت حاصل نہ ہوگی جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں۔ یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمانوں اور کافروں میں باھم ولایت نہیں رھتی۔(۴۷) کیونکہ جب دارالکفر میں رھنے والے مسلم سے عدم ہجرت کی بناء پر اللہ تعالی نے دار الاسلام میں رھنے والے مسلم کے مابین ولایت کو قطع فرما دیا تو ظاہر ہے کہ ایک مسلم اور کافر میں بطریق اولی ولایت کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا۔ البتہ غیر مسلم خواہ کوئی ملت رکھتے ہوں، احناف کے نزدیک، باھم وارث ہوں گے، ان اسباب کے ذریعہ جن کے ذریعہ مسلمان باھم وارث ہوتے ہیں، نیز ایسے اسباب کے ذریعہ بھی جو مسلمانوں کے یہاں وراثت کا ذریعہ نہیں ہیں، لیکن ان میں بعض اسباب ایسے بھی ہیں جن کے ذریعہ ان میں اگرچہ وراثت جاری ہو لیکن اسلام ان ذرائع کو وراثت کا ذریعہ قرار نہیں دیتا تو ان میں وراثت کا حق پیدا نہ ہوگا جیسے وہ نکاح جو مسلمانوں کے مابین کسی حال میں درست نہیں ہوتے مثلاً محرمات نسبی یا رضاعی سے نکاح۔ امام مزنی نے اپنی کتاب ''المختصر،، میں امام شافعی سے بھی اس کے موافق نقل کیا ہے لیکن بعض اصحاب شافعی سے مروی ہے کہ جب تک اعتقادی نوعیت میں متفق نہ ہوں گے اس وقت تک وارث نہ ہوں گے۔ ابو القاسم نے امام مالک سے بھی یہی نقل کیا ہے (۴۸)

امام احمد حنبل کے نزدیک اگر مسلمان کا غیر مسلم وارث میراث تقسیم ہونے سے قبل اسلام لے آیا تو اس کا وارث ہوگا اور دیگر ورثاء کے ساتھ وراثت

---

(۴۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۴
المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۱

(۴۸) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۱
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۴

میں شریک ہو جائے گا۔(۴۹) یہ نقطہ نظر معتدل ہے۔

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک اختلاف دین اس طرح مانع ارث ہے کہ کافر مسلم کا وارث نہ ہوگا لیکن مسلم ہر قسم کے کافر کا وارث ہوگا۔(۴۹)

ظاہریہ :

امام ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی میں لکھا ہے کہ کافر مسلمان کی اور مسلمان کافر کی میراث نہیں لے سکتا۔(۵۰)

مصری قانون :

مصری قانون المواریث ۷۷، ۱۹۴۳ء کی دفعہ ۶ کی رو سے مسلم اور غیر مسلم میں وراثت جاری نہ ہوگی البتہ غیر مسلم باہم وارث ہوں گے۔(۵۱)

شام کا قانون :

شام کے قانون کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۱۳ کتاب ھذا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۹۔ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اور ولد اللعان و ولد الزنا اور اس کے والد کے درمیان وراثت کا سلسلہ جاری نہ ہوگا۔

نتیجہ فکر :

مندرجہ بالا دلائل کا تجزیہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہوگا کہ قرآن پاک ”ملل کفر“ والوں کو باہم وارث تسلیم کرتا ہے لیکن ”ملل

(۴۹) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۷۱
(۴۹) (ا) الاستبصار، طوسی، مطبوعہ نجف ۱۹۵۶ء، ج ۴، صص ۱۸۹-۱۹۰
(۵۰) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۳۰۱
(۵۱) احکام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۸۳

کفر و اسلام،، کے بارے میں خاموش ہے۔ البتہ حدیث نبوی جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، اس مسئلہ میں صریح نص کے طور پر وارد ہوئی ہے۔ دیگر ائمہ جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں، ان کی نوعیت ایک عام اصول اور ضابطہ کی ہے جو مسئلہ متعلقہ میں صریح حدیث کی موجودگی میں لائق استدلال نہیں۔ بنابریں راقم الحروف کے نزدیک یہ نقطہ نظر اقرب الی الصواب ہے کہ جس طرح غیر مسلم مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا اسی طرح مسلم غیر مسلم کا وارث نہیں ہونا چاہئے۔

معاذ بن جبل وغیرہ کی دلیل کہ ''مسلم غیر مسلم وارث کا ولی ہوسکتا ہے اور وراثت ولایت کی ایک قسم یا شاخ ہے،، اس مسئلہ میں بطور حجت پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ ولایت ایک مستقل حق بالذات نہیں بلکہ ایک امر عارضی ہے جو ایک معین عمر یا حالت تک قائم رہتا ہے، جب کہ وراثت مستقل بالذات ہے جس کا تعلق قائم ہونے کے بعد صرف وارث کی ذات سے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ولایت قابل انتقال نہیں جب کہ وراثت میں ملا ہوا ترکہ قابل انتقال بھی ہوتا ہے۔ ولایت اور وراثت میں مندرجہ اعتبارات سے جو امتیاز موجود ہے وہ اس امر کے لیے کافی ہے کہ ان حضرات کا وراثت کو ولایت پر قیاس کرنا اور اس سبب سے مسلم کو غیر مسلم کی میراث دلانا منطقی طور پر بھی درست نہیں۔

اختلاف دار

۳۰۱۔ مملکت اسلامیہ کے غیر مسلم شہری اور مملکت غیر اسلامیہ کے غیر مسلم شہری کے درمیان ،بجز حالت جنگ مابین ہر دو ملک، اختلاف مملکت مانع ارث نہ ہوگا ، الا یہ کہ مملکت غیر اسلامیہ کا قانون اس کا مانع ہو۔

تشریح

دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحوں کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ عہد نبوت و عہد صحابہ میں اس کا سراغ ملتا ہے۔ البتہ بعد کے اجتہادی دور کی کتب فقہیہ میں ''کتاب السیر،، کے تحت مستقل بحثیں ملتی ہیں، جن میں باہم مسلم و غیر مسلم ممالک و افراد کے باہمی قانونی تعلقات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں جو اصطلاحیں اختیار کی گئی ہیں، ان میں

دارالاسلام، دارالحرب، دارالکفر، دارالعہد اور دارالامان کی اصطلاحیں معروف ہیں۔ ان کے علاوہ دارالخوف، دارالشر، غیر دارالاسلام، دارالمسلمین، دار فرار، دارالسلم اور دار موادعت کی اصطلاحیں بھی ملتی ہیں۔ یہ اصطلاحات تغیر زمانہ کے سبب اپنی تعریف، اطلاق اور حدود وسعت کے لحاظ سے بدلتی رہی ہیں، ابتداء اسلام میں جنگ کا بنیادی سبب مذہب ہوتا تھا اور مسلمان ہر طرف جنگ و جدال میں مصروف تھے اسی بناء پر مسلمان مملکتوں کو دارالاسلام اور دیگر تمام اجنبی حکومتوں کو دارالحرب کہا جاتا تھا البتہ جن پڑوسی اجنبی ممالک سے باہم عہد و پیمان ہوجاتے تھے ان کو دارالعہد کہا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم کتب فقہ میں کثرت کے ساتھ دارالاسلام، دارالحرب اور دارالعہد کی اصطلاحیں ملتی ہیں، اور دوسری اصطلاحوں کا استعمال کم ہوا ہے۔

دارالاسلام و دارالکفر (دارالحرب) :

فقہاء کی تصریح کے مطابق دارالاسلام میں تین شرطوں کا ایک ساتھ پایا جانا ضروری ہے :

۱۔ صدر مملکت کو جسے فقہاء عام طور پر ''امام،، کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے ناموس شریعت کا محافظ اور پاسبان ہونا چاہئے۔

۲۔ ملک میں اسلامی قانون رائج ہونا چاہئے جس کا بنیادی مقصد عدل و احسان کے قیام اور فواحش و منکرات کا استیصال ہے۔

۳۔ ہر مسلمان خواہ کسی ملک اور علاقہ کا باشندہ ہو اور اس اعتبار سے ایک مقامی قومیت رکھتا ہو، اس کو دارالاسلام میں بلا روک ٹوک آنے کی اجازت ہوگی اور اسے وہاں پہونچتے ہی وہ تمام شہری حقوق حاصل ہوجائیں گے جو وہاں کے پہلے سے رہنے والے (مسلمانوں) کو حاصل ہیں۔ وہ وہاں زمین خرید سکتا ہے، کھیتی باڑی اور کاروبار کرسکتا ہے۔ ملازمت میں لیا جا سکتا

ہے اور جاگیر و جائیداد پیدا کر سکتا ہے۔ اسے اختیار ہے کہ جب تک چاہے وہاں قیام کرے۔ حکومت اس کو ملک سے نکل جانے کا حکم نہیں دے سکتی۔ اسی بناء پر مسلمان اگر کسی دوسرے ملک میں کسی جرم کا ارتکاب کر کے آیا ہو تو دارالاسلام کی حکومت کو حق ہوگا کہ وہ اسے سزا دے۔(۵۲)

لیکن جدید عہد میں شاید ہی کوئی ایسا اسلامی ملک ہو جہاں بالخصوص تیسری شرط کا لحاظ کیا جاتا ہو۔ راقم الحروف کے نزدیک دور حاضر کے مخصوص مقتضیات کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اکثریت والے ایسے ملک کو دارالاسلام کہا جا سکے گا، جہاں شرعی قوانین کے نفاذ میں کوئی امر مانع موجود نہ ہو، نیز جو ملک پہلے دارالاسلام ہو اور پھر اس پر غیر مسلموں کا غلبہ ہوجائے تو اس کو اس وقت تک دارالحرب نہ کہا جائے گا جب تک اس میں اسلامی احکام کا کچھ بھی جزو باقی ہے، اگرچہ اہل اسلام کا غلبہ نہ رہا ہو، کیونکہ جس حکم کا وجود کسی علت پر مبنی ہوتا ہے تو جب تک وہ علت بالکل نہ اٹھ جائے، حکم باقی رہتا ہے۔

بالفاظ دیگر دارالاسلام اس دار (ملک) کو کہتے ہیں جہاں مسلمانوں کو غلبہ و تسلط حاصل ہو اور جہاں غلبہ اور تسلط حاصل نہ ہو، شرعی اصطلاح میں، وہ ملک دارالکفر کہلائےگا۔ دارالاسلام اور دارالکفر کی اس تعریف میں ائمہ کے درمیان اختلاف نہیں۔ البتہ اگر کوئی ملک دارالاسلام ہو تو وہ کب اور کن حالات میں دارالکفر (دارالحرب) میں تبدیل ہو جائے گا اس میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے

چنانچہ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک غیر مسلموں کا ملک تین شرطوں سے دارالحرب بنتا ہے:

۱۔ یہ کہ یہ ملک تاتاریوں (اس وقت تک یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے تھے) کے ملک سے ملا ہوا ہو۔

---

(۵۲) ''برہان،، دہلی، (ماہنامہ)، سعید احمد اکبر آبادی، مولانا، (مدیر)، اکتوبر ۱۹۶۶ع صص ۲۰۱-۲۰۱ (ہندوستان کی شرعی حیثیت)

۲۔ یہ کہ اس میں کوئی مسلمان سابق امان کے ساتھ نہ ہو اور اسی طرح کوئی ذمی سابق امان کے ساتھ نہ ہو، اور

۳۔ یہ کہ یہ لوگ شرک کے احکام ظاہر کریں۔

اس کے بر خلاف امام ابویوسف اور محمد الشیبانی کے نزدیک (صرف) احکام کفر کے اظہار (اجراء) کرتے ہی یہ ملک دارالحرب بن جاتا ہے۔(۵۳)

اسی طرح امام علاءالدین الکاسانی نے لکھا ہے کہ ''ہمارے اصحاب کے درمیان اس امر مین کوئی اختلاف نہیں کہ دار کفر میں احکام اسلام کے ظہور سے دارالکفر، دارالاسلام ہوجاتا ہے البتہ اس مین ہمارے اصحاب نے اختلاف کیا ہے کہ دارالاسلام کس سبب سے دارالکفر ہوجاتا ہے۔ (امام) ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ تین شرائط پائے جانے کے بغیر دارالکفر نہیں ہو سکتا۔ ایک یہ کہ اس میں احکام کفر کا ظہور ہو، دوسرے یہ کہ وہ دار، دارالکفر سے متصل ہو اور تیسرے یہ کہ اس میں نہ کوئی مسلمان اور نہ کوئی ذمی، امان اول (امان المسلمین) کے ساتھ قائم ہو (یعنی مسلمان حکومت نے جو امان دی ہوئی تھی وہ قائم نہ رہے)۔ (اس کے برخلاف) ابو یوسف اور محمد (الشیبانی) نے فرمایا ہے کہ وہ دار صرف احکام کفر ظاہر ہوتے ہی دارالکفر ہوجاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارکفر میں اسلام اور کفر کی طرف نسبت ہے اس لیے جو چیز کہ اسلام یا کفر کی طرف نسبت کرتی ہے وہ اس (دار) میں اسلام یا کفر کا ظاہر ہونا ہے . . . اور اسلام اور کفر کا ظہور ان دونوں کے احکام کے ذریعے ہوتا ہے (یعنی اگر اسلامی احکام کا ظہور ہوگا تو وہ دارالاسلام کہلائے گا اور اگر احکام کفر کا ظہور ہوگا تو وہ دارالکفر کہلائے گا۔ چنانچہ جب دار میں احکام کفر ظاہر ہوں تو وہ دارالکفر ہو گیا اور نسبت صحیح ہوگئی۔ اسی طرح احکام اسلام کے ظہور کے سبب وہ دار، دار الاسلام ہوگیا۔(۵۴) امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ دار کی

---

(۵۳) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۱۰، ص ۱۱۴ (باب المرتدین)

(۵۴) البدائع الصنائع، علاءالدین کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۱۳۰-۳۱

اضافت (نسبت) اسلام کی طرف یا کفر کی طرف اس بنا پر نہیں ہے کہ اس ملک میں اسلام یا کفر کا وجود ہے (جس کی وجہ سے ملک کو داراسلام یا دار کفر کہا جا رہا ہے)، بلکہ اضافت سے مقصود (اصلی) امن اور خوف کا وجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے لیے اس ملک میں مطلقاً امن حاصل ہے اور کفار کے لیے مطلقاً خوف موجود ہے تو اس ملک کو داراسلام کہا جائے گا۔ اور اگر کفار کو مطلقاً امن حاصل ہے اور مسلمانوں کو مطلقاً خوف لاحق ہے تو یہ دار کفر ہوگا۔ چنانچہ احکام کی بنیاد امان اور خوف پر رکھی جائے گی۔ اسلام یا کفر کی ذات کے وجود پہ نہ رکھی جائے گی۔ اس لیے (داراسلام یا دار کفر میں) امن طلبی کی ضرورت نہ محسوس ہو تو جو امان پہلے سے قائم تھی اس کو مطلقاً برقرار سمجھا جائے گا، لہذا ایسا ملک دار کفر قرار نہ پائے گا، اور جو امان علی الاطلاق ثابت شدہ ہو وہ اس وقت تک زائل متصور نہ ہوگی جب تک اس ملک کا اتصال دار کفر سے نہ ہوجائے۔ چنانچہ (امام ابو حنیفہ کے نزدیک) ایسے ملک کا دار اسلام سے دار کفر کی صفت اختیار کر لینا ان دونوں کے وجود پر موقوف ہوگا۔ . . . . اس کے ماسوی دار کی اضافت (نسبت) اسلام کی جانب اس معنی کا احتمال بھی رکھتی ہے جو آپ نے بیان کیا ہے، اور اس معنی کا بھی احتمال رکھتی ہے جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کے لیے اس ملک میں مطلقاً امن ثابت ہو، اور اہل ذمہ کے لیے ان کے ذمی اور طالب امن ہونے کی بناء پر امن حاصل ہو، پس اگر اضافت کی وجہ وہ ہے جو آپ نے بیان کی ہے تو اس معنی کی بناء پر جو آپ نے بیان کیے ہیں دار کفر ہوگا اور اگر اضافت کی وجہ وہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے تو یہ ملک دار کفر نہ ہوگا، بلکہ اس طرح ہوگا جس طرح ہم نے کہا ہے۔ لہذا جو ملک یقینی طور پر دار اسلام تھا وہ مشکوک دلیل سے دار کفر قرار نہ پائے گا، بخلاف دار کفر کے، کہ وہ اسلام کے احکام کے اجراء سے داراسلام قرار پا جائے گا۔ الخ (۵۵)

(۵۵) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۱۳۰-۱۳۱ (کتاب السیر)
فتاوی عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۷۰ (کتاب السیر)

تجزیہ :

مندرجہ بالا اقتباسات کا تجزیہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس ملک پر کفار غالب آگئے ہوں یا اہل ملک مرتد ہوگئے ہوں اور انھوں نے کفر کے احکام اس میں جاری کردیے ہوں، صاحبین کے نزدیک وہ ملک دارکفر قرار دیا جائے گا۔ جب کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر اس ملک کے مسلمان اپنی سابقہ امان کی حالت میں برقرار ہوں اور اہل ذمہ بھی اپنے سابق عہد و پیمان کی بنا پر برقرار ہوں نیز اس ملک کا اتصال کسی دار کفر کے ساتھ نہ ہو تو فقط کفر کے احکام جاری ہونے سے وہ دار، دار کفر نہ ہوگا۔ ان کے نزدیک اس ملک کے دار کفر ہونے کی محض ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ کفار کے غلبہ کے بعد احکام کفر کا اجراء ہو جائے۔ مسلمان اہل ملک غلبہ کے بعد جدید امان حاصل کرنے کے محتاج ہوں اور یہ ملک کسی دوسرے دار کفر سے متصل بھی ہو۔ اگر یہ تینوں امور موجود نہ ہوں تو دار کفر قرار نہ پائے گا۔ مثلاً اجراء احکام کفر ہوگیا، لیکن مسلمانوں کے لیے امان بدستور باقی ہو، اور کسی دارکفر کا اتصال بھی نہ ہو یا اجراء احکام کفر ہو گیا، اور دار کفر سے اتصال بھی ہے لیکن مسلمانوں کیلئے ان کی امان بدستور سابقہ حالت پر باقی ہے یا مسلمانوں کے لیے سابقہ امان باقی ہے، اجراء احکام کفر نہیں ہوا محض کفار کا غلبہ ہوگیا، کسی دار کفر کا اتصال ہے، یا نہیں ہے، ان تمام صورتوں میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک دار کفر نہ ہوگا۔ اس مسئلے میں امام ابو حنیفہ کی بیان کردہ تعریف صاحبین کے مقابلے میں قابل ترجیح نظر آتی ہے۔

چنانچہ دارالاسلام اس وقت تک دارالاسلام رہے گا جب تک کہ مسلمانوں کا تسلط منقطع ہو کر مایوسی کی حد میں نہ داخل ہو جائے اور آثار و قرائن ایسے ہوں کہ مسلمانوں کے غلبہ و تسلط کی کوئی امید باقی نہ رہے۔

موجودہ زمانے میں قومیت و وطنیت کا ایک نیا تصور پیدا ہوا ہے۔ مسلم

اور غیر مسلم اقوام بلا لحاظ ملک و ملت اپنے قومی اور بین الاقوامی معاملات میں اس جدید تصور پر عمل پیرا ھیں - پر امن بقائے باھمی، انفرادی او جتماعی مذھبی آزادی، عام امن و امان قانون کی بالادستی اور مساوات، بین الاقوامی میثاق اور جذبہ خیر سگالی کے پیش نظر دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحات کا وہ مفہوم اور اثر علی الاطلاق اختیار کرنا جو متقدمین فقہاء کے نزدیک تھا، کس حد تک درست ھوگا، یہ مسٔلہ غور طلب ھے -

ادارہ تحقیقات اسلامی، پاکستان کے پروفیسر ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی نے اپنے ایک مقالے میں دارالحرب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ھوئے لکھا ھے کہ ''دارالحرب کی '' جو تعریف (کتب فقہ میں) بیان کی گئی ھے، نیز قرون اولی میں دارالحرب و دارالاسلام کے جو تعلقات تھے اور جو جنگی نتائج مرتب ھوئے تھے ان سب پر نظر ڈالنے سے ظاھر ھوجاتا ھے کہ آج کل کی سلطنتوں اور ریاستوں کو جہاں بدنظمی نہیں بلکہ ایک خاص نظام قائم ھے اور مسلمان با امن و امان رھتے ھیں بلکہ اپنی تعداد کے مطابق سیاسی امور میں بھی حصہ لیتے ھیں، دارالحرب قرار نہیں دیا جاسکتا -''(۵۶)

پاکستان کے ممتاز مفکر پروفیسر محمد شریف، ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاھور نے بھی لکھا ھے کہ ''ھندوستان کا دستور اگرچہ سیکولر ھے لیکن اس میں عقیدہ، عمل اور مذھب، کی جو آزادی دی گئی ھے وہ بعینہ وہ ھے جو اسلام دیتا ھے - اس بناء پر لفظوں میں فرق ھے ورنہ پاکستان کی اسلامی ریاست اور ھندوستان، آسٹریلیا اور امریکہ کی سیکولر اسٹیٹ یہ سب ایک ھی ھیں -''(۵۷)

راقم الحروف کو ڈاکٹر معصومی اور پروفیسر محمد شریف کی ان آراء کو صحیح تسلیم کرنے میں تأمل ھے - ڈاکٹر معصومی کو یہاں مغالطہ ھوا ھے - وہ دارالحرب کی اصطلاح کو لفظ ''حرب'' کا تابع سمجھ کر امن و امان اور نظم ونسق کی صورت میں دارالحرب قرار دینے کے منکر نظر آتے ھیں، حالانکہ یہاں دارالحرب کی اصطلاح دارالکفر کے مترادف استعمال ھوتی ھے - اگر کسی ملک

---

(۵۶) ''الرحیم''، حیدرآباد (سندھ) پروفیسر ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی، شمارہ جون، ۱۹۶۶ع، صص ۴۲-۴۷

(۵۷) اسلامک اینڈ ایجوکیشنل اسٹڈیز ، لاھور محمد شریف ،ص ۹

میں غیر مسلموں کا تسلط اور غلبہ ہے تو وہ ملک دارالکفر (دارالحرب) ہی کہلائے گا نہ کہ دارالاسلام—اسی طرح پروفیسر محمد شریف بھی مغالطہ کا شکار ہیں وہ محض عقیدہ اور عمل کی آزادی کو دارالاسلام کی علامت اصلی قرار دیتے ہوئے امریکہ اور پاکستان کو ایک پلڑے میں رکھتے ہیں— یہ خود ساختہ اصول ہے جو اسلام کی روح کے منافی ہے - پروفیسر موصوف کی اس تعمیم (generalization) سے ملل کفر و اسلام کا سرے سے کوئی جھگڑا ہی نہیں رہتا - یہ تخیل مغرب کی فسوں کاری کے سوا کچھ نہیں، جس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اسلام اور اسلامی حکومت کے بنیادی خد و خال کو اس طرح مسخ کر دے کہ مسلم قومیت کے تشخص کی بنیاد ——— مذہب ——— کا کوئی تعلق نظم مملکت سے وابستہ نہ رہے جس کے نتیجہ میں دارالاسلام اور دارالکفر کا وہ بنیادی نظریہ قائم نہ رہنے پائے جو اسلام اور کفر کی حکومتوں کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے -

نتیجہ فکر :

مندرجہ بالا مباحث کی روشنی میں عہد جدید کے تقاضوں اور قانون بین الاقوام کے موجودہ نظریات کے پیش نظر غالباً یہ تجویز کرنا اصول شرع کے خلاف متصور نہ ہوگا کہ موجودہ عہد میں دار الاسلام و دارالحرب کی اصطلاحات کے بجائے ’’ مملکت اسلامیہ ،، و ’’ مملکت غیر اسلامیہ ،، کی اصطلاحیں اختیار کرنا مناسب ہوگا- ان کے مابین نقطہ امتیاز یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ جس مملکت میں اسلامی قوانین کو بالفعل یا بالقوۃ نافذ کیا جاسکے اور غیر مسلم رعایا اپنے مذہبی امور پر عمل کرنے میں اس کی اجازت و منظوری کی محتاج ہو وہ ملک اسلامی کہلائے گا، لیکن جس مملکت پر غیر مسلموں کا اس طرح تسلط ہو کہ وہ مملکت اپنی مسلم رعایا کے احکام و قوانین نافذ کرنے پر بالفعل یا بالقوۃ قاصر ہو، اور مسلمان قوم کے افراد اپنے مذہبی احکام پر عمل کرنے میں اس کی اجازت کے محتاج ہوں تو وہ مملکت غیر اسلامی ہوگی-

چنانچہ وہ تمام حکومتیں جن کے سربراہ اور عام رعایا غیر مسلم ہے اور مسلمان

اپنے دینی احکام پر عمل کرنے میں ان کی اجازت و منظوری کے محتاج ہیں غیر اسلامی حکومتیں کہلائیں گی، اگرچہ ان حکومتوں نے اپنے بعض عہدوں پر مسلم افراد کا تقرر ہی کیوں نہ کردیا ہو، کیونکہ یہ مسلم افراد حقیقی معنی میں احکام نافذ کرنے میں غیر مسلموں ہی کے محتاج ہوں گے۔

عہد حاضر میں حکومتوں کے باہمی تعلقات و معاہدات، معاشی حالات، ذرائع رسل و رسائل و حمل و نقل اور نقل وطن و ترک سکونت کی بنا پر مسلم و غیر مسلم حکومت و افراد کے مابین شخصی قانون بین الاقوام کے دائرہ میں جو مسائل پیدا ہوئے ہیں وہ ہمارے علماء کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ ان ہی امور میں دو مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے غیر مسلموں کی میراث کا مسئلہ بھی شامل ہے۔

اختلاف دار—مانع ارث:

قدیم کتب فقہ کی رو سے دار (ملک) کا اختلاف بھی مانع ارث ہے یعنی ایک کافر ذمی دارالکفر میں ہو اور دوسرا دارالاسلام میں، تو باہم میراث جاری نہ ہوگی۔

میراث کے باب میں دارالاسلام و دارالکفر کے یہ معنی ہیں کہ ہر دو ممالک کے سربراہ اپنی فوج، قوانین، املاک اور حکومت میں ایک دوسرے سے اس درجہ استقلال رکھتے ہوں، کہ دونوں ملکوں کے سربراہ کسی وقت بھی ایک دوسرے کے مقابل تغلب سے کھڑے ہو سکتے ہوں، دونوں کے نزدیک ایک دوسرے کو جنگ کرنا جائز ہو ، کیونکہ ایسی حالت میں ان ملکوں کی باہمی عصمت منقطع ہوجاتی ہے۔(۵۸)

اختلاف دار غیر اہل اسلام میں معتبر ہے۔ مثلاً حربی، ذمی یا مستامن۔ اختلاف دار کی دو صورتیں ہیں۔ حقیقی اختلاف اور حکمی اختلاف۔ لیکن ہر ہر دو صورتوں کا حکم یہی ہے کہ یہ اختلاف ارث کا مانع ہوگا۔ البتہ مسلمانوں میں اختلاف دار (ملک) مانع ارث نہیں ہے۔

---

(۵۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

اختلاف دار کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دار الاسلام کی حدود میں اس کا شہری ہو، اور دوسرا دارالکفر کی حدود میں رہ کر وہاں کا شہری ہو۔ چنانچہ اگر وارث و مورث مختلف دار سے تعلق رکھتے ہیں تو غیر مسلم ہونے کی صورت میں باہم وارث نہ ہوں گے۔ جیسے حربی و ذمی و ذمی مستا من جو مختلف ملکوں کے ہوں، کہ ایک داراسلام میں حکومت اسلام کا مطیع ہوکر جزیہ دے کر یہاں کا شہری ہو، اور دوسرا غیر مسلم دار الکفر کا شہری ہو تو ایک کو دوسرے کی میراث نہ ملے گی۔

بالفاظ دیگر دارالکفر میں غیر مسلم مرا تو دار الاسلام کا غیر مسلم شہری کا باپ یا بیٹا وارث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر دارالاسلام میں ذمی (دار الاسلام کا غیر مسلم شہری) مرا تو دار الکفر میں رہنے والا اس ذمی کا باپ یا بیٹا اس کا وارث نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ان دونوں میں حقیقی معنی کے اعتبار سے اختلاف دار ہے ، اگرچہ ملت میں متحد ہیں۔ اگر حربی (دارالکفر کا کافر شہری) دار الاسلام میں مال لے کر آیا اور مرگیا تو اس سے وراثت کا رشتہ رکھنے والا ذمی اس کا وارث نہ ہوگا، بلکہ حربی کافر نے جو مال چھوڑا ہو اس کے ملک کو بھیج دیا جائے گا۔ اگر دارالاسلام میں ذمی فوت ہوگیا جس کا دارالاسلام میں کوئی وارث نہیں البتہ دار الکفر میں موجود ہے تو اس ذمی کا ترکہ بیت‌المال میں داخل کردیا جائے گا۔ دارالکفر کے رہنے والوں کو وراثت نہ ملے گی، کیونکہ ان میں حکماً اختلاف دار موجود ہے اگرچہ اس وقت دونوں ایک ہی ملک میں موجود ہیں۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی مسلمان دارالکفر میں جاکر مرے یا مسلم دارالاسلام میں مرے اور (اس کے مسلمان) وارث دارالکفر میں ہوں تو دارالاسلام کے وارث اس کے ترکہ کے وارث ہوں گے، کیونکہ اختلاف دارکا قانون غیر مسلموں کے لیے ہے، اسی طرح اگر ذمی کافر دارالکفر میں اجازت لے کر گیا اور اس کے ورثاء دارالاسلام میں موجود نہیں تو یہ دارالاسلام کا متروکہ بیت المال کا حق ہوگا، دارالکفر کے ورثاء کو نہ ملے گا۔(۵۹)

---

(۵۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۵
البحر الرائق، ابن نجیم محولہ بالا، ج ۸، ص ۵۰۱
رد المحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ج ۵، صص ۳۳-۵۳۲

امام شافعی کے نزدیک اختلاف دار مانع ارث نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی امام شافعی کے موافق ہے۔ مالکی کتب فقہ کی عبارتوں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک شافعیہ و حنبلیہ کے مطابق ہے، کیونکہ ان کی کتب میں اختلاف دار کے متعلق کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔(۶۰)

ظاہریہ :

علامہ ابن حزم سے بھی اختلاف دارین کے سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک بھی اختلاف دارین معتبر نہیں معلوم ہوتا۔(۶۱)

مصری قانون :

مصری قانون المواریث ۷۷، ۱۹۴۳ع کی دفعہ ۶ کے تحت مذکور ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف دارین وراثت سے مانع نہ ہوگا نیز غیر مسلموں کے درمیان بھی مانع ارث نہ ہوگا الا یہ کہ دار اجنبی (غیر ملک) نے خود ہی (اپنے قانون کے تحت) ان کے باہم توارث کو ممنوع قرار دے دیا ہو۔(۶۲)

دفعہ ۶ - دو مملکتوں کا اختلاف مسلمانوں کے حق میں وراثت کا مانع نہ ہوگا، اور نہ غیر مسلمین کے درمیان مانع ہوگا، الا یہ کہ کسی دوسری مملکت کا قانون اس میں مانع ہو۔

نتیجۂ فکر :

اختلاف دار کے مسئلہ میں مختلف مذاہب فقہ کے مطالعہ سے جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اختلاف دار کے سلسلہ میں احناف ایک غیر مسلم کا وارث صرف اس صورت میں تسلیم کرتے ہیں جب کہ وارث و مورث (غیر مسلم) میں کوئی اختلاف دار نہ ہو۔ اگر اختلاف دار موجود ہو تو غیر مسلم

---

(۶۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۶۹-۱۶۸

(۶۱) الاستبصار، طوسی، مطبوعہ نجف، ۱۹۵۶ع، ج ۴، صص ۹۰-۱۸۹

(۶۲) احکام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۰۱

مورث (ذمی) کا ترکہ دارالکفر میں رہنے والے غیر مسلم (وارث) کو نہیں دیتے۔ اور یہی حکم اس کے برعکس صورت میں لگاتے ہیں یعنی اگر دارالکفر میں کوئی غیر مسلم مرجائے اور اس کا وارث غیر مسلم ذمی دارالاسلام کا شہری ہو تو اس صورت میں بھی ان کے نزدیک وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف، شافعیہ اور حنبلیہ غیر مسلموں کے درمیان اختلاف دار کو مانع ارث کے طور پر تسلیم نہیں کرتے۔ مالکیہ، ظاہریہ اور شیعہ مکاتیب فکر اس بحث میں خاموش نظر آتے ہیں۔ مصر میں رائج الوقت قانون کے تحت غیر مسلم کے درمیان اختلاف دار کو مانع ارث قرار نہیں دیا گیا، جب کہ اس سے قبل محاکم شرعیہ، ۱۹۱۰ء کی رو سے حنفی مذہب کے مطابق فیصلے کئے جاتے تھے اور اختلاف دار کو مانع ارث قرار دیا جاتا تھا۔

نتیجہ فکر:

بہ نظر غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حنفی مسلک سیاست شرعی کے اصولوں اور مصلحتوں کو اپنی تہ میں لئے ہوئے ہے جس میں ایک اسلامی ملک کی انتظامی مصلحتوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ آخر کوئی اسلامی مملکت، اپنے غیر مسلم شہری کے حق وراثت کو، جو اسے کسی غیر مسلم ملک میں اس کے کسی غیر مسلم مورث کے فوت ہو جانے سے حاصل ہوا ہو، کیونکر نافذ کرا سکتی ہے؟ اسی لئے علماء احناف نے اپنے غیر مسلم شہری کے لئے اختلاف دار کو مانع میراث قرار دیا ہے لیکن مسلمانوں میں اختلاف دار کسی کے نزدیک بھی مانع میراث نہیں ہے۔ البتہ غیر مسلموں کی میراث کے سلسلہ میں عصری تقاضوں کے پیش نظر، یہ استثناء کیا جا سکتا ہے کہ اگر دو مملکتوں یعنی مملکت اسلامی و مملکت غیر اسلامی کے درمیان کوئی معاہدہ قرار پا جائے جس کے تحت ہر دو ملک کے باشندوں کے لئے باہم استحقاق میراث کی قرار داد طے شدہ ہو، تو اسکے نفاذ میں بظاہر کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا، کیونکہ اس طرح ان غیر مسلموں کے حقوق کا اجراء ایک دوسرے کے ملک میں ممکن العمل ہو سکے گا۔ معاہدہ کی غیر موجودگی میں ایک مملکت دوسرے مملکت کے غیر مسلم شہری کے حقوق وراثت کے تسلیم کرنے سے منکر اور ان کے نفاذ میں مانع ہو سکتی ہے، جس کے نتیجہ میں استحقاق میراث بے اثر ہو سکتا ہے۔

لہذا راقم الحروف کے نزدیک، معاہدہ، کی مندرجہ بالا شق کے ساتھ، اس مسئلہ میں حنفی مسلک ہی انسب اور قرین صواب ہے ۔

ارتداد

۳۰۲۔ (۱) ارتداد مانع ارث ہے ۔ مرتد اور مرتدہ (مرد و عورت) اپنے مسلمان ورثاء کی میراث سے محروم ہوں گے ۔

(۲) ارتداد اس مال کے حق میں جو مرتد نے بعد ارتداد حاصل کیا ہو، اس کے ورثاء کے حق میں مانع ارث ہو گا ۔ یہ مال بیت المال کی ملکیت ہوگا ۔ البتہ مرتد کا مسلم وارث اس مال کا وارث ہو گا جو مرتد نے اسلام کی حالت میں حاصل کیا ہو ۔

استثناء :۔ مرتدہ (عورت) کا حالت اسلام اور ارتداد دونوں حالتوں کا مال اس کے ورثاء کا حق ہو گا ۔

تشریح

ارتداد :

موانع میراث میں ارتداد بھی ایک سبب ہے ۔ یہ مانع اصلاً نہیں ہے بلکہ بالتبع ہے کیونکہ شرط اسلام معدوم ہوجانے کے سبب دوسرے دین پر لوٹ جانے کا امر عارض ہوگیا ہے ۔

مرتد کی تعریف :

جو شخص کلمہ کفر ادا کرنے کے بعد دین اسلام سے کسی دوسرے دین کی طرف رجوع کر جائے اس کو شرعی اصطلاح میں مرتد کہتے ہیں ۔ لغت میں اس کے معنی ''واپس ہوجانے،، کے ہیں ۔(۶۳)

مرتد کے مال کے بارے میں ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر :

مرتد اگر مارا جائے یا مرجائے یا دارالحرب میں رہ پڑے تو جو کچھ اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء کی میراث قرار پائے گا، اور جو کچھ حالت ارتداد میں کمایا ہے وہ بیت المال کی ملکیت ہوگا ۔ یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے ۔ صاحبین کے نزدیک اسلام اور ردت دونوں حالتوں یا زمانوں کی کمائی میں مرتد کے مسلمان ورثاء وارث ہوں گے ۔ امام شافعی (اور امام مالک) کے نزدیک دونوں زمانوں کی کمائی بیت المال کی ملکیت

(۶۳) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۶۸۲

ہوگی۔ ان کے ایک قول کے مطابق یہ ملکیت بطور مال غنیمت کے اور دوسرے قول کے مطابق بطور مال ضائع کے ہوگی۔(۶۴)

البتہ احناف کے نزدیک مرتدہ (عورت) مرجائے تو اس کا کل مال اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا خواہ وہ اس عورت نے مرتد ہونے سے پہلے کمایا ہو یا بعد میں۔

مسلمان جو مرتد کی میراث لیتا ہے وہ دراصل سد ذرائع اور منع احتیال (حیلہ سازی) کے طور پر ہے۔(۶۵)

مرتد کی زوجہ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو، اس کی وارث ہوگی۔ یہی صورت اس وقت ہوگی جب کہ اس کا مرتد شوہر مرجائے، درآں حالیکہ وہ عدت میں ہو۔ اگر مرتد اپنی مسلمان زوجہ کی عدت ختم ہونے کے بعد انتقال کرے یا مرتد نے اس سے صحبت ہی نہ کی ہو تو وہ میراث کی مستحق نہ ہوگی۔ (اصولی طور پر مرتد کی حیثیت ''زوجہ فار،، طلاق دیکر میراث سے بھاگنے والے شوہر کی زوجہ کی مثل ہے جو بصورت وفات شوہر (دوران عدت) وارث ہوتی ہے۔ اگر وہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ مرتد ہوگئی ہو تو اس کو کچھ میراث نہ ملے گی، جس طرح کہ وہ اقارب جو مرتد ہوں مرتد کے وارث نہیں ہوتے)۔

مرتد ولایت کا اہل نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ کسی سے میراث نہیں پاتا کیونکہ اس نے مرتد ہوکر گناہ (جرم و جنایت) کا ارتکاب کیا ہے۔ میراث سے بطور سزا محروم ہوجانا ارتداد کا شرعی صلہ ہے، جیسے کہ قاتل قتل ناحق کے سبب مقتول کے ورثاء سے محروم ہوجاتا ہے۔ امام مالک اور شافعی کے نزدیک مرتد نہ خود کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ دوسرا اس کی میراث لیتا ہے جو کچھ وہ چھوڑتا ہے، خواہ حالت اسلام میں کمایا ہو یا حالت ارتداد میں، بیت المال کی ہوتا ہے۔

---

(۶۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۳۸-۳۷
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۰
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۶۸۲

(۶۵) المیراث، صبحی محمصانی، مطبوعہ، ص ۱۹۰

جب زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں اور پھر ان سے بچہ پیدا ہو، تو اگر مرتد ہونے کے دن سے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہوا تو اس کو میراث ملے گی، کیونکہ یہ امر اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ وہ اپنی ماں کے بطن میں اس وقت موجود تھا جب کہ اس کے والدین مسلمان تھے اس لیے وہ اسلام کا تابع قرار دیا جائے گا اور ماں باپ کے مرتد ہوجانے سے مرتد قرار نہیں قرار دیا جائے گا، جب کہ وہ دارالاسلام میں رہے۔ چونکہ اسلام کا حکم بطریقہ تبعیت دار کے ابتداءً ثابت ہوتا ہے اس لیے اس کا باقی رہنا اولی ہوگا، لہذا جب بچہ مسلمان رہا تو وہ مرتد کے ورثاء میں شمار ہوگا۔ لیکن اگر وہ بچہ یوم ارتداد سے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا تو وہ اپنے مرتد والدین سے میراث پانے کا مستحق نہ ہوگا، اگرچہ ان دونوں کے درمیان نکاح قائم ہو، کیوں کہ ایسی صورت میں نطفہ کا قائم ہونا قریب ترین وقت سے لیا جائے گا اور قریب ترین وقت (باعتبار کم از کم مدت حمل) چھ ماہ ہے۔ چنانچہ جب بچہ کا نطفہ مرتد کے قطرہ منی سے قائم ہوا تو وہ بچہ بھی اپنے والدین کے ساتھ مرتد کے حکم میں ہوگا۔(٦٦)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک جب کہ مرتد ردت پر قائم رہتے ہوئے مر جائے یاقتل کر دیا جائے تو اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ حکم کے اس جزو میں وہ امام مالک و شافعی سے متفق ہیں۔

اگر زوجین یا ان میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو ان کے درمیان باہم وراثت جاری نہ ہوگی خواہ وہ دارالحرب میں چلے گئے ہوں یا دارالاسلام میں مقیم ہوں۔ امام مالک و شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔

جو بچہ مرتد ہوجانے کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا ہو، امام احمد کے نزدیک اس کا غلام بنا لینا جائز ہوگا، (جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے نزدیک بچہ مرتد کا تابع ہوگا اور وارث نہ ہوگا)۔ یہی قول امام شافعی کا ہے۔

جب مرتد دارالکفر میں چلا جائے تو ایسی صورت میں اس کا مال موقوف

---

(٦٦) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۷
الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۱

رکھا جائے گا۔ اگراسلام لے آیا تو مال اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر مرگیا تو وہ غنیمت تصور کیا جائے گا۔ یہی قول امام مالک اور شافعی کا ہے۔ اہل عراق اس کے مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک دارالکفر میں چلا جانا ہی زوال ملک کا سبب ہوگا، اس لیے مرتد کی واپسی کے بعد مال واپس نہ ہوگا بلکہ جس طرح اس کی موت کی صورت میں اس کے اقرباء کے تصرف میں آجاتا ہے اسی طرح ان کے تصرف مین آجائے گا۔ اگر اسلام کی طرف واپس آجائے تو جو مال باقی ہوگا وہ لےلے گا، اور ورثاء نے جو صرف کر دیا ہوگا وہ واپس نہ ہوگا۔(۶۷)

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک مرتد کسی مسلم کا وارث نہ ہوگا لیکن مسلم مرتد کا وارث ہوگا۔ لیکن ترکہ کس وقت تقسیم کیا جائے گا اس کے متعلق امامیہ کے یہاں دیگر مذاہب کے مقابلے مین ایک نئی تفصیل پائی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک ایک پیدائشی کافر مسلمان ہوکر پھر اپنے اسی دین کی طرف لوٹ جائے تو اس کا ترکہ فوری قابل تقسیم قرار دیا جائے گا خواہ قتل کر دیا گیا ہو یا زندہ ہو بشرطیکہ مرد ہو، لیکن اگر عورت ہے تو تاوقتیکہ فوت نہ ہو جائے اس کا ترکہ تقسیم نہ ہوگا۔

اور اگر پیدائشی مسلمان مرتد ہوجائے تو اس کا ترکہ قتل یا موت سے قبل تقسیم نہ کیا جائے گا، البتہ اس کی زوجہ عدت کا زمانہ پورا ہونے کے بعد بائنہ ہوجائے گی۔(۶۸)

ظاہریہ :

ظاہریہ کے لزدیک مرتد کا نہ کوئی وارث ہوسکتا ہے نہ مرتد کسی کا وارث ہو سکتا ہے۔ جو مال چھوڑے گا وہ مسلمانوں کے بیت المال کا حق ہوگا۔ خواہ اسلام کی طرف رجوع کرے یا نہ کرے یا ارتداد کی حالت میں مرجائے یا قتل کردیا جائے یا دارالحرب میں منتقل ہو جائے۔ لیکن وہ مال

---

(۶۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۷۸ - ۷۷
(۶۸) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، صص ۸۲ - ۱۸۱

جو اس کے قتل یا موت کے بعد حاصل ہو وہ اس کے کافر ورثاء کا حق ہوگا۔(۶۹)

پاکستانی قانون :

پاکستان میں اگرچہ اسلامی قانون وراثت کا، مسلمانوں کے منجملہ دیگر شخصی قوانین کے، مختلف اطلاقی ایکٹوں کے ذریعہ نافذ و رائج ہونا قرار دیا جا چکا ہے، لیکن مرتد کی میراث کے مسئلہ میں شریعت کے خلاف عمل درآمد ہو رہا ہے۔ شرع اسلام کا یہ ایک واضح حکم ہے کہ جو مسلمان مرتد ہو جائے وہ میراث سے محروم ہو جاتا ہے مگر یہ حکم مذہبی آزادی کے ایکٹ نمبر ۲۱ بابت ۱۸۵۰ع کے سبب نافذ نہیں ہو سکتا، جس کے تحت کسی شخص کا اپنے دین سے منحرف ہوکر دوسرا دین اختیار کر لینا اس کے حقوق کو متاثر نہیں کرتا اس لیے وراثت کے احکام میں شرعی قانون کا اطلاق ہونے کے باوجود مرتد کے اطلاقی احکام میراث آج بھی عدالتوں کے ذریعہ نافذ نہیں کرائے جاسکتے۔ ضرورت ہے کہ ۱۸۵۰ع کا مذکورہ ایکٹ منسوخ کیا جائے۔

تجزیہ :

''مرتد کی میراث،، کے مسئلے کے دو جزو ہیں :

۱ - مرتد کا خود میراث سے محروم ہوجانا،

۲ - اس کے مسلمان ورثاء کا وارث ہونا۔

جہاں تک مسئلے کے پہلے جزو کا تعلق ہے اس میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ مرتد خود میراث سے محروم ہوگا۔ البتہ دوسرے جزو میں یہ اختلاف ہے کہ احناف حالت اسلام اور حالت ارتداد میں کمائی ہوئی دولت میں فرق کرتے ہیں جب کہ دیگر آئمہ ایسے فرق کے قائل نہیں۔ احناف کے نزدیک حالت اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا اور حالت ارتداد میں کمایا ہوا مال بیت‌المال کی ملکیت ہوگا، بشرطیکہ مرتد مرد ہو، البتہ عورت کی صورت میں دونوں حالتوں میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء کا حق ہوگا۔ اس کے بر خلاف ائمہ ثلاثہ کل مال بیت المال کی ملکیت قرار دیتے ہیں، خواہ وہ مرد ہو

(۶۹) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، جزء ۹، ص ۳۲۱

یا عورت - شیعہ امامیہ بھی اس بارے میں کوئی تفریق نہیں کرتے - البتہ وہ میراث ایک مقررہ وقت تک روکنے کے قائل ہیں جس سے (غالباً) یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ وہ بلا امتیاز حالت مسلمان ورثاء کے استحقاق کے قائل ہیں - ظاہریہ جس طرح مرتد کو کسی مسلمان کا وارث نہ ہونا جملہ مذاہب کے مطابق تسلیم کرتے ہیں وہاں اس نقطہ نظر کے قائل نظر آتے ہیں کہ مسلمان بھی مرتد کا وارث نہ ہوگا - جیسا کہ وہ کافر کی میراث میں قائل ہیں - چنانچہ ان کے نزدیک کافر و مرتد کی میراث کے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں - مصالح شرعی کے اعتبار سے حنفی نقطہ نظر قرین صواب معلوم ہوتا ہے -

نوٹ : اس باب میں دارالاسلام، دارالکفر، دارالحرب وغیرہ کی جو تعریفات بیان کی گئی ہیں وہ ائمہ احناف کے نظریہ کے مطابق ہیں - دیگر ائمہ کی کتب میں باوجود تلاش تفصیلات نہ مل سکیں -

اشتباہ مورث و وارث

۳۰۳ - ایک ساتھ غرق ہو جانے والے یا دب کر مر جانے والے یا آگ میں جل کر مرنے والے جب کہ ان کے درمیان ورثاء کا رشتہ قائم ہوتا ہو، باہم ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، بشرطیکہ ان میں یہ پتہ نہ چل سکتا ہو کہ کون پہلے فوت ہوا اور کون بعد میں - ایسی صورت میں ان کا ترکہ ان کے ذی حیات ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا -

تشریح

موانع میراث کی بحث میں تبعاً اشتباہ وارث و مورث بھی ایک سبب مانع میراث ہے - اس کا مطلب یہ ہے کہ وارث و مورث ایک ساتھ مرے اور ان کے انتقال کی تاریخ یا وقت میں تقدیم و تاخیر کا پتہ نہیں چل سکتا، مثلاً چند اقارب جو باہم وارث ہوں ایک ساتھ دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مر جائیں یا کشتی یا ہوائی جہاز میں سوار ہوں اور کشتی کے ڈوبنے یا جہاز کے گر جانے سے سب مرجائیں یا لڑائی میں مارے جائیں اور یہ نہ معلوم ہو کہ کون

(۷۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۸۶
خلاصۃ الفتاوی، طاہر بن محمد، مطبوعہ دہلی، جلد دوم، ص ۳۷۰

پہلے مرا اور کون بعد میں، ایسی صورت میں وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے جیسے کہ باپ، بیٹا ایک ساتھ ہوائی جہاز کے حادثہ میں مرگئے تو باپ بیٹے کا یا بیٹا باپ کا وارث نہ ہوگا بلکہ باپ کا ترکہ اس کے موجودہ وارثوں میں اور بیٹے کا اس کے موجودہ وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ یہ مسلک حنفیہ کا ہے مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔(۷۰)

حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر بن الخطاب اور زید بن ثابت کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ جب یہ نہ معلوم ہو کہ پہلے کون مرا تو ان میں سے بعض دوسرے بعض کے وارث نہ ہوں گے۔ ان سب کی میراث ان کے زندہ وارثوں کے لیے ہوگی۔ یہی فیصلہ زید بن ثابت نے یمامہ کے مقتولین اور طاعون عمواس اور مقتولین الحرہ کے سلسلے میں دیا تھا۔ حضرت علی سے بھی جنگ جمل اور جنگ صفین مین قتل ہوجانے والوں کی میراث کے سلسلے میں یہی قول نقل کیا گیا ہے۔ یہی قول حضرت عمر بن عبد العزیز کا ہے اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔

اس نظریہ کی بنیاد آثار صحابہ اور قیاس پر قائم ہے۔ استحقاق میراث کا سبب مورث کی موت کے وقت وارث کا زندہ ہونا ہے۔ بطور مثال اگر زید اور عمر جو دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے تھے ایک ساتھ آگ میں جل مرے۔ اگر زید کو عمر کا وارث قرار دیا جائے تو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ عمر پہلے مرا اور زید بعد کو۔ ایک ساتھ جل کر مرجانے یا ڈوب کر مرجانے کے سبب یقینی طور پر عمر کی موت کا تقدم یا تاخر ثابت نہیں کیا جا سکتا، لہذا بلا تقدیم و تاخیر مرجانے والوں کی میراث ان کے موجود ورثاء میں تقسیم ہوگی۔(۷۱)

---

(۷۱) الشریفہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۴۲
المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۲۷
المہذب فقہ شافعی، ابی اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۶
المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۸۸-۱۸۶

مصری قانون :

دفعہ ۳ ۔ جب دو شخصوں کا یکدم انتقال ہوا اور یہ پتہ نہ چلے کہ پہلے کون فوت ہوا تو ان میں سے ایک کو دوسرے پر وراثت کا حق حاصل نہ ہوگا، خواہ ان کی موت ایک حادثہ کا نتیجہ ہو یا مختلف حادثوں کا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲٦۱ ۔ جن دو شخصوں کی کسی ایک یا چند حادثوں میں اس طرح موت واقع ہو کہ یہ نہ معلوم ہو سکے کہ پہلے کس کی موت واقع ہوئی تو ایسے دو شخصوں کے درمیان باہم وراثت کا سلسلہ جاری نہ ہوگا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۸٦ ۔ جب دو شخصوں کا انتقال ایک دم ہوجائے اور یہ نہ معلوم ہوسکے کہ پہلے کس کا انتقال ہوا تو ان دونوں کے درمیان ایک کو دوسرے کی میراث پانے کا حق نہ ہوگا، خواہ ان کی موت ایک حادثہ کا نتیجہ ہو یا دو حادثوں کا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۲ ۔ جب چند افراد ایک ساتھ فوت ہوں جن میں ایک دوسرے کا وارث تھا اور ان کی وفات کا تقدم و تاخر معلوم نہ ہو سکے تو ان میں ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا، خواہ موت ایک حادثہ کا نتیجہ ہو یا چند حادثوں کا۔

سینتیسواں باب

حجب و حرمان

حجب کی تعریف

۳۰۴ - کسی شخص کے وجود کی وجہ سے دوسرے شخص کا میراث پانے سے رک جانا ''حجب'' کہلاتا ہے جس کے سبب وہ کل میراث سے یا میراث کے کسی جزء سے روک دیا جاتا ہے -

تشریح

گزشتہ صفحات میں ورثاء کی مختلف حالتوں سے واضح ہوگیا ہوگا کہ میت کے کچھ ورثاء ایسے ہوتے ہیں جو وراثت میں کسی مانع کے موجود ہونے کی بناء پر مستحقین وراثت کی فہرست سے خارج ہو جاتے ہیں، جیسے قتل اور اختلاف دین وغیرہ۔ جن ورثاء میں ان موانع میں سے کوئی مانع پایا جاتا ہے وہ میت کی نسبت سے ایک ایسے اجنبی کے درجے میں قرار پاتے ہیں جن کا میت سے کسی قسم کا کوئی قرابتی تعلق نہ ہو۔ ان کو ''محروم الارث'' کہا جاتا ہے - باقی رہے وہ افراد جو میت کے ورثاء کہلاتے ہیں لیکن ان افراد میں بعض ورثاء وہ ہوتے ہیں جو بعض اوقات کچھ نہیں پاتے، اور بعض ورثاء وہ ہوتے ہیں جو اپنے حصے سے کم کی طرف رجوع کر جاتے ہیں - لہذا جو وارث بعض حالات میں بالکل حصہ نہیں پاتا اس کو محجوب'' (جس کے لیے آڑ آگئی ہو) کہتے ہیں اور جس کی وجہ سے نہیں پاتا اس کو ''حاجب'' (آڑ آجانے والا) کہتے ہیں اور ''حجب'' اس آڑ اور رکاوٹ کو کہتے ہیں جو ''محجوب'' کے سامنے قائم ہو جاتی ہے -

حجب کی تعریف :

حجب کے لغوی معنی ''منع کرنے'' کے ھیں۔ عام طور پر کہا جاتا ھے کہ فلاں شخص میراث سے محروم ھے۔ اس کا یہ مطلب ھوتا ھے کہ میراث سے ممنوع ھے۔ اگرچہ لفظ ''منع'' اور ''حجب'' دونوں مترادف الفاظ ھیں، لیکن علم میراث کی اصطلاح میں ان دونوں لفظوں میں تھوڑا سا فرق پیدا ھوگیا ھے۔ جس مقام پر میراث پانے کی اھلیت ھی ختم ھو جائے وھاں ''حرمان یعنی ''ممنوع الارث'' یا ''محروم الارث'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ھے لیکن جہاں اھلیت باقی ھو لیکن درمیان میں کوئی رکاوٹ پیدا ھوگئی ھو اگر وہ نہ ھوتی تو وہ شخص وارث ھوجاتا، وھاں ''حجب''، یعنی ''محجوب الارث'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ھے۔

مانع اور حاجب کے درمیان فرق :

دوسرے لفظوں میں حاجب اور مانع کے درمیان یہ فرق ھے کہ مانع سے تو صلاحیت میراث کی معدوم ھو جاتی ھے یعنی وارث نہیں رھتا لیکن حاجب سے میراث کی صلاحیت معدوم نہیں ھوتی بلکہ وارث رھتا ھے لیکن ایک حجاب درمیان میں حائل رھنے کی وجہ سے میراث نہیں پا سکتا، اگر حجاب (پردہ) حائل نہ ھوتا تو میراث کا مستحق ھوتا۔

حجب حرمان

۳۰۵ - حجب کی دو قسمیں ھیں :-
(۱) حجب حرمان، اور (۲) حجب نقصان۔

تشریح

۱- حجب حرمان :

حجب حرمان یہ ھے کہ کوئی وارث کسی دوسرے وارث کے موجود ھونے کی وجہ سے ورثہ سے بالکل محروم ھو جائے اور کچھ بھی نہ پائے، مثلاً

باپ کی موجودگی میں دادا کا محروم ہونا یا بیٹے کے بھائی کی موجودگی میں بھائی کے بیٹے کا کلیۃً محروم ہو جانا ۔(۱)

۲ - حجب نقصان :

حجب نقصان یہ ہے کہ وارث حاجب کی وجہ سے زائد حصے سے محجوب ہو کر کم حصے کی طرف منتقل ہو جائے اور اپنے بڑے حصے کے بجائے چھوٹے حصے کا مستحق قرار پائے۔ مثلاً اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو تہائی حصہ ملتا ہے جب کہ اولاد ہونے کی صورت میں چھٹا حصہ یا میت کے اولاد موجود ہونے کی وجہ سے شوہر کا ۱/۲ سے ۱/۴ کی طرف منتقل ہو جانا یا زوجہ کا ۱/۴ سے ۱/۸ کی طرف منتقل ہو جانا یا باپ کا کل سے ۱/۶ کی طرف منتقل ہو جانا ۔

چھ وارث ایسے ہیں جو کسی حاجب کی وجہ سے کبھی بالکل محجوب (بحجب حرمان) نہیں ہوتے۔ البتہ حاجب کی موجودگی کے سبب زائد حصے سے کم حصے کی طرف منتقل ہوتے ہیں، یعنی محجوب بہ حجب نقصان ہوتے ہیں - یہ چھ ورثاء حسب ذیل ہیں : -

(۱) باپ، (۲) بیٹا، (۳) شوہر (۴) زوجہ، (۵) ماں، اور (۶) بیٹی - یہ افراد (ورثاء) کسی وقت میں بھی میراث سے بالکل محروم نہیں ہوتے زائد سے زائد یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض بڑے حصے سے محروم ہو کر چھوٹا حصہ پاتے ہیں - مثلاً شوہر نصف حصے کی بجائے چوتھائی حصہ پائے، زوجہ چوتھائی کی بجائے آٹھواں حصہ پائے یا ماں تہائی کی بجائے چھٹا حصہ پائے، یا پوتی نصف حصے کے بجائے چھٹا حصہ پائے ۔

ان چھ وارثوں کے علاوہ جو افراد ہیں حجب حرمان سے محجوب ہو سکیں گے - اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص میت سے زائد قریب ہوتا ہے وہ بعید کو محجوب کر دیتا ہے، مثلاً حقیقی بھائی، حقیقی بھتیجے کو محجوب

(۱) خلاصۃ الفتاوی، طاہر بن احمد، مطبوعہ دہلی، ۱۳۱۸ھ، ج ۴، ص ۳۱۹

کی وجہ سے قربت حاصل کرے وہ اس شخص کی موجودگی میں وارث نہیں ہو سکتا، سوائے اولاد کے، کہ وہ ماں کی موجودگی میں میراث حاصل کرتی ہے(۲) (حالانکہ باپ سے اس کا رشتہ ماں کے واسطے ہی سے قایم ہوتا ہے)

حرمان کی چند مثالیں :

۱ - بیٹا پوتے پوتی کو محروم کردیتا ہے، اور پوتا اپنے سے نیچے پر پوتے کو محروم کر دے گا۔

۲ - ایک بیٹا یا دو بیٹیاں پوتیوں کو محروم کر دیتی ہیں۔

۳ - میت کا بیٹا یا پوتا اور ان کی اولاد ذکور اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دادا، بھائی، بہن کو محروم کر دیتے ہیں۔

۴ - متذکرہ بالا قرابت دار اور حقیقی بھائی علاتی بھائی کو محروم کر دیتے ہیں۔

۵ - متذکرہ بالا قرابت دار یا دو یا دو سے زائد حقیقی بہنیں یا ایک بھائی علاتی بہن کو محروم کر دیتے ہیں۔

۶ - میت کی اولاد ذکور اور اولاد کی اولاد ذکور اور باپ دادا، اخیافی بھائی کو محروم کر دیتے ہیں۔

۷ - متذکرہ بالا عصبی ورثاء اخیافی بہن کو محروم کر دیتے ہیں۔

۸ - باپ دادا کو محروم کر دیتا ہے خواہ دادا عصبہ ہونے کی بناء پر وارث ہو رہا ہو یا ذی فرض ہونے کی بناء پر جیسا کہ دادا بیٹے کے ساتھ ہو، یا فرض و تعصیب دونوں کی بناء پر وارث ہو رہا ہو جیسے کہ دادا بیٹی کے ساتھ ہوتا ہے۔

۹ - ماں ہر قسم کی دادی کو محروم کر دیتی ہے۔

۱۰ - ماں نانی کو محروم کردیتی ہے۔

(۲) خلاصۃ الفتاوی، طاہر بن محمد، مطبوعہ دہلی، ۱۳۱۸ھ، ج دوم، ص ۴۱۹

حجب کا اثر دوسرے ورثاء پر :

جو شخص ''محروم،، ہو وہ کسی کو محجوب نہیں کرتا مثلاً کافر یا قاتل۔ لہذا ایسے محروم شخص کی بناء پرکوئی وارث محجوب نہیں ہو سکتا، نہ بطریق حجب حرمان اور نہ حجب نقصان۔ (۳) لیکن جو وارث ''محجوب،، ہو وہ دوسرے کو محجوب کر سکتا ہے۔ مثلاً بھائی، باپ کی موجودگی میں محجوب ہوتے ہیں لیکن ماں کو بہ حجب نقصان محجوب کر دیں گے یعنی ماں کو تہائی کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا۔(۴)

چنانچہ حجب کی ان دو قسموں کی وجہ سے ورثاء پر جو صورتیں مرتب ہوتی ہیں ان میں پہلی صورت یہ ہے کہ وارث بالکل محروم ہو جائے اور دوسری یہ کہ حجب حرمان کو کسی حالت میں قبول نہیں کرتی یعنی ورثاء بالکلیہ محروم نہیں ہوتے بلکہ صرف اتنا اثر ہوتا ہے کہ بڑے حصے کی بجائے چھوٹے حصے کی طرف رجوع کر جاتے ہیں۔

حجب کے بنیادی اصول

۳۰۶ - حجب میں حسب ذیل تین بنیادی اصولوں کا اعتبار کیا جائے گا:-

(۱) حاجب کی میت سے بلا واسطہ قرابت داری،

(۲) حاجب کا محجوب کے مقابلے میں میت سے اقرب ہونا اور

(۳) میت سے حاجب کی قرابت کا بمقابلہ محجوب قوی تر ہونا ۔

تشریح

حجب کے بنیادی اصول

حجب کے حسب ذیل تین بنیادی اصول ہیں :

۱- حاجب کی میت سے بلا واسطہ قرابت داری

پہلے اصول کے تحت میت کا بیٹا، پوتے کے مقابلے میں بلا واسطہ میت سے نسبت رکھتا ہے، بخلاف پوتے کے، کہ اس کے اور میت کے درمیان اس

(۳) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، ص ۴۷

(۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، ص ۴۷

کے باپ کا واسطہ موجود ہے۔ یا میت کا باپ بھتیجے کے مقابلے میں میت سے بلا واسطہ نسبت رکھتا ہے، کیونکہ بھتیجے اور میت کے درمیان میت کے بھائی کا واسطہ موجود ہے۔ اس لیے بیٹا پوتے کے لیے اور بھائی بھتیجے کے لیے حاجب ہوتا ہے۔ اسی طرح میت کا باپ دادا کے لیے حاجب ہوتا ہے، کیونکہ دادا اور میت کے درمیان باپ خود واسطہ ہے۔ اس کے اور میت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

۲۔ حاجب کا میت سے اقرب ہونا:

اقرب الی المیت اپنے جس وصف اور سبب کی بنا پر میراث کا مستحق ہوتا ہے یہ ایسے ابعد کے لیے، جو اسی وصف اور سبب کی بنا پر میراث کا مستحق ہو، حاجب ہوگا مثلاً ماں، دادی (جدہ) کے لیے، بیٹیاں پوتیوں کے لیے اور حقیقی بہنیں علاتی کے لیے حاجب ہوں گی۔ چونکہ ان کے درمیان وہ وصف یا سبب، جس کی بنا پر ورثہ کا استحقاق پیدا ہوتا ہے، مشترک ہے اس لیے میت سے اقرب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا ورثاء میں جو ورثاء عصبات کا درجہ بھی رکھتے ہوں ان کے باہم حاجب اور محجوب ہونے میں اقرب و ابعد کے اصول کے اطلاق کے لیے قرابت کا لحاظ کیا جائے گا اور سبب وراثت اور وصف وراثت کے اتحاد کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا، لیکن جو ورثاء محض صاحب فرض ہیں ان کے اقرب و ابعد ہونے میں سبب و وصف کے اتحاد کا لحاظ بھی کیا جاتا ہے، جیسا کہ باپ اور دادا میں تقدم کے لیے اصول اور فروع کے وصف کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

۳۔ میت سے حاجب کی قرابت کا بمقابلہ محجوب قوی تر ہونا:

جو وارث میت سے قرابت میں محجوب کی بہ نسبت قوی تر ہو وہ ضعیف القرابت کا حاجب ہوتا ہے بشرطے کہ دونوں ہم درجہ ہوں۔ چنانچہ حقیقی بھائی علاتی بھائی کا حاجب ہوتا ہے اور حقیقی بھتیجا علاتی بھتیجے کا حاجب

ہوتا ہے۔ حقیقی چچا علاتی چچا کا حاجب ہوتا ہے اور حقیقی بہن علاتی بہن کی حاجبہ ہوتی ہے۔

چونکہ ان تینوں اصولوں میں حجب کی دونوں قسمیں یعنی حجب حرمان اور حجب نقصان مشترک ہیں اس لیے مناسب ہوگا کہ جو لوگ حاجب و محجوب ہوتے ہیں ان کو حتی الامکان وضاحت کے لیے جمع کرکے بیان کر دیا جائے۔

۱ - ماں حاجبہ ہوگی اور دادی محجوب۔ دادی (جدہ) قریبہ دادی (جدہ) بعیدہ کی حاجبہ ہوگی، خواہ ماں کی جانب سے ہو یا باپ کی جانب سے۔

۲ - باپ تمام اجداد کا حاجب ہوگا۔

۳ - میت کی اولاد اس کے تمام بھائی بہنوں کے لیے حاجب ہوگی جس طرح کہ باپ حاجب ہوتا ہے۔

۴ - پوتیوں کے لیے بیٹے اور وہ پوتے جو ان (پوتیوں) سے درجے میں اعلی ہوں حاجب ہوں گے۔

۵ - پوتی میت کی دو صلبی بیٹیوں یا ایسی دو پوتیوں کے ذریعہ جو اس پوتی سے درجے میں اعلی ہوں محجوبہ ہوگی اور یہ دو صلبی بیٹیاں یا اصلی درجہ کی دو پوتیاں اس کے لیے حاجبہ ہوں گی ، بشرطیکہ کوئی لڑکا ان کے درجۂ میں ان (بیٹیوں یا پوتیوں) کو عصبہ بنانے والا نہ ہو۔

۶ - بیٹا یا پوتا خواہ کتنے ہی نیچے درجہ میں کیوں نہ ہو میت کی حقیقی بھائی بہنوں کا حاجب ہوگا، جس طرح میت کا باپ ان کا حاجب ہوتا ہے، کیونکہ میت کی بہنوں کی وراثت اس صورت میں ہے کہ میت کلالہ ہو اور کلالہ اس وقت ہوگی جب کہ میت کی اولاد اور ماں باپ موجود نہ ہوں جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان فرمایا ہے۔

۷ - میت کی علاتی بہن اس کے بیٹے یا پوتے، خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو، اور باپ کی موجودگی میں محجوبہ ہوجائے گی۔ حقیقی بہن جب بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہوگئی ہو تو علاتی بہن کی حاجب ہو جاتی ہے۔

علی ھذا القیاس، حجب کے تمام جزئی مسائل میں مذکورہ بالا تین اصول کارفرما رھین گے ۔ ظاھریہ اور شیعہ امامیہ بھی اصولی طور پر جمہور علماء سے حجب مین متفق ھین ۔ اگرچہ شیعی فقہ مین ورثاء کی درجہ بندی کے سبب بعض صورتوں مین اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر بنیادی طور پر حجب کے اصول مین فرق نہین ہے ۔ (شیعی نقطہ نظر کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ھو کتاب ھذا باب ۔ ۳۳)

مصری قانون:

دفعہ ۲۳ ۔ حجب کے معنی یہ ھین کہ ایک شخص باوجود وراثت کی اھلیت رکھنے کے کسی دوسرے وارث کے سبب وراثت نہ پائے ۔ محجوب دوسرے کا حاجب ھو سکتا ہے۔

دفعہ ۲۴ ۔ جو شخص وراثت کے کسی مانع کے موجود ھونے کے سبب وراثت سے محروم ھو گیا ھو، وہ کسی وارث کا حاجب نہ ھو سکے گا۔

دفعہ ۲۵ ۔ میت کی ماں مطلقاً جدہ صحیحہ کی حاجب ھوگی، اور جدہ قریبہ جدہ بعیدہ کی ، اور باپ باپ کی جدہ کا حاجب ھوگا، جیسا کہ جد صحیح اپنی اصل کی جدہ کا حاجب ھوتا ہے ۔

دفعہ ۲۶ ۔ باپ، جد صحیح، خواہ کتنے ھی اوپر کا ھو، اور بیٹا، پوتا، نیچے تک کا مادری اولاد کے حاجب ھوں گے ۔

دفعہ ۲۷ ۔ میت کا بیٹا اور پوتا نیچے تک کا اس پوتی کا حاجب ھوگا جو اس سے نیچے درجہ مین ھو گی۔ اسی طرح دو بیٹیاں اور دو پوتیاں جو درجہ مین اعلی ھوں پوتی کی حاجب ھوں گی بشرطیکہ یہ پوتیاں بمطابق حکم دفعہ ۱۹ اپنے طبقہ کے کسی پوتے کے سبب عصبہ نہ ھوگئی ھوں۔

دفعہ ۲۸ ۔ میت کا بیٹا اور نیچے تک کا کوئی پوتا، اور باپ حقیقی بہنوں کے حاجب ھوں گے ۔

دفعہ ۲۹ - باپ، بیٹا اور پوتا نیچے تک کا مادری بہن کا حاجب ہوگا، جس طرح کہ حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں بحکم دفعہ ۲۰ جب کہ بھائیوں کے ہمراہ عصبہ ہوں ان کی حاجبہ ہوں گی اور دو حقیقی بہنیں جب کہ اس بہن کے ہم راہ پدری بھائی نہ ہو۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۸۱ - (۱) حجب کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص وارث ہونے کی اہلیت رکھے لیکن کسی دوسرے وارث کے سوجود ہونے کی وجہ سے محروم ہو جائے اور وراثت نہ پا سکے۔

(۲) محجوب وہ ہوگا جس کے لیے دوسرا وارث حاجب آ جائے۔

دفعہ ۲۸۲ - وراثت کے موانع کی وجہ سے جو شخص وراثت سے محروم ہو وہ کسی دوسرے وارث کا حاجب نہ ہوگا۔

دفعہ ۲۸۳ - (۱) جدۂ ثابتہ ماں کے موجود ہونے سے مطلقاً، اور جدۂ بعیدہ، جدہ قریبہ کے موجود ہونے سے اور پدری جدہ (دادی)، باپ کے موجود ہونے سے محروم ہو جائے گی۔

(۲) جد دادی کو محجوب کر دے گا جب کہ اس کے سلسلہ سے ہو۔

دفعہ ۲۸۴ - ماں اور باپ کی اولاد (اخیافی اور علاتی بھائی بہن) اور، دادا میت کے بیٹوں یا نیچے تک کے پوتے موجود ہونے سے محجوب ہو جائیں گے۔

دفعہ ۲۸۵ - (۱) میت کا بیٹا اور نیچے تک کا پوتا اس پوتی کو محجوب کردے گا جو اُن سے زیریں پشت میں ہوگی۔

(۲) اسی طرح میت کی دو بیٹیاں یا دو پوتیاں جو درجہ میں اعلیٰ ہوں محجوب کردیں گی بشرطے کہ حسب دفع ۲۷۷ ان کو کوئی عصبہ بنانے والا موجود نہ ہو۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۲۲ - کسی معین وارث کا کسی دوسرے وارث کو کل میراث یا جزء میراث سے روک دینا حجب کہلاتا ہے :

(اول) حجب نقصان، وراثت سے کم حصہ کی جانب رجوع کر جانے کو کہتے ہین -

(دوم) حجب حرمان میراث سے محروم ہونے کو کہتے ہیں

دفعہ ۱۲۳ - چھ ورثاء محجوب بحجب حرمان نہیں ہوتے :

(۱) باپ، (۲) ماں، (۳) بیٹا، (۴) بیٹی، (شوہر)، (۶) زوجہ

حجب نقصان زوجین اور والدین، دادا، جد، پوتی، حقیقی و علاتی بہن پر موثر ہوتا ہے -

دفعہ ۱۲۴ - جو ورثاء حجب نقصان کا باعث ہوتے ہیں ان کی تعداد چھ ہے:

(۱) بیٹا، (۲) پوتا، (۳) بیٹی، (۴) پوتی، (۵) بھائی ہونا مطلقاً (۶) حقیقی ہمشیرہ -

دفعہ ۱۲۵ - میت کا بیٹا، پوتا، میت کے شوہر کا نصف سے ۱/۴ کی جانب حاجب ہوگا، اور میت کی زوجہ کو ۱/۴ سے ۱/۸ کی جانب منتقل کر دے گا، (نیز میت کی ماں کو ۱/۳ سے ۱/۶ کی جانب اور باپ و دادا کو عصبہ ہونے سے ۱/۶ کی جانب -

دفعہ ۱۲۶ - میت کی ایک صلبی بیٹی پوتی کی اس طرح حاجب ہوگی کہ اس کو ۱/۲ سے ۱/۶ کی جانب منتقل کردے گی اور دو پوتیوں کو ۲/۳ سے ۱/۶ کی جانب، اور حقیقی یا علاتی بہن کو ۱/۲ سے عصبہ ہونے کی جانب، اور دو حقیقی یا علاتی بہن کو دو تہائی سے عصبہ ہونے کی جانب اور شوہر کو ۱/۲ سے ۱/۴ کی جانب، زوجہ کو ۱/۴ سے ۱/۸ کی جانب

ماں کو ۱/۳ سے ۱/۶ کی اور باپ، دادا کو عصبہ ہونے سے ۱/۶ کی جانب اور بقیہ کے حق مین عصبہ ہونے کی جانب سنتقل کردے گی۔

دفعہ ۱۲۷ - میت کی پوتی اپنے درجہ سے نیچے کی پوتیوں کی جب کہ ان پوتیوں کے کے ہم راہ ان کا کوئی بھائی موجود نہ ہو یا چچا کا بیٹا نہ ہو جو ان کے درجہ مین مساوی ہوتا، چنانچہ یہ ایک پوتی ان کو ۱/۲ سے ۱/۶ کی جانب سنتقل کر دے گی، اور دو ایسی پوتیاں ۱/۳ سے ۱/۶ کی جانب سنتقل کردین گی اور حقیقی بہن یا علاتی بہن کو نصف سے عصبہ ہونے کی جانب، اور دو حقیقی یا علاتی بہنوں کو دو تہائی سے عصبہ ہونے کی جانب شوہر کو نصف سے ۱/۴ کی اور زوجہ کو ۱/۴ سے ۱/۸ کی جانب، اور ماں کو ۱/۳ سے ۱/۶ کی جانب، اور باپ، دادا کو عصبہ ہونے سے ۱/۶ کی جانب مع بقایا کے حق مین عصبہ ہونے کے سنتقل کردے گی، اور بہن بھائی جس جہت کے بھی ہوں، خواہ یہ وارث ہوں یا محجوب ہوں ماں کے حاجب ہوں گے اور اس کو ۱/۳ سے ۱/۶ کی جانب سنتقل کر دین گے۔

دفعہ ۱۲۸ - حقیقی بہن، علاتی بہن کی، ۱/۲ سے ۱/۶ کی جانب حاجب ہوگی بشرطے کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی ایسا بھائی موجود نہ ہو جو علاتی بہن کو عصبہ بنادینے والا ہو، اور اسی شرط کے ساتھ دو علاتی بہنوں کے حق مین دو تہائی سے ۱/۶ کی جانب حاجب ہوگی۔

دفعہ ۱۲۹ - کل ترکہ سے محروم کردینے والے ورثاء سولہ ہین :۔

(۱) بیٹا، (۲) پوتا، پرپوتا (اولاد در اولاد)، (۳) بیٹی، (۴) پوتی، (۵) حقیقی بھائی، (۶) علاتی بھائی، (۷) حقیقی بھائی کا بیٹا، (۸) علاتی بھائی کا بیٹا، (۹) حقیقی چچا، (۱۰) حقیقی چچا کا بیٹا، (۱۱) بیٹی یا پوتی حقیقی کے ساتھ (۱۲) دو حقیقی بہنین (۱۳) یا دو علاتی بہنین، (۱۴) دادا (۱۵) ماں، اور (۱۶) نانی۔

دفعہ ۱۳۰ - میت کے بیٹے یا نیچے تک کے کسی پوتے کے موجود ہونے ہوئے بیٹے کی یا پوتوں کی اولاد خواہ مرد ہو یا عورت وارث نہ ہوسکے

گی اور نہ حقیقی یا پدری یا مادری بھائی یا چچا پدری یا مادری وارث ہوسکین گے۔

دفعہ ۱۳۱ - میت کی بیٹی اور پوتی کے ساتھ، مادری بھائی خواہ ایک ہو یا زائد، مرد ہو یا عورت وارث نہ ہوں گے، اور نہ دو بیٹیوں کے ساتھ مادری بھائی اور نہ بیٹے کی بیٹی جب کہ اس کے ہمراہ اس کا کوئی بھائی عصبہ یا چچا کا بیٹا عصبہ موجود نہ ہو، لیکن موجود ہونے کی صورت مین بقیہ ترکے کی بحیثیت عصبہ کے وارث ہوں گی، تقسیم ''للذکر مثل حظ الانثیین،، ہوگی اور جو حکم دو بیٹیوں کے وجود کا ہے وہی حکم اس وقت ہوگا جب کہ ان کی جگہ دو پوتیاں موجود ہوں جب کہ ان کی نسبت ان سے نیچے طبقہ کی جانب کی جائے۔

دفعہ ۱۳۲ - میت کے حقیقی بھائی کے مقابلے مین پدری ایک بھائی یا زائد اور حقیقی چچا یا علاتی چچا وارث نہ ہوں گے لیکن اخیافی بھائی محجوب نہ ہوگا۔

دفعہ ۱۳۳ - علاتی بھائی کے مقابلے مین، حقیقی چچا، علاتی چچا، اور بھائی کے بیٹے وارث نہ ہوسکین گے، خواہ یہ حقیقی بھائی کی اولاد ہی کیوں نہ ہوں۔

دفعہ ۱۳۴ - میت کے حقیقی بھائی کے بیٹے کے مقابلے مین چچا خواہ حقیقی ہو وارث نہ ہوگا اور نہ پدری بھائی کا بیٹا اور نہ اس سے نیچے کی اولاد۔

دفعہ ۱۳۵ - علاتی بھائی کے بیٹے کے مقابلے مین ہر قسم کا چچا، اور ہر قسم کے بھائیوں کی اولاد وارث نہ ہوگی۔

دفعہ ۱۳۶ - میت کے حقیقی چچا کے مقابلے مین، علاتی چچا اور اس سے نیچے کی حقیقی یا علاتی چچا کی اولاد وارث نہ ہوگی۔

دفعہ ۱۳۷ - حقیقی چچا کے بیٹے کے مقابلے مین علاتی چچا کا بیٹا اور اس سے نیچے ہر قسم کے چچاؤں کی اولاد وارث نہ ہوگی۔

دفعہ ۱۳۸ - بیٹی کے، حقیقی بہن کے، یا پوتی اور حقیقی بہن کے مقابلے میں علاتی بھائی، ایک یا زائد، وارث نہ ہو سکیں گے۔

دفعہ ۱۳۹ - میت کے دو حقیقی بہنوں کے مقابلے میں علاتی بہن جب کہ اس کے ساتھ اس کا بھائی موجود نہ ہو وارث نہ ہوگی۔

دفعہ ۱۴۰ - میت کے باپ کے مقابلہ میں دادا، دادی، چچا، بھائی وارث نہ ہو سکیں گے۔

دفعہ ۱۴۱ - میت کے دادا کے مقابلہ میں اس سے اوپر کا کوئی دادا، اور اخیافی بھائی، بھائی کے بیٹے اور چچا وارث نہ ہوں گے۔

دفعہ ۱۴۲ - میت کی ماں کے مقابلہ میں دادی، نانی وارث نہ ہوں گی۔

دفعہ ۱۴۳ - میت کی نانی کے موجود ہوتے ہوئے، اپنی دادی کے سوا دور کی دادیاں وارث نہ ہوں گی۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۵۲ - ,,حجب،، کسی معین وارث کا کسی دوسرے وارث کو کل حصہ وراثت سے یا بعض سے روک دینا ہے۔

۲۵۳ - حجب کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) حجب نقصان (کہ وراثت کے حصے میں کمی واقع کردے)،

(۲) حجب اسقاط (میراث کو بالکل ساقط کردے) ۔

۲۵۴ - چھ وارث حجب اسقاط سے متاثر نہیں ہوتے، جو حسب ذیل ہیں :-

بیٹا، بیٹی، باپ، ماں، شوہر اور زوجہ

۲۵۵ - (۱) پوتا، پوتی حجب اسقاط سے متاثر ہو جاتے ہیں میت کا

بیٹا خصوصی طور پر ان کا حاجب ہوجاتا ہے ، اور قریب درجہ کے پوتے بعید کے لیے حاجب ہوتے ہیں، خواہ پوتے ہوں یا پوتیاں۔

(۲) باپ، دادا کا حاجب ہوتا ہے ، اور ہر جد قریب، جد بعید کا حاجب ہوگا۔

(۳) حقیقی بھائی بہن کو میت کا باپ اور بیٹا اور پوتا محجوب کر دیتے ہیں ۔

(۴) اور علاتی بھائی بہن کو حقیقی بھائی اور جو اس کے حاجب ہوں محجوب کر دیں گے لیکن حقیقی بہن محجوب نہ کرے گی۔

(۵) اور حقیقی چچا زاد بھائی کے دادا، اور علاتی بھائی اور ان کو جو لوگ محجوب کرتے ہوں حاجب ہوں گے ۔

(۶) پدری بھائی کے لڑکے کو حقیقی بھائی کا لڑکا اور اس کے حاجب محجوب کردیں گے ۔

(۷) حقیقی چچا کو پدری بھائی کا بیٹا اور اس بیٹے کے حاجب لوگ محجوب کردیں گے ۔

(۸) علاتی بھائی کا بیٹا اور اس کے حاجب اشخاص، علاتی چچا کے کے حاجب ہوں گے ۔

(۹) پدری چچا اور اس کے حاجب اشخاص، حقیقی چچا کے بیٹے کے حاجب ہوں گے ۔

(۱۰) میت کے چچا کا بیٹا، اور میت کی بیٹی، اور پوتا، پوتی (نیچے تک کا سلسلہ) اور باپ دادا، اوپر تک کا، مادری چچا کے بیٹے کے بیٹے کا حاجب ہوگا۔

(۱۱) میت کی ماں خاص طور پر نانی کی حاجب ہوگی۔

(۱۲) میت کا باپ اور ماں دادی کے حاجب ہوں گے ۔

۳۰۶ - مسطورۂ ذیل وارث محجوب بحجب نقصان ہوتے ہیں :

(۱) بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی، دو یا زائد بھائی یا بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی نیز ماں کو ۱/۳ سے ۱/۶ کی جانب منتقل کردیں گے۔

(۲) بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی، شوہر کو ۱/۲ سے ۱/۴ کی جانب منتقل کر دیں گے۔

(۳) میت کا بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی، زوجہ کو ۱/۴ سے ۱/۸ کی طرف منتقل کر دیں گے۔

(۴) پوتی کو ایک بیٹی ۱/۲ سے ۱/۶ کی جانب منتقل کر دے گی، جیسا کہ دو یا زائد پوتیوں کو ۲/۳ سے ۱/۶ کی جانب منتقل کر دے گی۔

(۵) ایک حقیقی بہن علاتی بہن کو ۱/۲ سے ۱/۶ کی جانب اور دو یا زائد کو ۲/۳ سے ۱/۶ کی جانب منتقل کردے گی۔

(۶) میت کا بیٹا اور پوتا میت کے باپ کو عصبہ ہونے سے ۱/۶ کی جانب منتقل کردے گا۔

(۷) میت کا باپ نہ موجود ہونے کی صورت میں دادا کو میت کا بیٹا یا پوتا عصبہ ہونے سے ۱/۶ کی جانب منتقل کردے گا۔

(۸) بیٹی، پوتی، حقیقی ہمشیرہ اور پدری ہمشیرہ کو ان کا بھائی فرض کے حصہ سے عصبہ ہونے کی جانب منتقل کردے گا۔

(۹) حقیقی ہمشیروں اور پدری ہمشیروں کو میت کی لڑکیاں عصبہ کر دیتی ہیں، لہذا میت کی ایک بیٹی یا زائد انہیں فرض سے عصبہ ہونے کی جانب منتقل کر دیں گی۔

یتیم پوتے کی میراث

۳۰۷ - دادا یا نانا کے انتقال پر اس کے اپنے بیٹے کی موجودگی میں اس کے دوسرے مرحوم بیٹے یا بیٹی (جو اس کی حیات میں وفات پاچکے ہوں) کی اولاد دادا یا نانا کے ترکہ میں میراث پانے کی مستحق نہ ہوگی۔

تشریح

موجودہ دور میں حجب حرمان کی بحث میں جس مسئلے کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے وہ میت کے اپنی صلبی اولاد موجود ہونے کے باوجود یتیم پوتے، پوتی، نواسے اور نواسی کی میراث کا مسئلہ ہے۔ یعنی دادا یا نانا کے انتقال پر اس کے اپنے بیٹے کے موجود ہوتے ہوئے اس کے مرحوم بیٹے یا بیٹی (جو میت کی حیات میں وفات پا چکے ہوں) کی اولاد دادا یا نانا کے ترکہ میں میراث پانے کی مستحق ہوگی یا نہیں ؟ اس مسئلے میں حضور اکرم (صلعم) کہ زمانے سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ دادا یا نانا کے انتقال پر اگر اس کا کوئی بیٹا موجود ہو تو اس کے (دوسرے مرحوم) بیٹے یا بٹیی کی اولاد کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اس مسئلے میں نہ صرف اہل سنت و الجماعت کے مشہور فقہی مذاہب (حنفیہ ،مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ) اور شیعہ امامیہ و زیدیہ اور ظاہریہ سب متفق ہیں، بلکہ جن مذاہب اور ائمہ و فقہاء کے نقطہ ہائے نظر عرصے سے غیر معروف یا صرف اہل علم کی حد تک محدود ہیں ان میں سے بھی کسی امام، فقیہہ، یا مجتہد کا کوئی قول اس کے خلاف منقول نہیں۔ البتہ اہل سنت و الجماعت کے نزدیک یہ صورت ہے کہ اگر میت کے بیٹے کی بجائے صرف ایک بیٹی ہو اور میت کے مرحوم بیٹے کی اولاد (پوتہ اور پوتی) بھی موجود ہو تو بیٹی کو نصف دے کر وہ پوتے اور پوتیاں ''للذکر مثل حظ الانثیین'' آپس میں بقیہ نصف تقسیم کرلیں گی، یا اگر بیٹی کے ساتھ ایک پوتی ہو تو چھٹا حصہ پوتی کو دے کر بقیہ عصبات یعنی پوتوں کو دیا جائے گا۔ لیکن شیعہ امامیہ کے نزدیک کل ترکہ ''الاقرب فا الاقرب'' کے اصول کے تحت صرف بیٹی کو ملے گا۔ یتیم پوتے اور پوتیاں بالکلیہ محروم قرار پائیں گی۔

جدید قانون سازی :

بہر صورت، اس مسئلے میں اجماع امت رہا ہے کہ میت نے اگر ایک بیٹا اور بیٹی چھوڑی اور میت کے مرحوم بیٹے یا بیٹی کی اولاد موجود ہو تو کل

ترکہ میت کے موجود بیٹے اور بیٹی کو ملے گا اورپوتہ و پوتی یا نواسہ و نواسی وارث نہ ہوں گے۔ لیکن دور حاضر میں متعدد اسلامی ممالک میں میت کی مرحوم (یا مرحومہ) اولاد کی اولاد کے سلسلے میں جدید قانون سازی کی گئی ہے۔ چنانچہ مصر کے قانون الوصیۃ، ۱۹۴۶ع (۵) کے تحت یہ قرار دیا گیا ہے کہ میت کے پوتےپوتیاں، نواسے نواسیاں (جن کے والدین میت کی زندگی میں فوت ہو چکے ہوں)، بلا لحاظ اس امر کے کہ مرحوم کی خود اپنی اولاد موجود ہے، میت کے ورثہ میں سے اپنے مرحوم والدین کے اس حصے کی مستحق ہوں گی جو اس مرحوم یا مرحومہ (والد یا والدہ) کو بشرط حیات ملتا، مگر لازم ہے کہ وہ حصہ، جہاں ضروری ہو، (ایک تہائی سے زائد کی صورت میں) کم کرکے کل ترکہ کی ایک تہائی تک کر دیا جائے گا، تاکہ وصیت کی مقررہ حد یعنی تہائی سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ مزید لازم ہوگا کہ ان متعلقہ پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کو یہ مقدار میت کی جانب سے بذریعہ ہبہ یا بذریعہ وصیت (اختیاری) نہ ملی ہو۔

---

(۵) و نص هذه المواد:

مادہ ۷۶- اذا لم یوص المیت لفرع ولده الذی مات فی حیاته أو مات معه ولو حکما بمثل ما کان یستحقه هذا الولد میراثا فی ترکته لوکان حیا عند موته وجبت للفرع فی الترکه وصیة بقدر هذا النصیب فی حدود الثلث بشرط ان یکون غیر وارث وألا یکون المیت قد اعطاه بغیر عوض من طریق تصرف آحر قدر ما یجب له۔ وان کان ما أعطاه أقل منه وجبت له وصیه بقدر ما یکمله. و تکون هذه الوصیه لاهل الطبقه الاولی من أولاد البنات، ولا ولاد الا بناء من أولاد الظهور و ان نزلوا علی أن یحجب کل أصل فرعه دون فرع غیره، وان یقسم نصیب کل أصل علی فرعه وان نزل قسمه المیراث۔ کما لو کان أصله أو أصوله الذین یدلی بهم الی المیت ماتوا بعده و کان موتهم مرتبا کترتیب الطبقات۔

مادہ ۷۷- اذا أوصی المیت لمن وجبت له الوصیه باکثر من نصیبه کانت الزیادة وصیة اختیاریة، وان اوصی له بأقل من نصیبه وجب له ما یکمله۔

وان أوصی لبعض من وجبت لهم الوصیةدون البعض الآخر وجب امن لم یوص له قدر نصیبه۔ ویو خذ نصیب مسن لم یوص له و یوفی نصیب من أوصی له باقل مما وجب من باقی الثلث فان ضاق عن ذلك فمنه و مما هو مشغول بالوصیة الاختیاریة۔

مادة ۷۸- الوصیة الواجبة مقدمة علی غیر ها من الوصایا۔
فاذا لم یوص لمن وجبت لهم الوصیة و أوصی لغیر هم استحق کل من وجبت له الوصیة قدر نصیبة من باقی الترکة ان وفي والا فمنه و مما اوصی به لغیرهم۔

شام کے قانون ۱۹۵۳ع کے تحت بھی اسی قاعدہ کو اختیار کیا گیا ھے تیونس نے بھی ۱۹۵۷ع مین اور مراکش نے ۱۹۵۸ع مین اسی کے مطابق قانون سازی کی ھے۔ البتہ شام اور مراکش کے قانون کے تحت اس قاعدہ کا اطلاق صرف میت کے مرحوم بیٹے کی اولاد (پوتے پوتیوں) تک محدود کر دیا گیا ھے، یعنی وھاں اس کا اطلاق میت کی مرحوم بیٹی کی اولاد (نواسے نواسیوں) پر نہین کیا جاتا۔ اس کے برخلاف پاکستان کے عائلی قانون ۱۹۶۱ع کی دفعہ ۳ کے تحت پوتے، پوتی اور نواسی، نواسہ کو اپنے باپ یا ماں (جیسی صورت ھو) کے قائم مقام کی حیثیت سے وارث قرار دیا گیا ھے۔

چنانچہ پاکستان میں سب سے پہلے ۳ دسمبر، ۱۹۵۳ع کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں ایک بل (مسودہ قانون) پیش کیا گیا کہ بیٹے کی موجودگی مین (یتیم) پوتے کو اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کو میراث کا حق دیا جائے۔ ملک گیر مخالفت کے سبب یہ بل منظور نہ ھو سکا۔ ۱۹۵۵ع میں حکومت پاکستان نے ایک عائلی قانون کمیشن قائم کیا۔ جب کہ مرکزی و صوبائی مقننہ کو صدارتی فرمان مجریہ، ۱۹۵۸ع کے ذریعہ توڑا جاچکا تہا، مارشل لاء کے دور میں آرڈی نینس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ع کی دفعہ ۳ کے ذریعہ پاکستان میں یہ قانون نافذ کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اپنے پیچھے ایسے لڑکے یا لڑکی کی اولاد کو چھوڑے جو اس کی زندگی میں فوت ھوچکا ھو تو مرحوم کی اولاد اس حصے کو پانے کی مستحق ھوگی، جو ان کے باپ یا ماں کو ملتا، اگر وہ اس شخص کی وفات کے وقت موجود ھوتے۔ چنانچہ پاکستان میں دیگر اسلامی ممالک کے رائج الوقت قوانین مین ''وصیت واجبہ'' کے برخلاف پوتے پوتی نواسے نواسی کو اپنے باپ یا ماں (جیسی صورت ھو) کے قایم مقام کی حیثیت سے ''وارث'' قرار دیا گیا ھے ۔

عائلی قوانین آرڈی نینس، ۱۹۶۱ع کی دفعہ ۳، (بابت وراثت) (۱) کے

---

۱ *Section* 4 In the event of the death of any son or daughter of the propositus before the opening of the succession of the children of such son or daughter, if any, living at the time the succession opens, shall per stripes receive a share equivalent to the share which such son or daughter, as the case may be, would have received, if alive.

اطلاق کے بارے میں جسٹس نورالعارفین نے بمقدمہ عباس بنام عصمت مصطفے (۷) قرار دیا کہ ''قانون مذکور دفعہ ۴ کا اطلاق ان بیٹوں یا بیٹیوں پر ہوگا جو آرڈی نینس کے نفاذ سے قبل فوت ہوئے ہوں یا بعد کو۔ دفعہ ھذا میں واحد شرط یہ ہے کہ موت جانشینی (وراثت) کے آغاز سے پہلے واقع ہوچکی ہو۔'' جسٹس نورالعارفین نے اپنے فیصلے میں مزید لکھا کہ ''اگر دفعہ ھذا کے اطلاق کو صرف ان اموات تک محدود رکھا جائے جو آرڈی نینس کے نفاذ کے بعد واقع ہوں تو یہ اطلاق قانون ھذا کی منشاء کے مطابق نہ ہوگا۔ آرڈی نینس کا مقصد ان بد نصیب بچوں کی تکالیف کا مداوا کرنا ہے جن کے والد یا والدہ کودادا کی حیات میں موت (کے بے رحم ھاتھوں) نے چھین لیا ہو''۔(۸)

پاکستان میں اس قانون کے شریعت اسلام کے مطابق یا غیر مطابق ہونے کے سلسلہ میں شروع ھی سے دو نقطہ ھائے نظر پائے جاتے ھیں۔ ملک کی عظیم اکثریت [جن میں علماء (ماسوائے معدودے چند کے) شامل ھیں]، اس نقطہ نظر کی حامل ہے کہ یہ دفعہ شرع اسلام کے منافی ہے جب کہ ایک قلیل التعداد طبقہ جو جدید تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل ہے اس کو شرع اسلام کے مطابق قرار دیتا ہے۔ احکام قرآنی، احادیث نبوی اور آثار صحابہ کے ذریعہ بآسانی اس نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے عائلی قانون نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ع کی مذکورہ بالا دفعہ ۴ امت مسلمہ کے اجماعی نقطہ نظر کے خلاف ہے۔

قرآن پاک سے استدلال، قدیم مباحث:

۱ - سورہ نساء کی آیات میراث میں ہے: ''یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین'' یعنی اللہ تعالی تم کو اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ مذکر کے لیے اس کا حصہ دو مونث کے حصہ کے برابر ہے۔

''اولاد'' ولد کی جمع ہے اور ''ولد'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی جننے کے ھیں۔ ''ولد'' فلق کی طرح مفلوق (مفعول) مولود (جنے ہوئے) کے معنی

---

(۷) PLD, 1968, Karachi, P. 480

(۸) آرڈیننس کا نفاذ ۱۵/ جولائی، ۱۹۶۱ع سے عمل میں آیا۔

میں ہے۔ مذکر (لڑکا) اور مونث (لڑکی) دونوں اس کے معنی میں شامل ہیں۔ کیونکہ دونوں جنے ہوئے ہیں، لیکن ''ولد کے'' معنی دو طرح مستعمل ہیں:۔

(الف) ایک حقیقی جو بلا واسطہ جنا ہوا ہو یعنی بیٹا، اور بیٹی،

(ب) دوسرے مجازی جو کسی واسطہ سے جنا ہوا ہو یعنی پوتا، پوتی، پر پوتا، پر پوتی وغیرہ جو بیٹوں کی اولاد ہے۔

بیٹیوں کی اولاد نواسی، نواسے اس کے مفہوم میں داخل نہیں، کیونکہ نسب باپ سے چلتا ہے۔ بیٹوں کی اولاد باپ کی اپنی صلبی اولاد کی طرح ہے اور بیٹیوں کی اولاد ان کے اپنے باپ دادا کی ہے، نہ کہ نانا کی۔ وہ صرف عزیز ہیں، ذوی الارحام ہیں۔ یہ بات عرف و رواج ہی نہیں بلکہ قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ میت کی اپنی بلاواسطہ اولاد، ''ولد'' کے حقیقی معنی ہیں، اور پوتا پوتی مجازی معنی ہیں۔ اور نواسہ نواسی ''ولد'' کی تعریف میں داخل نہیں۔

عربی زبان میں حقیقی و مجازی معنی کی شناخت کے لیے ایک ضابطہ مقرر ہے جو دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی جاری ہوتا ہے وہ یہ کہ جس معنے سے لفظ کی نفی نہ کی جاسکے، وہ حقیقی معنی ہے اور جن معنے سے اس لفظ کی نفی کرکے دوسرا الفاظ بولا جاسکے، وہ مجازی ہے۔ مثلاً اسد کے حقیقی معنی شیر کے ہیں۔ شیر کے معنی سے لفظ اسد کی نفی نہیں کی جا سکتی لہذا لفظ ''اسد'' کا حقیقی معنی ''شیر'' ہی ہے۔ اسد کا مجازی معنی قوت والا یا بہادر ہے۔ قوت والا یا بہادر کے لیے اسد کی بجائے دوسرا لفظ شجاع یا جری موجود ہے اس سے ثابت ہوا کہ قوت والے یا بہادر پر قوی یا جری یا شجاع کا لفظ بولا جا سکتا ہے لہذا لفظ ''اسد'' کا اطلاق بمعنی بہادر محض مجازی ہے۔

علم بلاغت اور اصول فقہ کا ایک اور قاعدہ ہے جو دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی رائج ہے کہ ایک لفظ سے ایک وقت اور حالت میں مذکورہ بالا دونوں معنی یعنی حقیقی اور مجازی مراد نہیں لیے جا سکتے۔ جب کوئی کہے گا کہ میں نے شیر دیکھا تو یا درندہ (حقیقی) مراد ہوگا یا بہادر انسان (مجازی) مگر ایک ہی معنی مراد ہوں گے۔ دونوں معنی بیک وقت مراد نہیں ہو سکتے۔

جس لفظ سے حقیقی یا مجازی دونوں معنی (دو حالتوں مین) مراد لیے جاسکتے ھین ایسے لفظ سے کب حقیقی معنے مراد ھوں اور کب مجازی، اس کے لیے یہ ایک عام قاعدہ ھے کہ بالعموم لفظ کے حقیقی معنی مراد ھوں گے لیکن جب حقیقی معنے کا وجود نہ ھو یا اس سے مراد لینا محالات سے ھو یا یا عبارت مین کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کی وجہ سے حقیقی معنے مراد نہ لیے جاسکین تو اس وقت مجازی معنے مراد ھوں گے، کیونکہ اصل معنے حقیقی معنے ھی ھین جس کے لیے زبان مین اس لفظ کو وضع اور مقرر کیا گیا ھے۔

مجازی معنی کسی علاقے و مناسبت سے مراد ھوتے ھین۔ لہذا جب تک حقیقی معنی معدوم یا ممنوع یا محال نہ ھوں مجازی معنے مراد نہین لیے جائینگے۔

مذکورہ بالا قواعد کی رو سے لفظ ''اولاد،، کے معنے کے لیے تین باتین ثابت ھوتی ھین :۔

(۱) اولاد کے حقیقی معنے بیٹا، بیٹی ھین اور مجازی معنی پوتا پوتی، پر پوتا پر پوتی خواہ کتنے ھی نیچے درجے مین ھوں۔

(۲) حقیقی اور مجازی معنے (دونوں) ایک وقت اور حالت مین مراد نہین ھو سکتے مثلاً یہ کہ بیٹا، بیٹی بھی مراد ھوں اور پوتا پوتی بھی۔ یعنی لفظ ''اولاد،، سے بیک وقت ایک حالت مین دونوں معنی مراد نہین لیے جا سکتے۔ یہی وجہ ھے کہ بیٹے کی موجودگی مین اس کی اولاد یعنی میت کے پوتے، پوتی کو ترکہ نہین دیا جاتا۔ کیونکہ یہ نہین ھوسکتا کہ لفظ ''ولد،، مین حقیقی و مجازی دونوں معنے یا حقیقی معنے کے موجود ھوتے ھوئے مجازی معنی بھی مراد ھوں۔

(۳) جب تک حقیقی معنے کا وجود ھوگا مجازی معنی مراد لینا جائزنہ ھوگا، یعنی لفظ ''ولد،، کے حقیقی معنی (بیٹا بیٹی) کی موجودگی مین پوتا، پوتی وغیرہ مراد نہ لیے جاسکین گے۔

لہذا آیت ''یوصیکم اللہ فی اولاد کم،، کا مطلب یہ ھوگا کہ بیٹا ھوتے

ہوئے پوتا پوتی کا کوئی حق نہ ہوگا، چاہے وہ پوتا پوتی زندہ بیٹے سے ہوں یا مرحوم بیٹے سے۔

امام جصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے کہ ''امت کے اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حق تعالی کے ارشاد ''یوصیکم اللہ فی اولاد کم،، میں صلبی اولاد مراد ہے اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ پوتا صلبی بیٹے کے ساتھ اس میں داخل نہیں اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ صلبی بیٹا نہ ہو تو مراد بیٹوں کی اولاد ہے، بیٹیوں کی نہیں۔ لہذا یہ لفظ صلبی اولاد کو اور جب صلبی نہ ہو تو بیٹے کی اولاد کو شامل ہے۔،،(۹)

اس لیے ساری امت کے اہل علم کے نزدیک مذکورہ بالا آیت کا بھی مفہوم ہے کہ اولاد سے فقط بیٹا، بیٹی مراد ہیں اور اگر بیٹا نہ ہو تو پوتا پوتی مراد ہوں گے۔ بیٹے کی موجود گی میں پوتا اس لفظ ''ولد،، میں داخل نہیں ہوسکتا۔

مذکورہ بالا آیت ''یوصیکم اللہ فی اولاد کم،، میں بیٹا بیٹی کا حصہ بیان کیا گیا ہے، اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں پوتا پوتی کا، جب کہ مذکر و مونث دونوں جنسیں موجود ہوں، یعنی بیٹے بھی ہوں اور بیٹیاں بھی۔ اگر صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں یعنی بیٹیاں ہی بیٹیاں یا ایک بیٹی ہی ہو تو اسی آیت کے دوسرے حصے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''اگر وہ (اولاد) مونث ہی ہو، دو یا زیادہ،، ان کے لیے ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک ہو تو اس کے لیے نصف۔(۱۰) اب اگر یہ مونث اولاد باعتبار حقیقی معنی کے حقیقی بیٹیاں ہوں تو وہ وارث ہیں اور ان کا حصہ مقرر ہے اور اگر مونث اولاد کے حقیقی معنے موجود نہ ہوں یعنی حقیقی بیٹیاں موجود نہ ہوں بلکہ پوتیاں ہوں تو باعتبار مجازی معنی کے ان کے ایک ہونے کی صورت میں نصف اور کئی

---

(۹) احکام القرآن، امام جصاص، محولہ بالا، ج ۲ ص ۹۶ :
''ولم یختلف اہل العلم فی ان المراد بقولہ تعالے یوصیکم اللہ فی اولاد کم اولاد الصلب وانہ اذالم یکن ولد الصلب فالمراد اولاد البنین دون اولاد البنات فقد انتظم اللفظ اولاد الصلب و اولاد الابن اذالم یکن ولد الصلب۔،،

(۱۰) ''فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ماترک فان کانت واحدة فلها النصف۔،،

ہونے کی صورت میں بیٹیوں کی طرح ترکہ کے دو تہائی حصے کی مستحق ہوں گی۔ لیکن اگر بیٹی ایک اور پوتیاں کئی ہوں تو ''ولد'' کے حقیقی معنے بیٹی کے لیے ہوں گے یعنی بیٹی کو اس کا مقرر ترکہ کا نصف حصہ ملے گا۔ مگر چونکہ مونث کے ایک سے زائد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ دو تہائی مقرر ہے اور صورت موجودہ میں بیٹی کو نصف حصہ دے کر پوتی چھٹا حصہ پاتی ہے چنانچہ حقیقی بیٹی کو اس کا مقررہ حصہ دینے کے بعد ''ولد'' کے حقیقی معنی معدوم ہو جائیں گے، اور اب دوسری حالت میں ولد کا مجازی معنی مراد لیا جائے گا۔ اسی طرح پوتی کو بقیہ چھٹا حصہ دے کر حکم قرآنی ''تکملة الثلثین'' پر عمل کیا جا سکے گا۔ بالفاظ دیگر، ایک حالت میں نصف کا استحقاق حقیقی معنے کے تحت ہے دوسری حالت میں دو تہائی کی تکمیل مطلوب ہے اس کے لیے حقیقی معنے کا وجود نہ رہا تو ولد کے مجازی معنی پوتی مراد لی جائے گی، ایک ہو یا کئی، بقیہ چھٹا حصہ ان کو دے دیا جائے گا۔

لیکن پوتے اور پوتی کے درمیان ایک فرق ہے وہ یہ کہ بیٹے کے ساتھ پوتے کو کچھ نہ ملے گا اگرچہ ایک بیٹی کے ساتھ پوتی کو دو تہائی پورا کرنے کے لیے بقیہ حصہ ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مونث اولاد کا حصہ مقرر ہے، ایک کا نصف اور دو یا زائد کا دو تہائی۔ ایک بیٹی کے ہوتے ہوئے نصف کے حصے میں فقط مونث اولاد حقیقی ہے جو اپنا مقررہ حصہ لینے کے بعد گویا معدوم ہوگئی اور اب بقیہ ترکہ کے لیے مجازی معنے مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس لیے دونوں معنے دو حالتوں میں مختلف ہیں اور علیحدہ علیحدہ حالتوں میں مراد لیے گئے ہیں۔ مذکر اولاد کے لیے جو بچ رہے وہ سب اس کا ہے اس لیے اگر حقیقی معنے بیٹے کے ہوتے ہوئے ولد کے مجازی معنے یعنی پوتا بھی مراد لیے جائیں گے تو اسی بیٹے کے کل حصے میں شرکت اور ایک ہی حالت میں حقیقت و مجاز کا جمع کرنا لازم آئے گا جو اصول فقہ و لغت کے خلاف ہے۔

۲۔ سورۂ نساء رکوع ۵ میں مذکور ہے کہ ''ہر ایک کے لیے ہم نے موالی بنائے ہیں اس ترکہ کے، جس والدین اور قریب تر اعزاء چھوڑ جائیں۔''(۱۱)

(۱۱) النساء: ۵:

''وکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون''

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ موالی عصبات ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔(۱۲)

امام جصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے کہ ''حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہاں موالی سے عصبات مراد ہیں۔(۱۳) امام جصاص نے اگلے صفحہ پر موالی سے عصبات مراد ہونے کی دلیل میں یہ حدیث درج کی ہے کہ حضور (صلعم) کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص مر جائے اور مال چھوڑے تو اس کا مال موالی یعنی عصبہ کے لیے ہے۔(۱۴)

لفظ ''اقربون،، اقرب کی جمع اور اسم تفضیل ہے، جو قرب سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں زیادہ قریب۔ لہذا جب عصبات والدین کے وارث ہوں یا دیگر عزیزوں کے وارث ہوں تو یہ وارث ہونے والے عصبات بھی وہ ہوں گے جو ان عزیزوں سے زیادہ قریب ہوں۔ یہ قریب ہونا قرابت میں ہوتا ہے، اور قرابت کی قربت تین طرح کی ہے:

۱۔ کوئی واسطہ درمیان میں نہ ہو جیسے بیٹا اور باپ یا دوسروں کی نسبت سے کم واسطے ہوں جیسے پوتا بہ نسبت پر پوتے کے۔

۲۔ اگر ایک درجہ میں ہوں تو ایک کی قرابت دوسرے سے زائد ہو جیسے حقیقی بھائی علاتی بھائی سے اقرب ہے، حقیقی میں ماں اور باپ دو کا علاقہ ہے جب کہ علاتی میں صرف باپ کا ایک علاقہ ہے۔

۳۔ ہم درجہ ہوں تو ایک کی قرابت قوی تر ہو جیسے بیٹا اور باپ کہ دونوں میت کے بلا واسطہ قریب ہیں مگر بیٹا میت کا جزو ہے باپ نہیں، لہذا بیٹا اقرب ہے۔

سابقہ سطور میں بیان کردہ ''فان کن نساء فوق اثنتین۔ ۔ ۔،، والی آیت میں مولث اولاد کے مقرر شدہ حصہ کا ذکر کیا گیا تھا کہ ایک کے لیے نصف

---

(۱۲) تفسیر جلالین، علامہ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۰۸ھ، ج ۱، ص ۱۴۲ (بر حاشیہ بیضاوی جلد اول مطبوعہ مصر)

(۱۳) احکام القرآن، امام جصاص، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۲۳

(۱۴) حدیث: ''من مات و ترک مالا فمالہ للموالی العصبۃ،،

اور زائد کے لیے دو تہائی ہے، نیز مذکورہ آیت میراث سے دوسرے اصحاب الفرائض کے حصوں کا حال معلوم ہوا لیکن بقیہ ترکہ یا ورثاء کا کیا ہوگا؟ اس آیت ''للرجال نصیب مما ترک الوالدان والا قربون،، سے معلوم ہوا کہ باقی ترکہ اس عصبہ کو ملے گا جو سب سے قریبی قرابت دار ہوگا اور ابعد محروم رہے گا۔ اس آیت سے سارے عصبات کا حکم معلوم ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ذوی الفروض کے بعد وارث ہونے کا مدار قریب تر قرابت پر ہے یعنی اقرب کو ابعد پر فوقیت حاصل ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ والدین کے ترکہ میں بیٹے جن کا حصہ معین نہ تھا عصبہ ہیں یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں جمع ہوں تو ان کا معین حصہ نہیں رہا بلکہ بیٹیاں بیٹوں کے ساتھ عصبہ ہیں۔ اب جو لوگ ان کے ساتھ عصبہ ہیں ان میں سے جو اقرب ہوں گے وہی وارث ہوں گے بیٹا، بیٹی اقرب ہیں، دونوں موجود ہوں گے تو مرد کو دوگنا اور عورت کو ایک گنا ملے گا۔ صرف بیٹے ہوں گے تو برابر کے شریک ہوں گے۔ اگر ایک ہوگا تو کل کا وارث ہوگا اور پوتا (منجملہ دوسرے مرحوم بیٹے کا بیٹا) ہوگا تو وہ بیٹے کی بہ نسبت ابعد ہوگا اور اس بیٹے کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا۔ نیز پرپوتا پوتے کے مقابلے میں ابعد ہونے کے سبب پوتے کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا۔ اسی طرح بھائی اقرب ہے لہذا بھتیجا بھائی کے ہوتے ہوئے وارث نہ ہوگا۔ چنانچہ بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کو وارث قرار دینا آیت قرآنی و احادیث نبوی (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) کے خلاف اور باطل بنیاد پر تحکم فی الدین ہے۔

۳ - اس بحث کو دوسرے انداز پر اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے ''الاقرب فالاقرب،، کا اصول قائم رکھا ہے اور اس کو پسندفرمایا ہے جیسا کہ ''وللرجال نصیب مماترک الوالدان والاقربون،، والی آیت میں ''اقربون،، کا لفظ واضح طور پر اس معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس لفظ ''اقربون،، سے میت کے عام رشتہ دار مراد نہیں ہیں بلکہ وہ رشتہ دار مراد ہیں جو میت کے قریب تر ہوں۔ اس آیت کے آخری حصہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ''واذاحضر القسمة اولوالقربی،، یعنی جب کہ تقسیم کے وقت صاحبان قرابت حاضر ہوجائیں چنانچہ اگر ان ''اولوالقربی،، سے وہی ''اقربون،،

مراد لیے جائیں جن کا ذکر آیت کے شروع میں فرمایا گیا ہے تو اس صورت میں ان کو ''نصیبا مفروضا،، کے حکم میں داخل کرنا ہوگا جو ''والدان،، اور ''الاقربون،، کے لیے صادر فرمایا گیا ہے۔ ان کے حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازمی طور پر مقرر کردئے گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان اولوا القربی کو یتامی اور مساکین کے سلسلے سے منسلک فرمانے کے بعد فرماتا ہے: ''فارزقوھم منه وقولوا لھم قولا معروفا،،۔ یہ حکم پہلے حکم کے خلاف ہے''کہ اس ترکہ میں سے کچھ ان کو بھی دے دو اور ان سے رسم و رواج کے مطابق اچھی بات کرو،،۔ یتامی اور مساکین کو متروکہ میں سے کچھ دے جانے کا حکم بطور حسن سلوک و صلہ رحمی کے ہے نہ کہ بطور فرضیت کے۔ اسی سلسلے میں ''اولوا القربی،، کو بھی شامل فرمایا گیا ہے کہ ان دونوں فریق (یتامی و مساکین) کی مانند ان (اولوا القربی) کے ساتھ حسن سلوک سے کام لو۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ ''اولواالقربی،، اپنے معنی میں ''الاقربون،، سے مختلف ہیں اور ان سے وہ قریبی رشتہ دار مراد ہیں جو اول کی بہ نسبت قرابت میں بعید ہوں اور وراثت سے محروم قرار پائے ہوں۔

بالفاظ دیگر، آیت کے ابتدائی حصے میں ''اقربون،، فرمایا گیا ہے اور یہاں ''اولوا،، کا اضافہ فرماکر ''اولوا القربی،، فرمایا گیا ہے۔ یہ''اولوا،، کا لفظ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اول سے وہ قرابت دار مراد ہیں جن کے اور میت کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو اور دوسرے (اولوا القربی) سے وہ قرابت دار مراد ہیں جن کے اور میت کے درمیان واسطہ ہو۔ لہذا قرآن کریم کی ان دو مختلف اصطلاحات کے پیش نظر، جب کسی میت کا صلبی بیٹا اور دوسرے مرحوم بیٹے کا بیٹا (پوتا) موجود ہو تو میت کا اقرب بیٹا ہوتا ہے اور پوتا اس کے مقابلے میں ابعد۔ جس طرح کہ میت کے باپ اور دادا دونوں موجود ہوں تو میت سے اقرب میت کا باپ ہوتا ہے اور دادا اس کے مقابلے میں ابعد۔ چنانچہ بیٹا ''اقربون،، سے ہوگا اور ''پوتا،، اولوا القربی،، سے ہوگا۔ نیز بیٹے کے مقابلے میں پوتا وراثت سے محروم ہوگا لیکن اولوا القربی کے ساتھ اس موقعہ پر حسن سلوک اور صلہ قرابت کا برتاؤ خداوند عالم کی نظر میں پسندیدہ اور محبوب عمل شمار کیا جائے گا۔

۴۔ یہاں یہ امر واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تمام آیات سابقہ کو پیش نظر رکھنے کے بعد اقتضاء نصوص سے یہ بھی ثابت ہورہا ہے کہ اسلام نے میراث کے سلسلے میں تعین حصص میں میت کے اقرباء کے فقر و احتیاج اور بے چارگی کو بنیاد قرار نہیں دیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر یہ نہ فرمایا جاتا کہ ''آباؤکم و ابناءکم لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعا و فریضۃ من اللہ ان اللہ کان علیما حکیما،، یعنی تمہارے آباء و ابناء میں سے تم کو نفع پہونچانے میں کون قریب تر ہے اس کو تم نہیں جانتے بلکہ یہ اللہ تعالی کے علم میں ہے، اللہ تعالی نے جو مقرر فرمایا ہے (بس وہی صحیح ہے)۔ اللہ تبارک و تعالی علیم اور حکمت والا ہے۔ یہ آیت واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ ورثاء اور ان کے تعین حصص میں کسی کے فقیر و محتاج اور بے چارہ ہونے کو بنیاد نہیں بنایا گیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ نہ فرمایا جاتا کہ: للذکر مثل حظ الانثیین،، یعنی مذکر کے لیے دو مونثوں کے برابر ہے بلکہ اس طرح ہوتا: ''للانثی مثل حظ الذکرین،، یعنی مونث کے لیے دو مذکر کے برابر ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ لڑکے کے مقابلے میں لڑکی مال کی زیادہ حاجت مند ہوتی ہے اور بے چارگی و صفت نسائیت کے سبب اس کو میت کے مال کا زیادہ مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح شوہر کو زوجہ کی اولاد نہ ہونے پر نصف کا مستحق قرار دیا گیا ہے جب کہ زوجہ کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کو شوہر کے ترکہ میں سے ایک چوتھائی کا مستحق قرار دیا گیا ہے، حالانکہ حاجت مندی و بے چارگی و عدم کسب معاش و ضعف قوت کا تقاضا یہ تھا کہ شوہر کے لیے ایک چوتھائی اور زوجہ کے لیے نصف مقرر ہوتا۔ چنانچہ ان نصوص سے اقتضاءً یہ ثابت ہوتا ہے کہ وراثت میں ذی حاجت ہونا یا عدم اکتساب و بے چارگی ملحوظ نہیں بلکہ ان امور کا لحاظ اس مسئلے میں آخری درجہ میں آتا ہے، اور آیت ''واذا حضر القسمۃ اولوا القربی و الیتامی والمساکین فارزقوھم منہ و قولوالھم قولا معروفا،، سے اسی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔ نیز سابقہ آیت میں اس طرح فرمایا ہے ''لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعا،، جس کے یہ معنی ہیں کہ ''تم نہیں جانتے کہ ان آبا و ابناء میں تم کو نفع پہونچانے میں کون تم سے زیادہ قریب ہے،،۔ دقیق نظر کے بعد واضح ہو جاتا

ہے کہ اللہ تعالی ان ورثاء کو میت کے لیے میت کے حق میں نفع پہونچانے والا قرار دے کر حکم دے رہا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ میت ان ورثاء کو نفع پہونچائے اور یہ ظاہر ہے کہ پوتے کے مقابلے میں بیٹا زیادہ نفع بخش ہوتا ہے، دادا کے مقابلے میں باپ زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر ''جامع الاحکام القرآن،، میں فرمایا ہے کہ:
''ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اس آیت (میراث) میں تین فائدے موجود ہیں۔ اول میراث کی علت کو بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ قرابت ہے، دوم قرابت کا عموم خواہ قریب ہو یا بعید ہو، سوم مقررہ حصوں کا اجمال جس کو مواریث کی آیت میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

صاحب تفسیر خازن علاءالدین (م ۷۲۵ھ) نے اپنی تفسیر میں آیت مذکور کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت اوس بن صامت انصاری کی بیوی کا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ''اذا حضر القسمة،، کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے ''کہ جب تقسیم میراث کے وقت (یہ خطاب وارثین کو ہے) ایسے قرابت دار موجود ہوں جو وارث نہ سکتے ہوں اور یتامی و مساکین بھی آموجود ہوں، کہ یتامی کو مساکین پر یتامی کے ضعف اور شدت احتیاج کی بناء پر مقدم کر دیا گیا ہے، تو ان لوگوں کو بھی ترکے کے مال سے کچھ دے دو۔،،

چنانچہ مفسرین کی عبارتوں سے واضح ہے کہ ''اذا حضر القسمة اولوا القربی،، والی آیة سے وہ قرابت دار مراد ہیں جن کی میت سے قرابت داری تو ہے لیکن وہ ''اقربون،، کے مقابلے میں وارث نہیں ہو سکتے اور اس وجہ سے وہ یتامی اور مساکین کی فہرست مین شامل ہو گئے ہین۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میت سے قرابت رکھنے کی بناء پر وہ دونوں فریق (یتامی و مساکین) سے مقدم ہیں۔ اس سے مسئلہ زیر بحث واضح ہو جاتا ہے کہ بیٹے کی موجودگی مین پوتا ان اقرباء کے درجہ میں ہے جو ''اذا حضر القسمة اولوا القربی،، کا مصداق ہیں۔

احادیث نبوی و آثار صحابہ:

۱ - بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور بعض دیگر مجموعہ احادیث میں

منقول ہے کہ ”حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وراثت کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو پھر جو بچے وہ میت کے سب سے قریبی مرد مذکر کے لیے ہے۔“(۱۵) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس مرد کا رشتہ میت سے خود یا بواسطہ مرد کے ہے وہ عصبہ ہے اور اس کا حصہ قرآن مجید میں مقرر و معین نہیں ۔ بیٹا، پوتا، بھائی، چچا وغیرہ اور ان کی اولاد عصبات ہیں، جن کا حصہ مقرر نہیں ہے۔ لہذا ان میں جو میت سے قریب تر ہوگا وہ وارث ہوگا۔ چنانچہ بیٹا پوتے سے اور بھائی بھتیجے سے قریب تر ہے۔ اس لیے پوتے اور بھتیجہ کے مقابلہ میں بیٹا اور بھائی وارث ہوگا۔

شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ”امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ مقررہ حصہ پانے والوں کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ عصبہ کا ہے، جو سب سے قریب (عصبہ) ہے وہ مقدم کیا جائے گا، پھر وہ جو اس کے بعد سب سے قریب کا ہے، (کوئی دور کا عصبہ قریبی عصبہ کے ساتھ وارث نہ ہوگا) اور عصبہ وہ مذکر ہے جو خود قرابت کا ایسا تعلق رکھتا ہو کہ اس کے اور میت کے درمیان مونث نہ ہو جب یہ تنہا ہوگا تو کل مال لے لے گا۔“(۱۶)

امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں ”کہ تمام مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ مقررہ حصوں کے بعد جو کچھ بچے وہ عصبات کا ہے جو سب سے قریب کا ہے وہ مقدم کیا جائے گا پھر جو اس سے قریب کا ہوگا۔ لہذا دور کا عصبہ قریبی کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا (۱۷)۔ بخاری میں

---

(۱۵) صحیح بخاری، امام بخاری (م ۲۰۴ھ) مطبوعہ کراچی، ج ۲، ص ۹۹۷ :
”عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولی رجل ذکر۔“

(۱۶) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، علامہ (م ۸۵۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۴۸ھ، ج ۱۲، ص ۱۰ :
”اجمعوا علی ان الذی یبقی بعد الفروض للعصبۃ یقدم الاقرب فالاقرب فلایرث عاصب بعید مع عاصب قریب والعصبۃ کل ذکر یدلی بنفسہ بالقرابۃ لیس بینہ و بین المیت انثی فمتی انفرد اخذ جمیع المال۔“
صحیح مسلم، امام مسلم، (مع شرح نووی) محولہ بالا، ج ۱۱، ص ۵۳ :

(۱۷) ”قد اجمع المسلمون علی ان ما بقی بعد الفروض فھو للعصبات یقدم الاقرب فالا قرب فلا یرث عاصب بعید مع وجود قریب۔“

ہے ''کہ حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں پوتا بیٹے کے ساتھ وارث نہ ہوگا،، (۱۸) نیز علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری کہتے ہیں ''کہ حضرت زید نے جو کچھ کہا اسی پر اجماع ہے۔،،(۱۹)

۳ - حضرت ربیع بن صبیح نے حضرت عطاء سے روایت کیا ہے ''کہ حضرت ابو بکر فرماتے ہیں کہ اگر میت کا باپ موجود نہ ہو تو میت کا دادا باپ کا درجہ پائے گا جس طرح کہ میت کا بیٹا موجود نہ ہونے پر پوتا بیٹا تصور کیا جاتا ہے۔(۲۰)

۴ - حضرت خارجہ ابن زید ابن ثابت سے مروی ہے کہ ''علم فرائض کے اصول و مطالب وہ (معتبر ہیں) جو زید بن ثابت سے لیے گئے ہوں اور ان کی تفسیر وہ جو ابوالزناد سے حضرت زید کے مطالب پر مبنی ہو۔،،(۲۱)

اس روایت کے آخری حصے کے متن میں منقول ہے کہ زید بن ثابت نے فرمایا ''اور میت کے بیٹوں کی اولاد کا مرتبہ جب کہ بیٹے موجود نہ ہوں میت کی اولاد کا مرتبہ ہوگا۔ ان کی اولاد کے مذکر اصل اولاد کے مذکر کی طرح ہوں گے اور ان کی عورتیں صلبی اولاد کی عورتوں کے مرتبہ میں ہوں گی۔ جس طرح وہ وارث ہوتے تھے، اسی طرح یہ وارث ہوں گے اور جس طرح وہ حاجب یا محجوب ہوتے تھے یہ بھی اسی طرح حاجب و محجوب ہوں گے۔ چنانچہ اگر میت کا بیٹا اور پوتا جمع ہو جائیں تو بیٹے کے مقابلے میں پوتے کو میراث نہ ملے گی اور میت کی دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو پوتیوں کو کچھ نہ

---

(۱۸) صحیح بخاری، امام بخاری، محولہ بالا، ج ۲، ص ۹۹۷ :
''قال . . . ولا یرث ولد الابن مع الابن،،۔

(۱۹) عمدۃ القاری، شرح بخاری، علامہ بدرالدین عینی، مطبوعہ مصر، ۱۳۴۸ھ، ج ۱۱، ص ۹۷ :
''و ھذا الذی قالہ زید اجماع،،

(۲۰) السنن الکبری، احمد بن الحسن البیقہی (م ۴۵۸ھ)، مطبوعہ . . . . ج ۶، ' ۲۲۵ :
''کان ابو بکر یقول الجد اب مالم یکن دونہ اب کما ان ابن الا بن، ابن مالم یکن دونہ ابن،،۔

(۲۱) السنن الکبری، احمد بن الحسن البیقہی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۲۲۹ :
''عن خارجۃ بن زید عن ابیہ زید بن ثابت ان معانی ھذہ الفرائض و اصولھا عن زید بن ثابت و اما التفسیر فتفسیر ابی الزناد و علی معانی زید۔،،

ملے گا، مگر یہ کہ پوتیوں کے ساتھ میت کا پوتا بھی پایا جائے۔،،(۲۲)

۵۔ حضرت مغیرہ نے اپنے اصحاب سے حضرت زید بن ثابت اور حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ میت کی اولاد کی اولاد، میت کا بیٹا نہ ہونے کی حالت میں بمنزلہ اولاد شمار ہوگی، چنانچہ اگر کسی نے اپنے مرنے کے بعد بیٹا اور پوتا چھوڑا تو پوتے کو کچھ میراث نہ ملے گی اور اسی طرح جب میت کا پوتا ہو اور پڑپوتا ہو اور اس سے نیچے کے ، سلسلے میں ایسا ہی ہو تو اعلی کے مقابلے میں اسفل کو کچھ نہ ملے گا جس طرح بیٹے کے ساتھ پوتے کو کچھ نہیں ملتا ہے۔(۲۳)

حضرت ابو بکر و زید بن ثابت و حضرت علی و عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے یہ آثار اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ خیرالقرون، (عہد صحابہ) میں اس مسئلے میں کسی ایک صحابی کا اس کے خلاف کوئی قول موجود و منقول نہیں ہے۔ تمام صحابہ اس امر پر متفق تھے کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہ ہوگا۔

فقہاء امت کی آراء :

مندرجہ بالا آیات قرآنی و احادیث نبوی اور آثار صحابہ سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ تمام صحابہ و تابعین اور مفسرین و محدثین اس پر متفق ہیں کہ اصحاب فروض کے مقررہ حصے ان کو پہونچانے کے بعد ''الاقرب فالا قرب،، کے اصول پر عمل کیا جائے گا۔ جہاں تک فقہاء کرام کا تعلق ہے،

---

(۲۲) السنن الکبری، احمد بن الحسن البیقہی، محولہ بالا، ج ٦، ص ۲۲۹ :
''قال و منزلة ولد الابناء اذالم یکن دونہم ولد کمنزلة الولد، سواء ذکرھم کذکر ھم وانثاھم کانثاھم، یرثون کما یرثون و یحجبون کما یحجبون، فان اجتمع الولد، و ولد الا بن و کان فی الولد ذکر فانه لا میراث معه لا حد من ولد الابن، وان لم یکن الولد ذکر اوکانتا اثنتین فاکثر من البنات فانه لا میراث لبنات ابن معھن الا ان یکون مع بنات الا بن ذکر ھو من المتوفی۔،،

(۲۳) السنن الکبری، احمد بن الحسن البیقہی، محولہ بالا، ج ٦، ص ۲۳۸ :
''وھم بمنزلة الولد اذا لم یکن ولد، واذا ترک ابنا و ابن ابن فلیس لا بن الابن شیئی، وکذالک اذا ترک ابن ابن واسفل منه ابن ابن ابن و بنات ابن ابن اسفل فلیس للذی اسفل من ابن الابن مع الاعلی شئی کما انه لیس لا ابن‌الابن مع الابن شئی۔،، (الخ)

راقم کو ائمه اربعه یا دیگر فقهاء و تابعین و تبع تابعین و ما بعد کے کسی فقیه یا مجتهد کا کوئی قول باوجود تلاش ایسا نه مل سکا جس نے اس مسئله مین اختلاف کیا هو اور بیٹے کے موجود هوتے هوئے پوتے کو دادا کے ترکے مین وارث بنانے کے قول کو خود اپنی طرف سے بیان کیا هو یا کسی دوسرے فقیه یا مجتهد کا قول اختیار کیا هو۔ بالفاظ دیگر اس مسئله مین تمام امت کا اجماع هے جس پر گذشته چوده سوسال سے برابر عمل هوتا رها هے۔ بطور تقویت مزید، مختلف فقہی مسلک سطور ذیل مین بیان کیے جاتے هین :

حنفیه مسلک

(۱) شمس الائمه سر خسی اپنی کتاب ''المبسوط،، مین فرماتے هین که ان تمام مسائل مین جن کو هم بیان کر چکے هین بیٹے کی اولاد میت کی صلبی اولاد کے اس وقت قائمقام هوگی جب که صلبی اولاد موجود نه هو۔ کیونکه الله تعالی فرماتا هے ''یوصیکم الله فی اولاد کم،، اور اولاد کا لفظ بیٹے کی اولاد پر مجازاً بولا جاتا هے (نه که حقیقتا)۔ بطور مثال الله تعالی نے فرمایا هے ''یا بنی آدم،، اور آیت کے نزول کے وقت حضرت آدم کی کسی صلبی اولاد کا وجود نه تها۔،، (بلکه کروڑوں سلسلوں سے اولاد کی اولاد تهی)۔

دو سطور کے بعد امام سرخسی لکهتے هین که ''اگر صلبی اولاداور ان کی اولاد کی اولاد کسی صورت مین جمع هو جائین اور صلبی اولاد مین میت کا بیٹا موجود هو تو میت کے پوتوں یا پوتیوں یا دونوں مین سے کسی کو کچھ نه ملے گا، کیونکه صلبی بیٹا اولاد کے حقیقی معنی هونے کی حیثیت سے تمام مال کا مستحق هو گیا اور جب کسی لفظ کے حقیقی معنی پر عمل هو سکتا هو تو مجازی معنی ساقط هو جاتے هین۔ ایک لفظ سے ایک هی حالت مین حقیقی اور مجازی معنی مراد لینا محال هے۔(۴۲)

(۴۲) المبسوط، امام سرخسی، محوله بالا، ج ۲۹، ص ۱۴۱ :
''واولاد الا بن یقومون مقام اولاد الصلب عند عدم اولاد الصلب فی جمیع ماذکرنا، لقوله تعالی (یوصیکم الله فی اولاد کم) واسم الاولاد، یتناول اولاد الابن مجازاً . . . قال الله تعالی (یبنی آدم) و عند نزول الایة لم یکن بقی احد من صلب آدم علیه السلام،، . . .
''فان اجتمع اولاد الصلب و اولاد الا بن فان کان فی اولاد الصلب ذکر فلا شئی لاولاد الا بن ذکوراً کانوا اواناثا او مختلطین لان المذکر اولاد الصلب مستحق لجمیع المال باعتبار حقیقة الاسم و عند العمل بالحقیقة یسقطاعتبار المجاز فان الجمع بین الحقیقة و المجاز فی لفظ واحد فی حالة و احدة متعذر۔،،

(۲) احناف کے ایک اور زبردست عالم علامہ ابن نجیم مصنف ''بحرالرائق'' نے لکھا ہے کہ پوتہ بیٹے کی موجودگی میں محجوب ہوجاتا ہے کیونکہ بیٹا پوتے کے مقابلہ میں اقرب ہے۔ چنانچہ پوتے، پوتیاں بیٹے کی موجودگی میں بذریعہ عصوبت وارث نہیں ہوتے۔ یہی صورت فرضیت میں بھی ہے۔ (۲۵)

مالکیہ مسلک:

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ تعالی کی کتاب ''موطاء'' میں لکھا ہے کہ بیٹے کی اولاد بیٹے کی غیر موجودگی میں بیٹے کے قائم مقام ہوگی۔ چنانچہ مذکر کے مانند اور مونث مونث کی مانند ہوں گے۔ جس طرح وہ وارث ہوتے ہیں اسی طرح یہ وارث ہوں گے اور جس طرح وہ محجوب کرتے ہیں اسی طرح یہ محجوب کریں گے۔ اگر صلبی بیٹا اور بیٹے کا بیٹا جمع ہو جائیں اور بیٹا صلبی ہو تو (پوتے کے لیے) اس کے ساتھ میراث نہیں ہے، اور پوتے کو کچھ نہ ملے گا۔'' (۲۶)

(۲) علامہ ابن رشد نے بھی کتاب ''بدایۃ المجتہد'' میں لکھا ہے کہ ''اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ بیٹوں کی اولاد اس وقت وارث ہوگی جب کہ میت کے اپنے بیٹے موجود نہ ہوں۔'' (۲۷)

شافعیہ مسلک:

ابراھیم بن علی بن یوسف الفیروزآبادی الشیرازی اپنی کتاب ''المہذب فی الفقہ الشافعی'' میں لکھتے ہیں کہ ''عصبات میں سب سے اقرب بیٹا اور باپ ہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے میت سے نسبت رکھتے ہیں اور دوسرے قرابت داروں کی قرابت ان دونوں سے نسبت کی جاتی ہے۔ اگر باپ اور بیٹا دونوں

---

(۲۵) البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۳۹۴:
''ولد الا بن یحجب بالا بن ذکورھم واناثھم فیہ سواء لان الا بن اقرب وھم عصبۃ فلا یرثون معہ بالعصوبۃ و کذا بالفرض۔''

(۲۶) زرقانی، شرح موطا، محمد بن عبدالباقی بن یوسف (۱۱۲۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۹۶۱ع، ج ۲، ج ۳، ص ۳۲۱:
''و منزلۃ ولد الابناء الذکور اذالم یکن ولد کمنزلۃ الولد سواء ذکور ھم کذکورھم و اناثھم کاناثھم یرثون کما یرثون و یحجبون کما یحجبون فان اجتمع الولد للصلب و ولد الابن و کان فی الولد للصلب ذکر فانہ لا میراث معہ لا حد من ولد الابن۔''

(۲۷) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۴۰:
''واجمعوا من ھذا الباب علی ان بنی البنین یقومون مقام البنین عند فقد البنین''۔

جمع ہو جائیں تو بیٹے کو مقدم کیا جائے گا۔ اللہ تعالی نے آیت میراث کو بیٹے ہی سے شروع کیا ہے کہ اللہ تعالی تمہارے اولاد کے بارے میں مقرر فرماتا ہے کہ مذکور کے لیے دو مونثوں کے برابر حصہ ہے اور اہل عرب اہم شئے کے ساتھ شروع کیا کرتے ہیں۔،،(۲۸)

حنبلیہ مسلک:

ابن قدامہ مقدسی حنبلی نے اپنی کتاب ''المغنی،، میں لکھا ہے کہ میراث کے زیادہ مستحق اموات کے اقرب ہیں۔ جو ان کے بعد ہوں وہ ساقط ہوجاتے ہیں، جیسا کہ نبی (صلعم) کا قول ہے کہ ''اصحاب فرائض کو ان کے حصے دے کر جو بچ رہے وہ اولی مرد کے لیے ہے . . . اقرب ابعد کو ساقط کر دیتا ہے۔،، ابن قدامہ نے اس کے بعد دیگر عصبات کو بیان کرتےہوئے لکھا ہے کہ اس مسئلے پر اجماع ہو چکا ہے۔(۲۹)

ظاہریہ مسلک:

فقہ ظاہری کے امام ابو محمد ابن حزم نے اپنی مشہور تصنیف ''المحلی میں لکھا ہے کہ ''میت کے صلبی بیٹے کے موجود ہوتے ہوئے بیٹے کی اولاد وارث نہ ہوگی۔،،(۳۰)

شیعہ امامیہ مسلک:

شیعہ امامیہ نے بھی اس مسئلہ میں امت مسلمہ سے کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔ چنانچہ محقق ابو جعفر الحلی نے اپنی مستند کتاب ''شرائع الاسلام،، میں لکھا ہے ''کہ اول ضابطہ یہ مقرر ہے کہ میت سے وارث کے قرب کا لحاظ

---

(۲۸) المہذب فی الفقہ الشافعی، ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروزآبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۰ :

''و اولی العصبات الا بن والاب لا نہمایدلیان بانفسہما و غیر ہما یدلی بہما فان کان اجتماعاً قدم الا بن لان اللہ عزوجل بدأ بہ قال (یوصیکم اللہ فی اولاد کم للذکر مثل حظ الا نثیین) و العرب تبدأ بالاہم فالاہم۔،، (الخ)

(۲۹) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۰ :

''و اولی ہم بالمیراث اقربہم،، . . . یسقط بہ من بعد بقول النبی صلعم الحقوا الفرائض باہلہا فما بقی فہولاولی رجل ذکر و اقربہم البنون ثم بنوہم وان سفلوا و یسقط قریبہم بعیدہم۔،، . . . و ہذا کلہ مجمع علیہ بحمداللہ و منہ۔،،

(۳۰) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۳۳۰ :

''ولا یرث بنوالا بن مع الابن الذکر شیأ،،

کیا جائے گا، لہذا میت کی اولاد موجود ہوتے ہوئے اولاد کی اولاد کے لیے میراث نہ ہوگی، خواہ میت کی اولاد لڑکا ہو یا لڑکی ہو۔ چنانچہ اگر کسی میت کی بیٹی موجود ہو تب بھی پوتے کو میراث نہ ملے گی۔ خلاصہ یہ کہ جب اولاد اور اولاد کی اولاد کا اجتماع ہو جائے تو جو ان میں میت سے زیادہ قریب ہوگا وہ وارث ہوگا اور ابعد کو وراثت سے روک دیا جائے گا۔(۳۱)

علامہ حلی کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ امامیہ کے نزدیک جس طرح میت کا بیٹا پوتے کی محرومی کا سبب ہوتا ہے اسی طرح بیٹی بھی پوتے کی وراثت سے محرومی کا سبب ہوتی ہے، کیونکہ میت کی اولاد ہونے میں دونوں (بیٹا، بیٹی) درجہ میں یکساں ہیں اور یہ دونوں، دیگر نسبی رشتہ داروں کی بہ نسبت، اقرب الی المیت ہوتے ہیں۔

دیگر ائمہ و فقہاء اہل سنت کے برخلاف کہ ان کے نزدیک صرف میت کا بیٹا پوتے کو محروم کردے گا بیٹی محروم نہ کر سکے گی، شیعہ فقہاء کے نزدیک بیٹی بھی پوتے کو محروم کر دیتی ہے۔ علماء اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم نے، دیگر اصحاب فرائض کی مانند، جب کسی میت کا تنہا بیٹا موجود ہو تو اس کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اصحاب فرائض میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو اور صرف میت کا بیٹا ہو تو وہ کل مال کا وارث ہو جائے گا۔ بخلاف میت کی بیٹی کے، کہ اس کے تنہا ہونے کی حالت میں قرآن حکیم میں حصہ مقرر فرماکر یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ ''وان کانت واحدۃ فلھا النصف،، یعنی اگر میت کی تنہا لڑکی ہے تو اس کو نصف ملے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ لڑکی صرف نصف مال کی مستحق ہوگی اور عصبہ کی موجودگی میں اس سے زیادہ کی مستحق نہ ہوگی اور باقی نصف ترکہ عصبات کا حق ہوگا۔ چنانچہ اس صورت میں دوسرے وارث (پوتے وغیرہ) کو مل سکتا ہے، لیکن تنہا لڑکے کی صورت میں بحیثیت عصبہ چونکہ وہ کل

(۳۱) شرائع الاسلام، ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۸۳:

''قالا ؤل ضابطتہ مراعاۃ القرب، فلا میراث لولدالولد مع ولد ذکراً کان او انثی حتی انہ لا میراث لا بن ابن مع بنت ومتی اجتمع اولاد مع اولاد الاولاد وان سفلوا فالاقرب منھم یمنع الابعد،،۔

مال کا وارث ہوجاتا ہے اس لیے دیگر ورثاء کے لیے کچھ نہیں باقی رہتا تا کہ ان کو دیا جا سکے۔ (راقم کے نزدیک پوتے کی موجودگی کے باوجود، شیعی فقہا کا بیٹی کو کل ترکہ کا مستحق قرار دینا قرآن و سنت کے منافی ہے جس پر تفصیلی بحث بیٹی کی میراث کے تحت کی جا چکی ہے۔)

رائج الوقت پاکستانی قانون اور جدید نقطۂ نظر :

پاکستان میں یتیم پوتے کی میراث کے سلسلے میں جدید نقطہ نظر کی حمایت میں جس آیت سے براہ راست استدلال کیا جا سکتا ہے وہ ''یوصیکم اللہ فی اولادکم،، ہے۔ اور دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ یتیم پوتے کے لیے بھی ''ولد،، کا حقیقی معنی ہی تسلیم کیا جائے گا، کیونکہ اس کا باپ مرچکا ہے اور قرآن پاک کی تصریح کے مطابق صلبی بیٹے اور پوتے میں کوئی فرق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح صلبی بیٹے کی بیوی خسر پر حرام ہوتی ہے اسی طرح بیک وقت پوتے کی بیوی بھی حرام ہے۔

دراصل آیت میراث کے اس جزو کی یہ جدید تعبیر ہی ان حضرات کی واحد علمی دلیل ہے۔ ان کے نزدیک جب دادا کا انتقال ہوا تو پوتا (جس کا باپ دادا کی حیات میں فوت ہو چکا ہے) براہ راست دادا کا اقرب ہے۔ بالفاظ دیگر اپنے موجود چچا کے واسطہ سے دادا کا اقرب نہیں ہے۔ وہ اپنے باپ کے واسطہ سے دادا کا اقرب تھا لیکن باپ کے انتقال کے بعد وہ واسطہ ہٹ گیا تو وہ براہ راست اپنے دادا کا اقرب ہو گیا۔ چنانچہ (ان کے نزدیک) اصول یہ ہے کہ پوتا اپنے دادا کے ترکہ سے براہ راست حصہ پاتا ہے بشرطے کہ درمیانی واسطہ (حاجب) موجود نہ ہو۔ اگر درمیانی واسطہ موجود ہو تو وہ حاجب بن جاتا ہے اور پوتے کو ترکہ سے محروم کر دیتا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کریم نے پوتے، پر پوتے اور نیچے تک تمام پوتوں کو اولاد کے مفہوم میں براہ راست داخل کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ: لفظ ''ولد،، بیٹوں اور پوتوں دونوں کے لیے عام ہے بشرطے کہ ان کے اپنے نسبی عمود (سیدھ) میں ان سے اوپر کوئی حاجب موجود نہ ہو۔

لیکن مندرجہ بالا نقطہ نظر کی حمایت میں بیٹے کی بیوی کے ساتھ اور اس کی موجودگی میں پوتے کی بیوی کی حرمت کی جس دلیل کو بیان کیا

گیا ہے وہ ایک غلط مفروضہ پر قائم ہے ۔ قرآن پاک میں ''حلائل ابناء کم،، کے الفاظ سے، ابناء کی بیویاں خسر کے لیے حرام کی گئی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ''ابن،، اور ولد،،'' کو ہم معنی تصور کر لیا گیا ہے حالانکہ ''ابن،، کا لفظ بیک وقت اولاد در اولاد سب کو شامل ہے ۔ یعنی بیٹے، پر پوتے اور نیچے کے سلسلے تک سب کو شامل ہے جیسا کہ ابن آدم لیکن آیت میراث میں لفظ ''ولد،، اپنے مخصوص استعمال کے سبب صرف بیٹے کے لیے حقیقتاً اور پوتے کے لیے مجازاً استعمال ہوتا ہے ۔

پوتے کے عمودی سلسلۂ نسب کو ''اصل،، قرار دے کر اور دادا کے سلسلہ نسب سے ہرہر بیٹے کے سلسلہ نسب کو علیحدہ علیحدہ تصور کرتے ہوئے پوتے کو جس کا باپ دادا کی حیات میں فوت ہو چکا ہے دادا کے ترکہ کا وارث قرار دلانے کی جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ محض ایک ذہنی اپج ہے جس کی اصل قرآن پاک یا سنت نبوی میں موجود نہیں بالفرض اگر '' ولد،، (الصلب) کی اس جدید تعبیر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا اطلاق صرف پوتے اور پوتی پر ہوگا، نواسہ نواسی پرکسی طرح نہیں ہو سکتا ۔ جب کہ ہمارے عائلی قانون میں دونوں کو شامل کیا گیا ہے ۔ علاوہ ازیں اگر پوتے، کو براہ راست دادا کا اقرب (جب کہ ان کا چچا بھی موجود ہو) تصور کر لیا جائے تو پھر ان کو ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے قاعدے کے تحت حصہ ملنا چاہئے نہ کہ اپنے مرحوم باپ کے حصے کے بقدر، حالانکہ قانون پاکستان میں اصول قائم مقامی کے تحت یتیم پوتے پوتیاں (اور نواسے نواسیاں) اس حصہ کے مستحق قرار دیے گئے ہیں جو ان کے باپ یا ماں (جیسی صورت ہو) کو بشرط حیات ملتا ۔ مزید برآں دو بیٹیوں کی موجودگی میں مرحوم بیٹے کی بیٹیوں کے ایک یا ایک سے زائد ہونے کی صورت میں اس جدید تعبیر کے تحت عمل کرنا قرآن و سنت رسول اور سنت صحابہ کےخلاف ہوگا ۔ کیونکہ تکملة الثلثین کے بعد مرحوم کی بیٹیوں کو ترکہ نہ ملنا چاہئیے ۔

نافذ الوقت قانون کے تحت یتیم پوتے یا پوتیوں، نواسے یا نواسیوں کو ان کے مرحوم والد یا والدہ کے حصے کے بقدر میراث دلانا دراصل قائم مقامی

کے ایک محدود اصول پر مبنی ہے ۔ یعنی پوتہ پوتی یا نواسہ چچا یا ماموں کی موجودگی کے باوجود دادا، نانا کی میراث میں اپنے مرحوم باپ یا ماں کے قائم مقام کی حیثیت سے وارث ہوتے ہیں ۔ قائم مقامی کا یہ نظریہ اسلامی قانون میراث کے لیے نیا ہے کیونکہ شیعوں میں قایم مقامی کا جو اصول رائج ہے اس کا اطلاق دادا کی میراث کے ضمن میں مرحوم بیٹے کی اولاد کے لیے نہیں کیا جاتا ۔ قرآن کی رو سے وارث میت کا اقرب ہونے کی حیثیت سے میراث پاتا ہے نہ کہ کسی دوسرے اقرب کے قائم مقام کی حیثیت سے بیٹے کی غیر موجودگی میں اس کی اولاد اور باپ کی موجودگی میں دادا اور ماں کی موجودگی میں دادی اس لیے میراث نہیں پاتے کہ وہ کسی کے قائم مقام ہیں بلکہ وہ میراث کے مستحق اس لیے قرار پاتے ہیں کہ وہ میت کے بیٹے، باپ اور ماں کی غیر موجودگی میں بلا واسطہ میت کے اقرب ہوتے ہیں ۔ اگر میت کے بلا واسطہ اقرب ہونے کی بنیاد کو نظر انداز کرتے قائم مقام کا اصول اختیار کیا جائے تو پھر یہ اصول دیگر تمام ورثاء میں جاری کرنا لازم آئے گا ۔

اس ضمن میں یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ قرآن کی رو سے میراث کے صرف وہ ورثاء مستحق ہوتے ہیں جو وارث کی وفات کے وقت زندہ ہوں مگر موجودہ قانون یہ فرض کرتا ہے کہ دادا کی وفات کے وقت اس کا مرحوم بیٹا زندہ تھا اور پھر فوراً مرجاتا ہے اور اس کا ورثہ اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کو مل جاتا ہے ۔ اول تو فرضی طور پر مرحوم بیٹے کو زندہ تصور کرنا اور پھر فوراً ہی مردہ تصور کر لینا ہی غلط ہے ۔ دوسرے یہ کہ اگر مرحوم بیٹے کو دادا کی وفات کے وقت زندہ تصور کر کے فوراً مردہ بھی تصور کرلیا گیا تو پھر اس کے ترکہ کی تقسیم محض اس کے بیٹوں اور بیٹیوں تک کس اصول اور قاعدے کے تحت محدود رکھی گئی ہے ؟ ہو سکتا ہے کہ مرحوم بیٹے کی بیوہ ہو یا دوسرے رشتہ دار بھی موجود ہوں ۔

موجودہ قانون کے تحت ایک اور اشکال بھی نمایاں ہے ۔ مثال کے طور پر ایک شخص کے دو بیٹے تھے جو اس کی حیات میں مرگئے ایک بیٹے نے اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے اور دوسرے نے ایک ۔ از روئے اجماع اور تعامل امت

محمدیہ (ماسوائے حضرات شیعہ) (۳۲) پانچویں پوتے اپنے دادا کی میراث میں مساوی حصہ دار ہوں گے۔ لیکن موجودہ قانون کے تحت ایک بیٹے کے چار بیٹے اپنے باپ کے قائم مقام کی حیثیت سے نصف ترکہ لیں گے جب کہ پانچواں پوتہ اپنے مرحوم باپ کے قائم مقام کی حیثیت سے بقیہ نصف ترکہ کا مستحق ہوگا۔ حالانکہ ''ولد،، کی جدید تعبیر کے پیش نظر بھی یہ غلط ہوگا کیونکہ پوتے قرابت میں ہم درجہ ہیں۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک لڑکی ایک متوفی بیٹے کی بیٹی (یعنی پوتی) اور ایک بھائی چھوڑا۔ شرعی قانون کے بموجب لڑکی کو نصف از روئے قرآن، پوتی کو ۱/۶ از روئے حدیث اور باقی بھائی کو بحیثیت عصبہ بر بنائے حدیث مروی حضرت ابن عباس ملے گا لیکن موجودہ پاکستانی قانون کے تحت متوفی بیٹے کو زندہ تصور کر کے بیٹی کو ۱/۳ اور پوتی کو ۲/۳ ملے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ موجودہ قانون بنانے والوں نے میراث کے ایک پہلو کو پیش نظر رکھا مگر اس قانون کی نزاکتوں کا پورا علم نہ ہونے کے سبب قرآن و حدیث کی خلاف ورزی کے لیے مرتکب ہوئے۔ اسی طرح اس قانون سے لڑکی کی میراث کے سلسلہ میں آیت قرآنی اور پوتی کی میراث کے سلسلہ میں حضرت ابن مسعود کی حدیث کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔

رائج الوقت پاکستانی قانون کا ماخذ :

دراصل رائج الوقت قانون پاکستان میں قائم مقامی کا یہ ابتدائی اصول قانون روما سے ماخوذ ہے۔ ابتدائی قانون روما کے تحت اگر ایک شخص بلا وصیت

---

(۳۲) شیعہ قانون وراثت میں جو اصول نمایندگی رائج ہے اس کے تحت فرزند متوفی اور دختر متوفیہ کی اولاد مقدار حصص میں اپنے والدین کی قائم مقام ہوتی ہے۔ اور ترکہ میں جو کہ پہلا متوفی یا دختر متوفیہ کو اس کی حیات میں ملنے کا حق ہوتا ہے وہی حصہ اس کی اولاد حاصل کرنے کی مستحق ہوتی ہے۔ اسی اصول کی پابندی متوفی بھائی بہن چچا اور پھوپی کے ساتھ بھی لازم ہے (بشرطے کہ اولاد الاقرب فالاقرب کے اصول کے تحت خود اپنے حق وراثت کے تحت وارث ہو، البتہ مقدار ترکہ میں باپ و ماں کا لحاظ کیا جائے گا)۔

اصول نمائندگی یا قائم مقامی صرف اولاد ہی کے ساتھ محدود نہیں ہے بلکہ متوفی اسلاف اور اخلاف ہر دو سے متعلق ہے۔ ''پس اجداد (دادا) دادی کا وہ حصہ حاصل کرنے کا حق رکھتے ہیں جو انہیں ان کی زندگی میں بحیثیت وارث میت سے ملنے کا حق ہو اور باپ کا چچا اور اس کی پھوپی وہی حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہیں جو میت کے چچا اور پھوپی اپنی زندگی میں ترکہ پانے کا حق رکھتے ہیں۔

کئے مرجاتا تو ترکہ اس کے (Agnates) کو منتقل ہو جاتا تھا۔ جسٹینین نے وراثت کے قاعدہ کو خونی قرابت پر قائم کیا اور ورثاء کو چار طبقوں مین تقسیم کر دیا۔ ایک ہی درجہ کے فروع آپس میں مساوی حصہ پاتے (۳۳) ۔ چنانچہ قائم مقامی کے اصول کے تحت اگر الف مرجائے اور اپنے پیچھے ایک بیٹا، ب اور دو پوتے ج اور د اپنے دوسرے مرحوم بیٹے سے چھوڑے تو ب نصف ترکہ لےلے گا جب کہ نصف ترکہ ج اور د قائم مقام کی حیثیت سے تقسیم ہوجائے گا۔ اس طرح اصول و فروع کی عدم موجود گی میں بھائی بہن وراثت کے مستحق ہوں گے اور قائم مقامی کا اصول کسی بھائی یا بہن کے مرحوم ہونے کی صورت میں اس کی اولاد کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

اہل ہنود میں بھی قائم مقامی کے قاعدہ کے پر عمل کیا جاتا ہے چنانچہ ترکہ کی تقسیم کے وقت پوتا، اپنے مرحوم باپ کے حصہ کا مستحق قرار پاتا ہے البتہ اہل ہنود مین قائم مقامی کے اس اصول کا اطلاق بیٹیوں یا نواسوں پر نہین کیا جاتا۔ نیز یتیم پوتے کے حق مین قائم مقامی کے قاعدہ کا اطلاق چار درجوں تک کیا جاتا ہے اس کے بعد نہیں۔

۱۹۴۸ء کے مغربی پنجاب مسلم شخصی قانون شریعت اطلاق ایکٹ نمبر ۹ کے نفاذ سے قبل غیر منقسم پنجاب میں رواجی قانون کے تحت قائم مقامی کا اصول رائج تھا۔ مزید برآن پنجاب ری ہیبلی ٹیشن اسکیم پارٹ ۲ کے تحت ۱۹۴۹ء میں یتیم پوتے کو جس کا باپ اس کے دادا کی زندگی میں فوت ہو چکا ہو دادا کی زرعی آراضی میں وارث قرار دیا گیا تھا نیز ۱۹۵۳ء میں اسی متذکرہ اسکیم کے تحت اس کا اطلاق یتیم پوتی کے حق مین بھی کر دیا گیا تھا۔ رائج الوقت قانون میں جہاں قانون روما و قانون انگریزی و قانون ہنود کی پیروی واضح ہے وہاں اس میں غیر منقسم پنجاب کے منسوخ شدہ رواجی قانون کی جھلک بھی نمایاں ہے جو اپنی ہیئت میں ہندوؤں کے رسم و رواج و قانون سے مشابہ تھا۔

---

(۳۳) لیج، قانون روما، (اردو ترجمہ)، مطبوعہ دکن، (ماخوذ)

اسلامی ممالک میں وصیت واجبہ کا قانون :

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مصر، شام، تونس اور مراکش وغیرہ اسلامی ممالک میں یتیم پوتے، پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے مسئلے کو جذبہ ترحم کی بنیاد پر وصیت کی صورت میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ دراصل اسلامی ممالک میں آیت قرآنی، ''واذا حضر القسمة اولوالقربی و الیتامی و المساکین،، کی اسپرٹ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور یتیم پوتے وغیرہ کے حق میں صحابہ، جمہور ائمہ مفسرین و فقہاء کے خلاف بعض تابعین مثلاً طاؤس و حسن بصری وغیرہ وامام ابو محمد ابن حزم الظاهری کے قول کے بموجب ''اذا حضر القسمة اولوا القربی،، کے حکم کو وجوب پر محمول کرتے ہوئے میت کی جانب سے حکم کو وصی قرار دے کر یتیم پوتے و پوتی، نواسہ و نواسی کے حق میں بطور وصیت دادا کے مرحوم بیٹے یا بیٹی (جیسی صورت ہو) کے حصے کے مطابق یا ایک تہائی کی حد تک (جو بھی کم ہو) ترکہ دینے کا قانون بنایا ہے ۔ لیکن ان تابعین اور امام ابن حزم نے وصیت کے وجوب میں یتیم پوتے، پوتی یا نواسے نواسی کی کوئی تخصیص نہیں کی، نہ حصص ہی کی کوئی تخصیص ہے ۔ اسلامی ممالک میں جبری وصیت کا قانون مطلق ہے اس میں ''احتیاج،، یا کسی اور ''مصلحت شرعی،، کی کوئی قید ملحوظ نہیں رکھی گئی ۔ اس سے بعض اوقات قانون کا منشاء ہی فوت ہو سکتا ہے ۔

مسئلہ کا حل :

راقم الحروف کے نزدیک اس مسئلہ کا ایک حل نظر آتا ہے کہ :

(۱) حکومت ایک ایسا قانون بنائے جس کے تحت دادا پر یہ ذمہ داری عائد کی جائے کہ وہ ''اذا حضر القسمة،، کے تحت ''اولوا القربی،، کے ساتھ حسن سلوک کو ورثاء کی صواب دید پر نہ چھوڑے بلکہ اپنے یتیم پوتے، پوتیوں، نواسے نواسیوں اور حسب خواهش دیگر غیر وارث حاجت مند اهل خاندان کے حق میں مرنے سے پہلے متروکہ کی ایک تہائی یا اس سے کم کی، جو وہ مناسب خیال کرے، وصیت کر جائے ۔ اگر دادا قانون مذکور پر عمل کرتے ہوئے وصیت کر جاتا ہے تو فبہا، اس کی وصیت کے مطابق (ترکہ کی ایک

تہائی کی حد تک) عمل کیا جائے۔ اگر وصیت یتیم پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کے موجود ہوتے ہوئے دیگر غیر وارث حاجت مند افراد خاندان یا اجنبی یا کسی خیراتی ادارہ یا کار خیر کے لیے کی گئی ہو تو وصیت کے ''اولوالقربی'' کے حق میں ظلم و ناانصافی پر مبنی ہونے اور حکم قرآنی ''فمن خاف من موص جنفاً او اثما فاصلح بینھم فلا اثم علیہ'' کی متابعت میں حاکم عدالت کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ حاجت مند یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے حق میں، جیسی کہ صورت ہو، اس وصیت کو راجع (نافذ) قرار دے۔ کیونکہ اس وقت حاکم عدالت کا حاجت مند ''اولوا القربی'' کو دوسروں پر فوقیت دینا منشاء قرآنی کے عین مطابق ہوگا، الا یہ کہ دادا نے اپنی حیات میں ان یتیم پوتے پوتیوں (اوالوا القربی) نواسے نواسیوں بذریعہ ہبہ ترکہ کا کچھ حصہ پہلے ہی دے دیا ہو۔ نیز قانون میں اس امر کی صراحت کردی جائے کہ اگر دادا وصیت کئے بغیر مرجائے جبکہ اس کو وصیت کرنے کا موقع حاصل تھا تو اس کا یہ ترک فعل اور خاموشی اس کی رضامندی پر محمول کی جائے گی اور قانونا یہ تصور کیا جائے گا کہ اس نے اپنے یتیم پوتے، پوتیوں، نواسی نواسیوں اور دیگر غیر وارث حاجت مند افراد خاندان کے حق میں متروکہ کے ایک تہائی کی حد تک وصیت کی ہے۔ ایسی صورت میں عدالت دادا کے وصی کے طور پر عمل پر عمل کرے گی، نیز قانون میں یہ صراحت لازم طور سے کردی جائے کہ اگر دادا نے ایک دستاویز کے ذریعہ پوتے، پوتیوں، نواسے نواسیوں یا دیگر حاجت مند غیر وارث اهل خاندان کے حق میں وصیت کرنے سے انکار کر دیا ہو تو عدالت اس سلسلہ میں کسی قسم کی مداخلت کی مجاز نہ ہوگی۔ کبھی کبھی اقرباء کی طرف سے تکلیف پہنچنے یا ان کی بے راہ روی کے سبب دادا اپنے ترکہ سے انھیں کچھ بھی نہیں دینا چاھتا۔

کتاب ھذا کے دوسرے باب میں وصیت کے تحت جبری انتظام ترکہ سے متعلق جو تجویز پیش کی گئی ہے اس کے تحت عدالتیں بوجہ احسن اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکتی ھیں۔

■ ■ ■

اڑتیسواں باب

مناسخه

مناسخه

۳۰۸ - ایسے وارث کے حصه کو جو اپنے مورث کی میراث کی تقسیم سے قبل فوت ہو جائے اس کے اپنے ورثاء کی طرف منتقل کر دینا ''مناسخه،، کہلاتا ہے -

تشریح

مناسخه کا لفظ نسخ سے مشتق ہے - جس کا وزن مفاعله ہے - اس کے لغوی معنی نقل کرنا یا ایک جانب پھیر دینا ہیں - علم میراث کی اصطلاح میں اس سے یه مراد ہوتی ہے که ایسے وارث کے حصے کو جو اپنے مورث کی تقسیم سے قبل انتقال کرجائے اس کے اپنے ورثاء کی طرف منتقل کر دیا جائے -

اس کا ایک طریقه یه ہے که میت اول کے ورثاء کے حصے نکال کر جو وارث ترکه کی تقسیم سے قبل فوت ہو گیا ہو اس کے ورثاء کے حصے علیحده ذکر کر دیے جائیں - لیکن اس میں طوالت کے سبب علماء فرائض نے مناسخه کی صورت نکالی ہے، جس کے تحت نمبروار ہر میت کو لکھنے کے بعد اس کے ورثاء اور ان کے حصوں کی مقدار حساب کر کے آخری نتیجه ایسا نکالا جائے جس میں زنده ورثاء کا مجموعی استحقاق اور کل حصے، جو ان کو ایک یا چند مرنے والے مورثوں سے پہنچے ہیں، یکجا معلوم ہوجاتے ہیں -

مناسخہ کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :-

(۱) یہ کہ دوسری میت کے وارث وہی ہوں جو پہلی میت کے وارث ہیں، اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے حصوں کی تقسیم میں کوئی تغیر نہ ہوتا ہو نیز دوسری میت کے ورثاء کے درمیان اس کے مر جانے سے طریقہ تقسیم بھی نہ بدلتا ہو۔ یعنی تقسیم کا جو طریقہ میت اول کے وارثوں کے درمیان تھا، وہی طریقہ تقسیم دوسری میت کے ورثاء کے درمیان ہو، ایسی صورت میں کل ترکہ ایک ایک ہی دفعہ تقسیم کرنا کافی ہوگا۔

مثلاً ایک عورت جمیلہ نے دو بیٹے، نسیم اور شمیم اور بیٹیاں بشرہ اور عائشہ وارث چھوڑے۔ لیکن ترکہ تقسیم ہونے سے قبل ہی ایک بیٹی عائشہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس نے متذکرہ دونوں بھائیوں اور ایک بہن کو اپنا وارث چھوڑا تو اس صورت میں دوسری میت کے وارث بجز میت ثانی کے وہی ہیں جو میت اول کے وارث تھے اور تقسیم کا جو طریقہ میت اول کے وارثوں کے درمیان تھا یعنی ''للذکر مثل حظ الانثیین،، وہی طریقہ دوسری میت کے وارثوں کے درمیان موجود ہے تو اس صورت میں اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ پہلے میت اول کا ترکہ اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم کریں، پھر دوسری میت کا تقسیم کریں، پھر دوسری میت کا حصہ، جو اس کو میت اول کے ترکہ سے پہنچا ہے، اس کے وارثوں پر تقسیم کریں۔ اس بے جا طوالت کی ضرورت نہیں بلکہ پہلے ہی میت اول کا ترکہ علاوہ میت ثانی کے اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیں۔ اس قسم میں دوسری میت کا جو استثناء کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری میت کے ورثاء کا بعینہ میت اول کے وارث ہونا محال ہے اس لیے دوسری میت بھی منجملہ اول کے وارثوں کے ہے۔ لہذا اگر دوسری میت کے وارث بعینہ میت اول کے وارث ہوں تو دوسری میت کے وارث وہی ہوں گے جو میت اول کے وارث ہیں، لیکن اگر طریقہ تقسیم جدا ہو تو اس صورت میں ایک بار تقسیم کافی نہ ہوگی مثلاً ایک شخص مقصود کا انتقال ہوا اس نے ایک بیٹا ناصر، ایک بیوی کے بطن سے اور تین بیٹیاں امینہ، رابعہ، اور شمیمہ دوسری بیوی کے بطن سے وارث چھوڑے۔ لیکن ابھی ترکہ تقسیم نہ ہوا تھا کہ ان میں سے لڑک

اسینہ کا انتقال ہو گیا اور دو حقیقی رابعہ اور حقیقی بہنوں رابعہ اور شمیمہ اور ایک علاتی بھائی ناصر وارث چھوڑے۔ اسی صورت میں تقسیم کا جو طریقہ میت اول کے وارثوں میں تھا، رابعہ، شمیمہ اور ناصرہ یعنی ''للذکر مثل حظ الانثیین،، وہ طریقہ دوسری میت کے وارثوں میں قائم نہیں رہا بلکہ دو تہائی ترکہ حقیقی بہنوں کو ملا اور باقی علاتی بھائی کو پہنچ گیا۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ دوسری میت کے وارث میت اول کے وارثوں کےعلاوہ ہوں اور طریقہ تقسیم میں بھی تغیر ہو۔ مثلاً مورث اعلیٰ نے دو بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑیں ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے ایک بیٹا مرگیا۔ اس نے ایک بیوی اور ایک بیٹا وارث چھوڑے۔ اس صورت میں بھی پہلی تقسیم کافی نہ ہوگی۔

مختصر یہ کہ دوسری میت کے ورثاء یا تو وہی ہوں گے جو پہلی میت کے ورثاء تھے۔ کوئی جدید وارث موجود نہ ہوگا یا اول میت کے ورثاء کے ما سوا دوسرے ورثاء ہوں گے۔ پہلی صورت میں یا تو کوئی تغیر واقع ہوا ہوگا یا نہ ہوا ہوگا۔ اگر تغیر نہ ہوا ہو تو ایک ہی مرتبہ تقسیم کر دینا کافی ہوگا۔ اور اگر تقسیم میں تغیر ہوا ہو، یا دوسری میت کے ورثاء پہلی میت کے علاوہ ہوں تو ان دونوں صورتوں میں اس قاعدہ پر عمل ہوگا جو بیان کیا جارہا ہے۔

مناسخہ کا قدیم طریقہ :

مناسخہ کا قدیم طریقہ یہ ہے کہ پہلے میت اول کی تصحیح کریں اور جس میت کے مسئلے کی تصحیح کریں لفظ میت کے سرے پر اس میت کا نام مسئلے کے نیچے لکھ دیں اور اس کے ہر وارث کے سہام نام لکھ کر درج کریں۔ پھر دوسری میت کے مسئلے کی تصحیح کریں اور اس کے ہر وارث کے سہام نام کے نیچے لکھ دیں، اگر تصحیح کی ضرورت پڑے ورنہ کچھ حاجت نہیں۔ پھر دوسری میت کے حصہ کو جو ''ما فی الید،، کہلاتا ہے لفظ میت کے دوسرے

سرے پر اس طرح لکھیں کہ پہلے لفظ ''ما فی الید،، لکھیں اس کے بعد دوسری میت کے حصہ کو لکھیں اور تصحیح اول میں دوسری میت کے نیچے ایک خط قوسی، اس طرح کھینچ دیں تا کہ ضرب دینے کے وقت غلطی واقع نہ ہو اور تصحیح ثانی اور ما فی الید میں نسبت دیکھیں جو نسبت پائیں وہ تصحیح ثانی ور ما فی الید کے درمیان لکھدیں لیکن جس صورت میں ما فی الید تصحیح پر پورا پورا تقسیم ہو جائے اس کی وجہ استقامت لکھیں ۔ اس وقت ضرب کی ضرورت نہیں اور اگر مسئلہ اور مافی الید مین تداخل ہو تو اگر مسئلہ کثیر ہو تو اس کا حکم توافق کا(۱) ہے اور اگر ما فی الید کثیر ہو تو استقامت کی صورت ہے ۔ اس مسئلہ پر وہ صحیح تقسیم ہوجائے گا۔ واضح رہے کہ تصحیح کرنے کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں وارثوں کے سہام پر کسر واقع ہوتی ہے ورنہ تصحیح کی کچھ ضرورت نہیں ۔ صرف مسئلہ مخارج فروض کے قواعد کے موافق کر لیا جائے اور اگر عول و رد کی ضرورت ہو تو عول اور رد بھی کیا جائے ۔

مناسخہ کا جدید طریقہ:

مناسخہ سے متعلق مسائل مین تقسیم کے جو تین طریقے اوپر ذکر کئے

---

(۱) میت اول اور میت ثانی کے مسئلوں کی تصحیح کے بعد ہر ایک کے مافی الید کو دیکھا جائے گا کہ ان کے درمیان کیا نسبت ہے۔

نسبت تین قسم پر ہوتی ہے : ''تماثل، توافق، تباین،،

تماثل : یہ کہ میت اول کی جس عدد پر تصحیح ہوتی ہے ثانی میت کی تصحیح کا بھی بعینہ وہی عدد قائم ہو۔

توافق : یہ کہ میت اول و ثانی میں سے کسی کے مسئلہ میں ورثاء پر تقسیم سے کسر واقع ہوجائے لیکن دونوں میتوں کے سہام و رؤس کی تعداد میں موافقت ہو۔

تباثن : یہ کہ ہر میت کے سہام میں کسر واقع ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے سہام اور رؤس (تعداد) میں بھی موافقت موجود نہ ہو۔

ان نسبتوں ، مماثلت (تماثل) یا موافقت (توافق) یا مباینت (تباثن) کو تصحیح کے اصول پر غور کرنے کے بعد معلوم کر لینا آسان ہو گا۔ الحمدللہ جلد پنجم تمام ہوئی، سلسلہ کے لئے ملا حظ ہو جلد ششم ''قانون شفہ،،

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب التصحیح، الشریفیہ صص ۴۳-۱۶

گئے ہیں وہ قدیم کتب فقہ سے ماخوذ ہیں۔ جدید طریقہ یہ ہے کہ پہلے میت اول کے ورثاء کے حصے قائم کیے جائیں پھر ان میں سے جو وارث مر جائے اس کے ورثاء کے حصے قایم کیے جائیں اور مرنے والے کا حصہ اس کے ورثاء میں ان کے حصص کے لحاظ سے تقسیم کر دیا جائے۔ اسی طرح اگر تیسری موت واقع ہو اور اس کے بعد ورثہ تقسیم کیا جائے تو اس میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ متوفی وارث کے حصے اس کے زندہ ورثاء مین تقسیم کر کے ہر ایک وارث کا مجموعی حصہ معلوم کرلیا جائے گا۔

تختہ وراثت ذوی الفروض مطابق فقہ اہل سنت والجماعت

	ذوی الفروض	ایک کا حصہ	ایک سے زائد کا حصہ	حالتیں جن کے تحت حصہ ملتا ہے
۱ -	باپ	۱/۶	—	جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی (نیچے تک) موجود ہو۔
۲ -	دادا	۱/۶	—	جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی (نیچے تک) موجود ہو، اور کوئی باپ یا قریبی دادا (حقیقی) موجود نہ ہو۔
۳ -	شوہر	۱/۴	—	جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی(نیچے تک) موجود ہو۔
	ایضاً	۱/۲	—	جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی (نیچے تک) موجود نہ ہو۔
۴ -	زوجہ	۱/۸	۱/۸	جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی پوتا یا پوتی (خواہ کتنی زیریں پشت میں ہو) موجود ہو۔
	ایضاً	۱/۴	۱/۴	جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی (نیچے تک) موجود نہ ہو۔
۵ -	ماں	۱/۶	—	جب کہ میت کا بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی(نیچے تک) موجود ہو۔
	ایضاً	۱/۳	—	جب کہ میت کے دو بھائی یا بہنیں یا ایک بھائی اور ایک بہن موجود ہوں، (خواہ حقیقی، علاتی یا اخیافی)۔
۶ -	دادی حقیقی	۱/۶	۱/۶	مادری: جب کہ میت کی کوئی ماں یا قریبی جدہ حقیقی موجود نہ ہو، خواہ مادری یا پدری۔ پدری :- جب کہ میت کی کوئی ماں، باپ یا قریبی جدہ حقیقی موجود نہ ہو، خواہ پدری یا مادری، اور نہ درمیانی حقیقی دادا موجود ہو۔
۷ -	بیٹی	۱/۲	۲/۳	جب کہ میت کا کوئی بیٹا یا پوتا (نیچے تک) موجود نہ ہو۔
۸ -	پوتی	۱/۲	۲/۳	جب کہ میت کا کوئی بیٹا یا پوتا (نیچے تک) یا بیٹی موجود نہ ہو۔

۱	۲	۳	۴	۵
۹-	اخیافی بہن یا بھائی	۱/۶	۱/۳	جب کہ میت کا کوئی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی (نیچے تک) موجود نہ ہو اور نہ باپ نہ حقیقی دادا۔
۱۰-	حقیقی بہن	۱/۲	۲/۳	جب کہ میت کا کوئی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی (نیچے تک) موجود نہ ہو اور نہ باپ، دادا، یا حقیقی بھائی۔
۱۱-	علاتی بہن	۱/۲	۲/۳	جب کہ میت کے کوئی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی (نیچے تک) موجود نہ ہو، اور نہ باپ، حقیقی دادا، حقیقی بھائی، حقیقی بہن یا علاتی بھائی موجود نہ ہو۔

نوٹ : یہ نقشہ دفعہ ۴ عائلی قوانین آرڈی ننس ۱۹۶۱ء کے تابع نہیں ہے۔

تختہ وراثت ذوی الفروض مطابق فقہ شیعہ جعفریہ

	ذوی الفروض	تنہا کا حصہ	دو یا زائد کا مجموعی حصہ	حالات جن کے تحت میراث میں حصہ ملتا ہے	خاص حالات جن کے تحت مقررہ حصہ میں تبدیلی ہو جاتی ہے
۱ -	شوہر	۱/۴	—	جب کہ اولاد صلبی موجود ہو	اولاد صلبی کی عدم موجودگی میں نصف
۲ -	زوجہ	۱/۸	۱/۸	ایضاً	بعدم موجودگی اولاد صلبی چوتھائی
۳ -	باپ	۱/۶	—	ایضاً	بعدم موجودگی اولاد صلبی ترکہ بحیثیت عصبہ لے گا۔
۴ -	ماں	۱/۶		جبکہ اولاد صلبی میں کوئی ہو یا دو یا زائد حقیقی یا علاتی بہنیں یا ایک ایسا بھائی اور دو بہنیں یا چار ایسی بہنیں باپ کے ساتھ ہوں	بصورت دیگر ایک تہائی
۵ -	بیٹیاں	۱/۲	۲/۳	جبکہ بیٹا نہ ہو	بیٹے کے ساتھ بیٹیوں کو عصبہ کی حیثیت سے ترکہ ملتا ہے۔
۶ - ۷ -	اخیافی بھائی یا بہن	۱/۶	۱/۳	جبکہ والدین یا اولاد صلبی نہ ہو	
۸ -	حقیقی بہن	۱/۲	۲/۳	جبکہ والدین یا اولاد صلبی یا حقیقی بھائی یا دادا نہ نہ ہو	حقیقی بھائی اور دادا کے ساتھ حقیقی بہن کو بحیثیت عصبہ ترکہ ملتا ہے۔
۹ -	علاتی	۱/۲	۲/۳	جبکہ والدین یا اولاد صلبی یا حقیقی بھائی بہن یا علاتی بھائی یا دادا نہ ہو	دادا اور علاتی بھائی کے ساتھ علاتی بہن عصبہ ہوجاتی ہے۔

نوٹ : یہ نقشہ دفعہ ۴ عائلی قوانین آرڈی ننس ۱۹۶۱ء کے تابع نہیں ہے۔

———

مصادر و مآخذ (عربی و اردو)

قرآن، علوم القرآن و تفاسیر

نمبرشمار	نام کتاب	نام مصنف	مقام و سنہ طباعت
۱	۲	۳	۴
۱ -	قرآن پاک		
۲ -	احکام القرآن	ابن عربی	قاہرہ، ۱۳۳۱ھ
۳ -	تفسیر القرآن العظیم معروف بہ تفسیر ابن کثیر	ابن کثیر، اسمعیل ابن عمر، (م ۷۷۴ھ)	مصر، (اردو ترجمہ) کراچی کراچی، س ـ ن
۴ -	اسباب النزول	ابو الحسن علی بن احمد النیساپوری	مصر، ۱۳۲۹ھ/۱۹۰۹ع
۵ -	تفسیر ابی السعود	ابو سعود، (م ۹۰۱ع)	قاہرہ، ۱۳۴۷ھ
۶ -	تفسیر البیضاوی	البیضاوی، عبداللہ ابن عمر (م ۷۹۱ھ)	مصر، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ع
۷ -	احکام القرآن	الجصاص، ابو بکر الرازی (م ۳۷۰ھ)	مصر،
۸ -	لباب التاویل فی معانی التنزیل معروف بہ تفسیر الخازن	الخازن، علاءالدین علی بن محمد (م ۷۲۵ھ)	مصر، ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۵ع
۹ -	تفسیر کبیر	الرازی، عبدالرحمن محمد ابو بکر (م ۶۰۶ھ)	مصر، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ع
۱۰ -	الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، معروف بہ تفسیر کشاف	الزمخشری، محمود بن عمر (م ۵۲۸ھ)	بیروت، س ـ ن
۱۱ -	الاتقان فی علوم القرآن (اردو ترجمہ)	السیوطی، جلال الدین (م ۹۱۱ھ)	کراچی، س ـ ن
	تفسیر جلالین (بر حاشیہ بیضاوی)	ایضاً	مصر، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ع
۱۲ -	تفسیر الطبری	الطبری، علامہ ۳۱۰ھ)	مصر، ۱۳۲۹ھ
۱۳ -	الجامع الاحکام القرآن، معروف بہ تفسیر قرطبی	القرطبی، محمد ابن احمد (م ۶۷۱ھ)	مصر، ۱۹۳۳-۳۶ع
۱۴ -	مدارک التنزیل و حقائق التاویل، معروف بہ تفسیر النسفی	النسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود (م ۷۱۰ھ)	مصر، س ـ ن

۱	۳	۲	۴
۱۵ -	الترتیب و البیان عن تفصیل آیات القرآن	ذکی صالح، محمد	مصر، ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۷ع
۱۶ -	المفردات القرآن (اردو ترجمہ)	راغب اصفہانی، حسین بن محمد، امام	لاہور، ۱۹۶۳ع
۱۷ -	المعجم المفہرس	فواد عبدالباقی، محمد	مصر، ۱۳۷۸ھ
۱۸ -	تفسیر المنار	محمد عبدہ، الشیخ	مصر، ۱۳۷۳ھ/۱۹۶۱ع
۱۹ -	تبویب القرآن	وحید الزمان، علامہ	لاہور، س ـ ن

احادیث

۱	۳	۲	۴
۲۰ -	سنن ابن ماجہ	ابن ماجہ، محمد ابن زید الربعی (م ۲۷۳ھ)	کراچی، س ـ ن
۲۱ -	السنن الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن زبیر (م ۲۱۹ھ)	حیدرآباد دکن، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ع
۲۲ -	سنن ابو داؤد	ابو داؤد، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)	کراچی، س ـ ن
۲۳ -	جواہر النقی (برحاشیہ السنن الکبری)	ابن الترکمانی	حیدرآباد دکن
۲۴ -	المسند	احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)	مصر، ۱۹۴۹ع
۲۵ -	المشکوۃ المصابیح	البغوی، حسین بن مسعود الفراء (م ۵۱۶ھ)	کراچی، س ـ ن
۲۶ -	السنن الکبری	البیہقی، احمد بن الحسن (م ۴۵۸ھ)	حیدرآباد دکن، ۱۹۵۳ع
۲۷ -	جامع	الترمذی، محمد بن عیسی (م ۲۷۹ھ)	کراچی ـ س ـ ن
۲۸ -	المستدرک	الحاکم نیشاپوری	دکن، ۱۳۳۴ھ/۱۳۴۰ع
۲۹ -	سنن	الدارقطنی، علی ابن عمر (م ۳۸۵ھ)	دھلی، ۱۳۱۰ھ و مکہ معظمہ، ۱۹۶۶ع
۳۰ -	شرح موطا الامام مالک	الزرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف (م ۱۱۲۲ھ)	مصر، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ع
۳۱ -	نصیب الرایہ،	الزیلعی، جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف(م۷۶۲ھ)	مصر، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ع

۱	۲	۳	۴
۳۲ -	نیل الاوطار (شرح المنتقی الاخبار)	الشوکانی، محمد بن علی (م ۱۲۵۰ھ)	مصر، ۱۹۶۱ع
۳۳ -	الدرایہ فی تخریج الاحادیث الہدایہ (برحاشیہ الہدایہ)	العسقلانی، شہاب الدین ابی الفضل، ابن حجر (م۸۵۲ھ)	کراچی، س ـ ن
	فتح الباری (شرح البخاری)	ایضاً	مصر، ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ع
	بلوغ المرام (مع اردو ترجمہ)	ایضاً	کراچی، س ـ ن
۳۴ -	عمدۃ القاری (شرح البخاری)	العینی، بدرالدین (م ۸۵۵ھ)	مصر، ۱۳۴۸ھ
۳۵ -	مرقاۃ المفاتیح (شرح المشکوۃ المصابیح)	القاری، علی بن سلطان محمد (م ۱۰۱۴ھ)	ملتان، س ـ ن
۳۶ -	سنن	النسائی، احمد بن شعیب بن علی بن بحرین سنان (م۳۰۳ھ)	کراچی ـ س ـ ن
۳۷ -	کنز العمال	الہندی، علاءالدین علی المتقی بن حسام الدین، الشیخ العلامہ (م ۹۷۵ھ)	دکن، ۱۹۳۵-۶۸ع
۳۸ -	صحیح البخاری (بحاشیہ السندی)	بخاری، محمد بن اسمعیل، امام (۲۵۶ھ)	کراچی، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ع
۳۹ -	صحیح مسلم (بشرح نووی)	مسلم، ابوالحسن، امام (م ۲۶۱ھ)	مصر، ۱۹۲۳ع
۴۰ -	المسوی (شرح موطا امام مالک)	ولی‌اللہ دہلوی، (م ۱۱۷۶ھ)	مکہ معظمہ، ۱۳۵۱ھ

اصول الحدیث

۱	۲	۳	۴
۴۱ -	تدریب الراوی	السیوطی، جلال‌الدین عبدالرحمن بن ابوبکر (م ۹۱۱ھ)	مدینہ منورہ، ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ع
۴۲ -	الرسالہ (فی اصول الفقہ و و الحدیث)	الشافعی، ابو عبداللہ محمد بن بن ادریس، امام (م ۲۰۴ھ)	مصر، ۱۹۴۰ع و کراچی، ۱۹۶۷ع (اردو ترجمہ)
۴۳ -	نخبۃ الفکر	العسقلانی، ابن حجر (م۸۵۲ھ)	کراچی، س ـ ن
۴۴ -	الدرایہ فی اصول الحدیث	امجد العلی، مفتی	کراچی، ۱۹۶۶ع
۴۵ -	علوم الحدیث (اردو ترجمہ)	صبحی صالح، ڈاکٹر	لائلپور، ۱۹۶۸ع
۴۶ -	سلعۃ القربہ فی توضیح شرح النخبۃ (اردو)	عبدالحئی، مولانا محمد	کراچی، س ـ ن
۴۷ -	نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	عبداللہ ٹونکی، مولوی محمد	کراچی، س ـ ن
۴۸ -	تدوین حدیث (اردو)	مناظر احسن گیلانی، مولانا السید (م ۱۹۵۶ع)	کراچی، ۱۹۵۶ع

۱	۲	۳	۴

رجال حدیث

۱	۲	۳	۴
۴۹ -	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد	قاہرہ (مصر)
۵۰ -	خلاصۃ تذہیب الکمال فی اسماء الرجال	الخزرجی، صفی الدین احمد بن عبداللہ	مطبعۃ الخیریہ، ۱۳۲۲ع
۵۱ -	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	العسقلانی، ابن حجر (م۸۵۲ھ)	مصر، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ع
	تقریب التہذیب	ایضاً	دہلی، ۱۳۲۰ھ
	تہذیب التہذیب	ایضاً	حیدرآباد دکن، ۱۳۲۷ھ
۵۲ -	بستان المحدثین (اردو ترجمہ)	عبد العزیز محدث دہلوی، شاہ	کراچی، س - ن

اصول فقہ

۱	۲	۳	۴
۵۳ -	الاشباہ و النظائر	ابن نجیم، زین العابدین (م ۹۷۰ھ)	مصر، ۱۳۲۲ھ
	فتح الغفار (شرح المنار)	ایضا	مصر، ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ع
۵۴ -	التحریر فی اصول الحنفیہ و الشافعیہ (و شرح کتاب التحریر)	ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد (م ۸۶۱ھ)	مصر، ۱۳۸۰ھ
۵۵ -	کشف الاسرار (شرح اصول البزدوی)	البخاری، عبدالعزیز ابن احمد (م ۷۳۰ھ)	قسطنطنیہ، ۱۳۱۴ھ
۵۶ -	ضوابط المصلحۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ	البوطی، محمد سعید رمضان	۱۹۶۳ع دمشق المکتبۃ الامویہ، ۸۴-۱۳۸۶/۶۷-۱۹۶۶ع
۵۷ -	اصول،	السرخسی، محمد بن احمد بن سہل، امام (م ۴۹۰ھ)	مصر، ۱۳۷۲ھ
۵۸ -	التلویح علی التوضیح	تفتازانی، سعید الدین ابن مسعود (م ۷۹۲ھ)	مصر، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ع
۵۹ -	الاشباہ والنظائر	السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن (م ۹۱۱ھ)	مصر، ۱۳۷۸ھ
۶۰ -	الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ	القرشی، عبدالقادر بن محمد	حیدرآباد دکن، ۱۳۳۲ھ
۶۱ -	اصول البزدوی	بزدوی، علی بن محمد	کراچی، س - ن
۶۲ -	فقہ الاسلام (اردو ترجمہ)	خطیب، حسین احمد	کراچی، ۱۹۶۱ع
۶۳ -	الموافقات فی اصول الشریعہ	شاطبی، ابراہیم ابن موسی (م ۷۰۹ھ)	مصر، س - ن

۱	۲	۳	۴
۶۴ -	الرساله، فی اصول الفقه و الحدیث	شافعی، امام (م ۲۰۴ھ)	مصر، ۱۹۳۰ع کراچی، (اردو ترجمه)
۶۵ -	اصول فقه الاسلامی	شاکر حنبلی	مطبعة جامعیة، ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ع
۶۶ -	ارشاد الفحول	شوکانی، محمد بن علی بن محمد (م ۱۲۵۵ھ)	مصر، ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ع
۶۷ -	اصول الکرخی (برحاشیه اصول البزدوی)	کرخی، امام	کراچی، س ـ ن
۶۸ -	الاباحة عند الاصولیین و الفقهاء	محمد سلام مدکور	بیروت،
۶۹ -	درر الحکام	ملاخسرو، محمد ابن فراموز (م ۸۸۵ھ)	قسطنطنیه، ۱۳۳۰ھ

فقه حنفی

۱	۲	۳	۴
۷۰ -	رد المحتار (شرح تنویر الابصار)	ابن عابدین، محمد امین (م ۱۲۵۲ھ)	مصر، ۱۳۲۷ھ/۱۳۰۶ع
۷۱ -	منحة الخالق (شرح کنز الدقائق)	ایضاً	مصر، ۱۹۳۳ع
۷۲ -	قرة العیون الاخیار (تتمه رد المحتار)	ابن عابدین دوم، محمد علاء الدین (م ۱۳۰۶ھ)	مصر، ۱۲۹۹ھ
۷۳ -	فتح القدیر (شرح هدایه)	ابن همام، کمال الدین (م ۸۶۱ھ)	مصر، ۱۳۵۶ھ
۷۴ -	البحرالرائق (شرح کنز الدقائق)	ابن نجیم، زین الدین احمد ابن ابراهیم (م ۹۷۰ھ)	مصر، ۱۳۳۴ھ
۷۵ -	المختصر	ابوالحسن احمد بن محمد القدوری، امام (م ۴۲۸ھ)	کراچی، س ـ ن
۷۶ -	خزانة الفقه و عیون المسائل	ابو اللیث سمرقندی، (م چوتهی صدی ھ)	بغداد، ۱۹۶۵-۶۷ع
۷۷ -	شرح مجلة الاحکام العدلیه	الاتاسی، خالد	حمص، ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ع
۷۸ -	العنایة (شرح هدایه)	البابرتی، اکمل الدین محمد ابن محمود (م ۷۸۶ھ)	کلکته، ۱۸۳۰ع
	(برحاشیه فتح القدیر)		مصر، ۱۸۳۰ع
۷۹ -	الدر المنتقی (شرح المنتقی بر حاشیه مجمع الانهر)	الحصکفی، علاءالدین (۱۰۸۸ھ)	مصر، ۱۳۲۷ھ
	الدر المختار (بر حاشیه رد المحتار)	الحصکفی، علاءالدین (۱۰۸۸ھ)	مصر، ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ع

۱	۳	۲	۴
۸۰ -	تبیین الحقائق (شرح کنزالدقائق)	الزیلعی، فخر الدین عثمان (م ۷۴۳ھ)	مصر، ۱۵-۱۳۱۳ھ
۸۱ -	المبسوط	السرخسی، شمس الدین، امام (م ۴۸۳ھ)	مصر، ۱۹۲۴ع
	النکت (شرح زیادات)	السرخسی، شمس الدین، امام (م ۴۸۳ھ)	دکن، ۱۳۷۸ھ
۸۲ -	شرح السیر لکبیر	السرخسی، محمد بن ابی سہل (م ۴۹۰ھ)	مصر، ۱۹۵۸ع و ۱۹۶۰ع
۸۳ -	شریفیہ (شرح سراجیہ)	السید الشریف جرجانی، علی بن محمد (م ۸۱۶ھ)	کراچی، س ـ ن
۸۴ -	موطاء	الشیبانی، محمد بن الحسن (م ۱۸۷ھ)	کراچی، س ـ ن
	الامالی،	ایضاً	دکن، ۱۳۶۰ھ
	الجامع الکبیر	ایضاً	مصر، ۱۳۵۶ھ
	کتاب الاثار	ایضاً	کراچی، س ـ ن
[illegible]	الملتقی الابحر (برحاشیہ مجمع الانہر)	الحلبی، ابراہیم بن محمد بن ابراہیم (م ۹۵۶ھ)	مصر، ۱۳۲۷ھ
۸۶ -	شرح وقایہ	صدرالشریعۃ، عبیداللہ بن مسعود (م ۷۴۷ھ)	دہلی، ۱۹۲۷ع
۸۶	خلاصۃ الفتاوی	طاہر بن محمد (م ۵۴۲ھ)	دہلی، ۱۳۱۸ھ
۸۷ -	المختصر للطحاوی	الطحاوی،احمد بن محمد (۳۲۱م)	دکن، ۱۳۷۰ھ
۸۸ -	جامع الرموز،	القہستانی شمس الدین محمد (م ۹۵۰ھ)	کازان، ۱۸۹۸ع
۸۹ -	کنز الدقائق	النسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود (م ۷۱۰ھ)	دہلی س ـ ن
۹۰ -	البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	الکاسانی، امام علاءالدین (م ۵۸۷ھ)	مصر، ۱۳۲۸ھ
۹۱ -	الہدایہ	المرغینانی، برہان الدین (م ۵۹۳ھ)	کراچی، س ـ ن
۹۲ -	اللباب (شرح المختصر القدوری)	المیدانی	مصر، ۱۳۳۰ھ
۹۳ -	مجمع الانہر (شرح ملتقی الابحر)	داماد آفندی، عبدالرحمن ابن شیخ محمد ابن سلیمان (م ۱۰۷۸ھ)	مصر ۱۳۲۸ھ
۹۴ -	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود (م ۶۸۳ھ)	مصر، ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ع

۱	۲	۳	۴
۹۵ -	الكفاية (شرح هدایه)	محمود بن عبداللہ (م ۷۷۵ھ)	بمبئی ۱۲۷۹ھ
۹۶ -	کتاب الخراج	قاضی ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ)	قاہرہ ۱۳۸۲ھ کراچی ۱۹۶٦ع (اردو ترجمہ)
۹۷ -	فتاوی قاضی خان	قاضی خان، فخرالدین الحسن ابن منصور (م ۵۹۲ھ)	لکھنؤ س ـ ن
۹۸ -	جامع الفصولین	قاضی سماوہ، محمود بن اسرائیل (م ۸۲۳ھ)	مصر ۱۳۰۰ھ
۹۹ -	مشکوۃ السراج (شرح سراجیہ)	محمد صابر، مفتی	کراچی س ـ ن
۱۰۰ -	الفتاوی	محمد عبدالحئی فرنگی‌محلی،مولانا	کراچی س ـ ن
۱۰۱ -	فتاوی عالمگیری	نظام الدین، شیخ	کلکتہ ۱۸۳۷ع دیوبند س ـ ن

فقہ مالکی

۱	۲	۳	۴
۱۰۲ -	جواہر الاکلیل (شرح مختصر خلیل)	الآبی، صالح عبدالسمیع	مصر، ۱۹۴۳ع
۱۰۳ -	شرح موطاء امام مالک	الزرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف (م ۱۱۲۲ھ)	۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ع
۱۰۳ -	المدونة الكبرى	سحنون بن سعید التوخی، امام (م ۲۳۰ھ)	مصر ۱۳۲۳ھ

فقہ شافعی

۱	۲	۳	۴
۱۰۵ -	نہایة المحتاج	الرملی، محمد بن احمد (م ۱۰۰۳ھ)	مصر، ۱۲۹۲ھ
۱۰۶ -	کتاب الام	الشافعی محمد ابن ادریس امام (م ۲۰۳ھ)	مصر، ۱۹۶۱ع
۱۰۶ الف -	مغنی المحتاج	الشربینی، شیخ محمد (م دسوین صدی‌ھ)	(م مصر، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ع
۱۰۷ -	المہذب	الشیرازی، ابراہیم بن علی بن یوسف (م ۴۷٦ھ)	مصر ۱۳۷۹ھ

فقہ حنبلی

۱	۲	۳	۴
۱۰۸ -	زاد المعاد	ابن قیم حافظ (م ۷۵۱ھ)	مصر ۱۳۶۹ھ کراچی ۱۹٦۲ع (اردو ترجمہ)

۱	۲	۳	۴
۱۰۹ -	المختصر الخرقي	الخرقي، ابو القاسم عمر بن الحسين (م ۳۳۴ھ)	دمشق ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ع
	التفتيح المشبع	المردادی، علاءالدين ابی الحسن (م ۸۸۵ھ)	مدينه منوره،
۱۱۰ -	المغنی	المقدسی، ابن قدامه (م۶۲۰ھ)	مصر ۱۳۴۸ھ
۱۱۱ -	الاقناع	المقدسی، شرف الدين (م۹۶۸ھ)	مصر
۱۱۲ -	المحرر	مجدالدين ابوالبركات عبدالسلام (م ۶۵۲ھ)	مصر ۱۳۶۹/۱۹۵۰ع

فقه اربعه-

۱	۲	۳	۴
۱۱۳ -	بداية المجتهد و نهاية المقتصد	ابن رشد محمد ابن احمد بن محمد بن احمد قرطبی (۵۹۵ھ)	مصر ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ع
۱۱۴ -	کتاب رحمة الامة في اختلاف الائمه (برحاشيه الميزان الكبرى)	ابو عبدالله محمد بن عبدالرحمن	مصر ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ع
۱۱۵ -	الميزان الكبرى	الشعرانی، عبدالوهاب م ۹۷۳ھ)	۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ع
	کشف الغمه عن جميع الامه	ايضاً	مصر ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ع
۱۱۶ -	سفر السعادة (برحاشيه کشف الغمه)	الشيرازی، مجدالدين محمد بن يعقوب	مصر ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ع

فقه شیعی

۱	۲	۳	۴
۱۱۷ -	شرائع الاسلام	الحلی، نجم‌الدين ابو جعفر (م ۶۷۶ھ)	بيروت س - ن
۱۱۸ -	الاستبصار	الطوسی ابو جعفر محمد بن الحسن (م ۴۶۰ھ)	نجف ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ع
۱۱۹ -	وصیت در حقوق مدنی ایران	ناصر کا توزیان، دکتر	۱۳۳۹ شمسی

فقه ظاهری

۱	۲	۳	۴
۱۲۰ -	المحلی	ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد (م ۴۵۶ھ)	مصر س - ن

فقه عام

۱	۲	۳	۴
۱۲۱ -	القصاص فی الشريعة الاسلاميه	ابراهيم، الدکتور محمد	مصر ۱۳۶۳ھ
۱۲۲ -	احكام التركات و المواريث	ابوزهره، الشيخ محمد	مصر س - ن
	کتاب الاموال	ابو عبيد، القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)	اسلام آباد، ۱۹۶۹ع (اردو ترجمه)

۱	۲	۳	۴
۱۲۴ -	الاحوال الشخصیه	ابو زهره، محمد الشیخ	مصر ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ع
	شرح قانون الوصیة	ایضاً	مصر، ۱۹۵۰ع
	فلسفة العقوبة فی الفقهه الاسلامی	ایضاً	مصر، ۱۹۶۳ع
۱۲۵ -	الجرائم فی الفقه الاسلامی	احمد فتحی بهنسی	مصر ۱۹۵۹ع
۱۲۶ -	شرح الاحکام الشرعیة فی احوال الشخصیة	الابیانی، محمد زید	مصر ۱۹۶۰ع
۱۲۷ -	الوصایا و الفرائض	السباعی، مصطفی	دمشق ۱۹۵۲ع
	شرح قانون احوال الشخصیة سوریه	ایضاً	دمشق ۱۹۶۱ع
۱۲۸ -	احکام المیراث	الخطیب، الدکتور احمد علی	بغداد ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ع
۱۲۹ -	التبنی فی الشرع اسلامی	الصبحی محمصانی	۱۹۳۵ع (مقاله)
	(النشره القضائیه للبنانیه	ایضاً	ایضاً
	المبادی الشرعیة فی الحجر و النفقات و المواریث والوصیة	ایضاً	بیروت ۱۹۵۴ع
	فلسفه شریعت اسلام (اردوترجمه)	ایضاً	لاهور ۱۹۵۵ع
۱۳۰ -	مفید الوارثین (اردو)	اصغر حسین دیوبندی، سید مولانا	دهلی، ۱۳۴۹ھ
۱۳۱ -	پوتے کی میراث	امین احسن اصلاحی، مولانا	لاهور
۱۳۲ -	مجموعه قوانین اسلام (جلد اول تا چهارم)	تنزیل الرحمن، ڈاکٹر	اسلام آباد، ۱۹۶۵ع ۱۹۶۷ع ۱۹۶۹ع
۱۳۳ -	قانون الاحوال الشخصیة عراق	خروفه، علاءالدین	بغداد، ۱۹۵۹ع/۶۲
۱۳۴ -	المیراث	رزقی، توقیر مرزا	کراچی، ۱۹۶۱ع
۱۳۵ -	الفرائض السراجیه	سراج الدین ابو طاهر محمد السجاوندی	کراچی، ۱۹۶۲ع
۱۳۶ -	هندوستان کی شرعی حیثیت (ماهنامه ''برهان،، دهلی)	سعیداحمد اکبرآبادی، مولانا	۱۹۶۶ع (شماره جولائی تا اکتوبر)
۱۳۷ -	دارالحرب اور ربا (ماهنامه ''الرحیم،، حیدرآباد)	صغیر حسین معصومی، پروفیسر ڈاکٹر محمد	۱۹۶۶ (شماره جون)
۱۳۸ -	احکام الاحوال الشخصیة فی الشریعة الاسلامیة	عبدالرحمن تاج	مصر ۱۹۵۵ع
۱۳۹ -	احکام المواریث فی الشریعة الاسلامیه	عبدالحمید محمد محی الدین	مصر ۱۹۴۲ع
۱۴۰ -	التعزیر فی الشریعة الاسلامیه	عبدالعزیز عامر، الدکتور	مصر ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ع
۱۴۱ -	احکام المواریث الشرعیه	عبدالفتاح، البنا الدنیاتی الشیخ	دمیاط ۱۳۲۶ھ
۱۴۲ -	تشریعة الجنائی الاسلامی	عبدالقادر عوده	مصر، س ـ ن

۱	۲	۳	۴
۱۴۳ -	احکام الشریعة الاسلامیه فی الاحوال الشخصیة	عمر عبداللہ	مصر ۱۹۶۱ع
	احکام المواریث فی الشریعة الاسلامیه	ایضاً	مصر ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ع
۱۴۴ -	الترکة و المیراث فی الاسلام	محمد یوسف موسی، الدکتور	مصر ۱۹۶۰ع
۱۴۵ -	احکام الشریعة فی الاحوال الشخصیة	قدری پاشا	مصر ۱۸۹۵ع
۱۴۶ -	الفتاوی	محمود شلتوت	مصر
۱۴۷ -	ادوار فقه (فارسی)	محمود شہابی	تہران ۱۹۵۰ع
۱۴۸ -	فتاوی عثمانی	منورالدین، مولوی	دہلی، ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۳ع
۱۴۹ -	الوصایا و الهبات و الارث	مامون کسبار	م - ن، س - ن
۱۵۰ -	حجة اللہ البالغۃ (اردو ترجمه)	ولی اللہ دہلوی، شاہ	کراچی س - ن

قوانین بلاد اسلامیہ

۱	۲	۴
۱۵۱ -	قانون المصری	۱۹۲۹ع
۱۵۲ -	قانون المواریث نمبر ۷۷، مصر	۱۹۴۳ع
۱۵۳ -	قانون الوصیة، مصر	۱۹۴۶ع
۱۵۴ -	قانون الاحوال الشخصیة، سوریه	۱۹۵۳ع
۱۵۵ -	مجله الاحوال الشخصیة، تونس	۱۹۵۶ع
۱۵۶ -	قانون الاحوال الشخصیة، مراکش	۱۹۵۸ع
۱۵۷ -	قانون الاحوال الشخصیة، عراق نمبر ۱۸۸	۱۹۵۹ع

لغات

۱	۲	۳	۴
۱۵۸ -	تاج العروس	الزبیدی، محمد مرتضی حسینی الواسطی (م ۱۲۰۵ھ)	س - ن
۱۵۹ -	المنجد	لوئیس معلوف	بیروت ۱۹۲۷ع
۱۶۰ -	لسان العرب	ابن منظور	مصر، (طبع اول)
۱۶۰ -	القاموس المحیط	الفیروز آبادی مجدالدین محمد	مصر ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ع
۱۶۱ -	لغات الحدیث	وحید الزمان، علامه	کراچی س - ن

تاریخ و سوانح

۱	۲	۳	۴
۱۶۲ -	آثار امام شافعی (اردو ترجمہ)	ابو زہرہ الشیخ محمد	لاہور، ۱۹۶۱ع
	آثار امام مالک ایضاً	ایضاً	لاہور، ایضا
	حیات ابن حزم ایضاً	ایضاً	لاہور، ایضا
	حیات امام ابو حنیفہ ایضاً	ایضاً	لاہور، ۱۹۶۲ع
	حیات امام احمدبن حنبل (اردو ترجمہ	ایضاً	لاہور، ۱۹۶۱ع
۱۶۳ -	امام ابوحنیفہ کی تدوین فقہ اسلامی	حمید اللہ، ڈاکٹر محمد	حیدرآباد، ۱۹۴۲ع
۱۶۴ -	تاریخ فقہ اسلام (اردو ترجمہ)	الخضری، علامہ محمد	اعظم گڑھ، ۱۹۶۱ع
۱۶۵ -	سیرت امام شافعی (اردو ترجمہ)	خالد انصاری	بھوپال، ۱۹۴۴ع
۱۶۶ -	سیرۃ النعمان	شبلی نعمانی، علامہ	لاہور، س - ن
۱۶۷ -	الفوائد الحنفیۃ فی تراجم الحنفیہ	عبدالحی فرنگی محلی مولانا محمد	۱۹۶۷ع
۱۶۸ -	حیات حافظ ابن القیم (اردو ترجمۃ)	عبدالعظیم عبدالسلام شرف الدین	۱۹۶۴ع
۱۶۹ -	امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی	مناظر احسن گیلانی، مولانا سید	کراچی ۱۹۶۰ع

طب

۱	۲	۳	۴
۱۷۰ -	القانون فی الطب	ابن سینا ابوالعلی الحسن ابن عبداللہ شیخ الرئیس (م ۴۲۸ھ/ ۱۰۲۷ع)	
۱۷۱ -	الطب الشرعی	عارف صدقی، ڈاکٹر	دمشق

کتب عام

۱	۲	۳	۴
۱۷۲ -	عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ	اصلاحی، امین احسن	لائل پور، ۱۹۶۰ع
۱۷۳ -	خصوصی قانون روما (اردوترجمہ)	لیچ، آر - ڈبلو	حیدر آباد دکن، ۱۹۲۸ع
۱۷۴ -	اصول دھرم شاستر و نظائر	میگناٹن، ولیم - جے	لکھنؤ ۱۸۸۹ع

BIBLIOGRAPHY (ENGLISH)

ACTS & ORDINANCES REFERRED

1. Code of Civil Procedure, 1908
2. Constitution of Pakistan, 1962
3. Dissolution of Muslim Marriages Act, 1939
4. Muslim Family Laws Ordinance, 1961
5. Majority Act, 1875
6. Muslim Law (Sharī'at Application) Act, 1937
7. West Pakistan Family Courts Act, 1964
8. West Pakistan Muslim Law (Sharī'at Application) Act, 1962
9. West Pakistan Rent Restriction Ordinance, 1959

BOOKS & PERIODICALS

10. Abdul Rahman, A.F.M., Institutes of Musalmans Law, Lahore, 1907
11. Almaric Rumsey, Al-Soerajiyyah (Eng. Tr.) London, 1959
12. Amir Ali, Justice Syed, Mohammadan Law (Vol. II) Lahore, 1965
13. Anderson, J.N.D., Islamic Law in the Modern World, New York, 1959
14. Aziz Ahmed, Islamic Law in Theory & Practice, Lahore, 1956
15. Collis, Major, Legal Medicine, 1902
16. Fayzee, A.A.A., The Outlines of Mohammadan Law, Bombay, 1955
17. Hollick, Dr. O.F., Origin of Life and Process of Reproduction, London.
18. Kamila Tyabji, Limited Interests in Mohammadan Law, London, 1949
19. Mocnaghtan Sir W., Principles & Presidents.
20. Macdonald, D.B. Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory, Lahore, 1961
21. Mahmud, I, Dr., Muslim Law of Succession and Administration, Karachi, 1958
22. Mulla, D.F., Principles of Mohammadan Law, Calcutta, 1961
23. Qadri, A.A., Islamic Jurisprudence in the Modern World, Bombay, 1963
24. Relph, C. benson (hand book of Obst. and Gyn - 1864)
25. Qadri Pasha, Egyptian Code of Mohammadan Law (Eng. Tr.) London, 1914
26. Saxena, Muslim Law as Administered in India & Pakistan, Lucknow, 1959
27. Schacht, Joseph, An Introduction to Islamic Law, London, 1964
28. Wilson, Sir R.K., Anglo Mohammadan Law, Calcutta, 1930
29. Tyabji, F.B., Mohammadan Law, Bombay, 1940
30. Medical Examiner, June, 1946
31. Pakistan Legal Decisions Lahore, 1969, Journal Pt., (Law of Representation)

CASES REFERRED

All India Reporter

32. AIR 1918 Madras 1049
33. AIR 1928 Madras 768
34. AIR 1932 Allahabad 591
35. AIR 1933 Lahore 81
36. AIR 1933 Oudh 142
37. AIR 1934 Lahore 427
38. AIR 1938 Privy Council 169
39. AIR 1940 Lahore 179
40. AIR 1942 Lahore 65
41. AIR 1943 Peshawar 62
42. AIR 1944 Oudh 139
43. AIR 1945 Federal Court 298

Allahabad Law Journal

44. 4 A L J 521

Allahabad Weekly Notes

45. AWN 1907, 221
46. AWN 1889, 192

Indian Appeals

47. (1932) 59 IA. 74
48. (1938) 65 IA. 219

Indian Cases

49. 2 I.C. 671
50. 28 I.C. 895
51. 39 I.C. 83
52. 41 I.C. 579
53. 61 I.C. 947
54. 136 I.C. 454
55. 150 I.C. 330
56. 153 I.C. 33.
57. 216 I.C. 276

Indian Law Reports:

58. 2 Calcutta 184
59. 3 Agra 13
60. 3 Calcutta 702
61. ILR 4 Allahabad 361
62. ILR 7 Allahabad 822
63. 11 Calcutta 14
64. ILR 1898 Vol. 25 Calcutta Series 9 (P.C.)
65. 30 Calcutta 683
66. ILR 1917 Madras
67. 21 Madras 27
68. ILR 39 Bombay 545
69. ILR 42 Allahabad 497
70. ILR 45 Bombay 75
71. 54 Allahabad 93
72. (1863) Reports 509
73. (1878) 4 Calcutta 142
74. (1878) 51 Allahabad 211
75. (1885) 7 Allahabad 822
76. (1885) IL 7 Allahabad 716
77. (1887) 12 Bombay 101
78. (1895) 20 Bombay 335
79. (1901) IL 23 Allahabad 263
80. (1902) 26 Madras 734
81. (1903) 30 Calcutta 683
82. (1908) 32 Madras 276
83. (1916) 41 Bombay 377
84. (1917) 40 Madras 243
85. (1918) 43 Bombay 412

Madras Law Journal

86. 7 MIJ 115 (P.C.)

Pakistan Legal Decisions

87. PLD 1947 Privy Council 62
88. PLD 1949 Lahore 263
89. PLD 1958 West Pakistan (Revenue) 67
90. PLD 1958 Karachi 420
91. PLD 1964 Supreme Court 143
92. PLD 1968 Karachi 480

— — —

اشاریہ

(الف)

(ب)

(پ)

(ت)

(ن)

(و)

وراثت

تعارف

مجموعۂ قوانینِ اسلام

مؤلفہ

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

ایم اے ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ایڈووکیٹ

اعزازی مشیر قانون

ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد)

ادارۂ تحقیقات اسلامی

پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵ اسلام آباد

(پاکستان)

همیں انتہائی مسرت ہے کہ

ادارہ تحقیقات اسلامی کی شائع کردہ کتاب

" مجموعہ قوانین اسلام ،، مؤلفہ ڈاکٹر تنزیل الرحمن کو

کراچی میں منعقد ہونے والی پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس

مورخہ ۶ تا ۸ جولائی ۱۹۷۸ء کے موقع پر گذشتہ تیس سال میں پاکستان میں اسلام کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کی نمائش میں سات جج صاحبان کے متفقہ فیصلہ کی روشنی میں " بہترین کتاب ،، قرار دیا گیا اور مؤلف کو حکومت کی جانب سے

مبلغ دس ہزار روپیہ کا انعام عطا کیا گیا۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی قوانین کی تدوین نو کا جامع منصوبہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے تحت قائم شدہ ادارۂ تحقیقات اسلامی نے اسلامی قوانین کی ترتیب نو اور تدوین جدید کا ایک جامع منصوبہ بنایا ہے ۔ اس منصوبہ کے تحت جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، پاکستان ۱۹۶۳ع سے ''مجموعہ قوانین اسلام،، کی تالیف و تدوین کا تاریخ ساز کام کر رہے ہیں ۔ انشاءاللہ تعالی یہ مجموعہ دس جلدوں پر مشتمل ہوگا ۔ اس مجموعہ میں مسلمانوں کے شخصی، تعزیری اور اہم دیوانی قوانین شامل ہوں گے ۔

ہم اس مجموعہ کی چار جلدیں ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں اور اب اس کی پانچویں جلد پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ۔ اس کی چھٹی جلد جو اسلامی قانون شفعہ پر مشتمل ہے، مکمل ہوچکی ہے ۔ ساتویں جلد حدود و تعزیرات سے متعلق زیر تالیف ہے ۔ امید ہے کہ بقیہ جلدیں بھی وقفہ وقفہ سے طبع ہوکر منظر عام پر آجائیں گی ۔

ان پانچ شائع‌شدہ جلدوں میں نکاح، نفقۂ زوجہ، مہر، طلاق، فسخ نکاح؛ عدالتی تفریق، عدت، نسب اولاد، نفقۂ اولاد، حضانت، ہبہ، وقف، وصیت اور وراثت کے قوانین کو جدید قانونی طرز پر دفعہ وار ضابطہ بند (Codify) کیا گیا ہے اور ہر دفعہ کی تشریح کے تحت حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ظاہری اور شیعی مذاہب کے فقہی احکام مکمل حوالوں کے ساتھ بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں ۔ ساتھ ہی مصر، شام، مراکش، تونس، عراق وغیرہ میں رائج الوقت متعلقہ قوانین کے جابجا حوالے بھی دئے گئے ہیں ۔ ہند و پاکستان کی اعلی عدالتوں کے فیصلے بھی زیر بحث لائے گئے ہیں اور ''جہاں کہیں فاضل مؤلف نے قدیم یا جدید نظریات سے اختلاف کیا ہے وہاں انہوں اپنا نقطہ' نظر دیانت‌داری کے ساتھ بیان کر دیا ہے،، (۱)فاضل مؤلف کا اعتدال و توازن اور ان کی حق گوئی اور صاف بیانی کتاب کے صفحہ صفحہ سے نمایاں ہے ۔ تجدد یا ذہنی مرعوبیت کا کہیں نام و نشان تک نہیں(۲)۔ درحقیقت فتاوی عالمگیری کے بعد یہ دوسرا بڑا کارنامہ ہے(۳) جس پر فاضل مؤلف بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں اور اس پیشکش پر عالم اسلام کے شکریہ کے مستحق ہیں(۴) ۔

(۱) جسٹس ایس اے رحمن، پیش لفظ ۔ (۲) مولانا سعید احمد اکبرآبادی، برہان دہلی ۔
(۳) دارالمصنفین، اعظم‌گڑھ ۔ (۴) مولانا سعید احمد اکبر آبادی، برہان دہلی ۔

فی الحقیقت جوکام عصر حاضر کے ممتاز علماء نہ کر سکے، فاضل مؤلف نے بہت خوبی سے انجام دیا(٥) -

اسلامی قوانین کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، فقہاء امت کے اختلافات کی وجوہ، اسباب اور علل، قرآن پاک، حدیث نبوی، آثار صحابہ اور آئمہ و فقہاء مجتہدین کی مستند عربی تصانیف سے براہ راست استفادہ، ممالک اسلامیہ میں رائج الوقت قوانین کے جابجا حوالے، بر صغیر پاک و ہند کی اعلی عدالتوں کے اہم فیصلوں کے اقتباسات، موجودہ پاکستانی قوانین میں ترمیم کی تجاویز، اور ہر جلد کے شروع میں مؤلف کا مبسوط مقدمہ اور آخر میں مفصل اشاریے اس مجموعہ کی نمایاں خصوصیات ہیں - ماسوائے عربی کے، شاید ہی دنیا کی کسی دوسری زبان میں مسلمانوں کے شخصی قوانین (Muslims personal law) کا ایسا ''مجموعہ،، موجود ہو-

یہ مجموعہ پاکستان میں ''احیائے قانون اسلامی،، کی ایک مثبت اور ٹھوس کوشش اور اسلامی قوانین کی ضابطہ بندی (Codification) کی طرف ایک اہم قدم ہے - ''برصغیر ہند و پاکستان میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا کام ہے،،(٦) جو ممتاز قانون دان جناب تنزیل الرحمن کی غیر معمولی کاوش اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے(٧)اور پاکستان کی نظریاتی تشکیل کے اس تاریخ ساز مرحلہ پر غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے - فاضل مؤلف کا دفعہ وار مدونہ (Codified) متن قانون بھی ہر جلد کی زینت ہے - اگر جملہ قوانین اس طرح مرتب ہو جائیں تو فتاویٰ عالمگیری کے بعد دوسرا بڑا کارنامہ ہوگا - (٨)

یہ ''مجموعہ قوانین اسلام،، بڑے سائز کے دبیز کاغذ پر خوبصورت گرد و پیش کے ساتھ بہترین اور دیدہ زیب اردو ٹائپ میں چھاپا گیا ہے، جو دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور اصل لاگت سے کم پر پیش خدمت ہے - یعنی پانچ جلدوں پر مشتمل شخصی قوانین کے مکمل سیٹ کی قیمت صرف دو سو روپے ہے -

مقام مسرت ہے کہ عدالتوں کے ارکان، وکلاء، اسلامیات و قانون کے طلبہ، اساتذہ اور اسلامی قانون سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب علم نے اس ''مجموعہ،، کو بنظر استحسان دیکھا ہے اور عدالت ہائے عالیہ نے اپنے فیصلوں میں اس کے حوالے دئے ہیں -

اسلامی قانون پر مشتمل کوئی لائبریری اس مجموعہ کے بغیر مکمل نہیں کہلائی جا سکتی -

نوٹ : ''مجموعہ قوانین اسلام،، کی ان جلدوں پر تبصروں کے بعض اہم اقتباسات اور ہر جلد کے ابواب کے عنوانات اگلے صفحات پر ملاحظہ ہوں -

---

(٥) مولانا محمد یوسف بنوری، پیش لفظ -
(٦) Twenty Years of Pakistan -
(٧) ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور -
(٨) دارالمصنفین، اعظم گڑھ -

مجموعہ قوانین اسلام

کے بارے میں

اخبارات اور رسائل میں شائع شدہ چند اقتباسات اور آراء

جلد اول

یہ فاضلانہ تصنیف ممتاز قانون داں جناب تنزیل الرحمن کی غیر معمولی کاوش اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں قانون ازدواج کے تحت نکاح، مہر اور نفقہ کے ہر مسئلہ کو بڑی خوبی کے ساتھ قانون کی زبان میں قلمبند فرمایا ہے اور اس ضمن میں قدماء سے لے کر آج تک کے منکرین کی آراء کو پیش نظر رکھا ہے اور ان کے خیالات میں جہاں کہیں الجھاؤ محسوس کیا ہے اسے قرآن و سنت کی روشنی میں سلجھانے کی کوشش کی ہے۔فاضل مصنف کا مطالعہ بڑا وسیع اور ذہن بڑا رسا ہے، البتہ اجتہاد کے ذیل میں کہیں کہیں تجدد پسندی کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔

ماھنامہ ترجمان القرآن، لاھور جلد ۶۵، شمارہ ۵

مصنف نے اسلامی قانون کی ضابطہ بندی کی تحریک کو عملی طور پر آگے بڑھانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور مسلمانوں کے شخصی قوانین کا ایک خاکہ پیش کر کے دوسروں کو دعوت فکر دی ہے۔

روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۱ فروری ۱۹۶۶ء

یہ کتاب اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے کہ قانون اور فقہ اسلامی میں صاحب موصوف کی نگہ کس قدر ژرف بین اور نزاکت شناس ہے۔ . . . . مجموعی طور پر یہ کتاب فقہی قوانین کی تدوین و تعبیر کی طرف ایک ایسا اقدام ہے جو فکر و بصیرت سے لبریز ہے۔

یہ بات بلا خوف و تردید کہی جاسکتی ہے کہ جناب تنزیل الرحمن صاحب نے مجموعہ قوانین اسلام مرتب کرکے وقت کے ایک اھم تقاضے کو پہچانا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے ایک ٹھوس دینی و دنیاوی خدمت انجام دی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

روزنامہ کوھستان، لاھور، ۱۷ مارچ ۱۹۶۶ء

''مجموعہ قوانین اسلام،، دستور اساسی اسلامی کو روبہ عمل لانے میں سب سے پہلی کوشش

ہے۔ مولف نے پاکستان کے لئے ایک تاریخ ساز کام کی ابتدا کی ہے۔ وہ مستحق مبارک باد اور سزا وار تحسین ہیں۔

ماہنامہ ہمدرد صحت، کراچی، اگست ۶۶ء

ہمارے نزدیک یہ کتاب اسلامی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔

ہفت روزہ شہاب، لاہور

تنزیل الرحمن صاحب کی کتاب اپنی نوعیت کی کتابوں میں تحقیق کا پہلا قدم ہے۔

مجلہ قانون، کراچی، ۱۹۶۶ء

اسلامی عائلی زندگی کے قوانین کو اس شکل میں پیش کرکے جناب مؤلف نے ایک بڑا قابل تعریف کام کیا ہے۔

ماہنامہ الرحیم، حیدرآباد، اپریل ۶۶ء

جو اہم کام قدیم و جدید علوم کے محققین اور قانون کے ماہرین کے باہمی اشتراک عمل سے کرنے کا تھا، وہ کام تنہا مؤلف نے ایک حد تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ اب وزارت قانون کا فرض ہے کہ وہ ملک کے تقوی شعار علماء دین اور ارباب فتوی کی ایک کانفرنس بلائے اور اس اجلاس میں وہ حضرات باہمی تبادلہ خیالات اور بحث و تنقیح اور متفقہ طور پر ناگزیر ترمیمات کے بعد اس کی توثیق کریں اور اس کے بعد وزارت قانون ''علماء پاکستان کے متفق علیہ مجموعہ قوانین اسلام،، کے نام سے شائع کرکے عدالتوں کے حکام کے پاس اس کو مجموعی طور پر نافذ کرنے کے لئے بھیجے تاکہ وہ عظیم مقصد جس کے لئے یہ سب کچھ کاوش و کوشش اور جانفشانی کی گئی ہے اور کی جائے گی یعنی ''پاکستان میں شرعی قوانین کا نفاذ،، حاصل ہو۔

ماہنامہ بینات، کراچی، نومبر ۶۶ء

مؤلف نے بڑی عرق ریزی سے پرانے سواد کو کھنگالا ہے اور جہاں انہیں قدیم یا جدید نظریات سے اختلاف ہوا ہے، انھوں نے دیانتداری سے اپنا نقطہ نظر بیان کر دیا ہے۔ ان کی کتاب اسلامی قوانین کی ضابطہ بندی کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ مجھے امید ہے کہ جس راستہ کی نشان دہی انھوں نے کی ہے وہ کاروان علم و ذوق کے لئے موجب تشویق ثابت ہوگا اور یوں اس تعمیری فکری

تحریک کی بنیاد پڑے گی جس کی اسلامی معاشرہ میں کمی، اپنے اور بے گانے، سدت سے محسوس
کر رہے ہیں۔

جسٹس - ایس - اے رحمان (پیش لفظ)

The Muslims of Indo Pak sub-continant fought and succeeded in establishing
a separate homeland to enable them to pattern their lives according to the dictates of
Islam. To achieve this end, it was necessary to have the Islamic Laws codified. The
book Majmooa-i-Qawanin-i-Islam by Mr. Tanzilur Rahman, Advocate, in Urdu, pub-
lished by the Islamic Research Institute, is a commendable step to fulfil this long-standing
need for which both the author and the Institute deserve gratitude.

Pakistan Quarterly, Karachi.
Autumn 1966.

The learned author in this Volume of the series, brought out on behalf of the
Institute has dealt, in Urdu, with Muslim Personal laws on Marriage, dower and main-
tenance. He has arranged the laws, so as to say in the form of a bill for the Legislature
and discussed their sources, effects and conclusions etc. In this connection, he has also
taken into account the judgements of the High Courts of India and Pakistan and where
he has differed from the old or new theories, he has dispassionately given his own point
of view.

It must be said on the whole that this large sized bound volume with a beautiful
multi-colour dust cover is a commendable step towards the Codification of Islamic Laws
in Pakistan and a rare specimen of *Naskh* type printing.

'Dawn' Karachi, 7th August 1966.

جلد دوم

جناب تنزیل الرحمن ایڈووکیٹ اگرچہ اصطلاحاً طبقہ علماء سے متعلق نہیں ہیں لیکن
انہوں نے جو عظیم کام کر کے دکھایا ہے وہ بڑے بڑے علماء کے لئے لائق صد رشک اور باعث ہزار
غیرت ہونا چاہئے۔ جو کچھ لکھا ہے حزم اور احتیاط اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ بڑی شگفتہ اور
سلیس و رواں زبان میں لکھا ہے اور بحث کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ فاضل مصنف کا اعتدال
و توازن فکر اور ان کی حق گوئی و صاف بیانی کتاب کے صفحہ صفحہ سے نمایاں ہے۔ تجدد یا ذہنی
مرعوبیت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ ہم یہ بات پوری ذمہ داری کے ساتھ کتاب کی دونوں جلدوں

کو حرفاً حرفاً پڑھنے کے بعد کہہ رہے ہیں ۔ ۔ ۔ غرض کہ کتاب ظاہری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے اسلامیات کے عظیم ذخیرہ میں نہایت بیش قیمت اضافہ ہے ۔ فاضل مصنف اور ادارۂ تحقیقات اسلامی دونوں اس پیش کش پر عالم اسلام کے شکریہ کے مستحق ہیں ۔

(مولانا) سعید احمد اکبر آبادی، ماہنامہ، برہان، دہلی، اکتوبر ۱۹۶۸ء

آپ نے اسلام کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے، قوانین اسلام کی تدوین نو و ترتیب جدید کا آغاز تو ہوا، آگے آنے والے اس میں مزید اصلاح و ترقی کے لئے کام کر سکیں گے ۔

(مولانا) سید ابو الاعلی مودودی (خط سے اقتباس)

آپ نے یہ بہت بڑا کام کیا اور علماء کرام کے کرنے کا جو کام تھا اس کو آپ نے انجام دے دیا ۔ اگر جملہ قوانین اس طرح مرتب ہو جائیں تو فتاوی عالمگیری کے بعد یہ دوسرا بڑا کارنامہ ہوگا ۔

دارالمصنفین، اعظم گڑھ، (خط سے اقتباس) ۔

قوانین اسلام کی شیرازہ بندی انتہائی عرق ریزی سے جدید اصولوں پر کی گئی ہے اور صدیوں بعد ایسی عالمانہ تصنیف قانونی افق پر جلوہ گر ہوئی ہے ۔ جو چیز اس تصنیف کو بلند اور ممتاز کردیتی ہے، وہ ہے اس کی جامعیت ۔ پھر یہی نہیں بلکہ انتہائی خوش اسلوبی سے ناقدانہ فرائض بھی انجام دئے ہیں ۔ عصر جدید میں جو اسلامی قوانین دیار عرب اور دیگر اسلامی ممالک میں رائج ہیں ان کا جائزہ جہاں ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے وہاں تصنیف کو باضابطہ طور پر مکمل بھی کر دیتا ہے ۔

سید اختر امام، صدر شعبہ عربی، یونیورسٹی آف سیلون، (خط سے اقتباس) ۔

مؤلف نے حسب سابق بڑی محنت اور جزرسی سے اس جلد کا مواد جمع اور مرتب کیا ہے ۔ ۔ ۔ جناب مولف نے انصاف سے کام لیتے ہوئے متعدد مقامات پر موجودہ عائلی قوانین کے خلاف شریعت پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے اور متبادل تجاویز اسلام کی روشنی میں پیش کی ہیں ۔

ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، ستمبر ۱۹۶۸ء

فاضل مرتب نے بڑی دیدہ ریزی، فراست و بصیرت اور ساتھ ہی حدود شریعت کو ملحوظ

رکھتے ہوئے قوانین کی شرح کی ہے اور ایک ایک مسئلہ کو اپنی استطاعت کی حد تک منقح کیا ہے۔

ماہنامہ فاران، کراچی، جولائی ۱۹۶۸ء

پاکستان میں انفرادی طور پر جو کام (اسلامی قانون کے) اس اہم موضوع پر ہورہا ہے اس سلسلہ کی ایک قابل ستائش کوشش زیر تبصرہ کتاب ہے۔ مرتب نے ہر مسئلے کو اس کے اصل عربی ماخذ اور برطانوی ہند و پاکستان کے عدالتی فیصلوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد جس محنت اور عرق ریزی سے دفعہ وار مرتب کیا ہے اس سے اس کتاب کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کتاب نہ صرف ماہرین قانون اور وکلاء کے کام کی ہے بلکہ اس کے مطالعہ سے اردو داں طبقہ کو بھی واقفیت ہوسکتی ہے کہ شریعت کی رو سے مسلمانوں کے عائلی قوانین کیا ہیں۔

ماہنامہ اسلام اور عصرجدید، دہلی۔

انہوں نے جملہ مسائل اور ان کے متعلقات پر قرآن مجید، حدیث و سنت، آثار صحابہ اور آئمہ و مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور ان کو مختلف ابواب میں دفعہ وار مرتب کیا ہے۔ ان کا نقطہ نظر حنفی ہے مگر ہر مسئلہ کے متعلق دوسرے آئمہ اور شیعوں کا مسلک بھی بیان کر دیا ہے۔ بعض مسائل میں جن دوسرے آئمہ کا مسلک قوی نظر آیا، بحث و تمحیص کے بعد اس کو اختیار کیا ہے مگر کسی مسئلہ میں اسلامی ماخذوں سے باہر قدم نہیں نکالا ہے . . . مجموعی حیثیت سے "مجموعہ قوانین اسلام" ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ اور پاکستان میں فتاوی عالمگیری کے بعد اسلامی قوانین کی تدوین کی یہ دوسری کامیاب کوشش ہے جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۶۹ء

کتاب کی افادیت اس بات سے بڑھ گئی ہے کہ انہوں نے دوسرے اسلامی ممالک میں رائج الوقت اسلامی قوانین سے بھی استفادہ کیا ہے اور جہاں ان کے تنقیدی شعور نے رہنمائی کی ہے انہوں نے موجودہ پاکستانی قانون میں ترمیم کی تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ وہ چونکہ مشرقی اور مغربی علوم دونوں میں دستگاہ رکھتے ہیں اس لئے ان کی جچی تلی رائے اہل نظر کے لئے دعوت فکر و تفقہ کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے

(جسٹس) ایس۔ اے۔ رحمن (پیش لفظ)

اس کتاب کے مطالعہ سے مشکل مسائل پر فقہائے اسلام نے جن مختلف نقطہ ہائے نظر سے بحثیں فرمائی ھیں ان کی جامعیت بھی قارئین کے سامنے کھل کر آجائے گی اور جس قدرت ذھنی سے جناب تنزیل الرحمن نے ان پر جرح و تعدیل کی ھے اس سے فاضل مصنف کی علمی اور فکری قوتوں کا اندازہ بھی ھوجاتا ھے۔

(ڈاکٹر) فضل الرحمن، (دیباچہ)

The Author has not contended himself with mere repetition of what each school holds as the correct view. He has thoroughly discussed the implications of each opinion arguing in a sensible and unprejudiced manner the opinions which, according to him, is preferable; giving reasons for his preference. Indeed he has gone further: he has described the law on the subject as it is followed at present in different Muslim countries. including Pakistan. In this particular aspect, his opinions gain their hall-mark of impartiality. While pointing out the faults of the Faimlly Laws Ordinance, promulgated by the Government of Pakistan, he has suggested improvements on a rational basis. His real aim, through his own efforts, can be summed up by saying that he has farmulated Islamic teachings in a way that at no place comes into conflict with the Holy Qur'an and Sunnah and the elucidation of the *Ulama* while at the same time keeping in view the real benefit of Islamic Society........His labours are a real service to the cause of Islam and the Muslims.

Muslimnews International, Karachi.
February, 1969.

جلد سوم

اس کتاب نے اھل علم، عدالتوں اور وکلاء کے لئے اسلامی قوانین اور مذاھب فقہ تک رسائی آسان کردی ھے۔ اس سے کسی مسئلہ میں مختلف مکاتیب فکر کے نقطہ ھائے نظر بھی یک جا معلوم ھو جاتے ھیں اور بہت آسانی سے فقہی مذاھب کا موازنہ بھی کیا جاسکتا ھے۔

ماھنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، مارچ ۱۹۷۰ء

جہاں تک مسائل اور امور زیر بحث کی تحقیق و تنقیح کا تعلق ھے، اس میں شبہ نہیں کہ فاضل مؤلف نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ھے اور اس بنا پر ھند و پاک میں ان کا کام اپنی

نوعیت میں پہلا ہے۔

(مولانا) سعید احمد اکبر آبادی، ماہنامہ برہان، دھلی، مئی ۱۹۷۰ء

مصنف محترم جس شغف و انہماک سے اور اپنی بساط تک کامل حزم و احتیاط سے اس فرض کفایہ کو انجام دے رہے ھیں، وہ لائق تحسین ھی نہیں، سرمایہ صد رشک بھی ہے۔ ھمارے یہاں جو ''احیائے قانون اسلام،، کی کوششیں ھو رھی ھیں، زیر نظر کتاب اس کی طرف ایک مثبت اور ٹھوس قدم ہے۔ ھماری دعا ہے کہ حق تعالی مصنف محترم کو اخلاص کامل عطا فرمائیں اور محض رضائے الہی اور اجر آخرت کے لئے اس اسلامی خدمت کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کی توفیق بخشیں۔

ماھنامہ بینات، کراچی، جولائی ۱۹۷۰ء

فاضل مصنف اس عظیم کام کو سر انجام دے کر پوری امت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہے ھیں۔ ۔ ۔ ۔ فاضل مصنف اس فرض کو جس خلوص اور احساس ذمہ داری سے ادا کر رہے ھیں، وہ قابل ستائش ہے اور باری تعالی کے ھاں اجر عظیم کا مستحق ۔

ماھنامہ ترجمان القرآن، لاھور، ستمبر ۱۹۷۰ء

کتاب کی زبان فقہی اور قانونی ہے، جس مسئلہ کو بھی بیان کیا ہے اس کی تشریح میں ابہام اور ژولیدگی پیدا ھونے نہیں دی۔ اپنی اس کتاب میں جناب تنزیل الرحمن نے حکومت کے رجحان اور رائج الوقت قانون کی پچ نہیں کی، انھیں جس دفعہ میں خامی نظر آئی، اس میں ترمیم کرنے کا پوری جرأت کے ساتھ مشورہ دیا ہے۔ جناب تنزیل الرحمان اس کتاب کی تدوین پر مبارکباد کے مستحق ھیں۔ انھوں نے اپنی استطاعت اور قابلیت کی حد تک تحقیق و تدقیق کا حق ادا کردیا ہے۔

ماھنامہ فاران، کراچی، اکتوبر ۷۰

فاضل مؤلف علمی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت ھیں۔ ان کا اسلامی فقہ کا مطالعہ وسیع ہے اور وہ دیگر اسلامی ممالک میں قانون کے ارتقائی پہلوؤں اور جدید قانونی نظریات سے بھی واقف ھیں اس لئے ان کا انداز نظر اور پیرایہ تحریر متوازن اور حامل احتیاط ہے۔

جسٹس ایس۔ اے۔ رحمن، (حرف آغاز)

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے اس میں کسی خاص اسلامی طبقے یا فرقے کی رائے کا پروپیگنڈہ نہیں کیا ہے بلکہ ہر مسئلہ پر مختلف پہلوؤں اور گوشوں سے غور کیا ہے۔ فقہاء کی مختلف آراء بیان کرنے کے بعد انھوں نے اپنی رائے کا بھی بڑی خوش اسلوبی سے اظہار کیا ہے۔ میں اس کتاب کی اشاعت پر ادارۂ تحقیقات اسلامی اور جناب تنزیل الرحمن صاحب دونوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

جسٹس وحید الدین احمد (پیش لفظ)۔

In Pakistan the first attempt at codification of Shariat law section-wise on modern lines has been made by the scholar-jurist Dr. Tanzilur Rahman, a practising lawyer of Karachi. So far he has completed four Volumes running into some two thousand pages dealing with what is technically termed as Muslim personal law. He has delved deep into every problem referring to authentic original Arabic sources of different schools of thought doing justice to everyone of them. His is a laudable effort and any future legislation to enforce Shariat law in Pakistan is bound to benfit from his critical study of the problems, pains-taking research and comprehensive formulation and suggestions.

Muslimnews International Karachi.
(October, 1972).

جلد چہارم

بلاشبہ دین اسلام کے حقائق و قوانین کی ابدیت اپنی جگہ قطعی یقینی ہے لیکن علماء امت کو قرون اخیرہ میں اس کا زیادہ احساس نہ ہوسکا کہ اسلام کی برتری و فوقیت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ قدیم فقہی ذخیرہ کو جدید قالب میں ڈھالا جائے . . . کہ جدید دور اس کو قبول کرے اور نئی نسل کے دل و دماغ پر اس کا اثر ہو۔ بلاشک یہ تقصیر ہوئی۔

ہمارے ملک میں یہ سہرا ہمارے محترم برادرم جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب کے سر باندھا گیا ہے۔ حق تعالی مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور بقیہ قوانین اسلامیہ کی تکمیل ان کے قلم سے کرائے۔ مؤلف محترم ہر طرح ہماری دعا و تحسین کے مستحق ہیں۔ جو کام عصر حاضر کے ممتاز علماء نہ کر سکے، بہت خوبی سے انجام دیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (تقریظ، ج ۴)

جلد پنجم

کتاب کا ایک بڑا اور معتدبہ حصہ احقر نے لفظاً لفظاً سنا اور باقی حصے کے اہم مباحث اختصار کے ساتھ سنے۔ ماشاءاللہ ہر مسئلہ کو توضیح و تحلیل کے ساتھ کتب فقہ و حدیث کے حوالوں کے ساتھ خوب لکھا ہے۔ میں قانون کی زبان کو جناتی زبان کہا کرتا تھا مگر تنزیل الرحمن صاحب نے اس کی زبان بھی نہایت سلیس بنادی۔

ساتھ ہی ممالک اسلامیہ میں رائج الوقت متعلقہ قوانین کا ذکر بھی تقریباً استیعاب کے ساتھ کیا گیا۔ بر صغیر ہند و پاک کی اعلی عدالتوں کے بعض فیصلے بھی زیر تنقید آئے ہیں۔ یہ سب کام بڑی محنت اور سلیقے اور کافی تحقیق و جستجو کے ساتھ کیا گیا ہے۔

محترم تنزیل الرحمن صاحب نے وصیت واجبہ کے موجودہ مصری قانون پر بھی اچھی تنقید کرکے امت کے اجماعی نقطہ' نظر کو اختیار کیا ہے کہ وصیت کرنا غیر وارث کے لئے مستحب ہے' واجب نہیں اور یہ کہ وصیت بحق وارث شرعاً درست نہیں، اسکا نفاذ سب وارثوں کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے۔ اسی طرح یتیم پوتے پوتیوں اور نواسوں نواسیوں کی میراث کے مسئلہ میں انہوں نے دور ایوبی کے بدنام زمانہ عائلی قوانین آرڈیننس کی متعلقہ دفعہ پر بھرپور تنقید کرکے یہ بات ثابت کی ہے کہ آرڈیننس مذکور کی یہ دفعہ قانون روما اور ہندو دھرم شاستر سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک اسلامی ملک کے لئے انتہائی شرمناک ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ اور معمولی بہ حکم کی خلاف ورزی کرکے امت کو عیسائیوں اور ہندوؤں کے قانون کی پیروی پر مجبور کیا جائے۔

حق تعالی فاضل مصنف کو ان کی کاوش و محنت پر دارین میں جزاء خیر عطا فرماویں اور مجموعہ قوانین اسلام کی باقی جلدوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرماویں۔ اور اس کام کی وجہ سے انہیں جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں، ان کا نعم البدل اپنے خزانہ غیب سے عطا فرماویں۔

آخر میں، میں اس رائے کے اظہار کو ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مجموعہ قوانین انگریزی زبان میں جلد منتقل ہونا چاہئے تاکہ مستشرقین کی آنکھیں کھول سکے اور باہر کی دنیا اسلام کے قوانین سے واقف ہو سکے۔

(مفتی اعظم پاکستان) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (پیش لفظ، جلد ۵)

مجموعہ قوانین اسلام

تفصیل عنوانات ابواب

جلد اول تا پنجم

جلد سوم

قوانین نسب اولاد، حضانت، نفقہ اولاد آبأ و اجداد ہبہ و وقف

جلد چہارم

قانون وصیت

جلد پنجم

قانون وراثت

قیمت مجلدات

جلد اول	۳۰ روپے
جلد دوم	۳۰ روپے
جلد سوم	۳۰ روپے
جلد چہارم	۳۰ روپے
جلد پنجم	۶۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیقات اسلامی پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵

اسلام آباد

پاکستان لاء ہاؤس، کچہری روڈ پاکستان چوک، کراچی ۔

ہماری مطبوعات — مندرجہ ذیل مقامات سے بھی مل سکتی ہیں

اسلام آباد	:	ماڈرن بک ڈپو، آبپارہ مارکیٹ، اسلام آباد۔ آئیڈل بک سنٹر، سوک سنٹر، نزد میلوڈی سینما، اسلام آباد۔
راولپنڈی	:	بک سنٹر، حیدر روڈ نزد سیروز سینما، صدر راولپنڈی۔ اسلامی کتب خانہ نزد جامع مسجد، راولپنڈی۔
دینا	:	سید نیوز ایجنسی دینا، ضلع جہلم۔
ڈیرہ نواب صاحب	:	عبدالغفور شمیم، نیوز ایجنٹ، ڈیرہ نواب صاحب۔
خانیوال	:	کتب خانہ صدیقیہ کچہری بازار، خانیوال۔
سیالکوٹ	:	ملک سٹیشنرز اینڈ بک سیلرز، کمرشل بلڈنگ، ریلوے روڈ، سیالکوٹ۔
کراچی	:	ابومعاویہ پاک اکیڈمی ۱/۱۳۱ وحیدہ آباد کراچی ۱۸۔ پاکستان لا ہاؤس، پاکستان چوک پوسٹ بکس نمبر ۹۰، کراچی۔ عوامی کتب خانہ، نزد بولٹن مارکیٹ، ایم اے جناح روڈ، کراچی ۲۔
لاہور	:	اسلامک بک سروس، ۴۰ اردو بازار لاہور۔ حامد برادرس بک سیلرز، چوک انارکلی لاہور۔ فیروز سنز لمیٹڈ، شاہراہ قائداعظم، لاہور۔ کاشانہ ادب، کچہری روڈ، لاہور۔ سندھ ساگر اکیڈمی، چوک مینار لوہاری گیٹ، لاہور۔ سنگ میل پبلیکیشنز، جلال الدین وقف ہسپتال، سرکلر روڈ، لاہور۔ مکتبہ رشیدیہ، ۲۵۔ شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔
لودھراں	:	خواجہ نیوز ایجنسی، لودھراں ضلع ملتان۔
کوئٹہ	:	گوشۂ ادب سرکلر روڈ، کوئٹہ۔

سرکولیشن منیجر، ادارہ تحقیقات اسلامی، پوسٹ بکس ۱۰۳۵، اسلام آباد۔

ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد کی علمی و تحقیقی کاوشوں میں ایک اہم کوشش یہ ہے کہ اس نے اسلامی قوانین کا ایک مجموعہ اردو میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اب تک اس مجموعے کی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کتاب کی پذیرائی قانون داں طبقے نے ہی نہیں دینی حلقوں نے بھی کی، جو اس بات سے واضح ہے کہ اس مجموعے کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

جلد اوّل: قوانین نکاح، مہر اور نفقۂ زوجہ سے متعلق ہے۔

جلد دوم: قوانین طلاق ، خلع و مبارأت، تفریق اور عدت پر مشتمل ہے۔

جلد سوم: قوانین نسب اولاد و حضانت، نفقۂ اولاد و آباء ، ہبہ اور وقف پر مشتمل ہے۔

جلد چہارم: قانون وصیت سے متعلق ہے۔

جلد پنجم: قانون وراثت اور اس کی جزئیات پر مشتمل ہے۔

جلد ششم: قانون شفعہ اور اس کے متعلقات سے متعلق ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد